

جنت

خدا بخش لائبریری



خدا بخش اورینٹل پبلیک لائبریری

رجسٹریشن نمبر: ۳۳۳۲۲/۷۷
 سالانہ: ۳۰۰ روپے
 شمارہ: ایک سو تین
 ۴۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر غیر مالک

اس شمارے کی قیمت: پچتر روپے

۱۹۹۴ء

مصطفیٰ کمال ہاسٹی نے پاکیزہ انسٹیٹوٹ شاہ گنج پور میں چھپوا کر نوا بخش لاہور کا چھپنے سے شائع کیا۔

فہرست

جلد ۳۳

اردو مسئلہ: ————— ۱-۱۱۲

مقالہ نگار: ۵ — ۷۲

جناب شمس کنول	جناب فرخ جلالی	عابد رضا بیدار
جناب ستیہ لکھراشی	جناب جاوید اشرف	ڈاکٹر مسعود حسین خان
جناب اردن خان شروانی	جناب شفیع عالم	جناب جمن داس اختر
جناب ریحان فنی	پروفیسر محمد حسن	جناب شاہد رام سنگری
جناب غلام سرور	جناب ستیہ ایشم علی	جناب ستیہ حامد
	جناب بیات مدنی	

بحث کے شرکاء: ۷۲ — ۹۳

ڈاکٹر حبیب الرحمن (پٹنہ)	جناب فیض محمد (دہلی)	جناب ابو الفیض محمد (دہلی)
جناب شمس حسن خان (دہلی)	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)	جناب اقبال انصاری (علیگڑھ)
ڈاکٹر ریحان فنی (پٹنہ)	ڈاکٹر محمود الحسن (مراٹھ)	جناب بیات مدنی (پٹنہ)
جناب عبدالمجید خان (پٹنہ)	نوبہت متھان شروانی (علیگڑھ)	جناب ستیہ حامد (دہلی)
جناب فرخ جلالی (علیگڑھ)	ڈاکٹر اخلاق انوار (میرپور)	ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)
پروفیسر محمد حسن (پٹنہ)	ڈاکٹر انصاری (علیگڑھ)	ڈاکٹر رضی الدین احمد تروپتا
جناب سجاد احمد (پٹنہ)	جناب فی رحیم (پٹنہ)	ڈاکٹر سواتی سید (فیض آباد)

جناب اردن رشید دہشتہ،	جناب عبد اللطیف اعظمی (دہلی)	ڈاکٹر سفینہ کسنی (دہلی)
جناب اسلم پرویز (لاہور)	عزیزہ قاضیین حیدر (دہلی)	ڈاکٹر رضوان احمد خان (لاہور)
جناب ابن کریم دہشتہ	ڈاکٹر حفصہ الحسن (لاہور)	جناب شفیع شہیدی (پٹنہ)
جناب جمال عبد اللہ احمد (دہلی)	جناب منظور اکبر (لاہور)	جناب غلام سرور (پٹنہ)
ڈاکٹر حسن حیدر دہشتہ	جناب سید ہاشم علی (ملتان)	ڈاکٹر کمال الدین (درہ اسماعیل)
ڈاکٹر رضوان احمد خان (پٹنہ)	ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)	ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)
جناب شاہد احمد (پٹنہ)	جناب انیس رفیع (لاہور)	ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)
	جناب حبیبہ قرر رانچی	

رسائل کا اشاریہ

• برہان کا اشاریہ ————— ڈاکٹر شائستہ خان ————— ۱۱۳

باز یافت

• ڈاکٹر اخلاق الرحمن فتودانی کی پچاس سال — ڈاکٹر اخلاق الرحمن فتودانی — ۱۹۳
پرائیوٹ دو اردو تحریروں

شیعہ سنی مسئلہ

• نادر شاہ ایرانی اور اتحاد اسلامی ————— ۲۲۱

یادِ ذکر

• برصغیر کے طلبہ معقولات اور انکی تعیناتات — محمد عبدالسلام خاں ————— ۲۳۱

جناح

• محمد علی جناح ————— ایم۔ آر۔ اے۔ بیگ ————— ۲۴۲

ہندو مسلم مسئلہ

• ہندو مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ————— مولوی سرفراز خان (نظامِ اہل بیت) ————— ۳۶۷

انوار

* تفسیر سورہ فاتحہ و اخلاص (ندا بخش خاں) ————— تحفہ مہر الہی ۳۹۵

* انتخاب نمبر ۱: تحریکات انجمن طریعہ صوبہ بہار، ۱۸۹۶ء
 ۲۲۷ ————— سید فرخ جلالی
 لارڈ بیکن کی دو تحریریں (ترجمہ خدا بخش خاں) وغیرہ

صلاح الدین خدا بخش

* عشق کی سوزنا تیں ————— صلاح الدین خدا بخش زاناظر، نومبر ۱۹۱۱ء ۴۳۷

شیعہ سنی مسئلہ

* شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا ایک مکتوب گرامی سید شاہ محمد فخر عالم ————— ۴۳۹

مناظر آسن گیلانی

* کوہِ عشق رسول میں ————— مناظر آسن گیلانی ۴۵۲

تذکرے

* مرآۃ الکاملین / آئینہ کاپی ————— الطاف حسین خاں شروانی ۴۵۵
 ۵۱۲

حصہ انگریزی

* فرنگ ہلالی مرتبہ ڈاکٹر شیخ غلام مقصود ہلالی ————— ترتیب، ڈاکٹر کلیم سہبازی ۱

* عربوں کی تاریخ کے لیے ایک قدیم مأخذ کتاب المودہ فتحہ خدا بخش ————— فریڈ ایم ڈونر ۳۳



اردو مسئلہ

جرمنوں کی آبیاری کا پانیوں پر چھڑکاؤ

حرفے چند

اردو دانشوری پر پٹن میں ۱۹۸۹ء میں ایک انٹرنیشنل سیمینار ہوا۔ اس بار کے دانشوری سیمینار میں اردو زبان کے مسئلے کی بات بھی چھڑی۔ اردو کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ دانشوری کا مسئلہ اس سے بڑی گہرائی کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ہمارے دانشور کس سطح پر اور کس سطح کے ہیں، اردو دانشوری کہاں ہے اور کیسی ہے؟ اس سے بڑی حد تک متعین ہوتا ہے اردو کا مقام اور وہ مسائل جو اردو کو درپیش ہیں۔

اس لیے پہلے خیال یہ تھا کہ اس اردو مسئلے کے مباحث و مقالات کو دانشوری مقالات و مباحث کے ساتھ ہی شائع کیا جائے، لیکن پھر طے یہی ہوا کہ اسے الگ رکھا جانا ہی بہتر ہوگا۔ اس لیے یہ الگ سے پیش کیا جا رہا ہے؛ تاہم ادب کی سطح پر جو اشارہ ہوا وہ ذہن میں رکھ کے مطالعہ کیا جائے اور اردو دانشوری کے مباحث و مقالات (جو الگ مجلہ میں شائع ہو رہے ہیں) بھی پیش نظر میں تو اچھا ہوگا۔

— صاحب

پیشگفتار

اردو مسئلہ پر آپ ہم سے کہیں بہتر لکھنے والے پیشے گفتار کیوں نہ
پڑھیں۔ جگہ گلدیپے نیو صاحب کے ایک بڑے خوبصورت تحریر جو
بہلہ اردو کونٹریٹ (۱۹۸۳ء) کے افتتاحی جلد میں صدارتی خطبہ کے طور سے
پیشے کے گئے تھے:

”میں آج اردو کے ترقی میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اردو زبان کے مطالعے سے
خوبصورتی، الفاظ، شاعری کے ترقی دینے والے ہوتے رہتے ہیں
ہر پلڈے نام سے ہوتے ہیں لیکن اردو کے بنیادی مسئلے پر بات
کم ہوتے ہیں اس لئے میں اردو سے متعلقہ مسئلے میں کچھ باتیں
کہے اردو والوں کو غفلت کے نیند سلائے کے بجائے کچھ کوڑے باتیں
کہنے کے اپنے غفلت سے جگانا پسند کروں گا۔

آج سے پندرہ برس پہلے میں نے پٹنہ شرمیے اردو ایڈیٹر کے کانفرنس سے
میں کچھ باتیں کہے تھے انے باتوں کو میں پیر سے دہرا نا چاہوں
گا۔ میں نے کہا تھا کہ جیسے تاکہ اردو کو اقتصادیات سے نہیں جوڑا جائے گا۔
اسے مستقبل محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اردو زبان کے تعلیم
روڈ سے روزی کے کاڈریو نہیں بنے گئے وہ اسے تیزی سے ترقی
نہیں کر سکے گئے جیسے کہ اسے کرنا چاہیئے۔ بہار میں اسے ملے میں
کچھ پیشے رفتے ہوئے ہیں۔ کچھ علاقوں میں اردو کو دوسرے زبان
کا بعد دیا گیا ہے۔ لیکن زبانیں کسی حکومت یا برسر اقتدار گروہ کے

حدود یا حمایت سے نہ تو ہمت ہے میرے اور نہ ہی وہ مجھ سے زبان سے کو حق نہ کرنے کے
 طاقت رکھتے ہیں۔ اردو کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ اردو دوا
 پورے جذبہ کے ساتھ آگے آئے اور سرکار کے دفتر سے لے کر ہر گھر کے
 کوچے تک اردو کے فروغ کے لئے جدوجہد کریں۔

دوسرے چیز جس کے خلاف ہیں لڑنا ہو گا وہ دشمن ہے کہ اردو صرف
 مسلمانوں کے زبان ہے یہ بات اردو کے دانا دشمن اور نادان
 دوست دونوں سے کہتے ہیں۔ اردو دشمن یہ بات کہہ کر
 زبان کے معاملے کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کے کوشش کرتے ہیں۔
 ہندوستان کے سرزمین سے جنہ لینے والے اسے زبان
 کو فرنگی کے زبان ثابت کرنے کے کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے
 طرف اردو کے نادان دوست اسے مسلمانوں کے زبان کہہ کر اسے
 کے ساتھ ہونے والے قصے اور سخیلے برتاؤ کا رونا روکتے ہیں۔ اگر اردو صرف
 مسلمانوں کے زبان ہوتے تو اردو کا سب سے زیادہ کثیر الاثاعت
 اخبار پنجاب سے شائع نہ ہوتا۔ اگر اردو صرف مسلمانوں کے زبان
 ہوتے تو آج ہندوستان میں اردو پڑھنے پڑھنے والوں کے، تعداد
 دس کروڑ کے قریب ہونے چاہیے تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہے
 اردو کو کسی ایک مذہب یا فرقہ کے ساتھ جوڑنا اردو کے ساتھ بدترین
 دشمنی ہے۔

وہ لوگ جو اردو کے دوست نہیں ہیں جو اردو کے دروازے بند
 رکھنا چاہتے ہیں۔ جو دوسرے زبانوں کے الفاظ کو اردو کا حصہ بناتے
 ہونے ڈرتے ہیں۔ جو فارسی کے زور اور بولنا اور لکھنا اردو کے زندگی کے
 عناصر سمجھتے ہیں۔ میرے ایسے لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ لہذا
 نگر دنیا کے کسی بھی زبان کا ذہن نہیں ہوتا ہے۔ آج کے اردو کے

مقبولیت کے وجہ ہمیں یہ سمجھ کر اسے نے دنیا کے ہر زبان سے بہتر سے بہتر الفاظ بلا بھیجے اپنے دامن سے میں نے سمیٹ لئے نیکونے کچھ عرصہ سے اردو والوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اردو میں کمی کے قسم کے لادے پند نہیں کرتا۔ حالانکہ سچا ڈے یہ ہے کہ جسے یہ لادے کہتے ہیں وہی ہے اردو کے قوت ہے۔ اردو اپنے اندر دوسرے زبانوں کے الفاظ جتنے زیادہ سموئے گئے اتنے ہی اس کے مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔

اردو ہندوستان کے پاکستان کے مشترک زبان ہے۔ آج ہر ایک دوسرے کے قریب آنے کے کوشش کر رہے ہیں۔ ہاتھ ملے میں اردو بہت اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے دو ٹوٹے ٹکڑے کے درمیان نفرت کے چاہے جتنے دیوار سے کھڑے ہو جائے اردو وہ پائے جو نفرت کے دیواروں پر سے گذرتا ہوا ہمیشہ دونوں ملکوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنا رہے گا۔ میں اسے اسے پلے کو قائم رکھنا ہے اسے مشترک سرائے کے حفاظت کرنے ہے۔

آئیے اب ہم اردو اکیڈمی کے بانیوں کے بات کریں۔ آج ہندوستان میں درجنوں اردو اکیڈمیاں اور انجینوں ہیں۔ نیکونے ان اکیڈمیوں میں اردو کیلئے کیا کام ہو رہا ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کچھ سمجھتا نہیں ہے۔ ایسے مضموعات پر ریسرچ کرنے کا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے ادیبوں اور شاعروں کو ایوارڈ جو ادب کے لئے نہیں اردو کے لئے نہیں ہے۔ عوام کے لئے نہیں ہے۔ صرف ایوارڈ حاصل کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ اور کتابیں چھپواتے ہیں۔ جو پیسہ اور انرجی اردو کے فروغ کے لئے خرچ ہونے چاہئے تھے۔ جو پیسہ اردو کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے پر ستاعوامی ادب، بچوں کے کتابیں وغیرہ

شائع کرنے پر خرچ ہونا چاہیے تھا۔ وہ رقم چند اردو فروشوں کے جیب سے چلے جاتے تھے۔ میرے ان اکیڑھویں کے معیار کو بہتر بنانا ہوگا ان کے کاغذات سے رابطہ جڑنا ہوگا۔

آئیے اب اردو ادیبوں اور شاعروں کے ہاتھ کر کے اردو کے فروغ میں اسے مقبول عوامی زبان بنانے میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں کا اہم رول ہے۔ غالب سے لے کر فیض تک اردو شاعرانہ زندگی کا نقشہ برقرار ہے۔ لے کر کرشن کے چند تک اردو شاعروں اور ادیبوں نے اسے عام آدمی کے نظریات، دکھ درد اور روزمرہ کے زندگی کے عکاس بنایا۔ لیکن آج جیسے اردو ادیب اور شاعر عام آدمی سے بالکل کٹ کر رہ گئے ہیں۔ آج اردو کے کہانیاں اور افسانے روزمرہ کے درد کو الفاظ میں نہیں سمیٹتے۔ آج اردو ادیب نہ سماج کے لئے نثر کا کام کرتا ہے اور نہ مرہم کا۔ اس کے باوجود اردو ادیب اور شاعر کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اس کے کتاب میں بکتے نہیں ہیں، آپ عام آدمی کے زبان میں بات کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کے کتاب میں کیسے نہیں لکھتے کیسے آپ کو عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

خدا کے لئے اردو کو محدود مت کیجئے۔ اردو کو خواہ اس کے زبان سے مست بنائیے۔ اردو کو اکیڑھویں اور لائبریری سے باہر نکالے جس کا دل دیہات میں ہو چاہیے۔ اردو نے بازاروں اور گلیوں میں جنم لیا اور وہاں اس کے زبان کے کھمبے نہیں رہے آج آپ اسے گلیوں سے اٹھا کر درباروں میں پہنچانا چاہتے ہیں یہاں اردو کا دم گھٹے جائے گا۔ اسے واپس گلیوں اور بازاروں میں لے جائیے پھر دیکھئے اردو کی پھلتی پھولتی ہے؟

کلا پیپ نیلر کے مختصر مگر ہمہ جہت تحریر گیارہ سالہ بارہ سال کے بعد
 آج بھی تازہ لگتی ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑا ہے نہ اردو مسئلوں میں
 اور نہ اردو والوں کے بے حس میں۔ اردو زندہ ہے تو صرف دو ٹوٹے کے
 سبب؛ اور وہ سبب بھی غنیمت ہے۔ ٹیکٹ یہ منحنی جینا دوسرے کے سہاے
 جینا، اور مثبت طور سے اپنے آپ کچھ نہ کرنا منحنی کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے
 کے لیے کسی کے پاس گھنٹہ آدھ گھنٹہ بھی میسر نہ ہونا اصل مسئلہ ہے۔ اسے
 کے ساتھ اسے بھی چوڑ لیجئے کہ حکومت کے طرف سے جو مالی عنایات و
 عطیات میسر ہوتے وہ بھی اردو کے بجائے اردو والوں کے مالی مسائل
 حل کرنے میں کام آجاتے ہیں اور بس 'لات' عنایات کے مصارف کے
 نگران کے لیے بھی اردو والوں میں زندگی کے کوئی رتق نہیں
 ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خوام اردو مسئلہ سے واقف نہیں ہیں خواہ اسے کو اردو
 سے کوئی غرض نہیں ہے

دیکھتے کیا گزرے ہے قطرے 'پہ' گہر ہونے تک
 آپ مجھے انتظار کیجئے ہم بھی آکر :

رگہ دپے میں جب اتمے شیشے غم تب دیکھے کیا ہو
 ابھی تو تلخی کے کام دہنے کے آزمائش ہے

— ضرب

فہرست

مقالہ نگار: ۵ — ۷۲

عابد رضا بیدار .. جناب سید حامد .. پروفیسر محمد حسن .. جناب سید ظفر انجمی
 ڈاکٹر مسعود حسین خان .. جناب فرخ جلالی .. جناب سید ہاشم علی .. جناب اردن خاں شروانی
 جناب جمن داس اختر .. جناب جاوید اشرف .. جناب بیتاب صدیقی .. جناب ریحان غنی
 جناب شاہد رام بگڑی .. جناب شفیع عالم .. جناب شمس کنول .. جناب غلام سرور

بحث کے شرکاء: ۷۳ — ۹۳

جناب ابو الغیث محمد دہلی، ڈاکٹر اخلاق اثر (محبوبال)، جناب اسلم پرویز (راپچی)، ڈاکٹر اعجاز علی ارشد (پٹنہ)
 جناب اقبال انصاری (علیگ)، ڈاکٹر نصرت اللہ (علیگ)، جناب انوار کریم (پٹنہ)، جناب انیس رفیع (کلکتہ)،
 جناب بیتاب صدیقی (پٹنہ)، جناب تقی رحیم (پٹنہ)، جناب جمال عبدالواحد (دہلی)، جناب بشید قر (راپچی)،
 جناب سید حامد (دہلی)، کامرینہ حبیب الرحمن (پٹنہ)، ڈاکٹر حسن حمید (پٹنہ)، ڈاکٹر حنیف کھنڈی (دہلی)،
 ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)، جناب بشید حسن خاں (دہلی)، ڈاکٹر رضوان احمد خاں (پٹنہ)، ڈاکٹر رضوان احمد خاں (دہلی)،
 ڈاکٹر رضی الدین احمد (دہلی)، ڈاکٹر ریحان غنی (پٹنہ)، جناب شاہد رام بگڑی (پٹنہ)، جناب شفیع شہیدی (پٹنہ)،
 ڈاکٹر طارق سمید (فیض آباد)، جناب عبدالسلام خاں (لاہور)، جناب عبداللطیف اعظمی (دہلی)، جناب غلام سرور (پٹنہ)،
 جناب فضل احمد ریاناؤ آئی جی بہار، جناب فرخ جلالی (علیگ)، قمر قرعہ امین حیدر (دہلی)، ڈاکٹر کمال الدین (درہنگہ)،
 ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)، پروفیسر محمد حسن (پٹنہ)، ڈاکٹر محمد طاہر الحسن (لاہور)، ڈاکٹر محمد حسن (دہلی)،
 ڈاکٹر محمود الحسن (خدا بخش)، جناب مسعود احمد برکاتی (کراچی)، جناب ظہیر لاکا (سری نگر)، ڈاکٹر نسیم اختر (پٹنہ)،
 ندیم حسن خان شروانی (علیگ)، جناب اردن رشید (پٹنہ)، جناب سید ہاشم علی (علیگ) ::

ماں کی ردِ دل۔ جو ذل ہوئے نیلام ہو چکی

اردو میری وہ ماں ہے جس کی ردِ دل پچھلے چالیس سال میں ریزہ ریزہ نیلام ہو رہی ہے۔ میں نیلام پر چڑھی اس ردِ اکواب واپس لینا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ جس جس نے اس ماں کا دودھ پیسا ہے اس سے دودھ اپنا حق مانگ رہا ہے۔

پٹنہ میں ادارہ تحقیقات اردو اور خدا بخش لائبریری کے اہتمام میں منعقد ہونے والی اردو ریسرچ کانگریس میں پچھلے تین برسوں سے اردو مسائل پر غور و فکر کے لیے جو سلسلہ چھڑا ہے، اس بار کی تیسری اردو ریسرچ کانگریس میں ادھر ادھر کے مسائل کو چھوڑ کر براہِ راست بنیادی مسئلوں کو موضوع بحث بنایا گیا۔ پہلا مسئلہ اردو دانشوری کا جائزہ تھا اور دوسرا خود اردو زبان کی بقا کا مسئلہ تھا۔

اردو دانشوری کا جائزہ، یہ خصوصی موضوع اردو دوستوں کو اس امر کی طرف موٹنے اور توجہ دلانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا کہ اب سے پہلے ہمارے لکھنے والے اپنے ارد گرد سارے مسائل پر سوچا کرتے تھے اور اپنی سوچ کو سمجھہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور صرف یہ نہ ہوتا تھا کہ اہل قلم نظمیں غزلیں، افسانے، ادبی تنقیدیں، ادبی تحقیقیں لکھ کر نبٹ جاتیں: سرسید شعرائے دہلی کے احوال لکھتے تھے تو آثار قدیر پر بھی روشنی ڈالتے تھے، اکبر اور فیروز شاہ کی تاریخوں کو بھی مرتب کرتے تھے، معاشرتی مسائل پر بھی قلم اٹھاتے تھے۔ شبلی اگر انیس و دہرہ کا موزن کر کے دیکھتے تو ابعد الطبیعیاتی، فلسفیانہ اور کلامی مسائل پر بھی لکھتے تھے، تاریخ اسلام پر بھی لکھتے تھے، تہذیبی تاریخ کو بھی اپنا موضوع بنا لیتے تھے اور ان علوم کی تمام شاخوں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں اپنا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ آج ویسا کیوں نہیں ہوتا۔ اس پر بھرپور بحث کرنی تھی خاصی بحث ہوئی بھی!

لیکن بات وہیں پر آگئی کہ دانشوری جاندارِ ادب کی پہچان ہے مگر یہ ادب جس زبان کا ادب ہے؟

اس زبان کا حال ہی درگزرگوں ہے، تو ادب میں وہ جان کہاں سے آئے، دانشوری جس سے عبارت ہے! تو، اصل، اہم، بنیادی مسئلہ تو خود اردو زبان کا مسئلہ ہوا! جس پر چالیس سال کی مدت میں ریزہ ریزہ تو سوچا گیا مگر سنجیدگی سے سر جوڑ کر بھرپور انداز میں کبھی بات نہ ہوئی۔ مقصد تھا کہ اس پر کچھ دیر بات ہو کہ ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو جاتا؟ ریسرچ کا گریس نہ یہ اجلاس اس لیے بلایا تھا کہ مجلس لوگ سر جوڑ کر بیٹھیں اور بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے کچھ دیر بات کر سکیں۔ اپنے وقت کی اپنے آرام کی، اور اپنی توانائیوں کی قربانی دیں تاکہ سامنے کے مسائل سے آنکھیں چا کر سکیں اور آنے والی نسلوں کے سامنے ہم کسی جگہ تو سرخرو ہو سکیں۔ اس پر گفتگو کر لیں کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو رہا ہے تو اس میں سرکار کی بستی ہے، باوجود ہم اردو والوں کو سانس لے کر، ٹھہر کر، یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہماری ترجیحات کیا ہیں۔ اس پر گفتگو کر لیں کہ تینوں پرچہ پڑھو کب تک؟ جہیں کب تک سوکھتی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہو لے کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سرمایہ موجودہ ادارے، اداروں کے نگہبان اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران اور سرکار کی تیس کروڑ کی رقم، اردو کے لیے امداد کے مستحقین، زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے! لیکن اس کے بعد نئی نسلوں کا ایک قافلہ بھی تو آئے گا، اور اس کے بعد اردو تہذیب اور اردو زبان اچھی بری جس شکل میں رہی اس کا نام تو تاریخ کا حصہ بنا ہی رہے گا!

پھر براہ راست ایک سوال کا جواب تلاش کرنا تھا کہ: آنے والی تاریخ میں ہم سب اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس مشن کو تقویت دینے کے لیے کیا کر رہے ہیں جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی ہر ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تعمیر کا انحصار ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں کیا یہ اچھا نہیں کہ آج اس وقت ہم اپنے آپ سے سوال کر لیں اور اپنے آپ اپنی سکت بھر کر جواب تلاش کر لیں ایسے جواب جن میں سود و نیاں کے کا دبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچائے گا کچھ سامان کر لیا جائے، وہ تہذیب جو اس ملک کا قابل فخر ورثہ ہے۔

بہت سی باتیں ہوئیں کچھ بھی گئیں۔ ہم لوگ اب جیسے ہی ہیں! ہیں۔ (آرڈر پر بلانے تو نہیں جاسکتا) اس لیے سب کسی قوی مسئلے پر بات ہوتی ہے تو گرمی زیادہ ملتی ہے، روشنی کم۔

اردو مسئلہ میں بنیادی بات اس باصرف اس نکتہ پر کرنی تھی کہ سرکاری نیم سرکاری اردو اداروں اور تنظیموں کو حکومت ہواماد دیتی ہے، اس کے جو جو مصرف ہیں ان میں اس صدی کے بعد بھی اردو پڑھنے والے ملیں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے یا نہیں! اور یہ کہ اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے تو محض بے خیالی ہے یا پھر ان کے دستور میں کوئی کمی ہے۔

اجلاس میں اردو اداروں اور تنظیموں کی قابل لحاظ نمائندگی سے افہام و تفہیم کی فضا قائم رہی، ساتھ ہی اردو تحریک اور اردو ادب کے اہم لوگ بھی جلسے میں موجود تھے۔ تین مرکزی جامعات میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے خود اس چانسلر سید ہاشم علی صاحب تھے۔ جامعہ ملیہ کی نمائندگی اردو کے پروفیسر حنیف کیفی کر رہے تھے، دہلی یونیورسٹی سے ڈاکٹر عبدالحق تھے، انجمن ترقی اردو ہند کے صدر سید حامد صاحب اور جہلی سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم تھے، ساہتیہ اکادمی سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اکادمی کی نمائندگی کر رہے تھے، ترقی اردو بورڈ نے ڈاکٹر ابو محمد سکونہ خانہ بکا کر بجا تھا، اردو اکادمیوں کی نمائندگی سراج الدین صاحب، شاہ مشتاق خاں شین مظفر ٹوہڑی صاحب، ڈاکٹر عبدالاحد صاحب، حفیظ اللہ ٹوہڑی صاحب، علاوہ ازیں بہار اعلیٰ کمیشن کے فائس بیرمین اعلیٰ کمیشن کے رکن کمین، ہمدرد نیشنل فائڈیشن کے ایجوکیشن ایڈوائزر، این سی ای آر ٹی کے مشیر، اردو کنسٹبل کلرپوٹیشن کے اردو مشیر آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن کے (بجی طور سے شریک) ماہرین دس اہم اخبارات کے مدیر اور دو جرنل سے زیادہ اردو مسئلہ سے شغف رکھنے والے مخلص مفکر اور ادیب اجلاس میں شریک رہے۔

اردو کے سلسلے میں جہاں اصل مسئلہ پر باتیں ہوئیں وہاں اردو روٹی روزی کی بات، اردو کے لیے شکر و پرہیز کی بات، پبلک مفاد سے اردو کے رشتہ کی بات، اور ذرا اندر دم الخط کی بات، بھی ہوئی یہ سب اردو مسئلے کی جہات ہیں ادا ان امور پر باتیں کرنی ضروری ہیں۔ شرکاء میں سے بہتوں نے اپنی خاموش گفتگو ان مسائل پر کی تھی۔ لیکن میں سنا نے توجہ مرکوز کرنے اور غیر محدود و محدود بنانے کی عادت نہیں رہی ہے، اس لیے مرکزی خیال کا دامن ہمیشہ ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ جاتا ہے۔ یہاں لوگ اس لیے نہیں جج جوتے تھے کہ سرکار سے کچھ مطالبے کریں۔ جج اس لیے ہوتے تھے کہ اپنے آپ سے کچھ مانگیں۔ مسئلہ اس وقت قطعی یہ نہیں تھا کہ کس ریاست میں قسری اور قسری سرکاری زبان بنوایا جائے، بلکہ صرف اتنا کہ خود اردو والوں کے گھر کی زبان تو یہی رہ جائے! کوئی مالک رام یہ تو نہ کہے کہ اب میرے بعد کچھ دن میں میری کتابوں اور میرے ذخیرے کو استعمال کرنے والا گھروں تو کوئی رہے گا نہیں!

اس لیے اس سارے اندوختے کا کرنا کیا ہے! مسلم یونیورسٹی میں پڑھنے والے بچے کا باپ اس پر تو مغرور کرے کہ میرے بچے کو اردو نہیں آتی، وہ انگریزی یا ہندی میں خط لکھتا ہے۔ میں اردو کی اس قدر کے خلاف رہنا چاہتا ہوں جو ہم خود بنائے ہیں! یہ اس کی تقدی سرفروشت نہیں ہوتی تھی جو ہمارے ہاتھوں لکھی جا رہی ہے!! یو۔ پی اور بہار، دہلی اور حیدرآباد، بمبئی اور ٹونک، بنگلور اور مدیسور کا اردو بولنے والا مسلمان ۱۹۷۱ء کے ہولناک بھرتک بلی غورے پر اب کراچی یا ڈھاکہ کا رخ نہیں کرتا، اس کی یہ کشتیاں جل چکیں! پنجاب اور دہلی کا سکھ، ہند سماچار کا ہندو قادی اور پریم چند سے گیان چند تک کی نسل کے اردو استعمال کرنے والے ان گنت ہندو بھی اپنے گنگا جمنی درخت سے دست بردار ہونے کے لیے کسی طرح تیار نہیں۔ آئندہ نائن ملّا اس تائی جی قافلہ کا تھرا رہی نہیں جو کہ کتاب ہے میں اپنے مذہب سے دست بردار ہو سکتا ہوں، اپنی ماں کی زبان نہیں چھوڑ سکتا! لیکن اردو والے ایک مدت سے بے حسی کا اس بری مزاج شکار ہیں کہ گستاخے کہیں کوئی ایک کڑی ٹوٹ گئی ہے جس سے مکمل عرصہ خیال شکستہ ہو گیا ہے، نتیجہ میں ساری منصوبہ بندی (اول تو منصوبہ بندی ہے ہی کہاں!) جو بھی ہے گستاخ، شکستہ، شکست خوردہ ہے۔

ہماری عرض یہ ہے کہ ابھی اور کچھ نہیں کرنا ہے، صرف مل کے بیٹھنا ہے، بار بار ملنا ہے، جلد جلد ملنا ہے اور اردو کو اس صدی کے بعد بھی باقی رکھنے کا منصوبہ بنالینا ہے۔

اردو مسئلے کے سفر کے پورے پھیلاؤ کو یکدم حل کرنے کی کوشش زیادہ سودمند نہیں۔ میرے خیال میں اس کی چار پانچ منزلیں تقسیم کر کے یہ سفر طے ہو تو کچھ حاصل بھی ہوتا جائے گا اور ہم جھکنے سے بھی بچ جائیں گے۔ اور پہلی منزل ان قلم اردو اداروں (اکادمیوں، بورڈوں، رینل سنٹروں، ریاستی آرگنوں، مرکزی اور ریاستی سرکاری تعلیمی تنظیموں، انجمنوں، اجماعات کے اردو شعبوں) کو اردو کے بنیادی کام کی طرف قطعیت کے ساتھ ایک موڑ دینا ہے تاکہ اس صدی کے بعد بھی ہمارے پڑھنے والے ہیں مل سکیں۔ بس صرف دن پوائنٹ پروگرام لے کر چلا جائے اور اس کے لیے پانچ دہائیوں کی ضرورت ہو تو دس سال لگا دیئے جائیں تاکہ پچھلے چالیس سال کا پراسٹھت ہو سکے۔ اس وقت ایک ہی بنیادی کام ہے۔

اور پھر اس مذکورہ بنیادی کام میں ہر شخص میں کتنا خلوص ہے، یہ بھی بتا چل جائے گا، کیونکہ اس میں ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دینا ہو گا، اسے لے گا کچھ بھی نہیں! اردو کا کاروبار تو بہت ہو چکا اب کچھ بنیادی کام بھی ہو جائے!

گاندھی کی زبان

اردو ہندی کے علاوہ گاندھی کی زبان ہندوستان کی بات بھی چھڑی۔ یہ وہ زبان ہے جو بعضوں کے خیال میں گاڈ سے کی گولی سے مہاتما کے ساتھ ختم ہو چکی۔ کچھ دوست اس سے متفق نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ زبانیں نظریوں عصبیتوں کے ساتھ نہیں چلتیں، بلکہ مفاد کی کوئی بھی چیز صرف اس مفاد کے موافق ہی چل سکتی ہے اور یہ کہ ایک مفاد نے جناتی ہندی کو آہستہ آہستہ روک کر دلیپے، اور اس کے نتیجہ میں ہندوستانی حاوی آتی جا رہی ہے۔

اردو ہندی ہندوستان

ہندوستانی کے حاوی آتے جانے کی بات ایک اور رخ سے بار بار چھڑی کہ فلم، مشاعرہ، ریڈیو سب جگہ وہی آسان زبان استعمال ہو رہی ہے (مارنگ، حبیب الرحمن) بلکہ ایک دوسرے تو یہ بھی سنی کہ اخبارات تک میں یہی زبان حاوی آرہی ہے (شاہد رام بنگری)۔

ان باتوں کے درمیان کچھ صاحبان لفظ ہندوستانی کے بجائے لفظ اردو کا استعمال کر رہے تھے لیکن ظاہر ہے ان کا مطلب بولی سے تھا، زبان سے نہیں۔ اور بولی بغیر رسم الخط میں ہندوستانی کہیں جا سکتی ہے جو فکری رسم الخط میں لکھی جائیں تو اردو اور ناگزی میں لکھی جائیں تو ہندی۔ ذہن میں دھندلکے نہیں رہنے پائیں اس سے کوئی بھی ایسا صاف نہیں ہو پاتا۔ مثلاً یہی ہندوستانی اور اردو کی بات ہے۔ بار بار کہا جاتا ہے کہ فلم اور مشاعرہ کے ذریعہ اردو زندہ ہے، اردو مر نہیں سکتی، اردو گھر گھر پھیل رہی ہے۔ پتا نہیں ہمیں بے وقوفوں کی جنت میں رہنے میں اتنی دلچسپی کیوں ہے۔ بے شک فلم اور مشاعرہ ہی نہیں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زبان بھی وہ ہوتی جا رہی ہے جو عوام سمجھتے ہیں، لیکن یہ تو غوائی بولی کی جیت ہوئی، اردو کہاں سے آگئی۔ یہ تو مہاتما کی جیت ہوئی، جو کہتا تھا آسان زبان ملک کے بڑے حصے کی زبان، ہندوستان کی زبان، ہندوستانی ہے جو دو رسم الخط میں لکھی جاتی ہے مگر ابھی مہاتما کی آدھی جیت ہوئی ہے اور وہ جیت بھی مہاتما کی نہیں بلکہ مفاد کا جبر ہے۔

مہاتما کی شکست خوردگی

مہاتما کی آدمی شکست خوردگی آج بھی قائم ہے، آج بھی اس ملک کی کروڑوں کی آبادی کو گوڑگا بہرا بنانے کا عمل جاری ہے اور جمہوریت کے تمام تر مظاہر کے باوجود اتنی بڑی آبادی کو اس کا رسم الخط دلہا نہیں ملے۔ اس کے لیے آئینی جدوجہد جاری ہے اس جدوجہد کے نتیجہ میں ایک ریاست میں ایک حرکت

اس کے آئین حق کو تسلیم کیا جا چکا ہے جس پر علماءِ مذہب کی جو شکایتیں ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ دور ہو جائیں گی۔ جدوجہد جاری ہے جس کے نتیجے میں اس ریاست میں مزید اچھے نتائج کی امید کی جا سکتی ہے۔ بعض اور ریاستوں میں بھی اردو آبادی اپنے حقوق کی طلب میں آئینی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ لیکن اب ایسا خیال ہونے لگا ہے کہ حق ملے کم نہیں اس لیے حق چھیننے کی بات ہونی چاہئے۔ خصوصاً جب دوسرے سارے راستے آزمائے جا چکے۔ اسی لیے متعدد صاحبوں نے کہا کہ وقت آگیا ہے کہ اردو تحریک کو عوامی تحریک کی شکل میں چلا جائے۔

عوامی تحریک

عوامی تحریک مزور چلے لیکن اس طرح نہیں جس طرح بعض اناقبت اندیش ذاتی اغراض کے لیے جذباتی عوام کو استعمال کر کے اپنا کھیل کھیل جاتے ہیں۔ یہ عوامی تحریک اگر اس طرح چلی کہ بقول ڈاکٹر ارتنگ لسانی اقلیت کو مذہبی اقلیت بنائے پیش کیا گیا کہ اس گمراہ کن طریقے سے شرکوں پر تو بہت سوں کو لے آ سکتے ہیں لیکن سپانی کا راستہ یہ نہیں ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ اردو، برنگالی اور مدراسی مسلمان کی مادری زبان ہے لیکن سچ یہ مزور ہے کہ یوپی اور بہار اور کشمیر اور پنجاب اور ہماچل پردیش اور ہریانہ اور دہلی اور مدھیہ پردیش اور راجستھان اور حیدرآباد اور بنگلور اور میسور کے بہت سے ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں کی زبان اردو ہے۔ سچ یہ نہیں ہے کہ کیرالا کا مسلمان اردو بولتا ہے اردو استعمال کرتا ہے، لیکن یہ سچ مزور ہے کہ یوپی کے متعدد ضلعوں میں اردو ایک بڑی اکثریت کی زبان ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں اور دوسری مذکورہ ریاستوں میں بھی اردو نے ہی حد بندیوں کو ہمیشہ توڑے رکھا ہے۔ اس لیے عوامی تحریک کو اس کا لحاظ رکھنا ہو گا کہ زبان کا مسئلہ مذہبی

مسئلہ یقیناً نہیں ہے۔ گنگا جمن تہذیب کو بچانے کا مسئلہ

غلط فہمی اہل میں کہاں سے ہوئی اس نکتہ کی گرفت سے باتیں غیروم نہیں رہیں گی۔ ہوا یہ کہ آزادی کے بعد بیکایک ایسا لگا کہ صدیوں میں جو ایک ملاح لکھو، ایک گنگا جمن تہذیب اپنے سارے سین مظاہر کے ساتھ ابھر کر دونوں طرف بڑھ کر کئی صدیوں کے ملک کی تعلیم کے ساتھ ایسا لگا بھیجے ہوا میں آگئی پاکستان میں اس لیے اسکے واسطے جگہ نہ تھی کہ پاکستانی نظریہ سازی کی بنیاد اور نقطہ آغاز ہی اس شریک تہذیب کے خلاف تھا اور ہندوستان کے ظلمت پسند طبقہ کے نزدیک اب اس تہذیب کی جگہ یہاں اس لیے نہیں تھی کہ اگر پاکستان کی قوم کو ایک معنوی نظریہ کی بنا پر نئے تہذیب بنانے کا حق تھا جو پنجاب اور سندھ اور پٹا اور کے ہوتے ہوئے جو مہن جو دالو اور ٹہرا اور نکشلا کو

نظر انداز کر سکتی تھی۔ تو ہمیں وہ حق کیوں نہیں پہنچا کہ ایک ہزار سال کے پورے تہذیبی دلوں کی تشکیلات کو اس کے مظاہر کو، اس کے اثرات کو ملکیت سے نہ سہی نئے ہندوستانی سماج سے تو کھرچ کے پھینک دیں!

بہت کوشش کی دوستو! اپنی سی کر کے دیکھو! لیکن ہوا یہ کہ دونوں طرف، نفرت کے لادے میں، نفرت پیدا کرنے والے جلتے چلے گئے۔ ادھر وہ معنوی نظریہ ۲۴ سال قبل کے ۱۹۷۱ء میں اپنی قدرتی موت مر گیا۔ اب ادھر نہ بٹلا ہے! اور یہ بٹارا میں آپ جیسے سمیناروں میں بیٹھ کر نہیں کر پائیں گے، ہم نے آپ سے زیادہ تو انا معنہ کا علم، خاموشی سے فیصلہ لکھنے میں مصروف رہے لیکن ملحد صاحب کے بقول اگر اس فیصلے میں آپ کا کوئی ہاتھ نہ ہوا تو آٹے والی نسلیں آپ کو مسمات نہیں کریں گی۔

زمانہ اپنا فیصلہ لکھتا جا رہا ہے۔ مگر اس کے ہر پیرا گراف کا عنوان کہیں جواہر لال نہرو ہے (جس سے سردار پٹیل نے پوچھا تھا آٹھویں شیعہ دل میں جوار دوڑ رہا ہے ہو کیس کی زبان ہے؟ اور اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کہا تھا سردار یہ میری زبان ہے میری مادری زبان!) کہیں گاندھی (جو کہتا تھا اس ملک کی زبان وہ ہندوستانی ہے جو دو خطوں ناگری اور فارسی رسم خط میں لکھی جاتی ہے) کہیں انڈیا (اردو شاندار اور جاندار زبان ہے، ہماری زبان ہے، اس ملک کی زبان ہے، یہیں پیدا ہوئی یہیں بولی بڑھی اس کا اس دیش پر حق ہے!) کہیں تیج بہادر سپرو کہیں ہوسے ناتھ کنزرو کہیں برجوبن دتا تریہ کیغی کہیں آنند نہرا سن ملہا!۔۔۔ زمانے کے اس فیصلے کے آخری پیرا گراف لکھے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ اب بھی اگر ہم ان کچی کچی سطروں کا ایک معمولی سا حقیعہ عنوان بس نہ بن سکے تو تاریخ ہمارے کلنک کو بھی بھولے گی نہیں اور قیامت تک کے لیے یہ کریڈٹ ہماری نسل کا طرہ امتیاز بن رہا ہے گا کہ ہندوستان کا پبلک مفاد یہاں تک تو خود ہی لے آیا تھا۔۔۔ اس کے بعد اس نسل کو صرف یہ بتانا تھا کہ تہذیبی ورثہ کو فنا کرنے سے پوری قوم باز جاتی ہے پوری قوم ایک بیش قیمت شے سے محروم ہو رہی ہے اور اس کی قیمت جاننے والے یہ بتانے کی زحمت بھی نہیں کرتے کہ کیا قیمتی چیز ہاتھ سے نکل جا رہی ہے۔



ڈاکٹر اگر حسین نے کہا تھا "آزادی کے دس گیارہ برس بعد وہ پلڑوں میں ادارہ تحقیقات اردو کا ایک نالوش کا افتتاح کر رہے تھے، انہوں نے کہا تھا: اور اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ ایک وفادار ہندوستانی شہری کی حیثیت سے مجھے یہ زبان اس زندگی کے پہلے پھولوں اور پروان چڑھنے کی بشارت دیتی ہے جو ہم سب ہندوستانی اپنے آزاد دلیں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس زندگی کی روح کیا ہے؟ اس کی روح ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے کثرت میں وحدت کی تلاش! الگ الگ اور طرح طرح کے عناصر سے ایک بلی جی لنگا جی تہذیب کے بنانے کی آرزو، جو زینت چمن کو گلہائے رنگ رنگ کا نتیجہ جانتی ہے جو رنگ برنگے تمدنی پھولوں کو وحدت قومی شے قوسے میں پرو کر ایسا ہار بنایا جاتی ہے کہ وہ ہار گوند کر انسانیت کی گردن میں ڈالا جائے تو اس کی شو بھا کو بڑھا دے، جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ جسے "زبان" وہ لہو و گل و نسیم جدا جدا "یہ کہنے کی ہمت رکھتی ہے کہ ہر رنگ میں بہا کر کیا اثبات چاہیے، جہاں کل اپنے کو جزو کا رقیب نہیں سمجھتا۔ اس کی طاقت کو اپنا بل جانتی ہے۔ ہندوستانی زندگی کے تمدنی مظاہر میں مجھے یہ روح آرزو زبان سے بڑے ستھرے اور نکھرے ہوئے روپ میں دکھائی دیتی ہے، جتنی ہمارے کی زبان اردو نہ کسی فرق کی زبان ہو، نہ کسی مذہب کی زبان ہو، نہ کسی حکومت کی زیر دستی چلائی ہوئی زبان ہو، نہ کسی خاصیت سے معمور ہو، نہ کسی زبان ہے۔ یہ تو جنما کی بولی ہے! لوگوں کی زبان ہے، آپس کے میل جول کا پھل ہے، سینوں، ٹھٹھیلوں، بازوؤں

منظموں کی ریل پیل میں رلی ہوئی زبان ہے، زندگی کے بیوہ ہار کے کانٹوں میں
 تلی ہوئی زبان ہے، چیزوں کے لین دین کے ساتھ وپاروں کے سین دین کا
 نتیجہ ہے، یہ فقیروں اور مندوں کی زبان ہے جو اپنے پریم سے چھلکتے ہوئے دل
 کی بات اوروں تک پہنچانے کے لیے بے کل تھے اور جن کی من مریں باتیں
 سننے کو عام لوگ کان ٹھکاتے رہتے تھے اسی لیے یہ محبت اور پریم کی زبان ہے، رواداری
 کی زبان ہے، میل ملاپ کی زبان ہے، اس کا دل بھی بڑا ہے اس کی بھولی بھی
 بڑی ہے۔ یے نئے انداز سے جگتی نہیں، نئی بات پر بدگمتی نہیں، لفظوں سے گھنیا قی نہیں
 دچاروں سے چھوت چھات نہیں کرتی۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس اُردو کے یہ گمن خواہ خواہ گارہا ہوں، ان کا ذکر اس لیے
 کرتا ہوں کہ ہمیں جو سماج بنا نا ہے اس میں جوڑنے والی طاقتوں کو ابھارنا ہے،
 توڑنے والی طاقتوں کو دبانا ہے۔ زبان جوڑنے والی طاقت ہے، ہر زبان جوڑتی
 ہے، ہر زبان دلوں سے اپنے کو دوسروں سے الگ کرنے کا آلہ بنا لیتے ہیں، اس پر لڑتے
 ہیں نکلنے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر ہتھیں باندھتے ہیں۔ ایک ہی دس میں ایک
 زبان والا علاقہ دوسری زبان والے علاقے سے ایسا براؤ کرتا ہے جیسے کوئی پرایا دس ہو۔
 یہ سب ہی بھول کی باتیں ہیں اور آج جب کہ دس کو اپنی آواز زندگی کی پہلی کھٹن
 منزل درپیش ہے اتنا دومی از بس ضروری ہے۔ ان جھگڑوں میں بچش کر ہم
 ان خشکوں کا سامنا کیسے کریں گے جو آگے دکھائی دے رہی ہیں۔ اُردو چونکہ دیس کے
 کسی ایک علاقے میں محدود نہیں ہے، ہر جگہ ہی اس کے بدلنے اور سمجھنے والے موجود
 ہیں اس لیے اس کو تو وحدت قومی کے پیدا کرنے میں سب سے آگے ہونا چاہیے لیکن

بکھلی تاریخ نے اس میں بھی بہت کچھ ڈال دیے ہیں۔ کوئی کہتا ہے یہ مسلمانوں کی زبان ہے
 کوئی کہتا ہے یہ پرتگیزی زبان ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ نہ خالی مسلمانوں کی زبان ہے نہ پرتگیزی زبان ہے۔
 اور اچھا مان لو کہ یہ مسلمانوں ہی کی زبان ہوتی تو بھی تو ہماری آواز دھو رہی زندگی میں
 یہ کوئی عیب کی بات نہ ہوتی۔ ہر آدمی جو ہمارے دس میں بسا ہے اسے اپنا دس
 جانتا ہے اس کے دوکان کو بٹاتا ہے، اس کے مطابق چلتا ہے، وہ ہمارا بھائی ہے سناہتی
 ہے دوست ہے، اس کی ترقی ہماری ترقی ہے، اس کی بھلائی میں ہماری بھلائی ہے
 مگر آؤ دو تو خاص مسلمانوں کی زبان ہے بھی نہیں۔

کوئی فہرست نہیں بنائی ہے جو نام اس وقت یاد آگئے وہ لیتا ہوں اور پوچھتا ہوں
 کہ ترجمان ناتھ بھرجوالا پرشاد برقی، رتن ناتھ سرشار، پروفیسر ام چندر، سدرشن، کرشن چنہ
 راجندر سنگھ بیدی، برج بھون ناتھ، نسیم، چکبست، سرور جہاں آبادی، فراق گورکھپوری،
 منشی نوٹکشور، لالہ مری رام صاحب، مخاناہ جاوید، منوہر لال رتشی، دیاندرائن سنگھ کی زبان کو
 کوئی مسلمان کی زبان کیسے بتاتا ہے اور اس نے ان پر مذہبی ٹانگی اور فرقہ پرستی کی تہمت
 کیسے باندھ سکتا ہے؟ جن نے ان میں آریہ سماج کا تمام تر مذہبی لٹریچر موجود ہے اسے مسلمانوں کی

زبان کہ کر ٹانگی اور رنگ نظری کی پرورش کرنا کون سی دیانت ہے؟ کون سی فراست ہے؟ پھر
 اردو نہ بلیوں کی زبان ہے نہ بلیوں کی زبان ہے۔ ذرا دیکھیے تو قدم قدم پر اسکی تہمت لگتی جائیگی۔
 لسانی نقطہ نظر سے اسکی افعال اور حرکات اور عام ضرورت کے اسم سب ہندی ہی ماسکی
 آوازوں پر کان دھریے تو ایران اور عرب کے کوئی رشتہ نہیں ملتا۔ آوازوں کی بہت بڑی

تعداد خاص ہندوستانی ہیں۔ عربی لفظوں میں جو سامی آوازیں آتی ہیں انھیں بھی بل چال میں ہند یا لیا ہی لگائی میں بھی کہ اس کے پروسی ہوتے پر بہت زور دیا جاتا ہے جنوں ہندوستانی آوازوں کے ظاہر کرنے کا اس میں سامان ہی اس میں ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو، ٹو اور کھ کیا پروسی آوازوں کے نشان ہیں؟

دوستو! شاید اس وقت یہاں اردو دوست زیادہ جمع ہوں، آپسے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا فرض ہے کہ اپنی عزیز زبان کی روح کو آپ کی حال میں مسخ نہ ہونے دیں، کوئی اس روح سے ناواقف ہو تو اسے بتائیں کہ یہ روح کیا ہے۔ اس روح کو تازگی بخشیں کہ ایک اچھی سماجی زندگی کے بنانے میں آپ کا ادب کسی اور سے پیچھے نہ ہے۔ زبان اور ادب کا مقابلہ یہ نہیں کہ کسی سے روٹھ گئے، کسی کو بڑا سمجھ لیا، کسی کو دبا دیا، اس میں جیت اس کی ہے جو خدمت کے میدان میں اور دلوں سے بازی لے جائے۔ مقابلہ اس میں کیجیے کہ کس زبان کے گیت قوم کے دل کو بڑھاتے ہیں، کس کا ادب صالح اقدار کی ترویج کا ذریعہ بنتا ہے۔ کون اچھے آدمی، اچھی ریاست اور اچھے سماج کے بنانے میں، اس کو عدل و انصاف، صداقت و امن کی بنیادوں پر مضبوط کرنے میں، غلطی کرنے پر جرات سے ٹوکنے میں، نیکی کو فرائض سے سرائے میں، دماغوں کو تنگ نظری اور تنگدلی کے جاووں سے صاف کرنے میں، علم کی سرحدیں آگے بڑھانے میں، آدمی نے جن سچائیوں کا سراغ لگا لیا ہے، کہیں لگایا ہو کسی نے لگایا ہو، ان سے اپنے ہم وطنوں کے ذہنوں کو منور کرنے میں، جذبہ قومی کو ایک قومی اور ٹوٹر جذبہ بنانے میں، وطن اور اہل وطن کی اچھائیوں اور غموں سے وہ

ذہنی وابستگی اور روحانی وابستگی پیدا کرنے میں جو قومی وفاداری کی جڑ ہے کون زبان دوسری زبانوں سے زیادہ کارگر ہے۔ یہ نیکی کا مقابلہ ہے۔ اس میں جیت اور ہار نہیں ہوتی۔ اس میں مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں اور دوسرے کے آگے بڑھ جانے پر بھی اتنا ہی خوش ہوتے ہیں جتنا خود اپنے آگے نکلنے پر۔

میری التجا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ تاریخی اتفاقات نے اُردو ہندی کے تعلق میں جو گتھیاں سی ڈال دی ہیں وہ اُردو اور ہندی دونوں کے کام کرنے والے اپنی سوجھ بوجھ اور صاف دلی سے اس طرح سلجھائیں گے کہ یاد بھی نہ رہے گا کہ کبھی یہ ابھینیں پیدا بھی ہوئی تھیں۔ محبت سے کہتے ہیں ٹوٹے دل جڑ جاتے ہیں اور الے جڑتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں بال پڑا تھا

دل شکستہ در آں کوے ممکنہ درست

چرخِ مینشناسی کہ از کجا بشکست

میں نے پہلے بھی کہا ہے اُداب بھی کہتا ہوں کہ اُردو کسی طرح ہندی کی رقیب نہیں ہے۔ سب ہندوستانی شہری، ان کی زبان کچھ بھی ہو، دستورِ ہند کے مطابق ہندی کو دیں گی سرکاری زبان مانتے ہیں اور اس کی ترقی میں ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتے ہیں، اُردو والے بھی اس سے باہر نہیں ہیں۔ پھر اُردو ہندی کی رقیب کیسے ہو سکتی ہے۔ وہ بھی ہندوستانی دستور کی تسلیم کی ہوئی قومی زبانوں میں سے ایک ہے اور ہندی سے سب سے قریب ہے۔



شیش محل میں بیٹھ کر اعتراضات کے پتھر اور دھڑ بھینکا بڑی خطرہ طلب بات ہے۔ اردو کی بقا کے متعلق جو سوال اٹھا گیا، اس میں کبھی جنرل فیاضی خطے آجاتے ہیں: اردو کی بقا کا جہاں تک تعلق ہے، ہم کو ہندوستان کے متعلق سوچنا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ پاکستان میں اردو باقی رہے گی۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ وہاں اردو کو دوسری علاقائی زبانوں کے مقابل میں دشوار لوں کا سامنا بھی کرنا پڑا، لیکن پھر بھی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اردو وہاں ترقی کرے گی اور فروغ پائے گی۔ اب ہندوستان میں اردو کی بقا کے کیا امکانات ہیں، اس کے متعلق ویسے تو میں ہمیشہ ایک رجحانی نقطہ نظر رکھتا ہوں لیکن مجھ کو اندیشہ یہ ہے کہ جس رفتار سے اردو زوال پذیر ہے اس وقت ہندوستان میں اگر اسی رفتار سے وہ چلتی رہی تو یہ زیادہ دنوں کی مہمان نہیں ہے، اور اس کے شکار اداپ کو اپنے ملک میں ہر طرف ملتے ہیں، اور جس صوبے سے میرا تعلق ہے وہاں تو تقریباً دو پڑھیان اردو سے بے بہرہ ہو چکی ہیں اور وہ صوبہ اس کا زعم کرتا تھا کہ ہماری زبان گسالی زبان ہے اور اردو کا گھر ہے۔ بہت سی مستثنیات بھی ہیں مل جائیگی، ان مستثنیات کی بنا پر غرض فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اردو کو قبول عام حاصل ہو رہا ہے، یہ بات بھی اپنی جگہ پر ہے لیکن قرائن یہ بھی ہیں کہ اس قبول عام کے باوجود اس کی حیثیت صرف ایک بولی کی رہ جائے گی، زبان کی حیثیت نہیں رہے گی، — ہندی، اردو، ہند آریائی زبان، گودو شاخیں میں اور ان میں مابہ الا تمنا صرف رسم خط ہے؛ اگر رسم خط کو ہم نے مضبوطی کے ساتھ نہیں پکڑا اور رسم خط کی ترویج کی کوشش نہیں کی تو کچھ عرصے کے بعد آپ کی زبان باقی نہیں رہے گی۔ آپ اس بات سے متعلق ضرور ہوجائیں گے کہ ٹیلی ویژن کی زبان، ریڈیو کی زبان اور بعض ہندی اخباروں کی زبان دراصل اردو ہے۔

کسی پیر کے لیے جہاں جڑیں بہت ضروری ہوتی ہیں وہاں اس کی نشوونما کے لیے چٹان بھی درکار ہوتی ہیں، اگر آپ کسی پودے کو پتوں سے محروم کر دیں تو وہ پودا مر جھا جائے گا، کیونکہ پیر کے تنقبے کا سامان نہ صرف جڑوں سے ہوتا ہے بلکہ پتوں سے بڑے پتے پر ہوتا ہے۔ یہ تعلق رسم خط اور زبان کا تعلق، نہ جسم اور مزاج کا تعلق ہے، نہ جسم اور جلد

کا تعلق ہے؛ یہ جسم اور روح کا تعلق ہے اور اگر آپ اس کو اشجار کے سباق میں دیکھنا چاہیں تو رسم خط کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بقیان ہیں۔ اگر زبان کو اصلاً آپ جڑ کہتے ہیں تو رسم خط اس کی پتی ہے اور پتیوں سے آپ کسی بیڑ کو محمد کر دیں تو ذوق آپ کو اندازہ ہوگا کہ بیڑ سے کون سا اور ذہ پڑ زیادہ دفن تک زندہ رہے گا۔ رسم خط کی ضرورت دراصل اس لیے بھی ہے کہ آپ کو حولے کے لیے لوٹنا پڑے گا بار بار۔ تلفظ میں الفاظ اپنا پوجا لہتے چلے جاتے ہیں اور بھر آپ کو یہ انداز ہی نہیں رہ جائے گا کہ لفظ اصلاً کیا تھا۔ ایک میاں آپ کے پاس زبان کا ہے، لکھی ہوئی زبان کا۔

لکھی ہوئی زبان کا اگر ————— میاں زرباقو قاعدہ کچھ دونوں میں قید ہو جائے گا، معذور مسور ہو جائے گا اور تفریح ہو جائے گا۔ طرح طرح سے الفاظ بدل جائیں گے بھر آپ کے پاس کوئی میاں نہیں رہے گا، ان الفاظ کی صحت تلاش کرنے کا۔ جاؤ ردن کا بھی شجرہ رکھا جاتا ہے، الفاظ شجرہ اور شناخت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے رسم خط انتہائی ضروری ہے۔ یہ میں نہیں کہ رہا ہوں کہ ہم نے رسم خط کے لیے کچھ کیا؛ وہ دوسری داستان ہے جس پر میں آؤں گا۔

ہم اس بات کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ ہندی دولے اردو کی طرف متنت ہو رہے ہیں اور تجارتی نقطہ نظر سے ہندی کتابیں ناگری رسم خط میں منتقل ہوتی ہیں تو اس کا اثر بھی اور نتیجہ بھی وہی ہوتا جو ادب کے نقطہ نظر سے منتقل ہونے کی صورت میں ہوتا۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں اور دونوں ایک مانگ کی تشفی کر رہے ہیں لہذا ہم کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے، اس سے یہ نتیجہ تو ہرگز نہیں نکلتا کہ ہم اردو رسم خط کو چھوڑ کر اپنی توجہ اردو کی کتابوں کو ناگری رسم خط میں چھپانے پر صرف کر دیں۔ جناب سید ہاشم علی صاحب نے دراصل یہ فرمایا، انھوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کو اردو رسم الخط ترک کر کے ناگری رسم الخط اختیار کر لینا چاہیے، انھوں نے یہ کہا تھا کہ جہاں تک کہ فارسی رسم الخط ہے اس کو ہمیں برقرار رکھنا چاہیے اور ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو فارسی رسم خط سے ناواقف ہیں، ان کتابوں کو ناگری رسم الخط میں بھی منتقل کرنے میں ہیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

ہم ہندی گریں گمان لوگوں کی کوششوں کی جو دوسری زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ادب کو اپنے رسم خط میں منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں اس پر اتفاق دلانے ہونا چاہیے کیونکہ ہم ہندی گریں ہیں اپنے ہندی کے بھائیوں کی۔ اور انہیں ترقی اردو نے تو بڑی واضح پالیسی یہ اپنائی ہے کہ ہم ہندوستان کی دوسری زبانوں کے اہل قلم کے ساتھ رابطہ استوار کریں گے اور کوشش یہ کریں گے کہ ان کی کتابیں ان کے شامکار ہماری زبانوں میں منتقل ہوں اور ان سے قلع کریں کہ وہ ہماری کتابوں کو اپنی زبان میں منتقل کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ اردو کا سرمایہ صرف عربی ہے۔

اردو کے پاس اور بھی ادب عالیہ ہے جس کو منتقل کرنا اردو زبان کے حق میں ہوگا اور اردو زبان کے متعلق جو تاثرات ہیں ہمارے اہل وطن کے، ان تاثرات کی تصحیح بھی اس طور پر ممکن ہوگی کہ ہم اپنے ادب کو بھی دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کی کوشش کریں۔ ہندی کا جہاں تک تعلق ہے، یہ کہا گیا ہے، حال ہی میں کئی اردو کی مقامات پر کہا گیا ہے، یہ ایک غماز سا ہے اگر ہندی یا اردو واسے یہ سمجھیں کہ ہندی سے اردو کی نقابت ہے تو یہ ایک غلطی ہے اس دور کا جب اردو اور ہندی میں مقابلہ ہو رہا تھا ہندوستان کے رابطے کی زبان بننے کا۔ یہ مقابلہ ختم ہوا اور اردو والوں نے خوش دلی کے ساتھ ہندی کی بالادستی کو اس ضمن میں تسلیم کر لیا اور ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اب یہ مقابلہ ہے ہی نہیں، اب مقابلہ ہے کہ اردو زبان اپنی ساری خصوصیات، اپنے رسم خط، اپنے لوب کے ساتھ ترقی کرے، اس ترقی کے لیے ہم نے کیا کوشش کی یہ داستان دراصل بڑا تنگ ہے جیسا کہ ایک صاحب نے کہا کہ اردو اگر زندہ رہے گی تو ہمارے گھروں میں زندہ رہے گی اور اپنے گھروں کا نقشہ ہم دیکھ لیں گے۔ بہت کم اردو کے اہل قلم ایسے ہیں جو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا بچہ اردو جانتا ہے۔ تو کم و سب سے بڑا علاج اس بے بسی اور بے تعلق کا کرنا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے، ایک دوسرے متوجہ ہو کر کہ اردو کے لیے تین محاذ ہیں اردو کی جدوجہد کے، اور میں دہراؤں گا اس بات کو مگر اختصار کے ساتھ۔

ایک محاذ تو آئینی محاذ ہے جس پر ہمارے اردو والوں نے دلچسپی لی اور خط کے فضل سے انھیں کامیابی حاصل ہوئی، ہندوستان بھر میں اس محاذ پر اردو والوں کو سرگرم عمل ہونا چاہیے۔

دوسرا محاذ یہ ہے کہ ہم ہندی والوں سے بالخصوص رابطہ چھانیں اور ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں، ہندی والوں کو جلد یا بدیر یہ احساس ہو کر رہے گا کہ اردو سے قرب میں ان کے لیے توانائی کے ذخائر ستور ہیں۔ یعنی اگر اردو اور ہندی ساتھ ساتھ چلتی ہیں اولین دین کا سلسلہ اردو اور ہندی کا برابر چلتا ہے تو ہندی زبان یقیناً توانا ہوگی اور اردو بھی اگر ہندی سے الفاظ لے گی تو اردو زبان بھی تنول ہوگی۔ ہم کو تو یہ احساس ہے لیکن ہندی والوں کو یہ احساس نہیں ہے کہ اردو زبان میں ملاقات اور توانائی، روانی اور شگفتگی کے اتنے ذخائر جمع ہیں۔ ان کو کچھ مبہم احساس ہے، اس بات کو واضح طور پر کسی ہندی دانے نے غالباً نہیں کہا ہے کہ اردو سے ہم کسب فیض کر سکتے ہیں اور یہ ہوگا جلد یا بدیر ہوگا، لیکن غور فرمائیے کہ ہمارا اس میں کیا رول ہوگا اگر ہم صرف ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائیں اور یہ جین کر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ ہندی والے اور دوسری زبانیں اردو کی پذیرائی کریں گی اپنے گھر میں اس کو جگہ دے کر تو ہم نے کیا کیا، ہم نے کیا تیرا، اردو والوں نے اردو کے ساتھ حق دنا کہاں ادا کیا، اگر رفتار زمانہ پر چھوڑتے ہیں تو یہ دوسرا محاذ رابطے کا تھا، ابتلے وطن کو قریب لانے کا، دوسری زبانوں سے بالعموم اور ہندی زبان سے بالخصوص۔

تیسرا محاذ جو میری دانست میں سب سے اہم محاذ ہے اور جس پر رتی برابر کام نہیں ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں تک ہم اردو منتقل کریں؛ یہ بنیادی اور محسوس بات ہے، اس کے علاوہ جو کچھ بھی باتیں ہم کریں گے ان کے نتائج صفر ہوں گے۔ ہیں سب سے بڑا کام یہ کرنا ہے، یہ کام کوئی دشوار نہیں ہے، بغیر کسی صوفے کے یہ کام ہو سکتا ہے کہ والدین اپنے بچوں تک اردو زبان منتقل کریں اور ہمسائے اپنے ہمسائے کے بچوں کو اردو پڑھائیں۔ یہ کام بہت آسانی سے ہو سکتا ہے، بشرطیکہ شوق اور لگن اس سلسلے میں ہم پیدا کر سکیں اور یہ لگن اگر کم ہے پیدا نہیں کی تو ان شکایتوں اور منصوبوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اور ایک بات میں عرض کر دینا گا۔ ایک اہم چیز جو تھی ہے احساس زبانی؛ کہ ہمارا نقصان ہوا ہے، اگر یہ احساس نہیں ہے کہ ہمارا نقصان ہوا ہے تب تو ہم کوئی قدم آگے نہیں بڑھائیں گے۔ اور اگر یہ احساس ہونے کے بعد اس احساس زبانی کو ہم اپنے سینے سے لگائے رہے، اور ہم نے مل کی طرف کوئی قدم نہیں بڑھایا، تو یہ احساس زیادہ محترم نہیں رہتا۔ یہ ماسور بن جاتا ہے اور عملی طاقت بالکل سلب ہو جاتی ہے؛ اس وقت ہمارا عالم یہی ہے کہ ہم اردو کے متعلق کہتے ہیں کہ اردو میری رہی ہے لیکن کوئی عملی قدم کسی قسم کا اردو کے سلسلے میں سوائے آپ کے صوبے ہمارے جہاں کام ہوا، بہار میں دوسری سرکاری زبان کا مطالبہ منوالیا گیا، اس کے علاوہ کوئی بڑا کام کوئی چھوٹا کام اردو کے سلسلے کا ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا ہے۔

اردو ادب کے سلسلے میں، ہندوستان کی دوسری زبان کے ادب پر میری گہری نظر نہیں ہے، لیکن سرسری نظر میں نے ڈال لی ہے۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ اردو والے اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، ازمنہ تو یہ کچھ عرصے تک رہے گی، لیکن جب محوِ رسم خط کا ختم ہو گیا، حوالہ نہیں رہا، استناد کے لیے کوئی معیار نہیں رہا تو اس کے بعد زبان اپنے سانچے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ زبان بکھر جائے گی۔

ہم خیر مقدم کرتے ہیں اپنے ان بھائیوں کا جو ہماری زبان کو اپنے رسم خط میں شائع کر رہے ہیں لیکن اس خیر مقدم کے ضمن سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہونی چاہیے کہ ہم کو اپنی زبان کے تحفظ کے لیے جدوجہد بالکل ترک کر دینی چاہیے۔ یہ میں رعایت کر کے کہ رہا ہوں اپنی اور آپ کی، در نہ کوئی قابلِ لحاظ جدوجہد دراصل ہم کر نہیں پا رہے ہیں۔



میں نے اردو کو مردہ زبان کہا ہے، اس پر بلا چراغ پائیں۔ میں نے جو کہا ہے اسے دلیل کے ساتھ غلط ثابت کیجئے۔ ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے عربی اردو جانتا تھا اور مختاری۔ وکیل کے کھربار کی زبان اردو تھی اور فاضل نج بھی اپنے فیصلے اردو میں لکھتا تھا۔ مگر آج کوئی مول بھی اردو زبان میں عرضی نہیں دے سکتا۔ سینما کے پوسٹر اردو میں چھپتے تھے۔ پردے پر فلم کا نام بھی اردو میں آتا تھا۔ فلم کے تمام مکالمے اور نغمے بھی اردو ہی میں لکھے جاتے تھے۔ اسی لیے پارسی پروڈیوسر کرڈیشیر ایرانی کے حکم پر سلوچنا جی سی ہون کو اردو زبان سیکھنا پڑی تھی اور ہر اب مودی کی ہدایت پر اینگلو انڈین ایکٹر تمام آٹھ اردو ٹیوشن رکھنے پر مجبور ہوا تھا۔ لیکن آج گیت بھی ہندی میں لکھے جاتے ہیں، اور مکالمے بھی ہندی میں کہانی کا مسودہ بھی ہندی ہی میں قلم بند کیا جاتا ہے۔ پوری فلمی دنیا سے اردو ختم ہو چکی ہے۔ کبھی کچھ رویوں اور ٹیوشن پلٹیوں کے ہر دفتر میں اردو پڑھے لکھے ہی رکھے جاتے تھے۔ حد یہ کہ فون کی زبان بھی اردو ہی تھی جو رومن رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ خرابی کی ریٹ اور تھانیدار کا روزنامہ اردو ہی میں قلم بند کیے جاتے تھے، یعنی ملازمت چھوٹی ہو یا بڑی اردو جاتے بغیر نہیں ملتی تھی۔ لیکن آج اردو جلنے والا احساس جرم میں مبتلا ہے۔ ایک دکاندار اپنی دکان کا حساب بھی اردو میں نہیں لکھ سکتا۔ شمع میگزن کی تعداد اشاعت کبھی ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی، مگر آج بہت کم ہے۔ رحمان زیر حسیا کا سیلاب کا ردیاری انسان اپنی نور چشمی روٹی کو سر نہ نفعت کی طرح کسی کو دے دینے پر مجبور ہوا مگر گو دہلنے والا بھی اسے زندہ نہ رکھ سکا۔

اگر اردو زندہ ہوتی تو دی اردو اکادمی کے آرگن الجوان اردو کو ہر برس آٹھ دس لاکھ روپے کا خسارہ نہ ہوتا۔

اگر اس کے بعد بھی یہ

جاننا چاہتے ہیں کہ اردو زبان ہندستان میں کس حد تک زندہ ہے تو فروری ۱۹۹۴ء کے کتاب نمائیں سید ظفر ہاشمی کا جہان ادارہ پڑھیے۔

ان لوگوں کے بھکائے میں مت آئیے جو شاعروں کو کامیابی سے اردو کی درازی غر کو ناپتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آج کے شاعر، شاعری نہیں نوشکیاں ہوتے ہیں اور ان نو شکلیوں کے آدے سے زیادہ گویے اپنے نغمے دیوانگری ہی میں لکھ کر لاتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر آج شاعروں میں معاوضہ ملنا بند ہو جائے تو کل ہی سے کتنے ہی

بشیر بدر اور عنوان چشتی شاعری تیاگ کر اپنے اپنے گھر جا بیٹھیں گے۔

بات معترضہ ہے مگر تنقید گئی سے سنئے۔ مذہب پیغمبری دین ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے لیے حکومت کی سرپرستی ناگزیر ہوتی ہے اور مولوی پنڈت یا پادری، سنت سادو یا صوفی اپنی تسلیخ کے ذریعہ اُسے فروغ دیتے ہیں۔ اسی طرح زبان عوام بناتے ہیں مگر حکومت اسے زندہ رکھتی ہے۔

میں نے اپنے ملک کے سیکولرائٹین کے زعم میں اردو قلم کاری کو اپنا شغل اور پیشہ بنایا تھا اور اپنی آبائی جائداد کو ٹھکرا دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ گاندھی کے اس دیشن میں اردو زندہ رہے گی لیکن بمبئی میں تیس برس دو ماہ اور ۲۰ دن گزارنے کے باوجود میں اپنے فارغ بال سر کے لیے ۱۰-۱۰ کی ایک چھوٹی سی چھت بھی تعمیر نہ کر سکا اور آخر پچا ہو کر اپنی ٹھکرائی ہوئی جائداد کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ میں نے کسی اردو ناخن یا اکادمی سے اپنا حق طلب کیا ہو، مگر اپنے حق کے لیے گڑگڑایا کبھی نہیں۔ اس لیے کہ ان کرسیوں پر جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ سب —

ہی مجھ سے جوئیر ہیں۔

(”قومی آواز“ ۱۹ فروری ۱۹۹۳ء)

جناب سید نصر شاہی
۱۔ شاہ عالم ہاؤسنگ سوسائٹی
چندولایک، احمد آباد، گجرات



موجودہ ہندوستان میں اردو کی حالت زار کا مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر جائزہ لیا جائے اور وہ بات خدا کو حاضر و ناظر جان کر صاف صاف کہہ دی جائے جو ہر ایک کے دل میں ہے تو نتیجہ عام خیال سے بالکل مختلف نکلے گا۔ اردو کے بارے میں چاروں سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی شخصیتیں جس قسم کیے بیانات دیتی رہتی ہیں وہ عموماً مصلحت کے مارے ہوئے ہیں۔ حقیقت ہے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ آیسویں صدی اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں یہ بات سچ تھی کہ اردو ہندوستان کے ایک بڑے طبقے کی زبان تھی۔ اُس طبقے میں مسلمان بھی تھے ہندو بھی تھے اور سکھ بھی تھے۔ سبھی اردو پڑھتے تھے لکھتے تھے اور بولتے تھے۔ مولوی کریم بخش ہوں یا رام اوتار تھواری یا کرتار سنگھ یا پریم کمار نارنگ سب اردو لکھتے تھے اور سکھوں کے بچے مدرسوں اور اسکولوں میں اردو پڑھتے تھے۔ اردو پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ اُس سے پہلو ہتی کر جانا ناممکن تھا۔ اُسی نفاذ نے ہر فرقے میں اردو کے تیز فاعلوں، شاعروں اور ادیبوں کو پیدا کیا۔ اُن دنوں اردو گلیوں اور بازاروں میں، دفاتروں اور کافوں میں، میلوں اور میٹروں میں، گھروں اور محلوں میں، محفلوں اور تقریروں میں، محلوں اور محلوں میں، اٹھلاقی پھرتی تھی۔ یہ واحد زبان تھی جسے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی نمایندگی کا فخر حاصل تھا۔ جس کا کوئی مذہب و تہذیب جو کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی اور نہ ہی ایک زبان تھی جس کا مزاج صریح معنوں میں سیکورر تھا اور ہندوستان کے مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔

لیکن آزادی کے بعد ہندوستان کا نقشہ ہی نہیں بدلا گئی دوسری تبدیلیاں بھی آئیں۔ اُن میں ایک اہم تبدیلی یہ بھی تھی کہ اردو کو دیس نکال لایا گیا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ ہندوستان کے وہ مسلمان جو ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے وہ اپنے ساتھ اردو بھی لے گئے۔ اس لیے اردو اب ہندوستان میں باقی نہیں رہی۔ تقسیم کے حادثے نے جس نفرت اور تلخ کو جنم دیا اس کا اثر اردو پر سب سے زیادہ مست پڑا۔ شمالی ہند کے ہندوؤں نے ہندی اپنائی، پنجابیوں پر ہندی لاد دی گئی

دوسرے صوبے مقامی زبانوں کے قول میں سمٹ گئے اور باشیچ اپنی اپنی دیکھ کے مصلحتی سبھی اپنی زبانیں لے کر بیٹھ گئے اور اردو کو سب بھول گئے۔ اردو گلیوں اور بازاروں سے دفتروں اور دکانوں سے، میلوں اور ٹھیلوں سے، اسکولوں اور کالجوں سے بھاگ کر نشتی لگتی ہے۔ آبرو ہوتی مسجدوں اور دینی مدرسوں میں پناہ گزین ہو گئی کیونکہ اس کا اپنا کوئی صوبہ نہ تھا۔ کشمیر تھا لیکن ہائے کشمیر تیرا بھی کیا مقدمہ ہے۔

یہی حقیقت ہے باقی سب معلوم، مطلب پرستی دھوکہ فریب اور جھوٹ ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے حوالے سے اردو کے مقام کا تعین آج نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت اردو رام اوتار تیسواری بھی پڑھتے تھے۔ گرتا رسنگھ بھی پڑھتے تھے اور پریم کمار ناننگ بھی، اس لئے اردو ان سب کی زبان تھی۔ گلے گلے تھی۔ وہ سب اردو کے پرستار تھے۔ دل و جاں سے چلانے والے لوگ تھے۔ ان کی شخصیت پر اردو کی گہری چھاپ تھی اور ان کے گھروں میں ان کی محفلوں میں اردو کی گھن گرج تھی۔ اس وقت یقیناً اردو کا کسی خاص مذہب یا فرقے سے تعلق نہ تھا۔ اس وقت اگر ہم فکر کرتے تھے کہ اردو ہماری مشترکہ تہذیب کی غائندہ ہے۔ ہماری گزرا جمن تہذیب کا مظہر ہے، ہماری ملی علی روایت کا ایک حصہ ہے۔ ہم سب کی وراثت ہے اور ہمارے وجود کا ایک حصہ ہے، اسے مذہب یا فرقے میں بانٹا نہیں جاسکتا، اس پر سب کا حق ہے اسی طرح جس طرح اس دھرتی پر سب کا حق ہے۔ تو یہ بات غلط نہ تھی، لیکن کب تک پیرم سلطان بود کا غرہ لگا یا جائے گا، کب تک خوابوں کے جزیرے میں مت غلامی جاری رہے گی۔ کب تک تاریخ کے سنہرے اوراق سے جھانک جھانک کر خوبصورت چہرے پر نشانہ پڑتے رہیں گے اور کب تک اس حقیقت سے آنکھیں بند رکھیں گے کہ ہندوستان میں اردو اب سب کی زبان نہیں رہی اور یہ صرف مسلمانوں کی زبان بن گئی ہے۔

یڈروں کی بات چھوڑیے کہ وہ حتی بات کبھی نہیں کہتے۔ ان ادیبوں کو بھی چھوڑیے جو اکبر میوں اور سرکاری اداروں میں کھسے بیٹھے ہیں۔ اور طرح طرح کی سرکاری مراعات، انعامات اور اعزازات حاصل کر رہے ہیں ان کتب سالدوں کو بھی چھوڑیے جو کتابوں پر کت ابیر لکھ لکھ کر اپنے لیے ہاتھوں سے سکڑی اداروں میں بھاری قیمتوں پر ڈھکیل دیتے ہیں جہاں پڑی وہ مٹتی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اردو کو آج بھی ایسی زبان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو سب کی زبان ہے اور جس کا تعلق کسی خاص فرقے سے نہیں ہے تاکہ ان کے نام نہاد کیکولرزم کا بھگم قائم رہے اور وہ اس کے طفیل سرکاری مراعات، اعزازات اور انعامات سے شرفیاب ہوتے رہیں۔ لیکن ان لوگوں سے پوچھیے جو تھڑا کلاس ہوٹلوں اور چائے خانوں میں تہذیبی کنونشن اور کرسیوں پر اکڑوں بیٹھے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں اردو کا اخبار یا رسالہ ہوتا ہے، جو چند صفحات میں رہتے ہیں جن کے طاقوں پر قرآن شریف بڑے سلیقے سے جزدان میں لپیٹا رکھا ہوتا ہے اور نیچے ٹوٹی ہوئی نیزہ جیڑا ایک طرف لے کر خالوں، واجدہ تبسم، علامہ راشد الخیری، صادق سہوگل اور مولانا عبدالمیلہ شکر کے ناول ہوتے ہیں اور دوسری طرف آسان نماز، بہشتی زیور اور

شاہ نامہ اسلام دھرا ہوتا ہے جنہیں چراغ کی مثلثاں روشنی میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے اُن لوگوں سے پوچھیے تو وہ بھی کہیں گے کہ اُردو اُن کی زبان ہے۔ اسی لیے وہ لوگ اپنے بچوں کو اُردو اسکولوں میں بھیجتے ہیں تاکہ وہ اپنی زبان سیکھ سکیں اور اس کے ذریعہ وہ اپنے مذہب اور اپنی ثقافت سے واقف ہو سکیں۔ اُردو ان کے لیے سائنات کا پتارہ نہیں اور نہ ہی سائنات کا کوڈ جس پر بیٹھ کر وہ اندرونی بیماریاں اور خرافات سے فارغ ہو سکیں نہ انہیں تنقید کے اگا لداں میں دلچسپی ہے اور نہ ہی تجربہ ریت کی مادی دوسری شعری و نثری تحریروں میں انہیں اُس اُردو میں دلچسپی ہے جو اُن کے بچے پڑھتے ہیں۔ اُس اُردو میں دلچسپی ہے جس میں آسان نماز ہے، پیغمبروں اور رسولوں کے احکامات ہیں۔ بزرگوں کے ملفوظات اور مخطوطات ہیں، درویشوں اور فقیروں کی حکایتیں ہیں۔ اُن کہا نیوں اور ناولوں میں دلچسپی ہے جن سے اُن کے اخلاق مدھرتے ہیں۔ ذاتی سکون ملتا ہے اور زندہ رہنے کی انگ تیسر ہوتی ہے۔ اُن فلموں اور غزلوں میں دلچسپی ہے جس کی نمکلی سے اُن کے دلوں میں گرما ہٹ پیدا ہوتی ہے اور جہروں پر سرفی اور آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ اُردو انہیں لوگوں کی زبان ہے۔ لیکن افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اُردو پڑھتے ہی لوگ ہیں اور فیصلے وہ کرتے ہیں جن کے بچے انگریزی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جن کے ڈرائنگ روموں میں مکمل میز پر انگریزی کے رسلے اور کتا ہیں ہوتی ہیں اور ڈسکی شیلف میں سائنات سائنات اور تنقید کی کتا ہیں بڑے پلٹے سے رکھی رہتی ہیں اور قرآن شریف اور ہشتی زبور (اگر وہ مکان ان کتابوں کا ہے تو اس کس میں بند رہتا ہے جو اُن کی محترم جہیز میں ملائی تھیں۔ یہ کون ہوتے ہیں کہنے والے کہ اُردو سب کی زبان ہے۔ اُردو اُن کی زبان بھلا کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے بچے اُردو کی الف بے سے ناواقف ہیں، اُردو کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اُردو پڑھنے والے بچوں کو کمتر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔ اُس قوم کو ذلیل اور گرا ہوا سمجھتے ہیں جو اُردو کو پستی لکھتی اور پڑھتی ہے۔ جو اُردو اسکولوں کا مذاق اڑاتے ہیں — ایک مرتبہ ہمارے ایک ملاقاتی نے اپنا صاف ستھرا کھایا پیا گدرا یا ہاتھ ہوا میں لہر کر بڑے جوش میں کہا۔ ”ان جھونپڑے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اُردو پڑھائیں۔“ ہم نے پوچھا کیوں بھتا۔ کیوں یہ جھونپڑے والے ہی کیوں آپ کیوں نہیں بولے ”اس لیے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو انگریزی اسکولوں میں نہیں بھیج سکتے۔ تو کم از کم اُردو اسکولوں میں تو بھیجیں؟“ یہی ذہنیت ہر اس شخص کی ہے جو مدلل کلاس سے لے کر اچھ موٹ کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ سب سہی چاہتے ہیں کہ اُردو پچھلے طبقے کے لوگ پڑھیں اور وہ اُن کے لیے کوڈ اور اگا لداں بنائیں۔ لیکن ان پچھلے طبقے کے لوگوں کو کوڈ اور اگا لداں کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ٹاٹ کے پردے کے پیچھے بیٹھ بیٹھ، انجلا میں، جھاڑوں کی اوٹ میں یا سلم کوڑوں کے قدموں میں اپنے عجائبات کھاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں ٹوٹ دیتے ہیں۔ میں ملاؤں کی بات کر رہا ہوں۔ اور یہی مدلل کلاس سے لے کر اچھ موٹ کلاس اُردو کو اپنی

زبان کہتے ہوئے شرماتا ہے۔ کس بلی بڑھتے پر کہے کہ اردو اس کی زبان ہے۔ مخصوص حالات کے دھارے میں بہ کر اتفاقاً اردو تو اس نے سیکھ لی ہے۔ بڑا ادیب بھی بن گیا ہے۔ جڑا ادیب بھی پیدا کر رہا ہے اور اکثر بڑوں پیدا کر رہا ہے لیکن اب وہ نہیں چاہتا کہ اس کی نئی نسل بھی اس مقبوض زبان سے رشتہ استوار کرے۔ اسی غلبت سے بچنے کے لیے یہ طبقہ غیر مسلموں کو بھی ساتھ رکھتا ہے اور دونوں مل کر غرور بلند کرتے ہیں کہ اردو کسی ایک فرقے کی زبان نہیں۔ اکثر وہ یہ کہہ دے کہ اردو اب ہندوستان میں صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو وہ مراعات انعامات اور اعزازات جو انھیں سرکار سے مل رہے ہیں ختم ہو جائیں گے۔ انھیں اسی کام پر لگایا گیا ہے کہ وہ اردو کے ساتھ منافقت کرتے رہیں۔ یہ وہ ایجنٹ ہیں جنھیں اردو دشمن حکومتوں نے اردو قوم میں پلانٹ کیا ہے۔

رہ گئے ہمارے غیر مسلم احباب تو میں اُن کے متعلق قدر بہتر رائے رکھتا ہوں لیکن نہایت احترام کے ساتھ ایک سوال پوچھتا ہوں کہ کس بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ آج ۱۹۹۴ء میں اردو ان کی بھی زبان ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہ کیا پیش کرنا چاہتے ہیں صرف اتنا ہی نہ کہ وہ خود ادیب و شاعر ہیں۔ ادیب اور شاعری کے فطیل نام اور بیہ کار ہے ہیں اردو فطیوں میں بڑی اداسے اردو بولتے ہیں اور شاعروں اور سیناروں میں نے دھار بھر سنا ہے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں اور کہا میں کچھ کچھ کر سکا کہ کھاتے ہیں ڈالنے بستے ہیں یہ معزز حضرات اس زمانے کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جب ہندوستان تقسیم نہیں ہوا تھا اور اردو نے ہجرت نہیں کی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ اُن کے اپنے گھروں میں اردو کا کیا مقام ہے۔ وہ اپنی نئی نسل میں اردو کو مستقل کرنے کے لیے کیا کر رہے ہیں۔ ان کی اس پود کا اردو کے ساتھ کیسا رویہ ہے اور سب سے بچی اور بھری بات تو یہ ہے کہ وہ صرف شماری یا دوسرے سرکاری یا غیر سرکاری کاغذات یا اندراجات میں مادری زبان کے کالم میں کیا لکھواتے ہیں۔ اردو؟

یہی وہ سچ ہے جو تمام جھوٹ کا پردہ فاش کرتا ہے اور میں اپنے غیر مسلم احباب کو رعایت اس بات پر دیتا ہوں کہ وہ جتنا بھی کہتے ہیں اردو پر احسان ہی کہتے ہیں۔ ان کا مذہب اردو میں نہیں ہے۔ اُن کی ثقافت پر اب اردو کا قطعی اثر نہیں، ان کے رسم و رواج پر اب اردو اثر انداز نہیں اور ان کا سماج مجموعی طور پر اردو کو ملک بدر کر چکا ہے۔ ان حالات میں اگر وہ اردو میں اب بھی دلچسپی رکھتے ہیں تو بلاشبہ وہ احسان ہی کہتے ہیں اُن کی اردو میں یہ دلچسپی ملک کے بخوارے سے قبل کا ہنگامہ اور ہے جس سے وہ جیتے جی کچھ انہیں پاسکتے لیکن اردو صرف اُن کی شخصیت کے ساتھ چسپی ہوئی ہے اور صرف ان کے ذہنوں اور سوجھ بوجھ میں ہی ہوئی ہے اس سے پرے کچھ بھی نہیں۔ خود فریبی کا نقاب اٹھا کر دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اردو گھبرائی ڈری بھی پہنچا طبقے کے مسلمانوں کی پناہ میں پڑی ہوئی ہے اور مولانا مہدی علیہ الرحمہ کی ناولیں، سہشتی زیور اور شاہنامہ اسلام پڑھنے والا مسلمانوں کا یہ طبقہ اس کے آسوا پو پوچھ رہا

ہے اور اپنی بچی کو سفید چہرہ اور شلوار پینا گرامر و میٹریم کے اسکولوں میں پیدل بھیج رہا ہے اور اسی وقت کو ٹینٹ کی ٹیلی بس کھڑی اور اگلا دن بتلے والے ادبوں کے بچوں کو بغیر بھونچھلائے سرسراتی ہوئی نکل رہی ہے۔

تو سوال صرف یہ ہے کہ اردو پڑھتا کون ہے؟ میں یہ سوال ان سبھوں سے پوچھتا ہوں جو اپنے چہرے پر خوں چڑھائے ولی کی آواز دہلائے، مٹھ سے بولتے اور قلم سے لکھتے ہیں۔ ان کے اندر ایک اور آدمی جو بیٹھا ہوا ہے وہ کیا کہتا ہے۔ اس سے پوچھیے تو وہ یہی کہے گا کہ اردو صرف مسلمان پڑھتے ہیں کہ اردو ان کی مادری زبان ہے۔ اس زبان میں ان کا مذہب ہے۔ ثقافت ہے۔ اس زبان سے ان کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ زبان ان کی شناخت ہے۔ وہ اگلا لہان اور گھوڑی ادب کے لیے یا رونی خریدنے کے لیے اردو نہیں پڑھتے۔ وہ مولانا عبدالحلیم شرر اور صادق سرحدی کی ناولوں کے لیے پڑھتے ہیں، آسان غار اور بدھشتی زیور کے لیے پڑھتے ہیں بزرگوں کے مخطوطات اور غلطیات کے لیے پڑھتے ہیں غالب اور میت سدر کی غزلیں کے لیے پڑھتے ہیں۔ ہمارے بڑے ادیب اور نقاد غالب اور میت سدر کو اس میں رکھ کر باقی سب پر زبردست تہقیر لگا دیں گے لیکن جس وقت وہ تہقیر لگاتے ہوں گے ان کے اندر کا وہ دوسرا آدمی انھیں چھٹی دکھاتا ہوگا اس لیے کہ وہ خود کو دھوکہ دے رہے ہوں گے۔

ہندوستان کے اردو اسکول کا سروے کیجیے، ان طالب علموں کا سروے کیجیے جو اپنے درجات میں اردو مضمون لیتے ہیں تو صرف ایک بات سامنے آئے گی کہ ان میں ۹۹ فیصد مسلمان ہیں۔ ہاں ایک فیصد دوسرے لوگ بھی ہوں گے لیکن یہ لوگ شوق یا مصلحت کا شکار ہوں گے اس سے آگے کچھ نہیں۔ ایک قدم اور آگے بڑھیے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے فارم میں مادری زبان کے خانے میں جمانیجے ۹۹،۹۹ فیصد مسلمان ہوں گے۔ پھر اس بات کا کٹے عام اعتراف کرنے میں کیا چیز مانع ہے کہ موجودہ ہندوستان میں اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ تمام ہندوستانی مسلمانوں کی زبان اردو ہے یہ میں نہیں کہتا۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ آج اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اردو میری مادری زبان ہے اور سرکاری کاغذات اور اندراجات میں بھی وہ یہی کہتا ہے تو وہ یقیناً مسلمان ہی ہوگا۔ یہ بات الگ ہے کہ کوئی زبان کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ اردو بھی نہیں ہے۔ اُسے سیکھنے پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی آزادی ہر ایک کو ہے اسی طرح جس طرح بچے انگریزی لکھنے پڑھنے اور بولنے کی آزادی ہے اور میں اس آزادی کا فائدہ بھی اٹھاتا ہوں۔ میں انگریزی جانتا ہوں لکھتا ہوں بولتا ہوں لیکن انگریزی میری مادری زبان نہیں۔ اسی طرح کسی غیر مسلم کو اردو سے محبت ہو سکتی ہے عقیدت ہو سکتی ہے، دلچسپی ہو سکتی ہے اور اس کا اُسے پورا حق بھی ہے۔ ایک غیر مسلم بڑا ادیب، عظیم شاعر اور اردو کا بنیاد عالم ہوتا ہے لیکن وہ اردو کو اپنی مادری زبان نہیں کہتا کیوں؟ اس لیے کہ مادری زبان تو اس کی کچھ اور ہے جو اس کے گھروالے بولتے ہیں لکھتے اور پڑھتے ہیں جو اس کے بچے سیکھ رہے ہیں اور جس زبان میں وہ اپنے سلیقے سے لکھ رہے ہیں کر تلبہ۔

کیا میں غلط کہتا ہوں؟

کیا یہ غلط ہے کہ جب اقلیت کی زبان کا ذکر چھڑتا ہے تو ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں اُردو اور صرف اُردو آتی ہے؟ جب اُردو کی فریب گزیرہ ترقی و تحفظ کا حوالہ دیا جاتا ہے تو کس قوم کو خوش کرنے کی سازش کا رُفعا ہوتی ہے؟ اُس وقت کیا سازشی ذہنوں میں صرف مسلمان قوم نہیں ہوتی؟ اُردو کے نام پر ہندوستان میں فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ میں دورانِ سفر شیخ اور مفسر میں اُردو پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہوں تو بغیر کسی شبہ و شبوت کے لوگ مجھے مسلمان سمجھ لیتے ہیں ایسا کیوں ہے۔۔۔ میں ہی کیا محترم رام پرکاش کی تیواری صاحب بھی اگر اُردو پڑھتے ہوئے پچھے جائیں اور بظاہر ان کے چہرے بُشرے اُن کی ذات کا کوئی واضح ثبوت دے لے تو لوگ انھیں بھی مسلمان مان لیں گے بعد میں بجلے ہی وہ معافی پیش کر کے باغزتِ بری ہو جائیں لیکن پہلا تاثر تو یہی ہو گا۔

تو جب اُردو اتنی گہرائی اتنی شدت اور اس قدر واضح طور پر مسلمانوں سے منسوب ہو گئی ہے تو اس بات کا اعلان کرنے میں کیا قحاحت ہے کہ ہندوستان میں اُردو اب صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ اس اعلان سے کئی فائدے ہوں گے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مگر تقریباً یہی ہے۔ دستور میں دی گئی اقلیتی زبان کی ترقی و تحفظ کی گارنٹی واضح ہو جائے گی۔ اُردو اداروں پر اقلیتی فرقے کا حق زیادہ ہو گا۔ مردم شماری میں سرکاری کارندے مادری زبان کے خانے میں غلط اندراج نہ کر سکیں گے۔ اُردو کو ختم کرنے کی سازش کہاں کہاں کام کر رہی ہے۔ ذرا غور کریں۔ ہندی علاقے میں غریب اور جاہل مسلمانوں کی مادری زبان مردم شماری کرنے والے متعجب کارندے اگر ہندی لکھ دیں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں مگر غریب اور جاہل مسلمان آسان اُردو بولتے ہیں جس پر ہندی کا ٹکڑا منسے ہو سکتا ہے۔

دیکھ کر یہ بھگوان بھی سراسر نفوس ہے، لیکن گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، کیرالہ، تامل ناڈو، اڑیسہ اور بنگال کے وہ مسلمان جو ہندوستانی زبان بولتے ہیں اُس کو ہندی کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ اُن کی زبان یا تو صوبے کی زبان ہوگی یا پھر اُردو۔ ہندی تو کسی طرح نہیں ہو سکتی اور کیوں ہوگی۔ لیکن ان لوگوں کی زبان کو ہندی کہا جاتا ہے اور اس طرح اعداد و شمار غلط پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ اعلان ہو جائے کہ وہ مسلمان جو اپنے گھروں میں اُردو ہندوستانی بولتے ہیں اُن کی زبان اُردو ہی کہلائے گی تو مردم شماری کا فارم بھرنے والا متعجب باوجود اندازِ جانے پر مجبور ہو گا اور جس طرح کریم الدین احمد کے فارم میں مذہب کے خانے میں اسلام کے علاوہ کچھ نہیں لکھ سکتا اسی طرح مادری زبان کے خانے میں اُردو کے علاوہ کوئی دوسری زبان لکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ اُردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دینے سے اُن کے اندر اپنی زبان کے تحفظ کا جذبہ شدت اختیار کرے گا اور وہ سرکار سے ہٹ کر اُردو کی ترقی و تحفظ کے نئے ذاتی راستے تلاش کر سکیں گے۔ کم از کم اُردو کا کوئی وارث تو ہو گا۔ ابھی تو یہ لاوارث ہے بلکہ ہر ایک کی داستا ہے جس سے حسب استطاعت لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ بھنبھوڑتے ہیں اور بھنبھوڑ کر

چھوڑ دیتے ہیں۔

اُردو کو کچھ مصلوبوں میں دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ بھی لوگ کرتے ہیں، یہی سرکاری زبان سے مراد کیا ہے یہ بات واضح نہیں کم از کم مجھے تو ہمیں معلوم۔ اگر دوسری سرکاری زبان سے مراد یہ ہے کہ مشنریوں اور افسروں کے نام کی تختیاں اُردو میں بھی لگ جائیں اور سرکاری آرڈر سرکل نوٹس، قرار داد وغیرہ اُردو میں بھی جاری کیے جائیں، سرکاری دفاتروں میں درخواستیں اُردو میں بھی دی جاسکیں، ریلوے ٹائم ٹیبل اور منی آرڈر فارم اُردو میں بھی شائع ہوں تو یہ صورت میسر سے خیال سے نہایت محکمہ خیز ہوگی۔ اس لیے کہ اگر کسی اُردو کے مجاہد نے اپنے فیکٹری کے لائسنس کی درخواست اُردو میں دے دی تو صدیاں گزر جائیں گی اُسے کوئی جواب نہ ملے گا۔ اس لیے کہ وہ حضرات جو فیصلہ کریں گے اُردو نہیں جانتے۔ اب انہوں کو سمجھانے کے لیے ایک اُردو جانتے والا مترجم رکھا جائے گا جو درخواست کا ترجمہ کر کے صاحب کو پیش کرے گا۔ صاحب آرڈر اُردو میں نہیں کسی اور زبان میں دیں گے۔ جس کا ترجمہ کیا جائے گا اور یہ ترجمہ صحیح ہوگا کہ غلط صاحب کس طرح جانیں گے اور وہ فیکٹری کس طرح سائن کریں گے۔ اگر ترجمہ صاحب نے کن بت کی غلطی کر دی تو ہاں نا، بھی ہو سکتا ہے۔

تو صاحب کوئی ایسا مجاہد نہیں ہے، میں بھی نہیں آپ بھی نہیں، جو اُردو کی خاطر فیکٹری قربان کر جائے گا، روڈ بار ہیٹ پر چڑھنا عرصے، روزی روٹی داؤ پر لگا دے۔ مجاہد ہونا کوئی وہ اپنے کام کے لیے درخواست اُسی زبان میں دے گا جو صاحب جانتے ہیں اس صورت میں مترجم کے پاس کوئی کام نہ ہوگا اور اُسے وسیع میں لگا دیا جائے گا۔ قطعہ ختم۔ اسے صاحب جب اتنا زبردست ڈنڈا برسرے اور ابلول روپے خرچنے پر بھی غیر ہندی مصلوبوں کے سرکاری دفاتروں میں پچاس سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی ہندی کا ایک سکہ نہ چل سکا تو اُردو کا کیا پٹے کا خاک — رہ گئیں مشنریوں اور افسروں کے نام کی تختیاں تو لوگ دفاتروں میں تنہا پڑنے نہیں جانتے کام کرانے جانتے ہیں اور اگر کام نہ ہو تو تختی ہوا تختہ سب بے کار۔ اور یہ سنی آرڈر فارم اُردو میں بھر کر دیکھے، سوچا گا تو اس وقت پہنچے گا جب دودھ پیتی آپ کی متی ماشا اللہ شادی کے لائق ہو جائے گی یا پھر سرے سے لا پتا ہی ہو جائے گا۔

کوئی شخص اپنی روزمرہ کی خوشی کو کاروبار کو، مراسم اور تعلقات کو روزی روٹی کو کسی زبان کے لیے قربان نہیں کر سکتا۔ وہ اُسی زبان کو اختیار کرے گا جس کے ذریعہ اس کی عام ضرورتیں آسانی کے ساتھ پوری ہو جائیں اور اس کی دنیا بھر سے۔ اگر ہندی انگریزی یا دوسری علاقائی زبانوں میں کارروائی کرے تو ہمارا کام آسانی سے ہو جاتا ہے اور ان زبانوں کو پڑھنے سے ہمارے بچے ڈاکٹر انجینئرز آئی اے ایس یا عام سرکاری ملازم ہوجاتے ہیں تو ہم ذی زبان اختیار کریں گے اور یہ بات دودھ پیر کے سلع کی طرح روشن اور سنہر کی طرح سنہری ہے کہ اُردو ہندوستان کے کسی صوبے میں اصل معنوں میں سرکاری زبان اب نہیں بن سکتی۔ اُسے موجودہ سرکاری زبانیں دوسری جیسری جو بھی یا کوئی بھی سرکاری زبان بننے نہ سکتی۔

کوئی بھی زبان اپنا وقار اور اپنا مقام کم کرنا نہ چاہے گی۔ ہاں ایک صورت ہے۔ ان مولوں میں جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ہو رہا ہے تمام سرکاری ملازمتوں میں اردو جانا ضروری قرار دے دیا جائے۔ پھر دیکھیے ایک جگہ میں سارا مسئلہ حل ہو جائے گا اور بغیر کسی دوسرے قدم کے اردو سرکاری زبان بھی بن جائے گی اور روٹی روزی سے بڑ بھی جائے گی بلکہ چپک جائے گی۔ کیا اردو والے یہ مطالبہ کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں؟ کیا موجودہ نظام ابس کی اجازت دے گا؟ کیا اکثریت اسے قبول کرے گی؟ ظاہر ہے ناممکن اس کے علاوہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی جو بھی صورت ہوگی ناقص ہوگی، کاؤنٹر پروڈیکٹ ہوگی، صرف تماشا ہوگا، دکھاوا ہوگا۔ اس سے اردو کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اُنٹے اس کے ساتھ نفرت بڑھے گی۔ اگر ہم اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ ترک کر دیں تو اردو کے ساتھ دوسری زبانوں کی خیر سگالی کا راستہ ہموار ہو جائے گا اور کٹر سے کٹر اردو دشمن کا رویہ بھی نرم پڑ جائے گا۔

اس لیے ہمیں اردو کو اب عوامی زبان کی حیثیت سے ہی پروان چڑھانا ہوگا۔ اس کی ترقی ترویج و تحفظ محض ادبی مذہبی اور ثقافتی ضروریات کے پیش نظر کرنا ہوگا۔ اسے ادب مذہب اور ثقافت ہی کے اندر رکھنا ہوگا اور اس کے سیکھنے کا مقصد ادبی ثقافتی اور مذہبی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہونا ہی ہوگا۔ اردو کو پیٹ سے نہیں ذہن و روح سے جوڑنا ہوگا۔ پیٹ کا رشتہ آپ دوسری زبانوں سے استوار کریں۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ اردو صرف اپنے لیے سیکھیں، اپنی انفرادیت کے لیے سیکھیں، اپنی ثقافت اور اپنے مذہب کے لیے سیکھیں اور سیکھنے کے لیے دستور کے مطابق جو حق اقلیتی زبان کو دیا گیا ہے اس کا مطالبہ بھی کریں اسے حاصل کریں۔ اس کے لیے نشتے بھی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ مدرسوں اور مسجدوں میں عربی کے ساتھ ساتھ اردو پڑھانے کا انتظام بھی کریں۔ اس کام کے لیے دوسرے ادارے بھی قائم کریں یہ سوچ کر کہ یہ جگہ ہماری ہے اور ہمیں خود ہی لڑنا ہے۔

سکول کے بچے کا سہ گدائی لیے کب تک بھاگتے رہیں گے پچاس سال سے بھاگ رہے ہیں کیا ملنا! سوائے محرومی، ناکافی، احساس شکستگی، ذلت اور رسوائی کے اور کیا ملا میرے بھائی۔

(کتب نا فروری ۱۹۹۳ء)



میں ہندی کا کبھی مخالفت نہیں رہا، میں نے اس زبان کو بڑے چارے اس زبان
کے مٹی گڑھ میں سیکھا جب پنڈت رام سروپ شاستری کو ہندی کے طالب علم کی تلاش پر
تھی اور آفتاب ہاسٹل سے چہرہ اسی بھیج کر بلایا جاتا تھا۔ ہندی شاعری سے ہمیز پا کر سکے
پہل مجھے گیت نگاری کی تحریک ملی۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد سے ہندی والوں کا جو رویہ
اردو کی جانب رہا ہے اس نے بہت سی اچھی چیزوں میں یروہ ایمان کو متزلزل کر دیا ہے۔
ریاستی حکومتوں نے (خاص طور پر اتر پردیش میں) اس کا تعمیری نظام دہم برہم کر دیا۔
مردم شماری میں اس کے اعداد و شمار طرح طرح کی ترکیبوں سے گھٹا کر لکھے جانے لگے۔
اتر پردیش اور بہار میں اردو بولنے والے اتنے بھی نہیں دہم برہم کئے گئے جتنے مسلمان ہیں!
ووٹ حاصل کرنے کی خاطر ہر الکشن سے پہلے جھوٹے وعدے کئے گئے۔ اردو والوں سے
کہا گیا کہ جب ہر ریاست کے مسلمان وہاں کی زبان اپنا چکے ہیں تو ہندی کے علاقے کے
مسلمان ہندی کو کیوں نہیں قبول کرتے۔ آج ملک کی ایکتا، اور اکھنڈتا، کا کس قدر
ڈھنڈو راپٹا جا رہا ہے لیکن اس کے سب سے بڑے دشمن خود ہندی والے ہیں جنھوں
نے ملک کی ایکتا اور ہندی زبان کو لازم و ملزوم سمجھ لیا ہے۔ خالصتاً کی تحریک کا یہ رنگ
نہ ہوا اگر ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں پنجاب کے ہندوؤں نے اپنی مادری زبان پنجابی کو
اپنے لئے سے نکال دیا ہوتا۔ جب یہ صورت نہ چل سکی تو یہ لاپرواہ کیا گیا کہ زبان پنجابی
رہے لیکن اس کے لئے رسم خط دیوناگری تسلیم کیا جائے۔ اردو کے لئے دیوناگری رسم خط کی تحریک
یہاں بھی چلائی گئی، بہار میں مٹری جگن ناتھ مشرانے ریاست کے لسانی ایکٹ میں ترمیم کرا کے

جب اردو نے بھی ثانی زبان کی حیثیت سے داخل کر دیا تو ہندی کے دانشور (دائیں اور بائیں) بازو دونوں طرف کھینچے۔ ہادیوی ہندو اردو کے ظلمات میدان میں کود پڑیں۔ امرت رائے نے اردو کو ایک لسانی انحراف بتایا؛ جو دینی کے بعد سے شہ رونا ہو سکتا ہے اور بائیں دینی کے آگے کو جندوی کا تہمت ہے کہ ہندی تاریخ ادب کی کڑی بنا دیا۔ ترقی پسند دانشور نامور سنگھ، در ترقی پسند مصنفین نے اردو کی انفرادی حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے ملک کے بیرونی بیسی بتایا۔ ڈاکٹر یگان چند جین نے اثنوہ پاکستان امرت رائے نے اردو کو دستور کے، مٹو میں مشیہ دل میں شامل کرنے کی پہلی لسانی بھول بتایا۔

اس کا جواب صرف یہ ہے کہ 'ذرائع' اور 'مقام' تیز کر دیا جائے۔ اس بات کا اعلان کیا جائے کہ اردو اس ملک کی سیکولرزم کی ایک نشانی ہے اور اگر اس کے چاہنے والوں میں چند رہیں، چہ بھائی۔ ہیں تب بھی مسلمانوں کی تہذیبی ضرورت کا تقاضا ہے کہ اسے برقرار رکھا جائے۔

میں نے اس دوران اردو سے متعلق جو مضامین لکھے ان میں بار بار کہا کہ تاریخ کے بعض اوقات میں زبان، مقصد سے بھی زیادہ کسی جماعت کے تشخص اور بقا کے لیے اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خود اردو والے اپنے لیے اس کو ایک 'قدر' تسلیم کریں۔ جب یہ ان کے لیے 'قدر' کا حکم رکھے گی تو اس سن کی تعلیم و ترویج ان کا وظیفہ بن جائے گا۔ اردو کے زوال کی ذمہ داری بہت کچھ ان پر ہے۔ لیکن تھوڑی بہت خود اردو بولنے والوں پر بھی ہے جس کی انجین، یورو اور اکا دیماں فزنی کاموں کو اس کا اصل کام سمجھتے ہیں۔ ہم 'سنگ دخت' کے لیے مرے مٹتے ہیں اور 'روح و موت' کو لائق امتحان نہیں سمجھتے۔ کیا مسلمانوں میں کوئی پنڈت آندرا نائن ملا گیا موجود ہے جو ان کی طرح پرکھ سکے:

"ہم اپنا مذہب چھوڑ سکتا ہوں لیکن اپنی مادری زبان نہیں چھوڑ سکتا!"

میں نے اپنے اداروں کے مجھے اردو کا اللہ، کتابان الفاظ میں کیا:

”فسریدہ، نادارہ، شاہدہ، زیبا“

اور ان جیسی لاکھوں اردو کی بیٹیوں کے نام جو اپنی مادری

زبان سے محروم کر دی گئی ہیں۔“

کسی بھی جماعت کے لیے ”زبان کشتی“ ہر قسم کی کشتی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ اس

طرح آپ ایک نسل کو گونگی بہری بنا دیتے ہیں۔ یہ ہماری بے بسی کی انتہا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم نہیں دے سکتے۔ ہم انگریزی اور ہندی سیکھنے کے غلات نہیں لیکن یہ دونوں

مادری زبانیں نہیں ہیں۔ مادری زبان اپنے بچوں کو تعلیم دینا ہمارا دستوری حق ہے۔ اس دستوری حق کو قانونی حق میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔

اردو کے سلسلے میں، جماعتی اس ملک میں، جو رہی ہے اس نے سیری قوم پرستی کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ نہ میسر کر حق میں مفید ہے اور نہ میسر وطن کے حق میں۔ میں اسے ہندی دالوں کی کم نظری اور تحقیر دلی سمجھتا ہوں کہ وہ ہندی کی توجہ کے لیے اردو کشتی کو فروغ دیتے ہیں۔ انھیں ابھی تک غالباً اپنی زبان پر مکمل بھروسہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ وہ اس سے بھی بے خبر ہیں کہ ”اردی“ (اردو + ہندی) جنوبی ایشیا میں سانی ابلان کا سب سے بڑا دریو بن چکی ہے جس کی تنگ و تاز پاکستان و ہند، تک محدود نہیں بلکہ وہ برصغیر کی حدود سے باہر نکل کر سنگاپور اور ویتنام اور پورٹ سید تک پہنچ چکی ہے۔ یہ ایک سانی ”دو مٹی“ ہے جس کے دونوں روپوں کا برقرار رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ دنیا کی پانچویں مالی زبان کی حیثیت سے اپنا مقام لے سکے۔

جناب سید ہاشم علی علی گڑھ



میری ماورسی زبان اردو ہے اور میری ساری تعلیم سائنس کی ماسٹرز ڈگری تک جامعہ عثمانیہ کی بدولت اردو میں ہوئی ہے۔ میرا ذہنی تشوہ و جذبہ آزاد کے خالص لہروں و ماحول میں پیدا ہوا ہے اور اس کی تعلیم و ترقی اعلیٰ جامعاتی تعلیم بشمول ماسٹرز ہائی کورس کی زبان اردو تھی۔ آزادی کے وقت اردو و ہندوستان کی وہ واحد زبان تھی جو جامعہ عثمانیہ کی وجہ سے اس قدر ترقی یافتہ حالت میں تھی کہ تمام عصری ترسیلات کیے بغیر کسی کوشش کے استعمال ہوتی تھی۔ اس ماحول سے آزادی کے بعد اچانک سارا کام انگریزی یا علاقائی زبان میں ہونے لگا میری زندگی کے پچھلے تیس سال نظم و نسق کے پیشے میں ملکی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے علاوہ اردو کے مسلسل تسلسل کو دیکھنے میں صرف ہوئے۔ لہذا اس مضمون میں میرا طرز فکر ایک ایسا منظر دکا ہے کہ اگر میرے ذہن میں اردو کا بقا ترویج و ترقی کا کام سونپا جائے تو میں کیا کروں گا۔ اس پس منظر میں میرے ذہن میں یہ سوالات آئے :-

ع ۱ اردو کیا ہے؟ ع ۲ اردو والے کون ہیں؟ ع ۳ اردو کا مسئلہ کیا ہے؟ ع ۴ کیا اردو والے اپنے مقصد کے تعین میں عقلی ہیں یا جذباتی اور کیا یہ مقصد خود ان پر واضح ہے؟ ع ۵ ان کے مطالبات کیا ہیں ان مطالبات کی عدم تکمیل کی وجہ کیا ہے۔ ان کی شکایات کیا ہیں، مطالبات اور شکایات کی وجہیت کیا ہے؟ ع ۶ مقصد کے حصول کیلئے خود ان کی طرف سے کیا کوشش ہوئی ہے اور کیا مقصد کا تعین اور حصول کا کوشش صحیح خطوط پر ہوئی ہے۔ ع ۷ کیا اردو والوں کی موجودہ پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ہے، اور اگر ہے تو کن خطوط پر۔ میرا خیال اس بات پر بھی کیا کہ اردو کے بارے میں جدوجہد کرنے والوں میں اکثریت ان اصحاب کی ہے جو آزادی سے قبل کے فہول میں پیدا ہوئے جبکہ اردو ہندوستانی کی فارسی رسم خط میں کجس میں ہندی آوازوں کے لئے بھی حروف تہجی میں نشان کرینے لگے تھے، ہندوستان کی عام زبان تھی۔ اور ان میں بہت کم ایسے لوگ شامل ہیں جو آزادی کے بعد پیدا ہوئے اس وجہ سے جدوجہد کرنے والے ماضی کے خاتمہ میں بحال اور مستقبل کے نہیں۔ میری دانست میں ان لوگوں کو لازماً

کو بھی اس مسئلے کے قعین اور اصل کی کوششوں میں شامل کرنا چاہئے۔

اردو کے مسئلے پر غور کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ اردو کیا ہے۔ اس بارے میں اردو دان اور غیر اردو دان عوام دونوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور بعض غیر اردو والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا ہندستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نہ لسانیات کا ماہر ہوں نہ تاریخ ادب اردو کا، لہذا اگر میرے تجربے سے ماہری کو اختلاف ہو تو اس کی معافی ابھی سے مانگ لیتا ہوں

صدیوں سے شمالی ہند کی ایک عام زبان یا انگلو افریقا کا رہی ہے، جس کا نام ہندیت تھ کیسی اور رسم الخط بدلتے رہے ہیں۔ یہ مختلف ادوار اور علاقوں میں معمولی صرفی اختلاف کے ساتھ مختلف ناموں سے موسوم رہی جیسے برج میں برج بھاشا، راجستھان میں راجستھانی، دہلی اور اطراف دہلی میں ہریانوی، کھڑوی، بولی، ہندی، ہندو، دہلوی، رچکھ، اردو، ہندو، انگریزی میں ہندستانی، رومن اردو، گاندھی جی کی ہندی، انھوں ہندستان و دستور ہند کے بعد کی نئی سرکاری ہندی اور عوام کی آسان لوک ہندی یہی زبان پانچ سو سال پہلے دکن کی تو دروازوی زبانوں کے حامل میں بہت کچھ لیے خمیر پر قائم رہی اور ہندی، ہندووی اور زبان ہندستانی کہلائی۔ چند صدیوں بعد دکن کا نام پایا۔ گجرات کی گجراتی کہلائی۔ اس پر ہندی کتابوں اور سرکاری زبانوں کے نزاع ہوتے رہے اینڈسکرت، عربی، ترکی، فارسی، ڈچ، انگریزی اور دوسری ہندستانی اور غیر ملکی زبانوں کے بہت سے الفاظ اس میں شامل ہوتے رہے۔ اور اس کا مسلسل ارتقاء ہوتا رہا۔ مغلوں کے زلٹے میں یہ زبان سرکاری زبان فارسی کے رسم خط میں بھی لکھی جانے لگی جس طرح پشتو، پنجابی اور سندھی آج بھی عربی رسم خط میں لکھی جاتی ہیں۔ انگریزوں کے عہد میں اس کو فوجی اور رسول جہدہ داروں کی سہولت کے لیے رومن رسم خط میں رومن اردو کہا جانے لگا۔ یہ بھی زبان کبھی سرکاری زبان نہیں رہی سوائے ایک مختصر عرصے کے جب بنیاد سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے فارسی کی جگہ اس کو استعمال کیا اور ریاست حیدرآباد میں ۱۸۸۸ء سے ۱۹۴۸ء تک یعنی صرف ۶۴ سال۔ آج بھی سرکاری ہندی کی ہیئت ترکیبی اور مقبول عام زبان میں جو فلموں، گیتوں اور بازاروں کا عام زبان ہے کافی فرق پایا جاتا ہے۔

۱۷۰۰ء میں شاد عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کے پہلے ترجمے کے بارے میں لکھا ہے کہ :

”یہ قرآن شریف کا پہلا ہندی ترجمہ ہے حالانکہ رسم خط فارسی تھا۔“ (صدق جدید)

شاید اسی سال جان گلکراکسٹ نے اسے ہندستانی کے نام سے موسوم کیا۔ اس لیے اس نے یہ محسوس کیا

کر لے یعنی ہندوستانی ویلوناگری، جس کو کھانا پسند کرتے ہیں اور بعض فارسی رسم خط میں چنانچہ اس نے فورٹ ولیم کالج میں دونوں رسم خط استعمال کرے اور کتابیں شائع کیں۔ ۱۸۸۳ء میں ہرٹری آف سنسکرت لٹریچر شائع ہوئی جس میں مرتب نے یہ بتایا ہے کہ سنسکرت جب ہندوستان میں آئی تو سیدھی طرف سے لکھی جاتی تھی اور ایسے کہتے اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔ ۱۹۳۵ء کا مذہبی جمی نے اس عوامی زبان کی اس طرح تعریف کی :

” قومی زبان کل ہند بول چال (INTER COURSE) کیلئے ہندوستانی زبانوں میں سے ایک ہے ان کی ضرورت ہے جس کو ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ لوگ جانتے اور بولتے ہوں، اور دوسرے آسانی سے سیکھ سکے ہوں۔ یہ زبان بلاشبہ ہندی ہے۔ یہ شمال کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور جب اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو اردو کہلاتی ہے۔ کانگریس کے ۱۹۳۵ء کے کانپور سیشن کے مشہور ریزولوشن میں اس مروجہ زبان کو ہندوستانی کہا گیا ہے۔۔۔ یہ قومی زبان ہم کو اس قابل بنائے گی کہ ہم اس میں گفتگو کر سکیں اور دونوں رسم خط میں لکھ سکیں۔“

آزادی سے بعد ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء یعنی تقسیم ہند کے باوجود اپنے مضمون گورنری اور وزیروں کے ضابطہ عمل (CODE OF CONDUCT) میں لکھتے ہیں :

” وہ دونوں رسم خط سیکھیں (ہندی اور اردو) اور اپنے رفیقوں سے انگریزی میں بات کرنے سے بچیں، یا وہ اپنی ریاست کی زبان میں بات کریں جس کے وہ گورنری اور ہندوستانی ہیں جو ہندوستان کی عام زبان (LINGUA FRANCA) ہے اور کانگری اور اردو رسم خط میں لکھی جاتی ہے۔ یہ سنسکرت آمیز ہندی ہے اور نہ فارسی آمیز اردو۔ بلاشبہ ہندوستانی وندھیا رینج کے شمال میں کرڈوں کی زبان ہے۔“

پروفیسر ویلونا گری نے لکھا ہے :

” ہندی دلی کے اطراف و اکناف اور موجودہ اتر پردیش میں بولی جاتی تھی۔۔۔ جب صوفی اس علاقے میں آباد ہوئے تو ابتدائی ہندی کو ہندی کے نام سے، موسوم کر کے عوام کے وسیع تر طبقہ کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ بعد میں یہ زبان بھگت تحریک استعمال کی جس میں کبیر، نانک، سورداس

(1) The selected work of Mahatma Gandhi, vol. 4, Navgran Trust : 368-69, pp. 357-358. (2) Ibid., vol. 6, pp. 463-464.

(3) History of India, Komila Thapar, 1966, p. 313 of

اور میلرانی قابل ذکر ہیں۔ اس سے زبان کے سب سے مزید اعجاز ہوا۔ اس سے قبل دوسرے لکھنے والوں نے جن میں امیر خسرو جو سلطانوں کے شاعر تھے اور عام طور پر فارسی میں لکھتے تھے، اس زبان میں لکھنا شروع کیا۔ جس بات اس زبان کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ یہ زبان اردو کے والدین (CO PARENT) میں سے ایک تھی۔ اردو یعنی لشکری زبان سلطان کی انگورازن کا بنتی جا رہی تھی۔ اس لیے یہ ہندی قواعد اور فارسی عربی الفاظ کے اشتراک سے بنتی تھی۔ لازماً جو لوگ اردو استعمال کرتے تھے وہ ہندی سے بھی واقف تھے۔“

ہندو فیسر رگھوپتی پہلے نے فرق لکھ کھپوری اپنے کلام کے مجموعے پچھلی رات کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

”ہندستان کے جس زمانے میں اردو شاعری نے جنم لیا اور پروان چڑھی، اس وقت ہندستان میں تعلیم کا معیار بہت پست تھا اور ہماری علمی اور فکری زندگی غلام طور سے بے جاں تھی۔ اس دوران میں ہماری زندگی بڑی حد تک انحطاط کا شکار رہی۔۔۔ میں نے جب تک کھولی تو داغ اور امیر کی مسموم شاعری ہندستان پر بھانپ ہوئی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ نئی اور صالح زندگی کے آثار بھی نمودار ہو چکے تھے۔ اسی غازی پوری، شاد عظیم آبادی، حالی پانی پتی اور ان کے بعد چکبست اور اقبال اور ان کے متعدد معاصرین ایک نئی حیاتی صوتیات کو جنم دے رہے تھے۔ یہ زمانہ اردو شاعری کے انحطاط اور آنکھ کھولتے ہوئے نشاۃ ثانیہ کا زمانہ تھا۔ تھوڑے دنوں بعد ایک نئی مصیبت بھی اٹھ کھڑی ہوئی، اور یہ مصیبت جو اب تک دور نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اردو دشمنی کا طوفان، لیکن فکر و تامل کے قابل یہ عمر بھی ہے کہ ہندن تحریک کو بھی سہارا دینا پڑا۔ اسی مغربی ہندی کا جس کی بنیادوں پر اردو کی علامت کھڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک طرف تو ایک طوفانی نفرت کے منہ ہرے نقراتے ہیں اور دوسری طرف ہندی داں عوام و خواص میں ناگہری رسم خط میں چھپ کر اردو شاعری کے صدمہ کا مجموعہ کروڑوں کی تعداد میں محض ہندی داں اہل وطن میں مقبول ہوتے گئے۔ دیکھئے یہ اوند کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ میں نے اپنی غزلیوں میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ اس مغربی اور مقبول عام ہندی کو جس کا نام اردو زبان و ادب ہے، زیادہ نرا دوں اور اس میں لنگ و جن کے دو آہ کی شادابی اور انسانی تہذیب کے ریں جس کو سودوں۔“

میں نے کچھ عرصہ قبل بی۔ بی۔ سی کے اردو ہندی پروگرام میں ہندی کے شہور ناواولسٹ گلشن زندہ کا ایک انٹرویو سنا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی زبان میں لکھتے ہیں تو ان کا جواب تھا۔ ”میں پنجابی میں سوچتا ہوں۔“

اردو میں لکھتا ہوں اور ہندی میں چھپتا ہوں۔“

فارسی کو سو سال تک ہندستان کے بڑے علاقے کی سرکاری زبان رہی ہے اور اس کا اثر ساری علاقائی زبانوں پر ہوا۔ چنانچہ جنوبی ہند کی زبانوں خصوصاً تلگو میں اس کے بہت سے الفاظ مروج ہیں۔ حالانکہ ایک درویدین زبان ہے اور جس طرح ہندستان کی ہریان میں اس وقت انگریزی کے الفاظ شامل ہو گئے ہیں۔ اسی طرح فارسی سے بھی نئے اقتدار تصورات اور اظہار خیال کے انداز ہندی میں منتقل ہوئے اور ہندی کے (BASE) یا بنیاد پر فارسی اور دیگر زبانوں کے طویل لسانی اختلاط کے نتیجے میں اردو پیدا ہوئی جو اس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں بھی لکھی جانے لگی۔ لہذا اردو ایک رومانو وسیع اغوش اور ترقی یافتہ ہندی ہے جس نے غیر زبانوں کے الفاظ شامل کرنے اور رسم خط اختیار کرنے میں کوئی تعصب نہیں برتا اور جس کے دو اہم اجزاء ہندی اور فارسی دونوں آئین ہیں۔

اردو کے بعد اردو والوں کا تعین بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس مضمون میں اردو والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے اور وہ لوگ بھی جن کی مادری زبان اردو نہ ہونے کے باوجود اردو لکھتے اور بولتے ہیں۔

اردو بولنے والوں سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اس عوامی زبان کو بولتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اس کو اردو کہتے ہیں اور فارسی رسم خط پر مستحق نہیں ہیں۔ دوسرے وہ جو اس زبان کو ہندی یا ہندستانی بولتے ہیں، اور تیسری قسم فارسی رسم خط کا ترقی سمجھتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اس کو ہندی بولتے ہیں اور اردو جلنے سے انکار کرتے ہیں۔ اردو اور اردو والوں کے تعین کے بعد اب اردو کے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جدید آزادی کے زمانے اور آزادی اور تقسیم ہند کے بعد سیاسی وجوہات کی بنا پر اردو کی مخالفت شروع ہوئی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد مزید مسائل پیدا ہوئے۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ اردو والے ہندی کو وہ مقام نہیں دینا چاہتے تھے جس کے لیے وہ آج خود جدید جہد کر رہے ہیں، اور گاندھی جی کے دور رسم خط والے فارمولے کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ جس کی بنا پر یہ ترقی یافتہ زبان سارے ملک کی مسلمہ زبان بن سکتی تھی۔ ان اختلافات کے باوجود سردار پٹیل کے کاغذات میں جو کئی جملوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اس مرحلہ پر ہندستانی کے نام اور دیوناگری رسم خط میں ہندستان کی سرکاری زبان بنانے کی پیش کش کی تھی لیکن زبانہند لیاقت علی خان نے جو تقسیم ہند چاہتے تھے اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی یہ آخر دراصل تاریخ کو دہرا رہا تھا۔ جس طرح چندھیلوں قبل عوامی زبان کو اس زمانے کے سرکاری رسم خط فارسی میں لکھا جانے لگا تھا۔ اسی طرح سردار پٹیل

کی جو بڑی بنا پر آزادی کے زمانے کی فارسی آمیز عوامی زبان کو سرکاری زبان کے رسم خط میں جو شمالی ہندی کی کثرت کا رسم خط بھی تھا لکھے جانے کی سفارش کی گئی تھی۔ اردو والوں کے لئے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ زبان کی موت یا ایک زائد رسم خط کا اختیار کر لینا۔ اور یہ موقع ہاتھ سے چلا گیا۔

مجلس دستور ساز میں دو گروہ تھے جن میں سے ایک موجودہ عوامی زبان ہندستانی کو سرکاری زبان بنانا اور دوسرا خالص ہندی کو۔ چنڈت نہرو موجودہ زبان کی تائید میں تھے۔ رائے شماری کے وقت دونوں گروہوں کو مساوی ووٹ ملے اور صدر کے کاسٹنگ ووٹ سے ہندی سرکاری زبان بن گئی۔ اس فیصلے کی تعمیل میں حکومت کو مختلف اقدامات کرنے پڑے جو اس فیصلے کی تعمیل کے لیے ضروری تھے۔ حالانکہ اس وقت کے سارے لیڈر ہندستانی بولتے تھے اور ان کو سرکاری زبان بولنے میں ابتدائی چند محلوں کی حد تک کامیابی ہوئی تھی اور پھر وہ موجودہ زبان بولنے لگے تھے۔ ہندستان کے چاروں وزیر اعظم بڑی حد تک موجودہ زبان بولتے تھے۔ اور آزادی کے تیس سال بعد ۱۹۷۸ء کے یوم آزادی کی لال قلمی والی تقریر میں موجودہ وزیر اعظم نے (۸۰) سے زیادہ فارسی اور عربی الفاظ استعمال کر کے الفاظ استعمال کئے۔

مجلس دستور ساز کے فیصلے کی تعمیل میں سرکاری زبان سے بدیسی زبانوں کے قبول موجودہ الفاظ کو نکال دیا گیا۔ اس قسم کی کارروائی ترکی اور ایران میں بھی کسی زمانے میں ہوئی تھی جبکہ ان زبانوں سے عربی کے الفاظ نکالے گئے تھے۔ علاوہ اوپر مذکور اقدامات کے دو اقدامات یہ بھی تھے کہ ریڈیو پر فلمی گانے بند کیے گئے جو عوامی زبان میں ہوتے تھے۔ اور تیس سال بعد آج بھی ہوتے ہیں۔ ایرونیٹیم کا استعمال بند کیا گیا جس کے ساتھ عوامی زبان کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ پالیسی تقریباً چھتیس سال تک جاری رہی اور سارا ہندستان دن بھر ریڈیو کی سیلون سنٹار ہا جہاں سے فلمیں گانے اور غزلیں نشر ہوتی تھیں۔ چند سال قبل آل انڈیا ریڈیو نے پالیسی تبدیل کی اور اب وہ دھ بھارتی کے سچ رنگی پروگرام میں فلمیں گانے غزلیں اور ڈرامے اُسی عوامی زبان میں نشر ہوتے ہیں جس کو گانہ دھ جی نے ہندی ہندستان کا نام دیا تھا۔ یہ سب سے زیادہ پسندیدہ پروگرام سمجھے جاتے ہیں اور ہر ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتا ہے جس میں اعلانات نو سرکاری ہندی یا علاقائی زبانوں میں ہوتے ہیں لیکن پروگرام عام فہم زبان میں اور بھی گانے جو ہندی پروگرام میں سنائی دیتے ہیں۔ اردو کے خصوصی پروگرام میں بھی ہوتے ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد موجودہ فارسی رسم خط والی زبان نئی قائم ہونے والی مملکت کی ایک مسلم زبان بن گئی تھی سے قائم رہی۔ اس وجہ سے بھی اردو دوسری سیاسی وجہ بات کی بنا پر بھی ہندستان میں اس عام زبان کو ایک

فوقی زبان کہا جائے لگا۔ اور یہ غلط فہمی ابھی تک باقی ہے۔ اور بد قسمتی سے اردو دوست اور اردو دشمن دونوں طبقوں میں ہے۔ لسانی ریاستوں کی تشکیل کے بعد سر لسانی فارمولے میں ریاستی زبان۔ قومی سرکاری زبان اور بین الاقوامی زبان انگریزی کو شامل کیا گیا اور اس فارمولے کے باعث خلی پرست خط والی عام زبان پُر ہر ریاست میں اقلیتی زبان بن گئی گوئی دوسرا قبل از سرخند ویکلی آف انڈیا میں ایک ماہر لسانیات نے لکھا تھا کہ اردو ہندوستان کی عام زبان ہے لیکن غلط رسم خط میں۔ اگر یہ ادعا صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عوام کی اکثریت کو اردو سے کوئی دشمنی نہیں ہے، البتہ ان کے پاس فارسی رسم خط سیکھنے کی کوئی ضرورت ہے نہ وقت اور وہ اس عوامی زبان کو لشکری زبان کے محض ذمہ یاد کرنا نہیں چاہتے اور ہندی کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن گذشتہ تیس سالوں میں سرکاری اور درسی کتابوں کی ہندی اور اس عوامی ہندی میں اس قدر فرق پڑا ہے کہ گاندھی جی کے فارمولے کو موجودہ حالات کے مطابق کی کوشش کی جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اردو ہندوستانی عوام کی ایک جہتی اور دیرین زبان ہندی اور فارسی کے طویل لسانی اختلافی آئیندار زبان ہے اور جب ناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے تو لوگ ہندی کہلاتی ہے۔

اب میں اردو والوں کے مقصد کے تعین مطالبات اور شکایات اور موجودہ پالیسی میں (اگر کوئی ہے) تبدیلی کی ضرورت پر مزید کچھ لکھنے بغیر زبانی اور لسانی ریاستوں کے قیام کے بعد اردو والوں کے لیے جو مسائل پیدا ہوئے ان کے حل کے لیے ایسے سوالات اٹھانے کی کوشش کروں گا جن پر غور کر کے صحیح فیصلے کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ ان پر غور کر نیکیے بعد کسی ایسی غلط اور دیرین پالیسی کا تعین ہو سکے جس کی بنا پر وہ زبان جو عوامی زبان سے اقلیتی زبان کے درجہ پر آچکی ہے، پھر سے عوامی زبان بن جائے۔

(۱) کیا اردو والوں کو حکومت کی سرپرستی نہ ہونے سے مایوس ہونے کی ضرورت ہے جبکہ تاتنگ ہند میں کئی سو سال سے عوام کی زبان لکھی سرکاری زبان ہندی رہی ہے اور اس کے باوجود ساری علاقائی زبانیں زندہ ہیں۔

(۲) کیا اردو کو قومی سرکاری زبان اور کئی ریاستوں کی ریاستی سرکاری زبان ہندی کا مد مقابل بنانا سبکی کوشش کی جائے یا اس کی دستوریت بحیثیت تسلیم کر کے درمیانی اقلیتوں کی طرح اس کا جائز دستور ہی حق منوایا جائے۔

(۳) کیا اردو والوں نے ہندوستان کی طرح کثیر لسانی ملک شٹسوئٹ لینن، ممالک متحدہ امریکہ اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ کی لسانی اقلیتوں کے ساتھ حکومتوں کے سلوک کے سلسلے میں کوئی معلومات حاصل کی ہیں اور اگر نہیں تو کیا ایسا مطالعہ سودمند ثابت نہیں ہو گا تاکہ حکومت سے دوسرے روادار ممالک کی مثال پیش کر کے مناسب مطالبات کئے جا سکیں اور یہ کہیں اگر براہمزی جاہلوں میں کسی لسانی اقلیت کا ایک بھی طالب علم ہو تو اسے

مدرستان میں تعلیم کے لئے اپنی زبان کے استاد کی فراہمی کا حق حاصل ہوتا ہے)

(۳) کیا ایسی ریاستوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ تعداد سولہ دوسرے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا جائے۔ ایسے مطالبے کے کیا عملی فوائد ہوں گے۔ یا ایسا مطالبہ متعصب افراد کی مخالفت میں مزید شدت پیدا کرے گا۔

(۵) کیا اردو والے سرلسانی فارمولے میں اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ ہندی یا سقوں میں تو یہ ممکن ہے، لیکن یہیں اس کی شدید مخالفت ہوتی ہے، لیکن دوسری لسانی ریاستوں میں چار زبانیں لازمی ہوں گی۔ اگر اردو والے صرف بین زبانیں دیکھنا چاہیں تو کون سی زبان چھوڑ دی جائے گی اور اس کے کیا نتائج ہوں گے۔

(۶) کیا اردو کو ابتدائی تعلیم کا ذریعہ تسلیم رکھا جائے اور بعد میں ریاستی یا قومی یا انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کی جائے۔

(۷) کیا اردو ذریعہ تعلیم کو تعلیم کے ہر سطح کے لئے ضروری سمجھا جائے۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو یہ سوال فوراً طلب ہو جاتا ہے کہ کب زمانہ حاضر میں علم برائے علم ہوتا ہے یا علم برائے روزگار کیا علم اور معیشت میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ 'MANAGEMENT' کے بین الاقوامی ماہر 'PEPER F. DRUCKER' نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے :

" آج تعلیم یافتہ لوگوں کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی ادارے میں ملازمت کرتی ہے۔ چاہے وہ

کوئی کمپنی ہو یا حکومتی ادارہ، ہسپتال ہو یا یونیورسٹی۔ یہ وہ پہلا سماج ہے جہاں کوئی الگ نہیں ہے۔

بلکہ تقریباً ہر شخص کسی کسی ادارہ کا ملازم ہے "۔

کیا اردو والے زمانہ حاضر کی اس حقیقت سے مستثنیٰ ہیں ؟

(۸) کیا اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس اور کالجوں کے خواب نتائج کی حیرت منگول کرنے کی کوشش کی گئی ہے یا کیا ان اداروں میں طلباء کی تعداد میں اضافہ کی کامطالبہ کیا گیا ہے۔ کیا ان اداروں کے فارغ التحصیل طلباء کے عملی زندگی میں کامیابی یا ناکام ہونے کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں کیا اس امر کی کوئی تحقیق کی گئی ہے کہ اسے طلباء کو ملازمتوں کے حصول میں باقیات متواتر اور روزمرہ کے سرکاری کاموں میں سہولت ہوتی ہے یا نقصان۔

(۹) کیا ہر اردو والے طالب علم کیلئے اس کو درجہ دوم و لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھانے کا انتظام کیا جائے گا یا ذریعہ تعلیم کوئی بھی زبان ہو گی اس مطالبے سے مارے اردو والے طالب علم مستفید نہیں ہوں گے۔ چند صدیوں میں زبان

کا اردو تعلیم ہوتا یا ہر مذہب میں زبان کی عام تعلیم ہونے کے دو متبادل فیصلوں میں کون سا فیصلہ زیادہ زیادہ کیلئے سودمند ہوگا۔
 (۱۰) کیا اردو رسم خط کا تحفظ کیا جائے۔ اس لئے کہ سارا ادبی سرمایہ اسی رسم خط میں ہے اور اس تصفیہ کے بعد کیا ہر مذہب میں لازمی اردو تعلیم کا مطالبہ ضروری نہیں ہے۔ اور اگر نہیں تو اردو خاندانوں میں رسم خط کا تحفظ کیسے ہوگا۔

(۱۱) کیا اردو والوں نے اس مسئلہ تاریخی جبر پر بھی غور کیا ہے کہ ان کی نسلیں جو ہندی ریاستوں میں۔۔۔ ہندی میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور غیر ہندی ریاستوں میں ہندی ثانوی زبان کی حیثیت سے سیکھ رہی ہیں وہ اردو رسم خط سے کس حد تک واقف ہیں۔ کیا یہ نسل گھر کی اردو کو ہندی رسم خط میں نہیں لکھ رہی ہے۔ کیا کئی شماریان جائزہ چاہے کہ نئی نسل میں کتنے اردو رسم خط سے واقف ہیں مگر اس تعداد میں تشویشناک حد تک کمی ہوئی ہے تو اردو والوں نے کون سے ایسے اقدامات کئے ہیں کہ اردو کا تہذیبی اثاثہ ان کو فراہم ہو سکے۔

(۱۲) کیا اردو کا رسم خط بدل دیا جائے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو کیا وہ رسم خط اردو میں ہو جائے یا غلطی ملی کی پسندی سمجھا جائے، کیا وہ ریاستی زبان کا رسم خط ہو (جس سے زبان کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گی) یا دیوناگری ہو (جس سے عوامی زبان اور سرکاری زبان کے قریب ہو جائے کے مواقع حاصل ہوں گے)۔
 (۱۳) کیا اردو کا ایک زائد رسم خط دیوناگری ہو۔ اگر یہ ضروری سمجھا جائے تو اردو کی ساری آوازوں کے لیے دیوناگری رسم خط میں کن معمولی تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی تاکہ لوگ "مر جا گالیب کی گھل" نہ بولنے لگیں۔

کیا کسی نے فارسی اور دیوناگری حروف تہجی میں سے اکثر ایک دوسرے کے مشابہہ اور صوف ہونے پر کوئی کام کیا ہے؟

(۱۴) اگر اردو کی کتابیں ایک سے زائد رسم خط میں شائع ہونے لگیں، ہندی پریس اردو کی مقبول عام کتابوں کو اس طرح سے چھاپ رہے ہیں، تو کیا اس کا سرکاری ہندی پرائیڈ ہو گا کیا اردو والوں نے ۱۹۴۷ء کی سرکاری ہندی اور ۱۹۶۱ء کی سرکاری ہندی میں (جو ریڈیو پر سنی جاتی ہے) کچھ فرقہ مرکبہ، یقیناً وہ اب عوامی زبان سے نسبتاً زیادہ قریب ہو گئی ہے۔

(۱۵) کیا اردو والوں نے ہندی تھر کے ارتقا کا مطالعہ کیا ہے کہ آزاد سے ۱۹۷۸ء تک اس زبان کا ہمیت ترک نہیں کی کچھ ارتقا ہوا ہے۔ کیا اس ارتقا سے دونوں زبانیں ایک دوسرے کے قریب نہیں ہو رہی ہیں۔ کیا

کیا اس حقیقت سے اس وہم کی تردید نہیں ہو جاتی کہ رسم خط کی تبدیلی یا ایک سے زائد رسم خط کے استعمال سے زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ ہندی کے موجودہ ارتقا سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغیر اس تبدیلی کے بھی زبانوں کے مزاج بدل جاتے ہیں۔ اور ایسی تبدیلی بعض اور حالات کے تابع ہوتی ہے۔

(۱۶) کیا اردو والوں نے اردو بولنے والوں یا لوگ ہندی بولنے والوں کی مدد کو کوئی کوشش کی ہے کہ انھیں اپنی پسندیدہ کتابیں اور شاعری کے مجموعے پڑھنے کیلئے مل سکیں۔ کیا عوامی زبان کو اکثریتی عوام کے رسم خط میں شامل کرنا زبان کی ترویج اور ترقی میں معاون نہیں ہو گا کیا عوامی زبان کو ایک نامانوس رسم خط میں دوسروں کیلئے، بقیہ کر لینا اس زبان کی خدمت ہے۔ اور کیا کتابوں کی عدم دستیابی کی صورت میں یہ زبان موجودہ نسل کے بعد عوامی زبان کی حیثیت سے باقی رہ سکے گی۔

(۱۷) کیا اردو والوں نے دوسری زبانوں کے جاننے والوں کیلئے، URDU SELF THOUGHT قسم کی کتابوں کی اشاعت کا کبھی خیال کیا ہے۔ کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہر ہندوستانی رسم خط میں اس قسم کی کتابیں شامل ہوں۔

(۱۸) کیا BASIC ENGLISH کی طرح کسی نے BASIC URDU بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ نقل اور مشکل الفاظ سے پاک ایک آسان زبان دوسری زبان بولنے والوں کے کام آ سکے۔

(۱۹) کیا اردو دشمنی کے محرکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کیا تعصب کا جواب تعصب سے دیا جانا چاہیئے یا رد و انکار اور فراق ملی کے اظہار سے۔

(۲۰) کیا اردو کی جدوجہد سیکولر انداز میں نہیں ہونی چاہیئے۔ کیا اس عوامی زبان کیلئے مجدد و مجددین کے میں قبول اور عمل کا انعقاد کمزوری کا باعث نہیں ہے۔

میں نے اردو کے مسئلہ پر بہت سے ISSUES یا سوالات آپ کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی ہے اگر اردو والے دانشوران پر فریضہ بد بانی انداز میں غور کر سکیں اور خود فکر کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں تو اس عمل کے دوران شاید یہ بات سمجھا دیتے ہوگی کہ اردو بولنے اور حکومت شاید مساوی طور پر اس بات کے دعوے کرے کہ ہندوستانی ہندو بی بی ایک مشترکہ اور یک جہتی بردار کرنے والی میراث کو اس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اگر اس وقت مناسب حفاظتی تدابیر نہ اختیار کی جائیں تو بہت کمزور ہو جائے گی۔ اردو میں ہندوستان کی یہ عوامی زبان جس کے ارتقا میں ہر فرقہ کے لوگ شریک رہے ہیں اب محض ایک اقلیتی زبان بن کر رہ گئی ہے وہ ہندوستان میں فارسی دور سپین میں عربی کی طرح خود اردو والوں کی کوتاہ اندیشی اور عدم توجہ کی بنا پر ہندوستان میں پدید ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کی ساری زندگی اردو والوں کی موجودہ نسل پر ہوگی۔

جناب ہادیون خاں شروانی

حمید آباد



آج کل تاریخ دکن، عہد وسطی کے لغتوں کی وجہ سے کسی دوسرے علمی کام کی طرف توجہ نہایت دشوار ہے۔ میرا تو یہ اقبال ہے کہ ہمارا نستعلیق رسم خط خود تو ڈوبے گا نہیں لیکن ہماری زبان کی بربادی سبب بن جائے گا۔ مگر اس کو کوئی سننے کے لیے تیار نہیں۔ لوگ چلک دنیا کی ہر زبان میں تھے، لیکن سوائے ہماری زبان کے ہر دوسری زبان نے طبابت کی غرض سے یا تو ان سے استفادہ حاصل کیا ہے یا پھر اس رسم خط ہی کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ ہم ہی ایسے خوردبین ہیں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے، ہم زبان کے دم واپس میں ہلکے سرو موہنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ اپنے تازہ ترین مضمون ”اردو رسم خط“ میں اس نقطہ نظر کے بالکل ہی قریب آگئے ہیں، اور مشکلات اور خامیوں کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ لیکن ان کے باوجود آپ موجودہ رسم خط ہی کو (جس سے غالباً نستعلیق رسم خط سے مراد ہوگی) تاہم رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ آپ نے جو تین اسباب شمار کیے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ بے بنیاد و ناگہری رسم خط کی اردو زبان پر تطبیق کی حد تک آپ کے سو فیصدی ساتھ ہوں، اردو رسم خط کی ترویج میں جو دشواری ہے اس کی وجہ سے دیر لگے گی، مگر میں اسے اپنانے میں کوئی خطرہ تصور نہیں کرتا۔ ہندیب کا تعلق زبان سے زیادہ ہے، رسم خط سے اتنا نہیں۔ جو کوسلافیہ میں تقریباً ایک ہی زبان دو مختلف لپیوں میں لکھی جاتی ہے، لیکن دونوں خطوں کا تمدن ایک ہی ہے؛ لہذا اور انڈونیشیائی اپنا رسم خط بدل دیا ہے، تو شاید ان کی ہندیب کو کوئی فائدہ کا نہیں لگا۔ بہر حال اس مسئلے پر بحث بہت کچھ قبل از وقت ہے۔ لیکن طباعت میں نستعلیق کی بجائے نسخ کے استعمال سے تو بظاہر کوئی خطرہ نہیں۔ جیسا میں اوپر عرض کر چکا ہوں، آپ اپنے مضمون میں اس نقطہ نظر کے بالکل قریب آگئے ہیں، مگر اس سے تم اس کر لیا ہے، مگر ایک ساتھ اس سے گریز بھی کر گئے ہیں۔ میں ذاتی طور پر آفیسٹ کو صرف محدود طور پر مفید سمجھتا ہوں۔ اگر کثیر اشاعتی اخباروں اور کتبوں کے لیے یہ طریقہ کار آمد چنا تو اخباروں اور کتبوں کے لیے ہر جگہ استعمال کیا جاسکتا۔

بہر حال مجھے اس بات سے اطمینان ہو اگر اردو کے آپ جیسے صف اول کے عالم بھی موجودہ صورت حال سے متاثر ہیں اور اس میں ترمیم کے خواہاں ہیں۔

مکتوب۔ بنام نادر مہدی

جناب جمنا داس اختر

۱-۹ء ساؤتھ پینلنگر، نئی دہلی



(میں) خبردار کہ ہوا مگر حیرانی نہیں ہوئی کہ دہلی اسمبلی میں جننا دل کے ایک بھر جناب شعیب اقبال کو بھارتیہ جنٹا پارٹی کے ایک میرے پاکستانی ایجنٹ قرار دیا۔ اولاً ذکر کا "تصور" یہ تھا کہ اس نے اسمبلی کی کارروائی کا ایجنڈا اردو میں تقسیم کرنے کا معاملہ اٹھائے جانے پر کانگریس کی مسز تارا دھار یا برکی شکایت کو حق ہی ثابت قرار دیا۔

اردو کے معاملہ میں تعصب اور تنگ نظری کا خاتمہ ہونے میں نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے کہ چند سال پہلے تو پریشانی کے ایک غیر کاغذی مگر سچا اور چوتنے کا دھوا کرنے والے ایک وزیر اعلیٰ نے یہ کہہ کر اردو کی مخالفت کی تھی کہ فارسی رسم الخط ہونے کے سبب یہ ایک غیر ملکی اور اسلامی زبان ہے۔ ۱۹۴۶ء میں مجھے ہندوستان ٹائمز کے خاتونہ شعور صی کے ہر راہ سوشلنگ میں اس وقت کے وزیر اعظم مشرا م چندرا کک سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ وہ بے میرے ساتھ میرا پورا نام بتاتے

کے جہانے موفج ہے۔ جنم۔ اختر کہہ کر وزیر اعظم سے تعارف کرایا تو وہ براہِ علم نے شعیب کے مسئلے پر گفتگو کرنے سے گریز کرنے کی کوشش کی۔ اور عرض کر کے کہ باتیں کرنے لگے۔ بعد میں میرے ساتھی کو دوسرے کمرے میں لے جاکر پوچھنے لگے کہ آپ اس مسلمان کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہیں؟ جب میرے ساتھی نے کہا کہ یہ مسلمان نہیں بلکہ جننا داس اختر ہندو ہے تو وزیر اعظم نے اطمینان کا سانس لیا یہ اختر کے نفع سے انہیں غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ مجھے مسلمان سمجھ کر میری موجودگی پر سیاسی صوابت حال پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ۱۹۴۷ء میں میرے ہی خاندان کے ایک ممبر عمیر کر نل دتال نے انہیں گرفتار کیا تھا۔

میں ان لوگوں میں نہیں ہوا اردو سے معنی اس لیے نصرت کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں ملک کا تقسیم کا ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والے ہندو کی حمایت کرتے

تقسیم کے بعد اردو زوال کے دور سے گزری سحر آج پھر اردو کی پوزیشن بحال ہو رہا ہے۔ اردو سے نفرت کرنا اور اسے نظر انداز کرنا اس ملک کی مشترکہ تہذیب اور تمدن پر ہلکے وار کرنا ہے۔ حق گفت اور نفرت کرنے والے اس بات کو بھی نظر انداز کر رہے ہیں کہ ویدوں، پورا فوں، اپنشدوں، رامائن، مہا بھارت اور گیتا میں مقدس کتابوں کے تراجم ہزاروں کی تعداد میں ملک کی تقسیم سے پہلے شائع ہوئے تھے۔ ہندی میں رامائن کا صرف ایک منظوم ترجمہ پنڈت رادھ شام نے کیا تھا لیکن رامائن کے لگ بھگ ایک دہائی منظوم ترجمے شائع ہوئے۔ ان میں سے تین میرے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ بھاگوت پور ان کے دو منظوم ترجمے اردو میں شائع ہوئے۔ بھاگوت گیتا کے دو الگ الگ منظوم ترجمے لاہور میں مرحوم خواجہ بول محمد اور سید حبیب دہلوی نے اردو میں شائع کیے۔ آپ جبران ہوں تھے کو مقبول آئیدی لاہور نے ۱۹۸۵ء میں جناب عبدالعزیز خالیدی کی مرتب کی ہوئی کتاب ”مہا بھارت تین سالہ شائع کی۔ اب تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے ٹائٹیل پر مہا بھارت کی جگہ سے حلقی ایک تصویر درج ہے۔ اس میں ارمین کوئیر چھوڑتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز مندرجہ ذیل سطویں لکھا گیا ہے:

محکم و حرف و حکایت کا مروج
خزینہ دانشی نو دانی ہند
ہندوستان کے اس مشترک ماضی کے نام
جس پر ہندوستان کے مستقبل کو کامیاب

تھے۔ ستر لکھ یعنی ۷۰ لاکھ پاکستانی آج بھی انڈیمیں محضوں میں سرکاری اور قومی زبان کا درجہ حاصل نہیں کر سکیں۔ آج بھی پاکستان کے مقابلے میں ہندوستان میں اردو کی کتابیں زیادہ تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ مغربی پنجاب میں ایک طبقہ اردو کو گنگا جمنی تہذیب کی پیداوار قرار دے کر اس کی مخالفت کر رہا ہے۔ بلوچستان کے سابق وزیر اعلیٰ نواب اکبر بگٹی کو اردو سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے گفتگو نہیں کرسکتے۔

اردو کو پاکستان سے وابستہ کر کے اردو کے کسی حامی کو پاکستانی ایجنٹ قرار دینا تعصب، تنگ نظری، فرقہ پرستی اور اخلاقی گراؤ کا مظہر ہو کر رہا ہے۔ اردو کا جنم برصغیر کے اس حصے میں ہوا تھا جسے آج بھی ہندوستان کہتے ہیں۔ اردو جاننے والے تمام ہندوستان میں ایک اور لگ بھگ تمام ہندوستانی ریاستوں میں اردو کے اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ اردو کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا روزنامہ ہندوؤں کی ملکیت اور ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ لاہور اخبارات پرنٹس والوں میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں۔ میں پٹیل نگر میں رہتا ہوں جو پنجابی ہندوؤں اور سکھوں کی کستی ہے۔ یہاں قومی آواز، ہند سماچار، برتاپ، سلاپ اور بھگیا جیسے اردو اخبارات باقاعدہ سے فروخت ہوتے ہیں۔

مجھے ان ہندو سکھ اور جسانی ادیبوں، شعرا اور صحافیوں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو آج بھی اردو کو اپنا لے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ملک کی

یقیناً جا بجا بھارت پر سنسکرت کے
 سوا کسی بھی دوسری ہندوستانی زبان
 میں ایسی شاعری اور قابل توفیق زبان
 آج تک نہ ملنے لگی ہے۔ اس کی اعزاز
 پاکستان میں ایک سلمان کو حاصل
 ہوا ہے۔

۴۔

اردو کو مقبول بنا کر اور اس کا
 صحیح درجہ بھالی کر کے ہم نہ صرف اپنے
 قدیم دور کی عظمت کو رکھ سکتے ہیں بلکہ
 مختلف ریاستوں میں تالیف کا سلسلہ
 بھی جاری کر سکتے ہیں۔ اس بات سے ہم
 ملک دشمنوں کی جاسوس کر دہ ہندوستان
 اور پاکستان میں بغاوت اور بغاوت
 فرقی بھی ادا کر سکتے ہیں۔

اردو کو قومی زبان کی حیثیت سے
 احسن کا صحیح درجہ ملنا چاہیے۔ دراصل
 تمام تنگ نظری کی جڑ فرقہ واریت سے
 ہے۔ آزاد ہندوستان کے معاروں
 نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد
 کی ہے۔ یہی ہے کہ یہاں ہندو گھروں
 کے لیے لازمی قرار دیا تھا۔ مگر یہ
 ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ سیاسی
 ملاوٹ پرستی فرقہ واریت کا انسداد
 ہونے لگی ہے۔ فرقہ واریت میں شیعہ و اہل
 نے فرقہ واریت کے خلاف جدوجہد
 کی تو انہیں فرقہ پرست قرار دے دیں

گئے کی کوشش کی۔ اور تو اہل باستی
 ایک ہی میں پڑ جا پڑتے کہ ایک دکن
 نے ہشتی غلام محمد کو پاکستان کا ایجنٹ
 قرار دیا تھا۔ مرحوم میر واعظ علی خان
 شہر کوئی اندرا گاندھی سے مل کر ریاست
 میں بغاوت کا ایک نیا دور شروع کرنا
 چاہتے تھے مگر خود غرض غائب ہو گئے
 ملاقات نہ ہو سکی۔ دلی میں جب غرضی
 غلام محمد کو فرزند اپنا قائم اپنی بیوی
 کے نام منتقل کرانے کے لیے رجسٹرار
 کی عدالت میں گیا تو رجسٹرار نے
 جھجھکا کر کہا کہ آپ پاکستان کے
 نہیں چلے جاتے۔ جب جو بیوی نے
 اپنا تعارف کرایا اور رجسٹرار کو दाٹ
 دیا تو رجسٹرار کو اپنی حماقت کا احساس
 ہوا۔

ملک دشمن اور سماج دشمن جرائم
 کا انسداد کرنے کے لیے جہاں انشطار
 میں میران دکن افراد جوئے جاچین وچین
 سیاست والوں کو مہذب ہی تعجب اور
 تنگ نظری سے کام لیں لیتا جا رہے۔
 مندر اور سید کے نام پر سیاسی
 دکان چمکانے والوں سے کوئی پوچھے
 کہ آپ اسمگلنگ کے دھندے اور
 عصمت فروشی کے خلاف کیوں آواز
 بلند نہیں کرتے؟ بے پارٹی اردو کے
 پیسے کیوں ہاتھ دھو کر بڑھ چکے ہیں۔
 اقلیتوں کو جتنی ان کے مذہب کے
 سبب کیوں شکر کی گئی چوں سے
 دیکھتے ہیں۔

سارا کام انگیزی میں ہوا تھا۔ انکو لڑا اور بالوں میں لٹک کر پڑی ہاں ذریعہ پیہنجی، سارے خفا میں انگیزی میں پڑھا جاتے تھے۔ صرف اندو کا ایک کپڑا زینت نکلیں ہو کر لڑا تھا۔ رونکا روزی سے اس وقت اندر کا رشتہ بڑے کام تھا۔ چہرہ تر اور پر ہنسنے جیسے چلنے کا رشتہ بعد ازاں اس کی زندگی گزار رہے تھے۔ سرسید نے اسی موٹ چلنے کی موافقت میں حقون انیسٹورکٹ کا ایک ہی ہنساں ڈالی تھی لیکن اندو اس وقت جن ترقیوں کی منتظر تھے کہ کر رہا تھی آج کے ہندوستان میں اب وہ خواب و خیال ہو گئی ہیں۔

حالانکہ اس وقت کے اعتبار سے آج کے اندو کا روزی روزی سے زیادہ غور و زخم پیدا ہو چکا ہے آج کے لباس پر آنسو بہا رہے ہیں کہ اندو صرف ایک ادبی زبان ہی نہ کر رہی تھی جسے جہاں تک علوم کی خواہش میں ہی اس کی مقبولیت کا سوال ہے یہ محض نکتہ اور نکتہ کی زبان ہو گئی ہے۔ علمی اور فلسفی کی زبان کی جو بہت آرازی سے بے نیازی تھی آج اس کا کس کسٹن نہیں ملتا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس وقت کے اندو والوں کا اندوختہ خیالی نگاہ تھا وہ اندو کو اپنے شخص کی تک زندگی کے اندوختہ سے

انہیں اس کا یقین تھا کہ اندو کو قلم پر چلنے کی تو اس ہی روز تو مل سکے گا کہ اپنی تھکات کے بعد اپنی شرافت سے ہی رستہ بردار ہوجا یا نہ ہو گا۔ اندو کا دوری روزی سے رشتہ کا ہوا باندھے والوں نے اندو کا لٹا لٹا کر اس کی آواز کی آواز کے متعلق سامان رسائی پر غور نہ کر کے بے بی تعلیمات ہمارا کو رہا ہے۔ اندو کو رہے آواز آ رہی ہے کہ ہمارا کس نے بیڑ میں۔ اس توں ہماری سب سے بڑا غور یہ ہے کہ ہم اندو پر چلنے والوں کی اور اندو پر چلنے والوں کے ساتھ کیا کوشش میں نہ جاتے ہیں اس کے ہمارا میدان قلم میں ہونا ہے کہ ہم اندو کو قلم پر چلنے والوں کی اور اندو کو قلم پر چلنے والوں کے ساتھ کیا کوشش میں نہ جاتے ہیں اس کے ملواری زمان میں اندو کی تعلیم کا اہمیت ہے کہ کسی کو اندو کا رہا ہے، غرض ان امور کی حکومت جو کبھی اندو کو نہ سمجھ جاتے تھے اور نہیں آج کے ہندو کو لکھنا نہ سمجھتے ہو کہ چاہئے، ہمارا لکھنا، سونے پر لکھنا اور اس حوالہ اس پر براہ راست ہے کہ اندو والوں کے مابین فروغ اور زبان میں اندو کی تعلیم کا اندو کا ہکر رہا جائے۔ اگر ہمارے بچے یہاں

کہا کہ ہم اپنی اس اندو کی تعلیم اور دینی حاصل کرتے ہیں تو اندو سے ان کے لئے ہوتے رشتے میں جان بڑھاتے ہی اور اندو کے ان دینی زبان کی تعلیم حاصل کر کے جو آواز سے پہلے ہمارا لکھنا اور اندو کا رہا تھا۔ جو کہ ہندی کو سزا دینا اور زبان تسلیم کر لیا ہے اور اندو کو بلا غور میں ہی سزا کا ہم ہی چوڑا لکھتے۔ اندو ہندی سے واسطہ رکھتے ہوئے ہمارا روزی روزی کا مسئلہ کسی طرح حل ہی ہو سکتا۔ اس نے اندو کو زبردستی ہم کہ سارے اندو کی تعلیم کے دینی میں ہندی رسم الخط سے پوری آشنائی حاصل کر دینا ہی ضروری ہوگا۔ دوسرے سارے خفا میں اندو میں بڑھانے چاہئے لیکن ایک محفل ہندی کا بھی رہنا چاہئے۔ اس کے لئے اسلاف میں اندو کی کوئی غور نہ ہوگی۔ ایسے کہ ہندی کا اسکولوں میں اندو کی تعلیم ہوگی چوڑا ہے اور اندو کے اساتذہ ہندی سے ہی واقف رہتے ہیں۔ اور اندو کے ہم پر اندو کی اسکول کی تعلیم کی تباہی کی ذمہ داری اندو کو لکھنا ہوگی

ہر گز جواروں کے جان فشانیوں میں شمار کئے جانے میں ارادہ غرض کو قیادت و حمایت
 کی غرض سے کام نہ لیا گیا ہے بلکہ وہ جن کو انہوں نے اپنی خواہش میں لیا ہے۔ اور یہ ہے کہ ارادہ میں
 زندگی کی ساری چیزیں جمع ہو جاتی ہیں ان لوگوں کے ذریعہ جن کا نام ارادہ کے خاص فنکاروں اور
 یہی فنکاروں کی ہر صورت میں یکساں رہی ہو جن میں ہے۔ جو کہ کھینچنا محض یہ ہے کہ ارادہ کی قیادت
 ہم اند میں نہ خود رہے گی اور یہ خدمت خود کے ہر فنکار اور فنکار کے ہیں۔ جس طرح بینر
 خلیج اور زبان میں غرض میں ارادہ ان کہ ساری خلیج خود کی زبان کی دیا جا رہا ہے اس طرح
 خلیج کے رہنے والوں میں ارادہ میں کسی خاص ارادہ زبان گفت میں خودی یا غرض خلیج
 خلیج کے رہنے والوں میں ارادہ میں کسی خاص ارادہ زبان گفت میں خودی یا غرض خلیج
 کا نام دیا جائے گا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ خودی یا غرض خلیج میں زبان ہوگی
 یہ ہمارے گھر والے اور خلیجوں میں رہنے والی ہے۔ یہ ارادہ جسے ارادہ کہتے ہیں
 سب کو یہ خودی نہیں ہیں جوئی وہ اپنے اپنے میں ارادہ کو دیا گیا ہے کہ ہم اند میں خلیج کی
 حالت کو دیکھیں۔ ہر حال میں ارادہ خلیج کی اکثریت کی طرح ہیں یہ خیال ہے کہ ارادہ کے
 جسم پر دیا گیا ہے کہ اس کے اندر وہ اپنے فٹ نہیں ہوتا کیسے سے حسرت کیسے سے اسیار کیا کہ
 ہیں گفت ہے کہ یہ اس کے اندر نہیں کسی کا نام کہ ہمیں لیا ہے۔ ہمارے توجہ کو یہی خیال ہے
 ارادہ کی حسرت تو ہمیں خاص ارادہ میں ہی نہ تھا ہے۔ اگر ہم اس کے لئے کھلے دیا گیا ہوگی
 خلیج خلیج میں نہ لیا گیا تو اس کا سارا حسن خاست ہو جائے گا اور اس میں ہر وہ چیز نہ لیا جائے
 ہوگی جو خلیج کی طرف خلیج ہے۔ ہر حال میں کہتے مافی ہر حال ہے ارادہ کہ میں نے نہایت اکثریت
 ارادہ زبان کی طرف خلیج میں کھینچنا خلیج ہے۔ کھینچنا خلیج کے ہر حال میں خلیج کی حاجت یا
 خلیج کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے کہ وہ خلیج یا خلیج کے رہنے والے ہیں۔ ارادہ ہمیں دیدہ ہمیں کے ساتھ
 کہ ہم نے نہایت کم از کم خودی یا غرض خلیج دیا جائے کہ میں نے نہایت کم از کم خودی یا غرض خلیج
 وہ کہیں لگے یہ ارادہ خلیج کے ہیں یہ تو ہماری ہی خودی ہے۔ ہر حال میں اس کو کھینچنا لگتی ہے اس کے ہم تو



آج اردو کے بنیادی مسائل کچھ تو ایسے ہیں جو حوصلہ افزائی کے پیلے سے
سہارے سائے موجود ہیں اور زیادہ تر آنکلی کے لہجہ کی پہلا وار چہ اور اس مسئلہ میں سب
سے اہم نکتہ یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے اردو کے فروغ و ترقی اور تعلیمی خدمات کے
ادارے کے بنیاد کی بابت حکومت کے بیان کردہ معاہدہ اور عمل میں تعاد ہے اور
یہی تعاد موجودہ پیچیدہ مسائل کی بنیاد ہے۔

حضرات! اردو رہنماؤں، سچیندر، سمجھوتہ، اردو، تحریک خاں
کہ جب تک اردو منزلہ موجود ہے اور جب تک نئی دنیا ہے اور زمانہ تو لیا اور کاروان
رہے گی۔ اسی طرح ہمیں جس فرقہ خاں اور عیالیں خاں اور دیوبانڈی مشاعرے اور
مذاکرے کی جھبٹ "پتوں پر چھڑکاؤ تک" کے مترادف ہے۔

جانب والا! اردو کے تحفظ و بقا کا مسئلہ دراصل بنیادی مسئلہ ہے۔
فریضہ رانشاہ کا معاملہ بھی آج "پتوں پر چھڑکاؤ" کا مسئلہ ہے اور جب تک
اردو کے تحفظ و بقا کا بنیادی طور پر اور اسلئے غلام نہیں کیا جاتا۔ جس پر کوئی
رجہ گی۔ حکومت کا طرز عمل جو بالادو کے لابی فریضہ رانشاہ کے اداروں کی سرگرمیاں
جلا وہ سب پتوں پر چھڑکاؤ کی غاشی سرگرمیاں ہیں جن کے پیچھے اردو کا
دیکھنے کے جذبے سے زیادہ کسی دیکھی طے غدا پرتی موجود ہے۔

آزادی کے لئے اردو کی جڑوں کو تار و تاب رکھنے کے لئے بہادر
کے اردو دیکھتوں نے قابلِ فخر کامائے انجام دئے ہیں جنہوں نے جڑوں کی شادابی کے پیش
نظر دیکھ کر یا کہ اردو کے تحفظ و بقا کے بنیادی مسائل میں اردو کی تعلیم کا مسئلہ سمجھ
اہم ہے اور اس وقت اسکولوں میں تھے لغات کیلئے جو ایسی نہیں ہیں جس سے اردو
کی بقا کو زبردست خطرہ تھا چنانچہ اردو سرگرمی کیلئے اردو وجود کے ذریعہ شاعری
سطح پر اردو کو ایک شاعری زبان کے لابی فنون کی جھبٹ و لٹ میں کیا جانی حاصل
کئی حصے کے سہارے تصویر کی کاروں کی راہیں کھل گئیں۔

بہر حال اردو دیکھتوں نے اردو کے تحفظ و بقا کے لئے اس کے فروغ
کے مسائل پر غور کرنے کے لہذا سات مضمون معاہدہ سچین کے جن کے تحت انسانی تاروں
اور اعلیٰ تہوں سطح کی تعلیم کو اولیت دی گئی اور حکومت سے بھی سات مضمون معاہدہ کے لئے
اردو کو دوسری سرکاری زبان کی جھبٹ دئے جانے کا مطالبہ شروع کیا گیا اور اس مطالبے کو
مؤثر بنانے کے لئے اردو رہنما، زبان دیکھ والوں کے دس اکوڑ وسط غلام کر کے صدر جمہوریہ

کے سامنے دستبرد نہ کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت ایک تحفظ نامہ کے ذریعہ انجن کے ایک دفعہ وفد نے ایسا مطالبہ دکھا اور مندرجہ تعویج کے لئے دستبرد کی دفعہ ۳۴۸ کے تحت بھی مندرجہ مطالبات کئے گئے۔ دوسری بات اردو دستروں نے محسوس کیا کہ اردو تعلیم کی جڑ کاٹی جا رہی ہے اسلئے فحری کاموں کی طرف توجہ دیتے ہوئے سب سے پہلے اقرب اردو گزلس ہائی اسکول لہنہ بنی قائم کیا گیا۔ پھر نیرہ جو وہ اضلاع ہیں اردو تعلیم کے گزلس اسکول اردو دستروں کے تعاون سے مندرجہ کولے گئے۔ جبکہ اقرب اردو گزلس اسکول قائم شدہ ۱۹۶۶ء میں پہلے حاجت محمدی ایک ہی گزلس اردو اسکول نہ تھا۔

اس طرح بارہوی آزادوی سے پہلے صرف سات اردو میڈیم کے ہائی اسکول تھے لیکن اردو تحریک نے ہر فحری اور تعلیمی بہداری بہداری کی اس کے نتیجے میں تقریباً انشائی اردو ہائی اسکولوں کا قیام عمل میں آیا۔ ان میں سے اکثر کو انقلابی حیثیت مل چکی ہے۔ اسی طرح آزادوی کے پہلے ایک سالج بھی اردو انقلابی حیثیت کا مانہ تھا اور اس وقت ان کی تعداد دو درجہ میں ہے یعنی اوپر ہے۔

ابتدائی تعلیم کی سطح پر بھی اردو دستروں کی کوششوں سے ابتدائی تعلیم کو بھی فروغ حاصل ہوئی اور ۱۹۶۸ء میں حکومت مجبور ہوئی کہ ابتدائی اسکولوں میں جنسی برائیاں ہیں ان میں سے ۷ فی صد سے ۱۰ فی صد تک اردو اساتذہ کی بحال ہیں اس طرح ہزاروں شیجرس ٹیگ اسکولوں پر بھی ۱۰ فی صد تک داخلہ پناہ ضروری قرار پایا اور ۱۹۷۸ء میں تقریباً آٹھ سو اردو پرائمری اور ملک اسکولوں کو انقلابی حیثیت دلائی گئی۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بناری اردو تحریک کامیاب رہی اور اردو تعلیم کے لئے جو کچھ چاہا وہ اردو تحریک کے دباؤ کا نتیجہ تھا۔ ہر مندرجہ ذیل سیکرٹریڈ جمہوری طور پر چلائی گئی، احتجاج، مظاہرے، جلے اور وغیرہ کو طریقہ کار بنایا گیا جس کے نتیجے میں ایک دہائی عرصہ بعد حکومت نے ۱۹۸۵ء میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دینے پر مجبور ہوئی۔

اردو کے بنیادی کاموں میں جو نامہ اسادت اور کراٹ طبعی چل رہی ہے اس میں سرکار کی بدبینی ہر دور میں دہرائی عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود اردو والے خصوصاً نام نہاد دانشوروں اور سیاسی افراد کے منہ اردو آبد بھی کسی نہ کسی طرح دہرائے اور اس صورت حال کو ختم کرنے کے لئے آج جیسی نصوص فلسفوں کے بنیام کی ضرورت ہے۔



سک بگرنے پر اللہ کا مستقبل، ایک ہے اور اس کے ذمہ دار ہم اللہ کو ہی ہیں۔ آج اللہ تعلیمی اداروں سے ہمیں زندگی ختم ہوتی جا رہی ہے، اس کی شکل کو اللہ سے نہ دیکھی نہیں ہے جو آزادی سے قبل کی شکل کوئی۔ اور وہ اس کی کئی شکاں کر گئے ہیں۔ اس کی وجہ ہے کہ اللہ مخالف ایک طبقہ، اللہ کو تقسیم ہند کا ذمہ دار قرار دینا ہے اور ہم سب کو ایک پروپیگنڈا کی قربانی بنا رہا ہے۔ یہ وہ ہے جو کبھی ہم اس سک کا ہی معنی تھا۔ یہ اس کی کئی کئی سبب ہے کہ ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اللہ صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ تمام فرقوں کی زبان ہے اور ہم اپنے اس دور کے کرتوت ہیں جہن نامہ آزاد، گویا دنیا کا رنگ اور راجندر سنگھ بیدی جیسے لوگوں کا نام لینے میں کئی اللہ پر سہارا ہوتا ہے جو اصل ہم نے اپنی تمام قوتوں سے لٹا رکھا ہے اسے نہیں پتا جا سکتا۔ اللہ مسلمانوں کی زبان ہے یہ کتنے ہی میں شرم کریں گے کہ ہوتی ہے؟ اور جب کوئی کہہ کہہ دینا ہے کہ اللہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو ہم جانتے ہیں کہ یہ سبب ہے؟ حقیقت ہے کہ اگر اللہ نہ ہوتا تو نہ تو زندگی ہوتی، نہ تو زندگی لوگوں کا ایک دور سے لے کر آج تک جو یہی ہوا ہے کہ جیسے جیسے مسلمان زبان کو دوسروں سے منقطع کر دیتا تھا اس وقت فارسی اور عربی آسمان اللہ مسلمانوں کی اور سنگیت آسمان ہندی ہندوؤں کی زبان بن گئی تھی۔ اس کے بعد اللہ کو تقسیم ہند کی بدقسمتی سے زراں کا شکار ہونا لگی کہ تو تم مسلمان خود ہی اس کی کئی شکاں کر رہے تھے اور امتیاز کا لہر بر بد حال ہو رہا تھے۔ اور آج میرے حال سے کہہ کہہ دو کہ اللہ کی زبان بھی نہیں رہ گئی ہے کہ تو مسلمانوں کی اکثریت خاص طور پر ہندی نسل کو اللہ سے دیکھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو تعلیمی اداروں سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ایک میرے حال ان حضرات میں زیادہ خواہ ہے کہ یہاں اللہ دوسرا مسلمانوں کی زبان بنا رہا تھا ہے اور حکومت اللہ پر اچھی خاصی رقم خرچ کر رہی ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ اس تعلیمی اداروں سے بھی علی اور طلباء کی اکثریت ہندی سنیہ سے تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس طرح اللہ ہم اس لیے تعلیمی اداروں سے بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔

اللہ کے سامنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ ادارے جسے اللہ کو خود ہی چاہتے ہیں پادہ جو بکری گزرتے پر چلے ہیں ان اداروں نے بھی اللہ کو غرض سوں سے دور رکھا ہے۔ یہاں اس اللہ سے دیکھی نہیں ہے اور ہزاروں لوگوں کو اللہ کے سامنے لگا کر لٹھ نہیں ہے۔ اللہ تعلیم ختم ہونا کی وجہ سے پورے سک میں اردو کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے۔ اللہ تعلیم کو فروغ دے ہندو اللہ ہی نہیں بلکہ کسی بھی زبان کو زندہ نہیں رکھا جا سکتا خواہ حکومت اس زبان کی فروغ پر کتنی ہی بڑی رقم کریں نہ خرچ کر دے۔



اردو کے فروغ کے سلسلے میں حکومت جو فنڈ فراہم کرے اس کے بغیر بائٹا کٹنے فکر مند رہتے ہیں، اردو کو
نگہ دہا ہے تو رنے اردو کے سخی اداروں کا کلیدی عنصر بنے گی۔ حکومت سے عہدہ ارفضہ ملنے کے بعد اردو کا مقصد اور کام
اردو کی ہمہ گامیابی کی منزل سے ہٹنا رہ جاتی ہے اور دوسری طرف حکومت بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں سچی بہ بھرپور پی کے کہ —
را، حکومت کا لیف سے کوئی بھی سبہ کی پیش کش قبول نہیں کرتی چاہے اردو کی حکومت کو یہ احساس دلا جائے کہ ہم
آپ کو عہدہ سبکدوش ہیں، بلکہ ہمیں حکومت کو یہ احساس دلا جائے کہ ہم ان عہدوں سے بے نیاز ہیں، جس طرف اردو کا
فرد نئے اور نئے ہوتے۔

۲، اردو کے معنی جو ہیں اور اس میں شلا افسانہ نثری اردو، اردو کہندی، فروغ اردو، اردو ترقی کی بورڈ، اردو ساری
بورڈ — ان سب اداروں کو اردو کے فروغ کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ ان اداروں کو حکومت سے جو فنڈ ملتا ہے
اس کا استعمال نئے اردو پر امانداری سے کرنا چاہئے۔

تیسرا اسکول اور کالج کی تعلیمی کتابیں جو اردو زبان میں ہوتی ہیں ان کے اردو میں ترجمے کر کے دیا جائے اور بعض جگہاں
جائے تاکہ اسکول اور کالج کے اردو والوں کو اردو کو مدد کی تعلیمی کتابیں پڑھنے کیلئے معذور نہ ہو جائیں۔ ان کے کالج
اور بورڈز، ان کے دوسرے اداروں کے ذریعہ اردو میں تعلیمی کی اجازت نہیں ہے، دیکھو اور باجہ حکومت اور کلام کے سیکرٹری
مقرر ہر ایک کے لئے ان کے اداروں کے۔ اسی طرح ریاستی چیک سٹروں کے کٹیشن اور بورڈ میں چیک سٹروں کے کٹیشن میں بھی سہارا ملے جواب
اردو میں تعلیمی کی اجازت دلائے گی کہ شش کی جلد

۴، جو سب سے اگلی نثری (نثری) اسکروں میں پڑھتے ہیں ان کے والدین پر دباؤ ڈالا جائے کہ ان کے بچوں کو نثری اردو کی
تعلیم دی جائے۔ اس کیلئے نئی نثری نثری ہم جلد ہی ہوگی اور ہم کہنے بہت طریقہ معیشت، پر سرگرمی اور نثری نثری
کا پتہ ملے گا تو زبردستی نثری نثری یہ پیغام بھیجا جا سکتا ہے۔

۵، عام تجربہ یہ ہے کہ حکومت کو سہم سہا رہیں، سہم سہا رہیں اور لاہور کے اردو والے ان سہم اردو والے ان
خبردار اور سہم سہا رہتے ہیں بلکہ وہ بھی اردو اگلی نثری اخبارات خبردار سہم سہا رہتے ہیں خبردار سہم سہا رہتے ہیں۔
ہم دینی اور سہا رہا ہے۔ البتہ اگر کوئی
تہذیبی وزارت کے اہل ہیں وہ ان کی مخالفت کریں اور نام رکھیں۔



سید عہد کے بقول کسی قوم میں زوال اپنی طرح دے پاؤں آتا ہے اردو پر زوال بھی اسی طرح دے پاؤں آیا۔ اردو کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کی نسبت ایک ایسی قوم سے ہو گئی ہے جو زوال آگاہ اور زمان آئندہ ہے احساس نندہ پر تو بھائی امید پیدا ہو جاتی ہے اور اگر احساس ہی باقی نہ رہے تو زیست کی توقع یا پوس کنی ہو جاتی ہے۔ ٹھکر ہے کہ اب اپنی زبان کا لاری اور بڑھائی کا اس قوم کو کچھ احساس ہونے لگا ہے یہی احساس اپنی ستار گمشتہ کی باتیا بی کی نوید ہے۔

گھر کو ناگ اکثر اپنے ہی گھر کے دروغ سے گفتی ہے، اردو کو آگ بھی اردو والوں سے لگی، اردو کو خسران اردو والوں ہی سے مہا۔ حکومت وقت اور ہر مسئلہ سے لگا شکوہ کہیں کریں۔

مسئلہ اردو کے فروغ کا نہیں اب مسئلہ اردو کی بقا و تحفظ کا ہے اور ساتھ یہ ہے کہ

دامن پر چین کے دروغ ہے اردو کے غلن کا شال ہیں ایسے لوگ بھی اردو پر آدھیں

سب سے پہلی ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو کو ایسے غنیمتیں ہاتھوں سے پچا یا جائے جن کی چارہ گری سے اردو کا خون ہو رہا ہے۔ وہ شگفتہ و شیریں زبان اردو جو ہر زمانہ ہر عہد میں ہر موقع پر ہر کام کا تاج بن کر رہی آگے کا ہار بن کر رہی آج وہی زبان درد و جنگ رہی ہے، پامال ہو رہی ہے، جن گھروں میں کل تک اردو کے چراغ جلتے تھے، اردو کے شادیاں بے جتنے تھے، آج ان گھروں میں بھی اردو کی قدیل بج رہی ہے۔ اردو کے نام پر اٹھ گئے۔ یہ صوبائی اکیر میاں، اعدا و ادا، انجمنیں اور تنظیمیں جو اپنے اپنے نام سے ہیں بند ہو کر اردو کی کھوالی کر رہی ہیں وہ اردو کو کون سی نئی صدی میں لے جا رہی ہیں۔

اردو کا آفتاب اب بھی قویا نہیں ہے لیکن غیب جانے کا اندیشہ ہے اور ہر زمانے میں وہی ریت رہی ہے کہ نادر جیتے سورج کی پوجا کرتا ہے غیب سے سون کی نہیں مالا نکھو دوتا سورج میں غیب غیب کر گتا ہے۔ یہ اردو کا آفتاب اگر غیب میں گیتا تو اردو دنیا میں اندھیرا صبحا جائے گا اور ہر اردو والوں نے اب تک کوئی ایسا چراغ بھی روشن نہیں کیا ہے کہ اس ظلمت شب کا خاتمہ کر سکیں، اعلیٰ ۷

چلتی تو ہر ایک حال میں ضرورت ہے کہ چاندنی تو کبھی ہے کبھی نہیں پیارے

آج اردو وقت کی اس دہریہ رکھ دہری ہے کہ اس کے قدموں سے اس کی زمین پھینکی جا رہی ہے، اس کے ناموس پر ٹوکے ٹالے جا رہے ہیں اور اس کے خاتمہ خود کے سامان ہو رہے ہیں لیکن ہمارا اردو کام ہم بھرتے والے، اردو کی پانگ لگنے والے ایک تماشائی بن کر نہ ملے گا قرض دیکھ رہے ہیں۔

اردو ہماری قدیم تہذیب و روایات کی آئینہ دار ہے، ہمارے دیرینہ اقدار دیرینہ ثقافت کی پاسدار ہے، اردو ہماری شان ہماری پہچان ہے۔ اردو کی بقا کا راز مضمر ہے، اردو باقی نہ رہی تو ہمارا ثقافتی تشخص اور ہماری یادگار حسین تاریخ ہی مٹ کر رہ جائے گی۔ عقل مند وہ ہے جو شے سے قبل اپنی بقا کی فکر اور کوئی سامان کرنے۔

شہر شہر موعول بیلانے اور ناقوس پھونکنے سے اردو دنیا میں کبھی عمر نہ ہوگی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اردو کا ایک سرکٹ مخالفہ شہروں کے فیصل سے کھل کر قریب قریب، قصبتہ قصبتہ اردو کی اذان پکارے اور گھر گھر محلہ محلہ اردو کی تبلیغ کرے اور غماز اردو بجالائے، ورنہ یہ غماز اگر قضا ہوئی تو اردو کی شریعت میں اس کے ازالہ کے لیے کوئی قضا و کفارہ بھی نہیں۔

اردو کی جڑیں ابھی سوکھی نہیں ہیں، لیکن سوکھتی جا رہی ہیں۔ جڑ سوکھتی ہے تو پتے بھی سوکھ جاتے ہیں، شاخیں بھی سوکھ جاتی ہیں۔ صرف پتوں پہ چھڑ کاٹے پتیاں سرسبز نہیں ہوتیں جب تک کہ جڑیں تازہ دم نہ ہوں، جڑوں میں تناؤ کی ہو تو پتیاں سوکھ کر مٹی کا دب ہو جاتی ہیں۔ تپوں پر چھڑ کاڑ تو شبنم شانہ سے بھی بھو جاتی ہے لیکن شبنم کی رسائی جڑوں تک نہیں ہوتی، جڑیں اس مفعول سے محروم رہ جاتی ہیں، اس لیے ضرورت ہے پہلے جڑوں کی آبیاری کی جائے تاکہ جڑوں کا جو کوئی نئی نئی شاخ، نئے نئے پتے پھینکے اور پھل پھول اگائے۔ اور اگر آبپاشی کے ذریعے میسر نہ ہوں تو ان آنکھوں سے پٹایا جائے جن میں آنسوؤں کا ایک سمندر منجمد ہے۔

اردو کی زمین ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے، درخت پر پھل باقی ہے، صرف نم ہونے کی وجہ سے، یہ زمین نم ہو گئی تو اردو کے پودے خود بخود ہرے بھرے ہو جائیں گے، تنومند ہو جائیں گے ورنہ یہ سوکھ جائیں گے، مر جائیں گے۔

اردو کے بازار میں ایک نیافیشن یہ بھی آگیا ہے کہ ”اپنی دکان پیکر پیکر“ کے عہد سے پرندہ و شہر سے مل ہو رہا ہے۔ مصنف دہ پی کے کتاب سمٹے چاندی کے بجائے بیچ رہا ہے، تاکہ دیکھنے والا بڑی قیمت دیکھ کر بڑا محو نہ ہو۔ اقبال و غالب کے کلمات و دعا وین کی آج بھی وہ قیمت نہیں حوایا ہے غیرے کے مجبور کلام کی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑی قیمت والی معمولی کتاب بھی کتب خانے یا کتب فروش تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، عوام تک نہیں پہنچتی۔ اردو کا وطن عالم کرنے کے لیے اردو کو کتابوں کا بھانڈو بھی کرنا ہو گا تاکہ پڑچ، غریب و تو دگر شوق سے کتابیں خریدے اور

پڑھے۔ سستی جماعت کا بھی عمدہ نظم ہونا چاہیے خواہ حکومت کی سطح سے ہی یا پرائیویٹ سطح سے۔

معنی اہل خدا اردو رسم خط بدل دینے کی بات کرتے ہیں، یہ تو اپنے خمرے آپ زخمی ہونے کی بات ہوگئی، جب رسم خط ہی نہ رہا تو زبان کہاں باقی رہے گی، — اور کوئی ٹیگٹھو کی شیروانی تو نہیں بچے کا نہ تھا بدل بدل کر پہنا، آٹا لا جلتے۔ اور اب تو اسی اول بدل سے ٹیگٹھو کی شیروانی بھی کا ندھوں سے اتر گئی اور وہی شیروانی کوٹ اور تپکھن میں بدل گئی۔ یہی حشر اردو کا بھی ہوگا اگر اس کا رسم خط بدل گیا۔ ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے۔
 رومگر ان خرم کے نہ چاہیو خود یک بلا سے پیرن چاک بے زور کیسو
 ہیں ایسے رومگر کی رومگری، ایسے بڑے کر کی بڑے گری نہیں جا پئے خوشیروانی کی چاک پر پانچلے کا بچہ نگاہے، اور
 شیروانی کا بچہ ادھر کراہے پانچامہ بنا دے۔

یہ مصیبتیں پہلے ہوئے ناقصاء، مدارس اور کاتب نے بھی اردو کی خوب خوب خدمات انجام دیئے ہیں طفول حوادث میں بھی ان چھوٹے بڑے نکتوں، مدرسوں نے اردو کے دیپ جلتے ہیں اور اردو کا نام زندہ رکھا ہے، آج بھی اردو ان اداروں کے دم سے زندہ ہے، یہ ادب بات کہ تلامذہ وقت نے ان اداروں کو بھی خاصا سرب پہنایا ہے۔ ایک دو وقت تھا کہ بڑے گھروں کے بچے بھی نیادی اور ابتدائی تعلیم نہیں درس لگا ہوں میں حاصل کرتے تھے، آج انگریزی تعلیم کے دلدلہ بڑے لوگ اپنے بچوں کو ان مدرسوں میں بھیجا اور بی خارجی اردو کی تعلیم دلانا کسر شان سمجھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کو پانچویں کی زبان بن کر رہ گئی ہے اس لیے بھی غریب ہوتی جا رہی ہے۔ صوبہ ہمارے چھپے چھپے میں مدرسوں کا حال پچھا ہوتا، لیکن حکومت کی تحویل میں آجانے کے سبب ان مدرسوں کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان مدارس کی طرف بھی توجہ مبذول کی جائے اور نظام تعلیم، نصاب تعلیم میں تھوڑی اصلاح لاکر ان مدرسوں کو اردو کا گھر بنایا جائے اور انہی گھروں سے اردو کو گھر کا مال کیا جائے۔ اردو والوں کے ذہن سے احساس کڑی کا شمار آنا چاہئے، اردو کو اپنے گھروں میں جگہ دی جائے، وقت دی جائے تاکہ دوسرے بھی اردو کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں۔

اردو کو ہم نے پتے پڑانے، گلچہ پڑنے کی طرح آنا بھی سیکھا ہے۔ جب تک ہم اردو کو لباسِ جان بنا کر زیب تن نہیں کریں گے، اسے مٹا کر سے ہٹ کر معاشرے کی زبان نہیں بنائیں گے، اردو کی بقا اور تحفظ کے لیے من من و من کی بازی نہیں لگائیں گے، اردو کو گھر سے باہر اپنے گھروں میں نہیں سمائیں گے، اردو رسم خط کی پاسبانی اور پاسداری نہیں کریں گے، اردو لکھا ہوں کے سامنے دم توڑ دے گی اور اس وقت تک انہوں نے کواہیں کچھ اٹھائیں ہیجے۔
 کرے جھنڈت اردو اسی کی ہے زبان اردو وگرہ ہے زبان تم ہے نہ اردو زبان ہم ہے



تیس سال بیت گئے۔ پچیس تین جگ گزر گئے۔ یہ قصہ ہے جب کاکہ آتش جوان تھا۔ اس مدت میں تو نہ معلوم کتنے جوار اور بھائے آئے۔ گنگا میں کتنا پانی یہ گیا اس دوران میں کابینہ تھا۔ گری اپنے یوں پر تھی۔ پٹنہ میں لوہا چلی رہی تھی۔ بدین مجلس جاتا تھا۔ ۱۳/۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو بہار کی راجدھانی پٹنہ کے قلعہ میں واقع انجمن اسلامیہ ہال کے باہر مال کے کمپس کا جنوبی میدان سبھا سبھا یا بقیہ نور بننا ہوا تھا۔ بہار یا آری اور کافر نس کا انعقاد ہو رہا تھا۔ حکومت بہار کے وزیر اعلیٰ انجمنی ڈاکٹر سری کرشن سنسنا نے اس عظیم تاریخی ساز کافر نس کا افتتاح فرمایا۔ اسامہ رشید اور وٹلی گنہ مسلم یونیورسٹی پروفیسر رشید احمد علی مرحوم نے اس کافر نس کی صدارت کی تھی۔ اور پہلی بار اسی موقع پر اپنے عبدو غلبہ صدارت میں دستور جمہوریہ ہند کی دفعہ ۴۴، ۴۵ اور کوبہار کی علاقائی زبان بنائے جانے کا مطالبہ کرکے تھا۔ زیر قیادت علامہ بہار مرحوم عبدالقدیم انصاری اس شاندار کامیاب کافر نس کی مجلس استقبالیہ کے چیئرمین تھے۔ انجمن ترقی اردو و ہند جس کا صدر دفتر تپ ملی گڑھ میں ہوا کرتا تھا اس کے پہلے جنرل سکریٹری قاضی عبدالغفار مرحوم کے فرستادہ نمائندہ خصوصی مرکزی انجمن مرحوم خیر بہاروی رئیس نفیس بہار وقت موجود تھے اور جب عبدالقدیم انصاری نے اپنے خطبہ استقبالیہ کا یہ جملہ پڑھا کہ مسٹر کونیاں آزاد ہندوستان کے سامنے ہنوز حل طلب ہے اور ملکی قومی برقی ترقی کیلئے ان کا حل ضروری ہے تو ہزاروں ہزار سامعین نے جو ہال کے احاطے کے باہر کے جنوبی میدان تک پھیلے ہوئے تھے مرض کی تشخیص اور اس سوز کی تجویز یہ ہے سافوتہ نوچسین و آفری بلند کیا تھا کافر نس کے اجلاس پر اجلاس ہوتے رہے اور آخری دن آل انڈیا شاعر کی ایک ایسی یادگار مصلیٰ ہائی گئی کہ شاید پہلو کی مجلس نہ بھی شب بھر ملتی رہے موزن نے فری اذان دے دی تب بھی جنہوں نے تعاریف ریاستی حق کا نصف درجن بہرونی شہر نے کریم کلام سننے سے سامعین محروم نہ گئے۔ کون باور کرے گا کہ مرحوم محمد انجمنی پٹنہ میں موجود تھے۔ جلد گام کے سو گز کے اندر تھے مگر ان کے گھر پہنچے۔ جس کی آنکھ ملتی تو لوگوں کی ادھ کھلی آنکھوں نے انہیں دیدہ حیرت سے دیکھا اور کفر انوس مل کر رہ گئے۔ اسی شام وہ قیل و ذیل کی مجلس میں ایک انجمن ملام جو میں تھی اور اس کا نام بہار ریاستی انجمن ترقی اردو رکھا گیا۔ انتخابی عمل میں علیا۔ سوا محمد لطیف انوس مرحوم ام۔ ایل۔ اے۔ اس انجمن کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ یہ بہار کے دیگر جوان کا نہ ہوں۔ بہار قلمستان دھرم دیا گیا۔ اہمیت سے مئی ۱۵ جون ۱۹۵۱ء سے یہاں آزاد ہندوستان کی اردو تحریک کا آغاز ہو گیا۔ محالہ انڈیکٹ مرحوم، سہیل عظیم، ادی مرحوم، پروفیسر سید اختر سیدی مرحوم، ابوالاحمد محمد نور مرحوم اس کافر نس کے کئی دھڑا



آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ آپ پہلے جانے لکھنے نہ اپنے ارد گرد کے سارے مسائل پر سوچ سکتے تھے اور اپنی سوچ کو پیچیدہ تحریروں میں قلمبند بھی کیا کرتے تھے اور علوم کی ان تمام شاخوں کے مطالعہ میں اور ان کے لکھنے میں اپنا وقت لگاتے تھے جو ان کے عصری سماج پر اثر انداز ہو رہے تھے اور دیرینہ کنگریس کے فاضل شکار نے یہ سیدھا سوال کیا ہے کہ آج ویساکوں نہیں ہوتا میری ناچیز اور ناقص رائے میں اس سیدھے سوال کا سادہ جواب یہ ہے کہ آج اردو آبادی کے صف اول کے ممتاز مفکر اہل قلم، مفکر اور دانشور ایک نر وال پنڈیر سماج کی تمام علامتوں سے متصف ہیں۔ وائس الٹین اس DECADENT SOCIETY کے لکھنؤ نے بری طرح دبوچ رکھا ہے، اور ان کا ELITE اس جنرل منتر سے باہر نکلنے میں یکسر ناکام رہا ہے۔ بچہ لٹڈ اردو آبادی کا طبقہ عوام اس گورکھ دھندے سے نکل جانے کی بجائے لوگوں کو کشش کر رہا ہے اور بعید نہیں کہ وہ اس بھول بھلیاں سے نکل جانے میں کامیاب بھی ہو جائے مگر پورے طور پر ایسی وقت ممکن ہے جب ہمارا موجودہ سیاسی ڈھانچہ کچھ بدل جائے۔ آئیے ہم سبیل کرنا FEUDAL SOCIAL ORDER کی تبدیلی کا انتظار کریں اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں عرض کریں کہ ————— دُنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

جلاز مترفہ کے بعد آدم بریر مطلب جیسا کہ میں نے ابتدائی سطحوں میں عرض کیا ہے۔ آج کے اس خصوصی سیشن کی خدمت میں اپنے نکات پیش کرتا ہوں۔ تفصیلات کے اسلئے پرہیز کر رہا ہوں کہ تشریح و فصاحت و استوائ سے آپ کے ذہن و دماغ کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا۔ جس حرف الاشاعے کہتا جاؤں گا اور کہتے ہیں کہ عقلمندوں کا نشانہ کافی است۔ پس تحقیق کہ دانش مندوں کی اس سے زیادہ وقیع مجلس اور کون ہو گی۔

سب سے پہلے آپ کی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی دور کر دوں کہ ہمارا پورا اسٹیٹ ہے جہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا ہے بلکہ ولایت و احترام عرض کر سکتی جسامت کر رہا ہوں کہ اس سے بہت پہلے ریاست کشمیر اور پھر ریاست آندھرا پردیش میں یہ سائنس گنہ گار چکا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارا ملک کا تیسرا اسٹیٹ

ہے جس میں اردو کو یہ مقام ملا ہے۔

اس کے معالجہ دوسری بات بھی ساتھ ہی ساتھ عرض کر دوں گا۔ آزادی کے ۴۱ برسوں کے تجربے نے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ملک کی آبادی کے لیے عواماً اور زر دو آبادی کیلئے خصوصاً پہلا اور سب سے آخری مسئلہ تعلیم ہے۔ عام تعلیم، ابتدائی تعلیم۔ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ اگر ہم نے خواندگی اور تعلیم ELEMENTARY EDUCATION کے مسئلہ کو حل نہ کیا اور اس کی پر قابو نہ پایا تو ہمارا مستقبل تاریک رہے گا۔

تیسری بات قانون اردو خصوصاً ہمارا فیئیل لنگویجز ٹرینیم ایکٹ ۱۹۸۰ء کے تین بنیادی نکات کی نشان دہی ہے، اولاً قانون میں اردو زبان کا ذکر تو ہے مگر اس کے رسم خط کا سرے سے ذکر ہی نہیں۔ آپ ماہرین قانون بھی ہیں اور ماہرین لسانیات بھی۔ بھلا آپ کو یہ بتانا کہ زبان اور رسم خط کا ایک دوسرے کے ساتھ وہی تعلق ہوتا ہے جو جہد و روح کا ہوتا ہے، چھوڑنا ہے، بڑی بات نہ ہوگی۔ ۹

دوسرے کہ ہم ۳۷ سال سے مسلسل پوری ریاست کیلئے اپنا مطالبہ دہراتے آئے ہیں اور قانون اردو کے نفاذ کے ۷ سال بعد بھی اب تک آدھے بہار میں بھی اسے لاگو نہیں کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ راجدھانی پٹنہ یعنی غلط سبھی جیسے لکھنؤ تری اور بنگال کی کھڑی کا درجہ حاصل ہے اس مقام سے محروم ہے اور تیسرے یہ کہ ۳۷ سال سے جن خصوصاً مقاصد کیلئے اردو کے اس مقام کا مطالبہ اور اس کے لیے جدوجہد ہوتی رہی ہے۔ ان میں اول رسوم اور رسوم کا تعلق صرف تعلیم سے ہے۔ ابتدائی تعلیم، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم۔ مگر قانون سے تعلیم اسی طرح غائب ہے جیسے کسی گدھے کے سر سے سینک غائب ہو گئی تھی۔

چوتھی بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ اردو تحریک کے جو کچھ متعلق ہے۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ اردو تحریک کو خواص کی ڈیوڑھی سے الگ کر کے عوامی بنانا ہوگا۔ خود اردو زبان لال قلع کی بجائے جامع مسجد کی میزبانیوں اور اردو بازار کی دکانوں میں گھنٹوں کے بل چل کر پروان چڑھی ہے اس کا دم نہ گھٹ جائے گا اگر اسے بالائے با مقید محصور اور محسوس کر کے رکھ دیا جائے؟ اور یہ بھی نہ بھولئے کہ ٹھیک اسی طرح اردو تحریک کو غیر دوآبادی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ، اردان کے اشتراک، تعاون اور املا کے سہارے آگے بڑھانا ہوگا۔ بہار میں ہمارے تجربے میں بھی یہ بات ابھر کر آئی ہے اور اردو کی جسم کنڈلی بھی اس تصویر سے جوڑ کھاتی ہے۔ الغرض یہ کہ اردو تحریک کو قمر اردو سے نکال کر نگلی گلی، کوچہ کوچہ گاؤں گاؤں، قریہ قریہ لے جانا ہوگا، تبھی اردو کے روشن مستقبل کی بشارت دی جاسکے گی۔

پانچویں بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو کی لڑائی صرف کسی طبقے، فرقے یا لسانی گروہ کی لڑائی نہیں ہے بلکہ
 اولاً یہ جمہوریہ ہند کی آئین کی لڑائی ہے۔ دستور ہند کی دفعات ۲۹ (۱) (۲) ۳۰ (۱) (۲) ۳۵ (۱) (۲) ۳۴ (۱) (۲)
 ۳۵ (۱) (۲) ۳۴ (۱) (۲) ۳۵ (۱) (۲) اور شیڈول ۸ کی پچھن دیکھنا کے اندر ہی ہم یہ لڑائی لڑ
 رہے ہیں اور دستور سے باہر کے کسی کھیت کے گندم کو شجر ممنوعہ قرار دیتے ہیں۔ کیا ہم بہار کو ایک ذولانی
 اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں؟ نہیں۔ نہیں۔ کیا ہماری تحریک سے ملک کی آزادی، سلامتی، سرحد کی آبرو پر پڑے
 آئے گی؟ جیسے ہرگز نہیں۔ حاشا اولاد۔

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ قانون اردو کے نفاذ کے بعد ٹرانسلیٹر، اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر اور ٹائپسٹ
 کے نام پر ۸۰۰ بحال ہوئے اور گزشتہ ۸ برسوں میں ۱۹۰۰۰ (سولہ ہزار) اسامیا مار لی گئیں کسی اسکول کی منظوری
 نہ دیئے جانے اور صرف نو نوٹوں کی منظوری جس میں اردو کا ذکر تک نہیں اس چیز کی کاشتوت ہے جس سے کام لے
 کر اردو کی گردن اڑا دینے کی سازش رچی گئی۔ اگر بہار کی اردو آبادی اس سوال پر میدان نہ ہوتی تو اب تک بہار
 کا وہی حشر ہو چکا ہوتا جو بلوچ کا ہے۔

فصل پنجم (شعر)

گاندھیک ہندوستان میں ہر جگہ ہی گلاب پھو آرہی ہے۔ بات یہ ہے کہ قومی شعور کے خلاف جو بات بھی چلائی ہو کہ ہندوؤں تک چھوڑ کر
ختم ہو چکے گی۔ بات یہ ہے چھوڑ کر قومی شعور جس ملک میں بھی ہوگا، جہاں تک اردو کا سوال ہے، اردو کی رو سے اس مسئلہ کو الگ
پیس کی جاکے۔

ڈاکٹر غلام الفی (دہلی)

جو اردو کو بقاء دینے کی ایک سبیل افغانی ہی اختیار کر رہی ہے، وہی آئندہ پچھلے کے اردو میں افغانی خصوصیت دینے لگے گی جس پر ہندو
کائنات رکھنے پر جسے چونکہ کرسٹ اور اس کے باطن میں خدا کی صورت ہے وہی صورتہ بن جائے گی۔

ڈاکٹر امجد علی زملی اراشد

اردو زبان کے نقطہ و ارتقاء کے لیے جو اندازہ کیا جاسکتا ہے ان کی مدد سے یہ لگتی ہے۔ پہلے پہل یہ کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر حکمرانی سے
پرہیز کریں کہ • اردو کو دوسرے ہندو کی آرا کے ساتھ ساتھ ان تمام برادریوں میں سرکاری زبان بنایا جائے جہاں اردو بولنے والے ہیں۔
اس لیے یہ ضرور ہندو کی اردو اور ہندو کے اردو کے لیے • جن کی آمدنی زبان اردو کے لیے لگائی جائے کہ ہر فرد کو ملے پرانے کے لیے
اردو کی تعلیم کا نظم کیا جائے، آئین کے تحت ۲۰۰۵ میں اس کا پروپوزل ہو چکا ہے • ہندو کی تعلیم پر سب کی ذمہ داری ہونی چاہیے
باقاعدہ کی زبان، اب ایک جدید ہندوستانی زبان، باشتیاء، منکرت، دے، ایک غیر ملکی زبان، کا شکل میں ہو کر نکلتا ہے۔ • آج کے اردو
کے پڑھنے والے ان میں سے اندھ کو ایک غول کی مانند ہے جس میں ایک چوڑا

دور کی طرح ہے جس کا سن اردو دار درج ہے۔ اس لیے یہ فیصلہ لیا گیا ہے • مختلف حکومتوں کے لیے ان کی اپنی اداروں کے مطابق
اردو میں باغیہ اور سب اردو کی کتابی زبان کو فروغ دینا ہے۔ لاکھوں اور ان کی تعلیم پر مشتمل کتابیں تیار کرنی چاہئے۔ یہ کام پچھلے
پچھلے پرستی اور ہندو کے ساتھ اردو پرست پچھلے ہندو اور اردو کے ساتھ • سیاسی ہندو اور اردو ہندوؤں کے مختلف علوم و فنون سے
تسلط حاصل کر کے ہندوؤں کی ان اہم وسیع پیمانے پر کرنی چاہئے۔ • اردو ہندوؤں نے کلاسیک ادب کے تمام کتب و رسائل کو انگریزی
• اردو پڑھنے والے کو چھوڑنے سے انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو کی تعلیم کو جاری رکھنا چاہئے۔ • اردو ہندوؤں کی ذمہ داری
ہے، اور اردو میں سرکاری رسم چلنے پر اس میں اردو والوں سے لے کر ان کی تعلیم بھی شامل ہے • دوسری زبانیں بولنے والوں کی
خاصی ہندی اور اردو کے لیے خود انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو پرست اور ہندوؤں کے لیے اردو پرست کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو پرست کی
• جو لوگ اردو کی تعلیم دیتے ہیں ان کی تعلیم کے لیے ہی ان کی بہتر تعلیم کے لیے اردو پرست اور اردو والوں کے اردو والوں کے
افغانی فرقہ اندھ کو آگے آتے اور فروغ دیتے ہیں • مختلف برادریوں میں سے ایک ایک کی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں جن کے
ذمہ اردو نا اہل کے حقوق کی فکر ملے، ان اداروں کی ذمہ داری کو چھوڑ دینا چاہئے مگر ان کے ذمہ داری کے اردو والوں کو ان کی ذمہ داری

مارگرٹ کی پندہ نازت (دری)

• اردو کے سید محسن کچھ فوری ہے کہ اس میں کچھ فرق آبادی اپنی خاطر اور سہولت سازشی کو برپا کرے اور کچھ دنوں میں فرار ہو جائے۔
 اردو کی تعجب کا حق دیکھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی نظریاتی بنیاد نہیں ہے۔ شہد اردو اور ہندی سبھی ہیں لیکن جتنا ماحول
 اردو اور ہندی میں ہے شاید یہ دنیا کی کسی زبان میں ہو۔ یہاں اردو میں زبان کی زبان ہے لیکن یہ بھی ہے کہ اردو میں وہاں
 دنیا کی کسی زبان سے زیادہ ہے، اس لئے یہ بھی ہے کہ تمام ترقی یافتہ ملکوں کا جو اردو کا مطالعہ ہے، سبھی چلن و رفتار میں ہے۔
 • ایک کثیر ہندی اور کثیر فارسی سہولت میں تو سب کو مذہب یا زبان سے جوڑنا سہولت سازشی ہی، آزاد ہندوستان میں
 اس زبان کو ختم کرنا بھی ہوتا ہے۔ ہاں، اردو کے کثیر ہندی اور ہندی کے کثیر اردو کو کوئی لغو نہیں ہے۔ اردو کی دنیا کی تاریخ
 میں کچھ مذہب کو بھی بڑی تھک بدلا ہے، آواز میں بدل گئی ہے، نظریہ کو مٹی بدل گئے، اردو کی اس سرشت کا جو کچھ
 اختلاف ہے اسے کچھ جتنی شکلیں رجوع ہیں، آپس۔ اردو کا کوئی کھاس کھانسی نہیں ہے۔ اردو کا اس زبان کو
 عام کر کے کہ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے، وہ ہندی کی حلیف ہے، ہندی کی حریف نہیں۔ یہ اگر ہندی کی اپنی جتنی
 اردو اب کو مانگتا ہے چاہے ہی تو اسے ہندی زبان کی معیاریت کی ہر ترقی ہے، لیکن میں ہندی زبان کو اردو میں ہندی زبان
 رکھتا ہے، اردو کا فارسی رسم خط میں پاک بننا بھی ہے۔ جس رسم خط میں ہندی فارسی آوازوں کے کچھ ایسا ہو گا
 جس میں چورہ دی آواز کا انہ ہر گز، وہ رسم خط میں اپنا رسم خط ہے۔ سرائیکی، گجراتی، پنجابی کے لئے میں ہی اپنے رسم خط
 کے ساتھ چینی لاتی جا رہا ہوں۔ • اردو کے سب سے پہلے میں اپنی کئی ہندو تعلیم کو منظم کرنا چاہئے، • سہولت
 فارسی میں سہولت پر اصرار کرنا چاہئے اردو جہاں جہاں اردو کی تعلیم کا نظم نہیں رہا ان اسے سہولت دی کہ اس کی شکل میں چلائے۔
 تاکہ کچھ اپنی اردو اور فارسی زبان میں خود نہ ہو۔ • اردو کے سیکڑوں زبانوں سے بچا کر جو زبان چاہئے اپنا
 اردو کے خون کا مطالعہ مذہبی اقلیت کے لئے سنی اقلیت کے لئے کرنا چاہئے اس کے لئے ہی ذرا سی غلطی سے نقصان پہنچا رہا ہے۔
 • ہمارے کچھ نوجوان ہندی اور ہندی میں عربی زبان کے سہولت کو اپنی زبان میں نہیں کرنا چاہئے۔

• جہاں جہاں اردو تعلیم کا انتظام نہیں ہے یا دور میں

مضامین پر توجہ کی جیسے ہمارے اسکول میں اردو میں 'دیکھ اپنے تعلق کی کچھ کچھ گھبراہٹ اور فرار ہوا ہے
 چاہئے۔ • زبان کی کچھ چاہئے اس کو ترک نہ کریں وہ کچھ میں سنی سنی۔ سنی آئینہ کی زندگی کا سہولت جہاں
 کے بنا کا بنیادی سوال ہے اور اس کو اس لئے کچھ اور بھی بنا چاہئے۔

جناب عبداللہ علیہ السلام

اردو کے سلسلے میں جناب عبداللہ علیہ السلام نے تین محاذوں پر کام کیا ہے، سب سے نزدیک ایک چوتھا محاذ بھی ہو سکتا ہے، جو اس وقت پرزور سونگ ہے۔ عام طور پر ایک اردو پڑوسی کا نام کرنے کا حکم ہے، مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک نیا سا لہجہ کو سیکھا جائے تو کیا نہ یہ کام ہو رہا ہو پڑوسیوں کا انہی کے کلمے سے لیا جائے۔ اردو میں یہ نظر ڈالیں تو تو مینا ہاں سب سے پڑوسی ملنے لگتا ہے اور وہ سب اردو ہی پر گراؤ کر رہ چکے ہیں، جیسے پہلی ایک ایسی واحد پڑوسی ہے جس کا ذریعہ تعلیم خود کامیاب ہو کر سیکھ کر مل گیا ہے اردو میں بالکل اعتبار ہی ہے، پہلے پہل یہ کہ اس قوی پڑوسی کا ذریعہ تعلیم اردو ہو گا مگر زرا کہ ہے، سیدنا جبریل علیہ السلام پر دوسرے قوی جب تک کہ ہے جس کا یہ کہ وہ عربی و سن پید ہو گیا اور ان پر زور لگنا نہ تھا یہی تھا یہاں تک کہ اس وقت اردو زبان راوی کی طرف پھیل رہی تھی، جیسے پہلے جیسے جیسے تہذیب و زبان کا ذریعہ تعلیم ہی اردو ہی اس کے دارالترجمہ سیدنا بابر کے تہذیب الاسلام میں مذکور ہے اور اس میں کہیں نہ کیا کر سکتی تھی جو کہ تعلیم پڑوسی ہی پر مشتمل ہے، لیکن ان کی زبان میں سے بہتر کتابیں زبان و بیان کی نوا ہے اچھی خاصی مختلف تھیں جن کی بنا پر ہم نے اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۱۔ حکم ہے جس میں جیسے کہ میں نے ذکر کیا ہے، وہ پہلے پہل یہ کہ لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۲۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۳۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۴۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۵۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۶۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۷۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۸۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۹۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

۱۰۔ اردو کی ابتدا شروع کر دی تھی، یہاں تک کہ اس وقت اردو کی موجودہ صورت پر تو سب نے تسلیم کیا ہے اور اس کا نام لگایا اس اعتبار سے کہ اسے اس راہ میں پہلے خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے، خود اسی راہ میں لے کر آئے۔

ڈاکٹر کوئی چند ناک

حقیقت یہ کہ اندرونی طور پر اردو زبان کو شدید غلطو درستی ہے، بعد میں
 کسی ضرورت تو تھی اور اردو کی بہ حالت ہے کئی دوسری زبانوں کے لحاظ سے ہم زبان
 سے زیادہ کتنی زیادہ بعد میں ناک سے ہمارا اثر ہے جو منکر ہے اس
 ملک میں جو خیمہ عوامی چھکوں پر عوامی ضرورتوں پر نظر رکھنا بہت ضرور ہے میں اچھی
 زبان کی خدمت سوچنا بھی رہتا ہوں اور کہہ دو کام ہیں کیا ہے، درمیان سے ہے
 دہلی میں ایک بیمار کر رہا تھا میں میرے درجہ زبردستی میں بھی رہ گیا تھا
 اور سنہ بیسویں تک ہو رہا ہے اور یہ خیال ہے چند ماہ میں سنہ
 کو جانتی تھی کہ جو ایک کو معلوم ہو گا، ہمارا جو عوامی اعتماد ہے ان کی بار بار بات کی ہیں ضرورت
 اور ضرورت زبان سے لیکر ہمارا درجہ و ترقی تک اور کچھ تک ہمارے عمل میں
 ایک نہ ایک کہ جس کے عوامی ضرورتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ جس طرح میں نے
 کل اُن کے ضرورت کی تھا کہ کس طرح میں نے ہے تیار میں بھی تھا جس میں بھی
 رہتا ہے میں بھی اور میں جس طرح ہر جگہ پہنچتا ہے اور کئی دہائی کی سیر میں
 تو اس طرح سے بھی کئی نیکوئی کے عوامی رستے اسٹار ہو جاتے ہیں، تھیں کئی دوسرا
 ذہن میں کر رہا تھا جو ابوالفیض میر نے کہا کہ ان ناک میں سے صرف میں نکلتا تھا کہ میں
 توجہ دیا ہوں کہ اس ناک میں میں یہ خیال میں یہ بھی ضرور تھا کہ ڈاکٹر کوئی بات اچھی
 آج ہے -

..... بلکہ وہ علم ہے جو یہ نہایت ناک میں ہے میرا کرنا ہے

زبان ایک سماجی وسیع وسیع ہے، سماجی حالتوں سے زندہ رہتا ہے

آزاد سماجی حالتوں کا نام تو نہ ہو بلکہ سماجی نہ ہوں زبان تنہا ہو جاتی ہے آج قوم
 اسلام سے لگتی ہے اس کی مذہب کئی فرقے کئی مذاہب میں لیکن دور دور زبان کی
 آرمائی زبان میں قدم ہندوستان کے زبان میں سنہ پکرتی ہاں کچھ مختلف ہر جگہ اور تعلق کی

اس کی سب سے بڑی زبان ہندوستانی تھی۔ لیکن وہ زبان اس زبان کا پہلا کڑا
 تسلیم کی کہ ایک کیونٹن کی کہ ایک اس کا سلسلہ ایک ختم ہو کر ایک نیا
 ایک مرد زبان ہے اور اس کی کہتوں پر معوی زبان ہے۔ اگر کسی اور زبان سے
 سلیب سے بنی ہوئی زبان ہے انہوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ کہ ضرورت ہے کہ اگر کسی
 جیسے جو اس وقت اردو اس وقت میں باوجود حق تلفیوں (۱) اس سے منقرض
 اس سے منقرض اردو کو دیکھا ہے اردو (۲) میں کو دیکھا ہے اردو ہندو
 یہ آخری بات کہ بالکل یہ تصدیق ہے کہ اردو کا تعلق کسی مذہب سے نہ رہا ہے
 کسی مذہب سے نہیں اس بات کو ضرور نظر میں رکھنے کہ اگر سلیب
 کیونٹن کو پیدا کیا کیونٹن کیونٹن کو پیدا کیا، یہی سی میں ہوں ہیں
 ہمارے تاجے جو مؤثر ہو چکے ہیں اور جس وقت (۱) دریا کو ہم پار کر چکے ہیں اور
 تاجے جو چلے گئے ہیں اس میں انتقال میں بعض مدد کے فلوں میں
 کیونٹن کی وجہ سے جو کچھ رہی ہے اگر ہم اس صکت علی کو اختیار کریں کہ اردو
 ایک نئی آواز ہے فرقہ دارانہ آواز ہے یا صرف یہ نہ ہے کہ ایک کریں
 نہیں ایک سے زیادہ ہے کہ اردو ایک *minority*
 اردو ایک جمہور میں ایک سو فیصد سماج میں ایک *majority*
 اور اس کے تمام حقوق تمام حقوق دینے چاہیے

لاہور شریعہ (۱۹۱۱ء)

اب دق آئی ہے کہ عوامی فکری کاروبار والے کچھ کام کر رہے ہیں۔ اب وہ نئے نئے دروازے کھول رہے ہیں اور یہ ہے بلکہ
 ان کے اندر ہیں یہ نظر رکھ کر رہے۔

نواب غلام محمد (۱۹۱۱ء)

اردو اور ہندی زبانوں کا یہ شہرہ ہے کہ ہندی میں لکھی، دیکھی، پڑھی، اردو کی ہندی تعلیم ہو رہی

اور ہم ہے، صرف اور ہی پروردگار کے لئے سجدہ کامل نہیں ہو سکتا، چنانچہ میں اللہ کو بار بار کہتا ہوں کہ اگر چاہتا ہوں تو وہ میری
ساری ضرورتیں پوری کرے گا۔

ڈاکٹر حسن (پڑھیں)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اللہ کا فرشتہ نہیں بنایا۔ ہم صرف اللہ کے کائنات میں پروردگار ہیں اور
نہی تعالیٰ بالکل پہلا نہیں ہو سکتا۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کا کرنا ہر گاہ جس کا بنیاد علم علیہ پر ہو گا۔ نصف ماضی پر
کھینچ کر کائنات میں (شہادت) نہیں آئے بغیر نہ ہو گا (اللہ تعالیٰ ترجمہ ہی پر چاہئے)۔

ڈاکٹر اصفیٰ اختر (پڑھیں)

موجودہ پرورش میں جس قسم کی باخود اور ہی کچھ ہی ایسی کچھ عددہ اپنی سی ای آر ٹی، تو اللہ پروردگار ہی نہیں ہے
چاپ رہی ہے۔

ڈاکٹر رضوان (پڑھیں)

موجودہ پرورش میں کچھ ماضی پروردگار ہی نہیں ہے۔

جناب ابوالفضل محمد

اللہ پروردگار ہی نہیں ہے۔ خود انسان کی ہر بات کی طرف سے ایک کھینچ بنانا یا ایک کھینچ کروردگار ہی نہیں ہے۔
جہاں داشتہ مال کو اللہ کے مستقبل کے لئے لے کر لے گا۔

نبی محمد صمد (پڑھیں)

اللہ تعالیٰ کو خواہش کہ اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا، خود انسان کا لطف ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ اللہ پروردگار
کا نام نہیں لے کروردگار ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا،
نیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کو لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا۔

• اللہ تعالیٰ کو لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا۔

نبی محمد صمد (پڑھیں) اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا، اللہ تعالیٰ سے لے کر کروردگار بنانا ہو گا۔

جناب ابراہیم خاں

اورد کہ مسئلہ کو جسی رخ سے ہم سمجھتے ہیں اس رخ سے ہم دیکھیں، پوچھیں۔ گمان ہے کہ لاہور شہر کا تصور مجھ سے دور نہیں اپنی صورت پر
کھینچا ہے۔ درستی پر ہندوستان کی کسی ہندوستانی کا ذکر نہیں ہے، لہذا اردو کا نام لکھ کر یہ مسئلہ کا حل نکالنا چاہیے۔

جناب کا روزی و شبہ (شہر)

اردو کی نسبت اردو درجے پہنچا رہے ہیں، اردو ملحدین کی تعریف تو ہر گز نہیں اردو کا نام نہیں پرانے

ڈاکٹر گری ہندو نارٹ

ہندو کی طرح اردو زبان کو شہرہ مند و ملحد و جہ سے ہمیں غلامی غلامی پر نظر رکھنا ہر گز غلامی انسان کی با زبان کی ضرورت ہے۔ زبانہ
میں ہندی سے اس قدر فرق نہیں کہ اسے ہندی کہہ سکیں۔

ڈاکٹر اخلاص اختر (میرٹھ)

اردو ملحدین کے لئے اردو زبان کی بولی ہو تاکہ وہ خود اس میں پروردگار سے مل سکیں۔

جناب انیس بیگم

جناب سید صاحب جب کہ اردو زبان کا انسان ہندوستان میں ہم سے کم ہر جا رہے، مگر ہم اردو
بہتر نہیں سمجھتے نہ ان کی پرانی جا رہے، مگر ہے ہندوستان میں زندہ رہے، یہودی نہیں ہیں یہ اندیشہ معانی پر
میں نہیں بلکہ یہ ان کا خوف ہے اس کی صداقت اسے خود بخود کھینچ رہا ہے۔ اسے ہندی اور اصل الفاظ کو لکھ کر اردو
پر برا ظہر ہے، سوال ہے کیا زبان کے ارتقا میں اردو بول کا جو سلسلہ ہے وہ زبان کی ترقی میں آئے ہے؟ کیا شک ہے کہ زبان
ترقی دہلے کے مراحل سے نہیں گزری؟ کیا اس سے انگریزی زبان کو نقصان پہنچے ہے؟ اس میں ماننا ہی چاہئے کہ انسانی
سائنس دانوں نے زبان اردو اب سائنس میں (اردو زبان) محدود نہیں ہے۔ اردو کی کسی ہندوستانی میں ان مسائل کو کاٹنا نہیں
سکتے ہیں، اس کے جو بہتر گز رہے۔ اس میں کہ اگر زبان اپنے آپ میں نہیں ترقی کرتی تو اردو کا تصور ہی بدلنا پڑے گا۔ ہر روز
ہوتا۔ کیا یہ سراسر کوشش ہے کہ اسے ہندی کے ساتھ ساتھ نہیں ہیں اسے سائنس دانوں کا اردو کے لئے
وثر ثابت ہوگا؟ حکومت کو اس سے باسی ہے، اردو کی طرف سے ہندوستان کے لئے ہندوستان کے لئے ہندوستان
کی اردو کو کاٹنے کا ارادہ نہیں ہے؟

جناب مولانا امجد علی

یہ ہندوستان کے ہندوستان کے لئے اردو زبان کی ترقی کے لئے اردو زبان کی ترقی کے لئے اردو زبان کی ترقی کے لئے

جناب برتھجن خان

اردو کے بڑے لاکھڑے اسکریٹ میں بیٹا اگر تاجرانہ علم ہے تو سچ کہو کہ ہم بابت یہی 'اسٹیج ہمارا' اور ان کی توسیع و ترقی ہے تو ہر جگہ ہے۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمن

کھنڈن لکھنارد کی تعلیم کا فائدہ کمرہ ہے تو ان کی اردو کی تعلیم عام ہر جگہ ملے گی۔

جناب بیاب و بقی

اردو کی تعلیم کا فائدہ ہر جگہ تو دونوں مفید لکھنیں، تو کم از کم اوسط و جبکہ لوگ ضرور پڑھیں گے پڑھائی ہوگی۔

جناب شیخ ہدیر ام ٹوئی (پٹنہ)

ہمیں یہ علم افکار کا ساتھ اردو کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ آزادانہ کے لئے ہندوستانی کا جو لغو ہمارے آج ابی لغو ہے کہو چاہیے۔ ہندوستانی اسلج میں اب الیہ لوگ سمجھ کر رو گئے ہیں۔ اردو زبان کی توسیع کیلئے ایسے فارمولے تیار کرنے کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ ہندوستان مغرب تک اس زبان کی توسیع ممکن ہو سکے۔

ڈاکٹر اصفیٰ اختر (میرٹھ)

مجھے یہ ساری چیزیں جن خطوط پر عمل رہے ہیں کیا اس سے بھی کوئی لاشعور ہے، اگر نہیں تو ہمیں اپنے لغو کا روبرو آکر غور کرنا ہوگا اور ہر جگہ عمل کرنا ہوگا۔ تعلیمی جماعت میں خاص خیالات اس اردو لغو کے لئے لگائے جائیں گے۔ ہندی زبان کو ہر جگہ اردو کے ساتھ لگائے جائیں گے۔

جناب سید شمس علی گزنی

دانشور اور ایک روش کا پتہ پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ کچھ اعتراضات ایسے تھے جو نفس مغربی پر نہیں بلکہ شعوبان پر تھے اور یہی فعل کیلئے نوزاد نہیں تھے۔ روس کے انگریزوں کے خلاف کے لئے کی گئی تھی جس سے مخالف برقی بھی لکھن ایک واقعہ نہ تھا نہ کہ وہاں کے لوگوں کے لئے تھی۔ کوئی عجیب بات آئے یا کوئی عجیب بات نہیں ہو کر اس پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔ کھنڈن کی تعلیم کو کمالی جوانوں کو اس کے لکھن زبان میں سے ملے گی کہ وہ سیکھ کر اردو کی تعلیم نہیں کھنڈن کے لئے یہ تعلیم نہیں۔ میں نے اپنے مغربی میں جو میں سوال اٹھائے تھے وہ آج بھی اچانک مجھ میں اور ان کے لئے دانشوروں کو متنبہ تھا کہ ان کے لئے ضروری ہے۔

جناب قیصر حمید (پٹنہ)

اردو تعلیم ہر جگہ سے لاکھڑے ہی ہر جگہ ہونا چاہیے تو ان کی اسکریٹ کا ان سے ہر جگہ ملے گا۔

جناب شہزادہ رستم گری

زبان کے مشاعرہ تیار نہ ہونے کے بعد ان کے ہر لفظ میں جتنی پسندیدگی کا سامنے کرنا پڑا ہے اکثر زبان سے منسوب ہو چکا ہے۔
 اندر زبان کے ہونے کی نہیں اس صورت کے بعد ہی زندہ رہ چکی لیکن اس میں کوئی عیب نہ ہے ان لوگوں کا جنس جو اردو کے
 جان نثار ہیں شاعر کے لئے ہیں یا اردو کی کوثر کی روٹی فراہم کر رہی ہے۔ اردو زبان گری رسم الخط میں زندہ رہ چکی
 اور یہ صرف غنیمت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر یہ زبان گری رسم الخط میں بھی جاسکتی ہے اردو زبان کی لغت میں غریبی
 یا غنیمت کی کمی نہیں ہے لیکن یہ زبان گری جو پہلو گھول اور غریبی میں بولی جاتی ہے اس کے ہم اردو کے ہیں۔
 • اکثر اردو زبان گری رسم الخط میں لکھنے کے خلاف ہے، لیکن غریبی راہ میں زندہ رہنے کی سبقت
 اور اردو زبان گری کا جنس یہاں نہ رہ کر رہا ہے، جسے وہ نہیں سمجھتا، بہتر یہی ہے کہ غریبی میں رہ کر رہے۔
 اور وہ جس نے غریبی کے لئے مزاج کی ماسی کی کرنا ہے۔ کئی زبان میں غریبی اس زبان کے بارے میں بتاوا کہ اردو زبان کی
 آہستہ آہستہ ہمارے ہر میں، روایتی، خوبصورتی اور خوبصورتی ہے اردو زبان میں ایسی ہی زبان نہیں ہے اس کے لئے
 شہرہ مند ہے۔ اس بات میں غریبی کے اردو زبان کے لئے زبانہ استعمال کوئی کرنا ہے۔ اس نے زبان کے مستحق
 ہر زبان کے ہے کہ اس میں زبانیں اور ہر زبان کی شکل نہیں ہے۔ بہت ہی اندازہ صرف کی طرف سے اردو زبان کے
 ہر میں آہستہ آہستہ ہے لیکن اسے غریبی رہے اور اس کا نام نہ اٹھائے کیلئے بہت کچھ کرنا ہے۔ تنہائی میں نہیں
 رہو، رسم الخط میں اردو زبان کے لئے زبان گری بن کر رہنے کی ضرورت ہے۔ کئی زبان میں غریبی نہیں ہے، غریبی میں
 کاغذ سے اٹھائیں۔ ایسی لغت میں، اس میں زبان گری کا بہتر ہے، اس میں زبان گری رسم الخط میں زندہ رہے اور اس کے
 نامہ ہی رہے ہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

اردو کا رسم الخط اردو کے مختلف اداروں کے لئے انہی کے مختلف شعبے کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہی غریبی میں اردو کے
 کہ اردو کے مختلف اداروں میں ایک ایک زبان کے لئے اردو کے ایک رسم الخط اردو زبان کے لئے اردو کے ایک رسم الخط
 ڈاکٹر محمد حسین عظیمی

• انہی کے لئے اردو کے مختلف اداروں کے لئے اردو کے مختلف شعبے کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہی غریبی میں اردو کے
 طریقہ تعلیم میں اردو کے مختلف اداروں کے لئے اردو کے مختلف شعبے کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہی غریبی میں اردو کے
 اداروں میں اردو کے مختلف اداروں کے لئے اردو کے مختلف شعبے کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہی غریبی میں اردو کے

ڈاکٹر رضی الدین احمد شریقی

• اردو کا تئیسویں من نکلت ہے ، اردو کے دانشوروں سے کی گئی اسلئے علامت و بھارتی داس طرز کی احیاء و ترقی کی بہ مبارک مثال اور کس میں ملتی ، یہ بھی علامت و بھارت اور شریعہ انسان کی بات ہے کہ ہندوستان میں جامعیت کے علاوہ کسی شخص ایسے اردو سے جس کو تحقیق و ترقی کے لیے بہت کم عملی کام انجام دے رہے ہیں ۔ ان میں اردو و سرسریچ کا مقررین نے ایک سمت آخر امتیازی کا نکل ہے اس وقت اردو کی ترقی اور ترقی کے سلسلے میں ، ایک بہت بڑی کمی اردو کے اردوں میں باہمی رابطہ کی کمی ہے ۔

• جامعیت کے علاوہ اردو ائمہ دین ، اچھن ترقی و ترقی ، ترقی اردو بورڈ ، ادارہ تحقیقات اردو و ترقی انجمن اسلام اردو و سرسریچ انٹی ٹیوٹ اور اسلام آباد سرسریچ انٹی ٹیوٹ جدید آباد میں کوئی باہمی رابطہ قائم نہیں ہے ۔

• انجمن اساتذہ اردو ، اردو اخبار اور رسائل پر سب اردو کے بہت اہم نامہ دے ہیں لیکن ان میں ایسی کوئی ایسا رابطہ اشتراک نہیں ہے کہ ایک دوسرے سے متعلقہ مسائل پر باہمی تعاون سے کوئی مضامین لکھے ، کیا آپ کی یہ کاغذات اس طرف کوئی رہنمائی کر سکتی ہے ؟

غلام اسلم پرویز، لاہور

- ۱۔ اردو گزٹر ایسے مجوں اور مجوں کی اردو تعلیم پر خصوصی لکھ دے ۔
- ۲۔ اردو کی تعلیم سے اس کی تعلیم تک مختلف شعبہ میں اردو میں پڑھائے جائیں ۔
- ۳۔ اردو کے ساتھ ساتھ دوسری اسلامی زبانوں میں بھی اردو دان قلم و لکھت حاصل کریں ۔
- ۴۔ کامیابی بھی لکھانہ ، لکھت کامیڈ اور لکھانوں پر پڑھنے لکھ جائیں ۔
- ۵۔ استعماری لکھت ، اردو دفتروں کی مختلف دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی لکھ جائیں ۔
- ۶۔ اردو گزٹر کے اردو اخبار ، اردو رسالہ ضرور جاری رہے ۔
- ۷۔ اس کے علاوہ اردو دفتروں اور اخباروں کی خبر کے لیے بھی لکھ جائیں ۔
- ۸۔ اردو میں سائنسی ، ادبی ، اور سیاسی مضامین کی اشاعت کو فروغ دیا جائے ۔
- ۹۔ اردو میں اسکول کا تمام کام جائے اور سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم ضرور دیا جائے ۔
- ۱۰۔ اردو زبان کے معاملہ میں کسی طرح کی سمجھوتہ نہ کیا جائے ۔
- ۱۱۔ اردو میں لکھت کو نہ لکھنے کی کوشش نہ کی جائے ۔

سید احمد (رحمہ)

• بہاؤن حمام سے تھنا زبا دیکھ کر کہنا پڑا انا کس کا پرغا۔ ملاوس کی بابت ہوتی تو پورا سوال پہلے کہیں پہنچا ملاوس کی اکتال کیجی
 پاکوئی خان دکر انتظام ہے، یہاں سے پتہ غنڈہ کو گھونٹے ہیں مگر کبھی یہاں سے سوچنے کے الٹی پہنچنے کیجی ہے، یہاں سے وہاں سے برعکس تو
 کا بڑی ضرورت ہے، اہل اندک نرغہ میں بڑی سدا کے ہے۔ لیکن کیا یہ سدا چارے سے ڈاگٹر سے ملنے ملوگی ہے کام بانی تو یہ ضرور
 یہ اندک نرغہ کا سدا کے ہے گا۔ • عیم سے ہمارا نصف انا گز رہے کہ پڑھنے کے لیے جو سو روپے لاکھ کی تھیں وہ بھی فراہم نہیں
 کر سکتے۔ دینی ملاوس کی گز کہ انکم اردو کے ہیں مغوی تو ہم حوزہ کئی ہوگی اردو سے بھلا ہم بابت پہلے کہ اندک کے لیے ہم اپنے گھر سے
 پہلے سے کہیں جو ہم اپنی کتب نہیں کر رہے ہیں۔ • چلیں، اچھا ہے جو سدا ان انجمن ترقی اردو سے ملتی ہے، میں حوزہ کی حقیقت
 سے اس کی تصدیق کرتا ہوں اپنی پوری کتب کے لیے لکھنے کی اشاعت کے لیے چاہیے پروگرام کے لیے ان کی منظوری
 میں وہاں سے ہیں کام جو عیم سے اردو کے رابطہ کی ضرورت ہے، ہمارا ایک نماز دیکھنا ہاؤن کا اچھا علم سے رابطہ ہے۔
 حوزہ میں سے کوئی نیکو کسی اعلیٰ کے مقرر ہے خواہ ملے بہاؤن رابطہ پر مبنی ہو، نہیں ہوتا ایک یقین نہ ہو جائے کہ اکثر سے
 اس سے نا ارض نہ ہوگی، یہ اردو باندہ کے اکثر کے نا ارضی کا کوئی حصہ ہے، وہ حوزہ وہ ختم ہے کہ اردو علم کی
 ایک تہیہ نہ چھٹ آزادی سے ہی ہو چکے ہے، اس سے کرنا مارنے والا کام اردو داروں کو کرنا ہے اردو باندہ کے ہم آپ کی بالادستی
 کو تسلیم کرتے ہیں۔ انجمن کا یہ کوشش ہے کہ اردو داروں کو ایک جگہ بٹھ کر جائزہ لیا جائے کہ کہاں کیا کار ہے اور کہاں کہ چیمبر
 کا ضرورت ہے۔ مذہب ادیب جتید کو اس کا اختلاف ہے ہری زبان کے ایک طرف میں اردو لغات کی حوزہ کی گئی وہ اس کے
 کہ ہر فرد کو اللہ سے ملو نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا لیکن اتنا سمجھنے کے لیے ایک پورا نصف تو حاصل ہوا۔
 اردو داروں کو بھی پہنچنا چاہیے کہ ہندی سے رابطہ کیے نتیجے میں ہندی تو بہت حاصل ہوگی جب کہ ہندی کو سمجھنے کے لیے ہیں۔
 عظیمہ سے ملو پور ہوتی اردو کے پناہ نہیں۔ کچھ باقی الٹی ہے جن کی تشہید نہیں ہو جاتی، شہد حال ہی میں، غنڈہ، اردو، غنڈہ شانی
 پر نہیں بنانے کے زراہ تمام اچھے جو عالمی سمجھ رہا۔ • اردو اعزاب سے بننا پڑا تو کمر بڑی علم کی ہے اس میں ہم
 کھا جائے کہ غنڈہ کو غنڈہ داروں تو ہر دیکھنا ہاؤن کے غنڈہ میں، گھر بڑا کام ہوگا۔

رضی الدین احمد: صرف اردو ایک ایسی زبان ہے جس کی اکادمیاں اتنی بہت ساری ریاستوں میں بنی ہیں۔ یہ فخر کی زبان کو حاصل نہیں۔

مسعود احمد برکاتی: تحفظ وترقی اردو کے مسائل اوردان کا حل، ائمہ اس موضوع پر حزب ایشیائی علاقائی سمینار ہوتا چھا ہوگا۔ تعلیم میں، عدالت میں، دفاتر میں اردو؛ کتابت، نایب، طباعت و اشاعت میں دقتیں روز و رات، اصطلاحات کے مسائل، لغت فارسی کی مشکلات وغیرہ۔

اعجاز صاحب: تعلیم کا رواج کچھ ایسا رہا کہ اصلی زبان، عوامی زبان سے کٹ گئی۔

اقبال انصاری صاحب: پاکستان میں بھی، ہمارے یہاں بھی، انگریزی کیوں چھائی ہوئی ہے، اردو کو ہم ملی زبان کیوں نہیں بناتے؟

قرۃ العین حیدر صاحبہ: اردو کے محاورے جنہیں ہندی میں استعمال کیا جانے لگا ہے، تا نا شاہی سے ہندی میں نادر شاہی کی جگہ استعمال کیا جانے لگا۔ اب اردو والے بھی استعمال کرنے لگے (مزید مدعا = مدعا)

نواب شروانی صاحب: قارئین کے گرتے ہوئے مہار کا تجربہ بھی ضروری ہے۔

جمال عیدالواحد صاحب: اردو کی زبان کا مسئلہ ہے کہ میاں گر رہا ہے اردو کا المیہ یہ ہے کہ ہم سرکاری سہارا پر زندہ رہنا چاہتے ہیں۔

عبد السلام خاں صاحب: جب تک حکومت کی زبان نہیں بنے گی اس وقت تک ہندستان میں اردو کا مستقبل روشن نہیں۔ حیدر آباد والی کتابوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اچھی کتابوں کے تراجم اس طرح نہیں ہو سکتے جاملہ میں ترجمہ کے لیے ایک کتاب دی گئی، انہوں نے راپور کہ ایک لڑکا کو دیا، اگر اسی طرح ترجمے ہوتے رہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

سید حامد صاحب: دارالترجمہ (حیدر آباد) کی بابت جناب عبدالسلام خاں صاحب نے نگرانی فرمائی، یہ تراجم چند نشیات کو چھڑ کر بڑی حد تک میاری تھے، سارے علوم (بشمول سائنس) کی تعلیم عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو میں ہوتی تھی، جناب سید ہاشم علی صاحب، وائس چانسلر علیگڑھ اور جناب واسو دیون وائس چانسلر کالج یونیورسٹی نے ایم۔ اے میں سماج سائنس اردو میں پڑھی اور انہیں کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

پس گفتار

یہ ۱۹ء کی ایک تحریکِ نقل ہے جو قیادت کی تلاش نامی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اردو مسائل میں اور خود اردو والوں میں ابھی تک کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آ سکی ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے اس مجموعہ کے 'پس گفتار' کی حیثیت سے شامل کر لیا جائے۔

— ع۔ ر۔ ب

بیٹھتے بیٹھتے ایک شعر پھر دوسرا پھر تیسرا، پوری غزل سنادی، پھر درق الٹ کے ایک نظم بھی کانوں میں اتار دی، اور اب پو پھنے لگے مطلب۔ میں نے کہا مونہڑ کا حقدار شاعر ہے میں نہیں؛ دوسرے دن اخبار یا رسالہ ہاتھ میں لیے آئے۔ اور یاد از بند پر پڑھنے لگے، نسخہ قدیم۔ بے مخطوطہ کے متن، حاشی، ۱۲۸۵ھ کی یکم شوال نہیں دوم رجب کو کھے گئے۔ کاتب نخطے چھوڑ گیا ہے۔ یہ دراصل نون نہیں ت تھا، اور معلوم کیا کیا، پھر خاموشی سے میری طرف دیکھنے لگے۔ میں ان کے خاموشی تبصرہ کو خاموشی سے ہی گیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ مجھے ان سے سخت اختلاف تھا، کچھ حقیقت پسند بھی ہونا چاہیے آدمی کو:

میں نے اس وقت کچھ نہیں کہا تھا، لیکن اب عرض کرتا ہوں کہ جب صورت حال ایسی ہو جیسی کہ آج ہے، کہ مت کٹ کٹ جائے، تو پھر کہنے اور کرنے کے لئے کچھ رہتا نہیں۔ اور ایسے وقت میں، یہ ہرزمانہ میں ہوتا رہا ہے کہ یا تو لوگ جدیدیت کے نام پر شعور برائے خود، کہنے لگے ہیں، یا پھر تحقیق میں لگ جاتے ہیں۔ اور ایسی ہندی کی چندی کر ڈالتے ہیں کہ وہ کہیں اور سنا کر سہ کوئی وہ انہیں لوگوں کے پورچ تھے جو ایسے حالات میں گھر کے اطمینان سے بیٹھے، پچھلے ۴۲ گھنٹوں سے اسن پر بحث کر رہے تھے کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے ہزار فرشتے سما سکتے ہیں اور پھر پردہ گر کے اٹھا تو وہ یہ بحث کر رہے تھے کہ کنوئیں میں جو ہیا گر جائے تو ساٹھ ڈولن نکالے

جائیں یا ایک سو ساٹھ۔ اور اب کی پردہ گرا تو کوئی امریکہ کے خول میں سٹا ہوا تھا، کوئی غالب کے خول میں اور کوئی تنہائی کے خول میں۔ اور تینوں گروہ کبھی کبھی سرنگال کے باہر دیکھ لیتے تھے اور شکر بجا لاتے تھے کہ رب کریم تو بڑا پرورش کرنے والا نکلتے نواز ہے، ہم بھی تیری روش پر چل کے نکلتوں کو نواز رہے ہیں، مبادا یہ حرف نہ بن جائیں، حرف لفظ نہ بن جائیں، اور لفظ معنویت کے ساتھ سازش کر کے ہمارے دامن گیر نہ ہو جائیں!

۲

غالب صدی پر فزائنے جو غزل پڑھی اُس میں ایک شعر میں اس نے یہ لکھا ہے،
 بھی کی :
 پوچھو مجھے مٹاؤ مجاری زبان کو اردو دشمنی کے دھماکے بکھیرے؟

اسی طرح ساحر لدھیانوی نے احتجاج کیا :
 اردو قتل ہے یہ ہمید نہیں مکتبہ، یہ جشنِ یگانہ خیز ہے سازش ہے؟
 غالب جسے کہتے ہیں اردو کُشتِ مکتبہ، اردو پہ شتم دھماکے مٹاؤ، مرا کُشت ہے؟
 سرور صاحب نے سارے اردو والوں کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا:

The denial of facilities provided by the Constitution, the chief ministers' conference of 1961, the Linguistic Commission's Report adopted by Parliament, and the various policy documents made by the Centre and the States resulting therefrom.
 رابع صدی گزرنے کو آئی اور اردو کا مسئلہ جہاں کا تھا ہے۔ کیوں؟

خان عبدالغفار خاں خدائی خدنگار کا جو شوشہ چھوڑ گئے تھے ہندوستان کے انسان دوستوں نے اسے ایک تحریک بنانے کیا۔ ادا اگست ۱۹۰۷ء میں ایک تنظیم بنانے کے باقاعدہ کام کرنا بھی طے پا گیا۔ لیکن آپ کو تعجب ہو گا کہ بادشاہ خاں کے سامنے بھی ادراپ اگست کنونشن میں بھی کئی وقت کا ساتھ فی صدی حصہ اس نکتہ کو حل کرنے میں صرف کیا گیا اور اسی پر بیشتر تقاریر بھی جوتی رہیں کہ اس کا نام خدائی خدنگار کے بچائے کچھ اور کیوں نہ رکھا جائے۔ وجہ صاف صاف بتانے کی کسی نے ہمت نہیں کی، اور جو وجوہ بتائی گئیں وہ ممکنہ خیر زیادہ تھیں واقعی کم۔ واقعہ یہ ہے کہ وجہ صرف یہ تھی کہ یہ خالص اردو بلکہ اچھے خاصے مسلمان الفاظ تھے اور تصور یہی پیدا ہوتا تھا کہ اسلام علیکم اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی آوازیں آ رہی ہیں تقسیم کا زخمی دل ذرا اسی بات پر بھرنا کہ انسانیت ہے۔ Humanism کا جھنڈا ہر دلی سے مطالعہ کرنے والوں کو اس پر حیرت بھی نہیں ہوتی۔ آزادی تقسیم ہو کے ملی ہے اور طیب جی کے بقول اردو دشمنی ہیں آپ کو چاہے کتنی ہی عجیب نہ ہو، لیکن عظیم تقسیم ہی کے سلسلے کی یہ ہوانہ کی مشق ہے کہ ہر شے تقسیم ہو، نہ بڑا، نہ چھوٹا!

تقسیم کے لیے آپ قطعاً ذمہ دار نہیں ہیں یہ آپ بوجائے دعوے کر سکتے ہیں، لیکن آپ نے اب تک اس کا سلی ثبوت نہیں دیا ہے کہ آپ تقسیم کے حق میں نہیں تھے مسئلہ زبان کا ہے ہی نہیں، مسئلہ تو اصل یہ ہے کہ آپ اپنے سلی ثبوت ہی سے بدلا سکتے ہیں، ایک عرب کو کہنے لگے: اردو دالے جب تک اپنے کو ہندوستان کی تقدیر اور تاریخ بنانے والا نہیں بتائیں گے اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا، ان کا مقصد اس سے دوش کا دباؤ تھا۔ میں اسی بات کو اسی طرح کہتا ہوں کہ جب تک ہندوستان اردو والوں کو واقعی اپنا تقدیر ساز نہ سمجھے لگ جائے اپنی اچھائی اور برائی کو

اُن سے وابستہ نہ سمجھنے لگے، اس وقت تک اردو کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اور اس کے لیے پھر عرض کر دوں کہ عملی ثبوت درکار ہے۔

جب پرتاپ کا نریندر یہ لکھتا ہے کہ: "ایک آئندہ نرائن ملا کی اس سے لڑائی اس کا حقیقی روپ نہیں بدل سکتی۔ اور جب آپ اردو کے سرگھٹوں کا روپ دیکھتے ہیں تو ہر ایک کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ان لوگوں کی زبان ہے جو دیش کی دھارا سے آگاہ رہنا چاہتے ہیں تو ان پختہ انداز میں وہ پچھلے ۲۲ برس میں اردو کے فائنات کی جانے والی ساری سازشوں کو تہہ بہ تہہ کھول کے رکھ دیتا ہے، مخلصانہ اور عناد کی جڑ کہاں ہے!

۴

ذرا آہستہ سے پل کا ردان کیفیتِ مستی کو
کے سطحِ ذہن اندازِ سخت نہا ہوا رہے ساقی

اسباب جو کچھ بھی ہو۔۔۔ اور کیا وہ ضروری نہیں ہیں۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ برادرانِ وطن نے ہندو کو ڈبل میں، اس سے پہلے برہمن سماج کی تشکیل میں، اور اس سے بھی پہلے مکھنچنڈ اور جنتی کے ذریعہ اسلام کے بنیادی اصولوں، توحید، مساوات اور عدل کو اپنانے کے بعد بھی اُسے اسلام نہیں کہا، بلکہ آزادی کے بعد اسلام کے لیے ہندو مذہب کے مقابل میں پس ماندہ کا لفظ اتنی بار دوہرایا گیا کہ اب یہ لفظ اس مذہب کے نام کا ہندو سامعین کو معلوم ہونے لگا ہے۔

اردو و شاعری کی تعریفیں کرتے بھائی لوگوں کے گلے خشک ہونے لگتے ہیں۔ غالب کو جھوم جھوم کے پڑھتے ہیں۔ پارلیمنٹ مک میں اردو غزل کے شعر دہل کے طور سے پڑھنے سے نہیں جھکتے۔ پرتاپ اور ملاپ اردو میں نکالتے ہیں غزلوں میں اردو سننے میں داگرچ ہندی کے نام سے باتیں اردو میں کرتے ہیں۔ ٹیپے اور ہمدردی کے جگہ تشریف

رکھتے کہہ کر اپنے اور پر فخر سامعوس کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اردو سماج اردو کے لیے اس کا اصول حق مانگتا ہے تو راجی کا قتل غام ہو جاتا ہے گیا کی ادولابری را کہ کا ڈیفریادی جاتی ہے۔ اور ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی ہے اور یہ سب کیا ہے کہ بقول آل احمد سرور، حکومت کی طرف سے سرکلر پر سرکلر جاری ہوں لیکن عمل ہفتہ کا صفر ہے !

بات اکثر مسئلوں کی طرح وہیں جا کے روکے گی کہ ہم ابھی تک ڈیما کریٹک سیکولرزم (Secularism) کو سیکولر ڈیما کریٹک سمجھتی کرتے ہیں۔ اس کا عزم ہے کہ شعوری طور سے اور اجتماعی طور سے کمر بستہ ہونے کی طاقت پیدا نہیں کہہ پائے ہیں جس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ہم واضح طور پر اسے سمجھ لیں کہ ڈیما کریٹک سیکولرزم کیا چیز ہوتی ہے؟ اور کیوں ہوتی ہے؟ اور یہ سیکولر ڈیما کریٹک کیا ہوتی ہے۔ اور کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟

۵

اردو اس ملک کی سرکاری زبان ہے جس سے ایک بار محفل اور ایک بار مفصل جنگ ہو چکی ہے، اور جس سے بالآخر ایک آخری معرکہ ہونا باقی ہے۔ اردو ایک ایسے رسم الخط میں لکھی جاتی ہے جس میں اس مذہب کی مقدس کتاب یعنی بڑھی اور چھاپی جاتی ہے جس کے نام پر تبرصیر کے دو قلم لکھتے دیکھتے ہیں۔

اردو اس کمیونٹی سے غالباً ۹۰ فی صدی وابستہ ہے جو برہمن ہندوستان میں ہے، عاشق پاکستان سے کرتی ہے، سید سعودی عرب کی سمت کرتی ہے، جان دینے کے لیے لکھنؤ، فلسطین کو جیتی ہے، اور چار چار بیویاں کر کے اور منصوبہ بندی کو رد کر کے اپنی آبادی میں افزونی کئے جاتی ہے تاکہ ایک بار

پھر اس ملک کو بانٹے !!!

(یہ سب باتیں اپنی جگہ پر کہ اسی زبان میں گیت کے ۷۲ ایڈیشن موجود ہیں؛ کہ اردو ہندو مسلم اتحاد کی یادگار ہے؛ کہ اس میں اب بھی سیکڑوں ہندو لکھتے ہیں؛ ہزاروں پڑھتے بھی ہیں؛ کہ پرتاپ مہلاپ جیسے کثیر الاشاعت اخبار اور جمع و بیسویں صدی جیسے عامی دعوائی پرچے اسی زبان میں چھپے ہیں لیکن !!)

واقعہ تو یوں ہی ہے کہ یہاں فراق، بیدی، کرشنن، جگن ناتھ، بالکنڈ، نچورام، بشیشور، پرشاد، گوپی چند، نریندر، رام لعل، رنبیر، یامزید دس میں ناموں کا اضافہ کر کے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

فرق اس سے پڑتا ہے کہ رنبیر یا نارنگ کا بچہ اردو نہیں پڑھتا؛ لیوں علی اشرف کے بچے بھی اردو نہیں جانتے؛ لیکن، کہنا یہ ہے کہ ایسے ہندو اردو دوست بچھلی نسل سے یا بچھلی نسل سے قفلن رکھتے ہیں اور اب آگے یہ نمونے پیدا ہونے بند ہو چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو سے جذباتی وابستگی صرف مسلمانوں کی ہے یا پھر بچھلی نسل کے چند سر پھرے ہندوؤں کی جنہیں بآسانی آنریری مسلمان کی مد میں گن جاسکتا ہے۔ سدم آئند کے بقول یہ بوڑھوں یا ادھیڑ عمر والوں تک محدود زبان ہو کے رہ گئی ہے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ نام کے طور سے اردو ہندستان کی تقریباً ایک تہائی یونیورسٹیوں میں موجود ہے لیکن وہاں جس طرح چل رہی ہے یا چلائی جا رہی ہے جس طرح اس میں داخلے کے بہلاوے پھسلاوے رکھے جاتے ہیں وہ سب پر عیاں ہے۔ اس کے باوجود طلباء میں اکا دکا بھلے ہی کوئی قسمت کا مارا

آنریری مسلم پینس جائے درد نئی نسل میں یہاں داخلہ لینے والے صرف مسلمان ہی ہوتے ہیں، اور یہ بھی: 'القوم' وہ جنہیں کسی دوسرے مضمون نے درخور اعتنا نہیں جانا امتیاز پاس کر کے جب یہ درسگاہوں سے نکلنے ہیں تو یا تو پاکستان کا رخ کرتے ہیں۔ یا جانے کی پلاننگ کرتے رہتے ہیں؛ یا پھر کمیونسٹ، مجلسی، جماعتی، یا تباہی بن جاتے ہیں۔ دل پانچ فیصدی ایسے ہوتے ہیں جو جاتے، چلی گئے، سوویت سفارت خانہ اور اکل انڈیا ریڈیو میں کھپ جاتے ہیں؛ اور گلتا ہے سب کا مسئلہ حل ہو گیا۔

صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان اردو اخبار و رسائل (جماعتی اخبار و رسائل) رسالوں کو چھوڑ کے کہ وہ لوگ اس گھر کو مانتے ہیں کہ خطرات انی باجماعت یا رہائش محذوہ گرتی پڑتی اشاعت ہے آگے نہیں بڑھتے، اکثر نکل کے بند ہو جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا رسالہ (جماعتی رسالوں کو چھوڑ کے) ہزار آٹھ سو سے آگے نہیں بڑھتا۔ بڑے سے بڑا اخبار ڈھائی تین ہزار کو اپنی معراج سمجھتا ہے کوئی کتاب (جب تک کہ وہ ناول یا تالیف نہ ہو) سال بھر میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ نہیں نکلتی۔ ہزار کا ایڈیشن چھاپنا علمی کتابوں کے لیے بالعموم سادہ لوحی خیال کیا جاتا ہے۔ اردو کے ایک زمانہ میں مشہور پبلشر ایک ایک کہ کہ دم توڑ چکے ہیں اور جو قائم ہیں وہ کھوکھلے ہو چکے ہیں؛ آج کہی، اچھی کتاب کو کوئی پبلشر محض اچھی کتاب ہونے کے ناطے قبول نہیں کرتا جب تک اس پر کوئی دباؤ نہ پڑے یا پھر دباؤ نہ دی جائے،

ترقی پسندوں کا بڑا حلقہ اردو کو تحریک کی حیثیت سے چلانے میں شامل نہیں ہے، بلکہ نہ چلائے جانے والوں کے ساتھ ہے۔ ایک حلقہ ہندی رسم الخط کا قائل ہو چکا ہے؛ اور بقیہ الیکشن اور ووٹ کے چکر میں پارٹی مینی فیسٹو کے طور سے خواہی نہ خواہی اس کو لگانے رکھ رہا ہے، اندلس۔

ہندستان میں ایک ریاست ہے جہاں کے باشندوں کی بولی کچھ اور ہے لیکن جہاں سکراری زبان اسے مان لیا گیا ہے، اس وجہ سے اردو کو دہلی کشمیر میں کچھ نہ کچھ بڑھاوا ملتا رہتا ہے لیکن وہ ریاست جس حیثیت اور نوعیت کے ساتھ چل رہی ہے اس میں اردو سلسلہ بھی کچھ زیادہ متعین اور واضح نہیں ہے۔ پھر کشمیر میں اردو کی عوامی بنیادیں تو بہر حال ہواہی میں ہیں۔

ایک سلسلہ اور ہے جہاں کشمیر کے اسکولوں کی مانند اردو قائم بھی ہے پھیل بھی رہی ہے اندر اس کی عوامی بنیادیں بھی ہیں۔ یہ قدیم دینی مدارس کا سلسلہ ہے جو یوں تو پورے ہندستان میں پھیلا ہوا ہے لیکن یوپی کے مشرقی اضلاع میں حال ہی میں مزید پھیلا شروع ہوا ہے جہاں دینی تعلیمی کونسل نے دینی مدارس کا ایک حالی بچھا دیا ہے۔ لیکن یہ سلسلہ تعلیم ایک خاص طبقہ کے لیے ہوتا ہے، عامل ذوال اور مالک و قوم کا قابل لحاظ حصہ اس میں شامل نہیں ہوا کرتا، یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے۔

دوسری طرف جامعہ اردو کے امتحانات کے ذریعہ کچھ نہ کچھ لوگ اردو زبان و ادب سے وابستہ ہونے لگے ہیں لیکن ایک تو ظہیر الدین غلڑی مرحوم کے بعد سے اسکے سنیالکوں میں وہ مشن کا جوش و خروش نہیں رہا، دوسرے ان امتحانات کے ذریعہ محض ایک رُخا اور محدود فائدہ ہونے کے سبب لوگوں کی توجہ اور محنت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے یہ مینسا بھی بہت دور تک یا بہت دیر تک اردو کے لیے حشرِ حیات نہ بن سکے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ ہم صورت حال جیسی کہ وہ ہے اسے قبول کر کے آگے بڑھیں یا ہوا میں رہ کے بات کریں ہوا میں بات کرنے کا ایک انداز وہ ہے جو مسلم مجلس جیسی

جماعتوں نے اپنا پیسہ کمالیکشن اور دوٹ۔

دوسرا انداز اردو کے پیشرو ادیبوں کا ہے کہ اردو کا سوال سیکولرزم کو بچانے کا سوال ہے۔ لغزہ اچھا ہے خوب صورت ہے، ایلی بھی ہے لیکن کوئی لپچھو سکتا ہے کہ میرے بھائی سیکولرزم جمہوریت میں شعبہ اردو پرمانڈلے گا یا جمہوریت پرمانڈلے اور جمہوریت میں جمہور جو چاہیں گے وہ ہوگا یا جو اردو والے چاہیں گے وہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ ہر ایسی بات کو شکست خوردہ ذہنیت کہہ دینا آسان ہے اس سے آرمی سوچنے سمجھنے کی ضروریوں سے بچ نکل بھاگتا ہے، لیکن جس کے لیے:

موت بھی مانگی کا وقفہ ہو۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر۔ وہ زندگی کی عارضی موت **Consolidate** سے شکست کیا کھائے مگر لیکن یہ ضرور ہے کہ مانگی وقفہ اور دم لینے کی اہمیت کو پاتا ہوں اور یہ بھی کہ وقت نہ بھرنے اور پھر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے کہ مدلل وار چلتے چلا جائے اور کبھی بھی اندر کے مدلل شون نہ ہوئے، ہر لحظہ نیا طور نئی برز، تجبلی!

۵ سرکاری زبان یا علاقائی زبان بنانے کے لیے کوئی بھی تحریک دس سال تک نہ چنائی جائے۔

۵۵ جہاں جہاں جو مراعات ہیں انھیں **Consolidate** کیا جائے۔
۵۵۰ کسی مرکزی جگہ مثلاً دہلی میں، کوئی ایک ادبی تنظیم ریڈیو گورنمنٹ پبلیشنگ تعلیمی اداروں کی پبلیشنگ، یونیورسٹیوں کی گرانٹ، اردو ترجمے کی گرانٹ، خالد بکرانٹ، اور یونیورسٹی اور دیگر گرانٹ وغیرہ کے سلسلے میں ایک مرکزی انٹرمینسٹریز کی صورت اختیار کرے۔

۵۵۵۵ ایک علمی منصوبہ بنایا جائے تاکہ اردو اور جہالت ہم معنی ہونے سے بچ جائیں
۵۵۵۵ اپنے طور سے اردو تعلیم کے لیے، بغیر حکومت یا برادمان وطن کو لپسٹیل
کیے ہوئے، نجی سطح پر جو کچھ بھی کر سکتے ہوں کریں۔ کچھ نہیں تو کم سے کم اپنے
بچوں کو یہی سکھانے کے لیے وقت نکالیں۔

آخری بات اور:

تہذیبوں پر جب بغیری وقت پڑے تو میرے نزدیک نقطہ ہائے نظر کے
اختلاف کو اور وسیع تر کرنے کے بجائے ان میں تالی میل لانا زیادہ ضروری ہوتا ہے
جو چراغ یونانی اندھیوں کی زد میں ہوائے آپس میں کف درد میں اندازہ گفتار
اختیار کر کے ایک دوسرے کی بھونکوں سے اور جلدی بھجانے کی کوشش کر کے
قالموں میں کیوں نام لکھواتے ہو دوستو!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اردو کے لیے ہندی رسم الخط کے حامی، اردو
رسم الخط کے حامی، اور فارسی رسم الخط کے حامی کچھ نہ کچھ مشترک باتوں پر اتفاق کر کے
اپنے اپنے انداز فکر کے مطابق پلاننگ کے ساتھ اردو کے مستقبل کو سنوارنے میں
لگ جھکیں!

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے اختیار کردہ طریق کار
اور اس کے خالص نکتہ چینیوں کے مجوزہ طریق کار میں تالی میل ہو سکے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ادبی سطح پر حکومت کی سرپرستی سے تراجم کا جو سلسلہ
جڑواں: دھبی پٹا ہے۔ لیکن اس کو محض بے بنیاد اسکیم بننے سے بچانے کے لیے
کسی ادارہ مثلاً جامعہ ملیہ، کی نگرانی میں، بچوں کے لیے نصابی درجہ کے لٹریچر کا ایک
سلسلہ دیا گیا جائے اور اس پر ایک معقول رقم خرچ کی جائے؛ اسکیم سازوں
سے یہ بھی کہا جائے کہ یہ دیادلی کتابیں لکھا سکتی ہے لیکن ان کن بول کو چڑھنے والے تو

نہ پیدائش کے لیے اردو بھون اس کے حکم یا کروری مل ترجمہ اسکیم اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک پڑ
جس کی جڑ کو آپ اندر سے کھوکھلا کر چکے ہیں اس کی جڑوں کو پانی دینے کے لیے آپ نے
دبستی سفر کر دیتے ہیں۔ یا جیسے پچاسی کی سزا تو مجرم کو سنا ہی دی ہے اب
آخری ٹھیکہ دل تو خوش کر ہی دیا جائے۔ بکری یا مرغی کو کبھی حلال کرنے سے پہلے
خوب کھلا پلا دیتے ہیں۔ یہ کار فرما اب سمجھا جاتا ہے

ظہر بٹھہر کہ بہت دلکش ہے یہ منظر

ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکی شمشیر

اور بالآخر مختصر، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ رومن اور ہندی رسم الخط
کے حامی ترکوں کے اندر از پر اردو کا بہترین حصہ ان خلوں میں منتقل کرنے پر
لگ جاتیں۔ اور باقی لگ جو موجودہ رسم الخط کو اس کی ذلیت کا ضامن سمجھتے
ہیں۔ اردو زبان میں کچھ انکار و خیالات لانے کی کوشش کریں تاکہ ذہنوں میں کچھ
پہل تو ہو، بات محض شعر سخن فلسفے کچھ آگے تو بڑھے جس سے اردو کا قدر
اتنا بلند ہو جائے کہ غالب اور اقبال فیض اور فران کی طرح لوگ نئی اردو دل کو بھی
اس لیے تابی سے پڑھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آزادی کے بعد اردو میں دانشوری
کی روایت سر جھاڑ منہ پہاڑ کھڑی منتظر ہے کہ اس کی ترمیم دلائل کے لیے کہیں سے
تو کوئی پیش قدمی ہو اور یہاں تو ایک ٹوک کا عالم ہے: اکثر اے سناٹا آواز نہیں کرتا
آخر مجھے اردو پر اصرار کیوں ہے کیا محض اس لیے کہ ہندی کی منہ منظور ہے؟

یا اس میں کچھ اسلام زندہ باد ہوتا ہے؟ یا علمدگی پسندی کو مدد ملتی ہے؟ مجھے اصرار
اس لیے ہے کہ مجھے اُس پورے ورثہ پر ناز ہے جو ہندو اسلامی تہذیب کہلاتا ہے جس
میں تنازع محض بھی ہے۔ خیال بھی، کبیر اور نانک بھی، اردو اور علی گڑھ بھی۔ اردو

اسی ہندو اسلامی تہذیب کا ایک رُخ ہے جس کی صورت میں آنے والوں نے اپنے نئے وطن کے اشیائی صدی الفاظ لے لیے اور یہاں کے ساتھ مغربی ایشیائی آوازوں کے انجمن کے لیے ان کا رسم الخط لے لیا اور اس طرح ایک نئی زبان بنائی۔

یہ ہندی اسلامی کلچر بنیادی طور سے فہری کلچر تھا اس لیے اس زبان میں پوری شہریت در آئی اور ہوتے ہوتے یہ بقول فرائی ماڈرن انڈیا یا نئے ہندوستان کی زبان بن گئی۔ اسی لیے اس زبان کے تحفظ پر امریکہ کا طلب ہے قدیم کے مقابلہ پر جدید کو ترجیح، اور جدید ہندوستان کے لیے غیر مشروط وفاداری۔

یہ صیغہ ہے کہ میں اس کے لیے سینہ سپر اس لیے بھی ہوں کہ یہ میری جینس کے انجمن کا ذریعہ بنی ہے، بہتوں کے انجمن کا تنہا وسیلہ ہے، اور اس لیے بھی جمہوریت میں اس کی بقا انیس ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی شخصیت کی تکمیل کر سکے، اپنے ذہنی قریب پائے اور قومی تعمیر کے کاحول میں دل لگا کر شریک ہو سکے۔

اور پھر میں یہ کہے بھول سکتا ہوں کہ کشمیری پنڈتوں، کاسیٹھوں اور مغل بلیٹ کے عیسائیوں کی زبان رہی ہے اور غیر منقسم پنجاب کی بھی اس کی آبیاری میں پریم چند رتن ناتھ، بشار پٹوت دیانند، اودھ اندرام مخلص کی چارنلیں، کبھی پھلی ڈھائی صدیوں کے اندر گزری ہیں اور ایک نسل کرشن اور بیدی کی نسل ہمارے سامنے گزری ہے۔ ایک عظیم تہذیبی ورثہ کو ادب کے ایک پورے ذخیرے کو ہم گڑگا کی لہروں کی نذر کیسے کر دیر جبکہ یہ ملک و قوم سے بھی خداری ہوگی۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ اردو دن بدن مسلمانوں سے وابستہ ہوتی جا رہی ہے کہ کچھ دن میں سچ محج مسلمانوں ہی کی زبان ہو کے رہ جائے گی۔ ابھی یہ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کی تقریباً ۱۶ تعداد کی بولی جانے والی زبان ہے لیکن بقیہ بھی جو اسے پوری طرح سمجھے بھی نہیں بڑی تعداد میں اس زبان میں

کسی نہ کسی درجہ میں جذباتی وابستگی محسوس کرنے لگے ہیں اور اس مفہوم میں یہ -
مسلمانوں کی آل انڈیا زبان بھی ہے۔

لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ مغل سلیٹ کے ہندو مسلمانوں کی زبان ہے
جہاں آزادی کے بعد ہندوؤں نے اسے نئے رسم الخط کے ساتھ تو قبول کر لیا ہے
آبادگی کا ہر کی ہے لیکن پرلے رسم الخط کے لیے ان کے دلوں میں جگہ نہیں ہے۔ اس کے
بر خلاف اس حصہ ملک کے مسلمانوں کے لیے وہ زبان زندہ ہی اپنے رسم الخط سے ہے۔
آزادی کے بعد اردو اسلام اور ہندو اسلامی (انڈوسلم) کلچر تینوں ایک
تقدیر میں بندھ چکے ہیں! اور تینوں Survival چاہتے ہیں۔ ہندو مسلم
فسادات کا مسئلہ، علی گڑھ کا مسئلہ، اردو کا مسئلہ میرے نزدیک سب ایک
ہی مسئلہ کے مختلف نام ہیں اور ایک ہی حل کے طلبگار ہیں۔ وہ حل جیسا کہ میں نے پہلے
اشارہ کیا مرحلہ وار ہی ہو سکتا ہے پہلا مرحلہ یہ کہ مشکوک برادران وطن کے دلوں کو
جتا جائے اور اس طرح جمہوری سیکولرزم کو سیکولر جمہوریت میں ڈھالا جائے،
دوسرے مرحلہ میں اس زبان کی اہمیت اور ضرورت کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے
اور بات و دہن سے مشروع کی جاسکتی ہے کہ: مشترکہ Edifice کی بات
کرتے ہو اور اسی کو دفن کرتے جاتے ہو۔ ہم نے اردو ایسا ہی ایک Edifice بنایا
تھا اسے اپنے ہاتھوں سے خود گراتے تھے یہی شرم نہیں آتی۔ اردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں
کہنا چاہیے زیادہ صحیح یہ ہے کہ مسلمان اسے ہندستان کو اپنی ایک قیمتی دین خیال کرتے ہیں جس میں
وہ بھی ہیں ہندوستانیت بھی اور اسی لیے وہ اس کی بقا پر اصرار کرتے ہیں۔ انہوں نے زمین پر سے اٹھا
کے چار پائی پر سنا سکھایا، پتوں سے اٹھا کے قالوں میں کھلا دیا، محاوروں کے ساتھ ساتھ شہزادوں
میں رہنا سکھایا اور دیہاتی لڑکی کو شہری شاہجی سکھائی۔ اس سارے ہندو مسلم کلچر کو
وہ بیک جنبش لب کا عدم کیے قرار دے سکتے ہیں۔

پس گفتار-۲

اردو مسئلہ: ہندوستان کے آزاد شہری کی حیثیت سے آزادی کہا ایک دین کے طور سے
 ہمارے ساتھ ساتھ بیٹا ہوا ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ پہلے پہل تو مسئلہ چھیڑنے ہوئے سم
 جاتے تھے ہم لوگ رفتہ رفتہ باہر جبریت کی موتی ہے، سو موٹی، اور اس پر باتیں ہوئے لگیں، خوب کھل کے۔ کچھ
 راستہ بھی کھینچ، مگر نعمت صدی ہوئے گواہی اور خود اپنے دہل پہ ہم نے کبھی کوئی سنگ نہ
 دی۔ سوجا ایک بار دھر بھی کھٹکھٹا کے دیکھیں، مل کے بیٹھیں، سر جوڑ کے کچھ سوچیں!
 ایک ٹولیں خط لکھا اردو دوستوں کو۔ آواز پر آواز دینے والوں کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ اچھی
 باتیں ہوئیں، سبھی طرح کی۔ کچھ نتیجہ خیز، کچھ محض جذبہ تھی۔ یہ سب کچھ پچھلے
 صفات میں آچکا۔ خدا بخش اردو مسئلہ سمینار کے بعد کچھ اور تحریریں، جن میں کام
 گو باتیں تھیں، مثبت باتیں، جنہیں لکھنے والوں نے دل جلا کے لکھا تھا، جسنا داس،
 ٹی۔ سرکنول، ظفر ہاشمی کی تحریریں؛ ہم نے ضروری سمجھا کہ انہیں بھی اس مجرورہ
 میں شائع کر لیں، ان کے اور کتاب منما کے شکریہ کے ساتھ۔ تو مسئلہ آپ کے سامنے ہے
 اور جن بھی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

اچھا، تو اب وہ خط ملاحظہ کر لیں جو یہ سمینار پر پاکر نے کے لئے اردو دوستوں

کی خدمت میں لکھا گیا تھا:-

اب تک ہم پر روزگار تھے اسے میں کو حکومت کچھ نہیں کر رہی ہے۔ یہ ایک نہیں ہوا کہ ہم سب کی گراہے یا کم سے
 کہ یہ کہ وہ اگلے اپنی ذمہ داریوں سے کتنے عہدہ برآ ہو سکے ہیں۔ فی الحال اپنی ذمہ داریوں میں ہم اس رخ کو لیتے ہیں جس میں
 سرکاری دیم سرکاری اردو اداسے اسے میں یعنی حکومت سے تھوڑی یا بہت املا دپانے والے دھارے اور اسے
 جن سے اردو کی ترقی کی توقع کی جاتی ہے (اردو اکاڈمیاں، ترقی اردو بورڈ، نیشنل بک ٹرسٹ، انجمن ترقی اردو،
 پبلیکیشن ڈویژن، اکن انٹرنیٹ اور دور درشنی کے اردو سیکشن، لکھنؤ، پٹنار اور ممبئی کے اردو سربراہان)

ٹرننگ سٹرنگسٹ بک کھار پوریشن ایس کا ای آر ٹی، این کا ای آر ٹی، علی گڑھ، مہاراجہ اور کشمیر کی بیرونی مٹیاں اور دوسرے ایسے ادارے جو اردو سے شغری طور سے متعلق ہیں۔

ہر سال سرکار اردو پر مجموعی طور سے تیس کروڑ کی رقم صرف کرتی ہے تو اس سے اردو کا بنیادی کام کس حد تک ہو پاتا ہے، کس حد تک نہیں ہو پاتا؟ اردو درسیہ کا کنگریس نے اردو کے مختلف دانشوروں کے واسطے محض ایک پیسٹ فراہم کیا ہے تاکہ غرض لوگ سرحد کریم سکس اور بنیادی مسائل پر تجدید کی سے کچھ دریافت کر سکیں، تاکہ آنے والی نسلیں ہیں کسی جگہ تو بخش سکیں۔ اس پر گفتگو ہوگی کہ اگر اردو کا بنیادی کام نہیں ہو پاتا ہے تو اس میں سرکار کی بددیہی ہے؟ یا خود ہم اردو والوں کو مسائل لیکر ٹھہر کر رہ سوچے کا موقع ہی نہیں ملا ہے کہ ہمارے ترجیحات کیا ہیں؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ پتیلوں پر پتھر کا ڈک ٹیک، جڑیں کب تک کوکھی رہیں گی؟ اس پر گفتگو ہوگی کہ اردو کی موجودہ تحریک اور ادب کے سربراہ موجودہ ادارے، اداروں کے بچکان اور موجودہ تنظیموں کے ذمہ داران۔۔۔ اور سرکار کی تیس کروڑ کی رقم اردو کے لیے امداد کے استغیضان زیادہ سے زیادہ اگلے چالیس سال اور زندہ رہیں گے، لیکن اس کے بعد!! نئی نسلیں کالیک قافلہ بھی آئے گا! اور اس کے بعد، اردو تہذیب اور اردو زبان! اچھی اور بری جس شکل میں رہی، اس کا نام تو تاریخ کا حصہ بنا ہی رہے گا!! لیکن کیا صرف نام؟ اور اس کے پڑھنے والے!!! اب انھیں دھونڈو چراغ رخ زیا لیکر!

آنے والی تاریخ میں ہم سب اپنے لیے انفرادی فائدہ اٹھانے کے بجائے اس میں کونقوت دینے کے لیے کیا کر پاتے ہیں، جس اہم مشن کی کامیابی اور ناکامی پر ہماری زندگیوں کے بعد اردو کی تقدیر کا انحصار ہے؟ اس سے پہلے کہ ہم اس دنیا سے رخصت ہوں اور آنے والوں کے سوالوں کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہی نہ رہیں، کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آج اس وقت، آپ اور ہم اپنے سے سوال کر لیں اور آپ اپنی سکت بھر کچھ جواب تلاش کر لیں، ایسے جواب جن میں سو دویا کے کاروبار سے بے نیاز ہو کر اپنی تہذیب کو بچانے کا کچھ سامان کر لیا جائے وہ تہذیب جو اس ملک کا دل فرزند رہے۔

یہ فوری درجہ کیسے بچایا جائے۔ ایک وسیلہ تو یہی ادارے ہیں جن کا نام لیا گیا۔ یہ سارے ادارے اور ان میں کام کرنے والے کارکن سب کے سب غیر غرضی، بے ایمان، خود غرض اور مغادر ہوتے ہیں ایسا ہرگز نہیں؟ اگرچہ ہمارے اردو سامع میلے دن بیتوں پر مدد کر کے تقریباً ہر دو ماہ سے پروردگار کی پھر اچلی جاتی رہتی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ اردو صفوں میں پہنچ گیا کہ افتران فاشن ہے کہ اردو روز سب دشمن ہو رہی کسر ہے وہ بھی پوری کر دیتا ہے۔ وقت گالی دینے، پکڑا چھلانے کا نہیں سب کو ساتھ لیکر چلنے کا ہے۔ اردو تو کچھ ہی لینا چاہیے کہ کوئی بڑے سے برا آدمی بھی اپنی زبان کو اپنے

سے بڑے مخالف فاطمہ کی قربان نہیں کرے گا! بات صرف اتنی ہے کہ جن تہذیبی مسئلے سے ہم دوچار ہیں اس سے بچنے کے لیے ان کے لیے اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اس کی گنت دوسرے مسئلے ہیں ان کے منجانب سے گھبرانے والے ہیں اور اس تہذیبی مسئلے کے لیے وقت بچ ہی نہیں پاتا، پھر حل نکالے تو کس طرح! تو، بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ کوئی دھوکا کوئی تنظیم کوئی ادارہ بدعت نہیں ہے۔ صرف صحیح راستہ اور صحیح طریقہ کار کا کھنک کرنا ہے اور بدل بدل کے بنی ہے، اور نیز الزام تراشیوں کے کرتی ہے۔ الزام تراشیوں تو بہت ہو چکیں اب کچھ دیر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی بردہ سوزی سے بات کر کے بھی دیکھا جائے شاید غلط فہمیاں بھی ہوں جو اس طرح رفع ہو جائیں۔

ساتھ بیٹھیں تو کچھ ایسے باتیں بھی ہوں کہ:

کیا ہم بچوں کو اردو سے آشنا کر رہے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیا اس مہدی کے باقی ماندہ ۱۲ سال گزرنے کے بعد اس خوبصورت زبان کے بچے کی کوئی امید کی جاسکتی ہے؟ اور دوسرا مسئلہ یہ کہ حکومت جو کچھ ہمیں اردو کے لیے دے رہی ہے اس سے کس حد تک ہم بے بنیادی کام لے رہے ہیں۔

کیا اردو سنسکرتوں، اردو پورٹوں، اردو کی ترقی کی انجمنوں اور اردو اکادمیوں کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی شے تو نہیں جس کی رو سے یہ باندی عائد ہوتی ہو کہ یہ سب ادبی سطح کا کام تو کرتے رہیں۔ مگر اردو زبان کا ترویج کے لیے کوئی بنیادی کام نہ کر سکیں، بالخصوص نئی نسل کو اردو سے روشناس کرانے کا کام اکیلا ان کے آئین و ضوابط میں کوئی ایسی واضح شے برعکاس نہیں جاسکتی کہ کہے کہ اگلے دس سال کے لیے ان سارے اداروں کو صرف یہاں بنیاد کا کام کرنا ہے۔

یہ بات بھی کی جاسکتی ہے کہ ملک کی سب ریاستوں کے اندر جہاں اردو اکادمیوں کے ہیڈ کوارٹر ہیں اردو آبادی کا ایک سچیل سر دے کر لیں کہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے کے سلسلے میں ہمارے اشرافیہ (Elite) کا کیا حال ہے۔ اس کام کا ابتدا گفتگو، پتہ بھوپالی، کلکتہ، بمبئی، الہ آباد، بنگلور، میسور، حیدرآباد اور بے پور سے تو ہو ہی سکتا ہے، بعد میں کچھ دوسرے شہروں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے جو عدد و مقاموں کے علاوہ ہیں اور تدریجی انداز کے فارم پر ایک سرے کیا جاسکتا ہے۔ نام سرپرست خاندان: ... شہزادہ ... محلہ: ... بچوں کے نام: ... نام اسکول: ... / یونیورسٹی: ... درجہ: ... بچہ: ... / نام: ... / کیا وہاں آپ کے بچے کے لیے اردو پڑھانے کا انتظام ہے؟ / ہاں / نہیں۔ وہاں انتظام نہیں، تو آپ نے گھر پر اردو پڑھانے کا کوئی نظم کیا ہے؟ / ہاں / نہیں۔ آپ کے بچے کسی زبان میں آپ سے خط و کتابت کرتے ہیں؟ / اردو / انگریزی / ہندی / کوئی اور زبان۔

علوم اسلامیہ کی ایک انسائیکلو پیڈیا

(دوسری جلد)

بزرگمان کا اشاریہ

(۱۹۳۸ء - ۱۹۶۵ء)



تعمیم

تعمیم و ترتیب: قن میں مزدی اہلانی
اور اشاریہ معنیین



ڈاکٹر شائستہ خان

مدرسہ اہلہ و بیری، علی محمد علی و بیوی



حرفے چند

یہ ماہنامہ برطانوی شاہیہ پر ۱۹۳۸ء (آگاز تا ۱۹۶۵ء) مسیحیہ کی حکومت کی (۱۹۸۵ء) اور مفتی حسین احمد رضا خان صاحب مدظلہ کے برطانوی شاہیہ پر۔

معارف کی پیشکش کے بعد خیال آیا کہ اس کی پیشکش قارئین بار بار برہان کے اشتہار کا ذکر کرتا رہا۔ اسے تلاش کرنے میں زیادہ مشکل نہیں پڑی۔ یہ سب برہان کے چند شماروں میں دیکھا گیا۔ جا بجا کچھ حوالہ دیا کچھ تصحیح طلب چیزیں تھیں، وہ سب ٹھیک کر دی گئیں۔

یہ اشاریہ برہان اپریل ۶۶ء - اگست ۱۹۶۶ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہوا۔ ہم نے اس میں ایک آدھ جگہ ایک فن سے دوسرے بہت فنی میں بعض اندراجات کی تبدیلی، بعض اندراجات کا اضافہ اور وفيات میں دو چار الضبائی اندراجات کو بے جگہ سے جگہ پر لانے کے سوا ————— یا بعض کتاب کی غلطیوں (خاروق = خارق)، بعض ناموں کی تکمیل (زیدی کا جعفر رضا، محمد عثمان = محمد عثمان فاروقیط، عبادت = عبادت بریلوی) کے علاوہ اور کوئی خاص ترمیم و اضافہ نہیں کیا ہے۔ اگر کچھ بڑھا یا ہے تو جس ۴۵۶ ب، ۵۲۷ ب، ۵۲۷ ج، ۵۲۸ د، ۵۵۵ ب، ۵۵۶ د، ۶۶۵ ب، ۶۶۶ ب - ایک شمارہ (۸۲۸ مارچ ۱۹۶۷ء) مرتب اول کو نہیں مل سکتا تھا وہ دستیاب ہو گیا ہے اس کے صفحات کو بھی الگ سے ہم نے شامل کر دیا ہے۔

نبرہ 'فنون' کو زیادہ واضح کرنے کیلئے فنون جمیلہ کو رہا ہے۔ شرق ادسٹا کو جو پہلے ترکی کے بعد تھا اب اس پر اسے علاقہ پر محیط ہونے کے سبب ترکی سے پہلے لے آیا گیا ہے۔

بعض نمبر کے جو گئے (جیسے ۱۲۴)، جن کا کسی دوسرے فن میں اندراج مناسب تھا۔ قدیم ۱۳۴ جو سائنس میں منتقل کر دیا گیا اور اس کا نمبر ۵۲ رہ گیا۔

برہان کا یہ اشارہ ۱۹۶۵ء تک ہی محدود ہے۔ جب گفتار حسن طور سے پہلی بار برہان میں شائع ہوئی تھی اس کو علیٰ حالہ قائم رکھا گیا ہے، کوئی ترمیم نہیں کی گئی ہے، حتیٰ کہ آزاد بھی اسی طور سے نکھار رہنے دیا گیا ہے کہ برہان کی اشاعت کو لگ بھگ ۳۰ سال، اور معارف کو لگ بھگ نصف صدی ہو جائے گی؛ (یہ اسی لیے کہ یہ اشارہ ۱۹۶۶ء کے برہان میں شائع ہو رہا تھا)

ایک اشارہ مصنف بھی اضافہ ہو گیا۔ اور اس طرح اب یہ پیشکش خدمت میں پیش کرنے کے لائق ہو گئی۔



فہرست

مُربان

(۶۱۹۳۸ — ۶۱۹۶۵)

مذہب ، ۱۱	تہذیب ، ۳۳	فارسی ادب ، ۴۵	تاریخ ہندوستان ، ۶۲
قرآنیات ، ۱۲	نفسیات ، ۳۵	عربی ادب ، ۴۷	شرقِ اوسط ، ۶۵
حدیث ، ۱۵	سائنس ، ۳۵	ترک ادب ، ۴۹	ترکی ، ۶۵
فقر ، ۱۶	طب ، ۳۷	سیرتِ رسولؐ ، ۴۹	مصر و سودان ، ۶۵
تصوف ، ۱۸	جہاز رانی ، تقویم ، ۳۷	تذکرہ مام ، ۵۰	افریقا ، ۶۶
فلسفہ و کلام ، ۲۰	لسانیات ، ۳۸	تذکرہ ادبیات ، ۵۵	اسطریلیا ، ۶۶
اسلام ، ۲۲	صحافت ، ۳۸	فنونِ جمیلہ ، ۵۷	اسلامیائے روس ، ۶۶
متعلقاتِ اسلام ، ۲۳	اُردو ادب ، ۳۹	آثار ، ۵۸	اسلامیائے یورپ ، ۶۶
سیاست ، جغرافیہ و سماج ، ۲۴	شاعری ، ۴۲	تاریخِ قدیم ، ۵۹	چین ، ۶۷
مساخبات ، ۳۱	ابوالکلام آزاد ، ۴۳	سفرنامے ، ۵۹	جزیرہ شرقی ایشیا ، ۶۷
سماجیات ، ۳۲	اقبال ، ۴۴	تاریخِ اسلام ، ۶۰	گٹا خانے اور کنکیش ، ۶۸

مصنف اشادیہ ، ۷۲



یہ معارف اور برہان کے مضامین کا اشارہ ہے جن کی شکل جلدیں کم ہی جگہوں پر محفوظ ہوں گی اور جو اپنی جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے علوم اسلامیہ کی ایسی اساتذہ پیدایا ہے جس کے مشتملات کے بارے میں علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب اس سے پورا استفادہ ہر ایک کے لئے ممکن نہیں رہا۔ اور مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر اسی علم و اطلاع نہ ہونے کے سبب ہی، اس اشارہ کو نہ یاد یا بواغنوان حیرت و استعجاب یا پھر اعتراض کی نظر سے دیکھا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دونوں پرچوں نے اسلامی اور عمومی علمی موضوعات پر مستند اور محسوس مضامین کا اتنا بڑا ذخیرہ اُردو میں فراہم کر دیا ہے جس کی نظیر اسلامی دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ معارف کی فیصلت کے لئے تنہا یہ امر کافی ہے کہ اُسے نکلتے ہوئے اب پوری نصف صدی ہو جاتے گی، اور خدا اس کی غمخوار کرے، ان پچاس سال میں تو اثر اور استقلال کے ساتھ ایک ہی میدان میں جمالیات اور ایک سے اعلیٰ میاری کے ساتھ!

بکرخان کو گویا اب بیس سال ہو جائیں گے۔ اور ان دونوں نے اب تک جو کچھ پیش کیا ہے جدید عہد میں ساری اسلامی زبانوں میں اتنے مغزور تاریخی اور علمی موضوعات پر بشافہ علمی انداز کے ساتھ کچھ ایسا مستند مواد کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا، اُردو کا تو ذکر ہی کیا!

مولانا سید بیان ندوی کی ادارت میں دارالمصنفین، اعظم گڑھ سے جولائی ۱۹۱۶ء / رمضان ۱۳۳۴ھ میں معارف کا پہلا پرچم نکلا۔ جولائی ۱۹۳۸ء میں مولانا سید احمد اکبر آبادی کی ادارت میں ندوۃ المصنفین دہلی سے برہان فہرستہ پرچہ، دونوں پرچے اپنے اپنے اداروں کے آرگن تھے۔

دارالمصنفین مولانا شبلی کا تعلق تھی جس کا نقشہ ۱۳۷۱ء کے مولانا ابوالکلام کے اہل بیت میں انہوں نے شائع کیا تھا۔ لیکن اس کی تشکیل اور پھر پرنٹنگ ان کے ہاشمین اور شاگرد رشید سید سلیمان ندوی کی زیر قیادت ندوی فاضلوں کی ایک منتخب جماعت کے ہاتھوں ہوئی۔ مسعود علی ندوی، عبدالسلام ندوی، سعید انصاری، مجیب الرحمن ندوی، سید ابوظفر ندوی، عبدالباری ندوی، حاجی حسین الدین ندوی، ابوالجلال ندوی۔ ابوالحسنات ندوی، شاہ حسین الدین ندوی، محمد اویس نگرانی ندوی، مجیب اللہ ندوی دارالمصنفین کے مختلف زبانوں کے ممتاز نام ہیں، اور اخیر عہد میں ایک نام مزید مصلح الدین عبدالرحمن ایم۔ اے۔

دارالمصنفین نے اب تک میرت، میر صحابہ، موانخ، زرگان اسلام، دانش، علم و فنون،

تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان، کلام، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور لغت کے موضوعات پر اپنی پچاس سال کی زندگی میں سو کے قریب اعلیٰ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

سیلیمان ندوی کے بعد دارالمعتنفین اب شامعین الدین ندوی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔
مدۃ المعتنفین کا خاکہ دارالمعتنفین کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا اور زمانے کے بیس بائیس سال آگے بڑھ جانے کے بعد درجئے تعابنوں کو ہی نظر رکھا گیا۔

مدۃ المعتنفین دو مدد کے فاضلوں کے ہاتھوں تشکیل پایا 'مفتی ضیق الرحمن عثمانی'، خطۃ الرحمن سید ہادی مہر اور سعید احمد اکبر آبادی اس کے ایمان ثلاثہ تھے اور یہی اس کے سب کچھ تھے۔ مولانا خطۃ الرحمن کو جیل اور پھر آزادی کے بعد جمعیت العلماء کی مصروفیتوں سے کم ہی فرصت ملی مگر، سعید احمد اکبر آبادی وہی ہیں قیام کے زمانے تک اس کے سرگرم کارکن رہے لیکن پھر مدد رس عالیہ فکرت کی پرنسپل امداد اس کے بعد نئی گزشتہ دنیا کی صدارت نے انہیں گونا گوں مقامی اور شعبہ جاتی مصروفیات میں الجھایا، یہ ٹہری بات ہے کہ اس عرصے میں کچھ دنوں کے 'حوا'، برہان کے نظرات، پابندی کے ساتھ لکھتے رہے، لیکن آزادی کے بعد سے پھر وہ نقشہ زخم مسکا جو عام ہو گیا تھا، یعنی مدۃ المعتنفین ریسرچ اور تصنیف و تالیف کے اعلیٰ تحقیقی ادارہ کی شکل اختیار کرنا جا رہا تھا جس میں ریسرچ فیلو مقرر کر کے انہیں اسکا رزسپ دے کر مستقل رہیہ رکھ کر ان کی ایکمیں بروئے کار لائی جانے والی تھیں، پھر وچ آن قدر ج شکست و آں ساتی نمائد !

'آن ساتی نمائد' میں نے غلط کہا۔ مفتی ضیق الرحمن عثمانی نے جس بے جگری سے حالات کا مقابلہ کیا اور ادارہ کو سخت نامساعد حالات میں بھی زندہ رکھا وہ اس بات کی ایک اچھی مثال ہے کہ بڑے کام جو عظیمیں نہیں کرتا ہیں اکثر بڑے افراد کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں اور اس دنیا کا یہ سارا کافانہ ہر جگہ اور ہر شعبہ میں کسی نہ کسی 'مرد خدا' کے عزم و حکم اور کسی بہیم کے آگے بے بس ہو کر جیسی شکل وہ دینا چاہتا رہا ہے ویسے ویسے یہ برہنہ رہا ہے۔ ادارے کی تصنیف و تالیف کا پروگرام، برہان کے لئے مقالات کا انتخاب، برہان کی کبھی کبھی باقاعدہ اور اکثر بے قاعدہ ادارت، اور پورے ادارے کا نظم و نسق، مفتی صاحب دیکھے یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں اور شاید وہ اکیلے ہی ہمت چھوڑ بیٹھتے اگر مولوی محمد ظفر احمد خان جیسا غفلت کار کن انہیں نہ مل جاتا۔ ظفر صاحب پچھلے ۲۵ سال سے ادارہ سے

وابستہ ہیں، اور اپنی صحت کو واؤں پر لٹاکے ادارہ کی سلامتی کے ضامن بنے ہوئے ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، ایسے پیارے انتخاب کے لئے بھی کرڈٹ ان سے زیادہ خود معنی صاحب کو پہنچنا ہے۔

اب پچھلے چند سال سے، خصوصاً مولانا حفظ الرحمن کے انتقال کے بعد سے قوی سیاست اور پھر گردہ بند سیاست کے جھیلوں نے انہیں بڑی طرح گھیر رکھا ہے، وہ سیاسی آدمی نہیں اس لئے قذافی کے کام پر ان کے انتشار کا اثر پڑ سکتا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ سیاست کو اب ایسے آدمیوں کی بے حد ضرورت ہے جو سیاسی نہ ہوں، ورنہ قوم اور ملت دونوں کا حشر معلوم!

یہ دراز حرکات اس ضمن میں متی کہ مولانا حفظ الرحمن اللہ کو پیارے ہوئے، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرائض منصبی میں الجھ گئے اور معنی صاحب کے یہ جھیلے: فہمیت ہے کہ برہان ابھی تک اس سے متاثر نہیں ہوا ہے اور وہی ادارہ کے اشاعتی پمڈ گرام۔ لیکن ادارہ کے لئے ایسے وسائل بہم پہنچنا کہ وہ اپنا کھلا علمی میاں برقرار رکھ سکے اور مقررہ تعداد میں اعلیٰ کتابیں پیش کرتا رہے، اس کے لئے یقیناً ذہنی یکسوئی اور فراغت کی ضرورت ہے۔ اب تک ندۃ المفتین نے تاریخ اسلام، تاریخ ہندوستان، قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، لغت، نقد، اور سوانح کے موضوعات پر ۲۷ سال کی مدت میں تقریباً ساٹھ معیاری کتابیں پیش کی ہیں۔

اداروں کے تعارف کے بعد اصل بات: معارف اور برہان!

سید صاحب کے بعد معارف کی زمام ادارت شاہ معین الدین ندوی کے ہاتھوں میں ہے، اور برہان کو شروع سے سعید احمد اکبر آبادی چلا رہے ہیں (سوانح ۲۳۳-۲۳۴ء کے۔ جب نظرات بھی معنی صاحب کے آنے لگے تھے اور سردق پر مرتبہ معنی حقیق الرحمن عثمانی بھی)

سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳ء) کے لئے اقبال نے "علیم اسلامیہ کی جوئے شیر کافراؤ" کے قابل رشک الفاظ استعمال کئے ہیں اور شاہ معین الدین ندوی کو سید سلیمان ندوی کا صحیح جانشین نہ ماننے کا احساس معارف کے وابستگان کو تو ہوا نہیں۔ برہان کے سعید احمد اکبر آبادی (۱۹۰۸ء) 'صدق اکبر'، 'فہم قرآن'، اور اسلام میں غلامی کی حقیقت کے مصنف سے زیادہ طرم اسلام پر گہری نظر، فقہ فی الدین اور مسائل اسلامی میں انتہائی دل چسپی رکھنے والے عالم کی حیثیت سے ہندو اسلامی میں ایک معروف شخصیت ہر گچے ہیں۔

سید صاحب، قبل کے پروردہ تھے اور نذوہ کے فاضل؛ اشدھ جیسے اعلیٰ علمی پرچہ کی بدگامادارت کا تجربہ تھا، اس کے بعد مولانا ابوالکلام کے اہلذیل میں بھی جذبہ جہنہ کام کر چکے تھے، عربی، فارسی اور اردو کے علوم و ادبیات کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے بھی ضروری واقفیت تھی اور مغربی زبانوں سے اپنا مطلب اخذ کرنے کی صلاحیت تھی۔ علمی مذاق بھی تھا اور ادبی ذوق بھی (اور شاہ معین الدین کو یہ سب کچھ در ذمہ ملا ہے) معارف نکلا اور نکلتے ہی چمک گیا۔ اور رفتہ رفتہ اس کا ایک ایسا طغوس ملتہ بن گیا، لکھنے والوں کا بھی اور پڑھنے والوں کا بھی، جو مضبوط تر ہو گیا۔ ۱۹۴۳ء کے مشذرات سے بہت چلتا ہے کچھ حصے کے لئے عبدالمجاہد دیاہی بھی ادارت میں شامل رہے، کتنا عرصہ، یہ واضح نہیں۔

سید صاحب ۱۹۴۶ء کی جولائی سے ریاست بھوپال کے امور مذہبی کے انسر اعلیٰ ہو کر دھر چلے گئے۔ مگر مارل کی مگرانی جاری رہی۔ ان کی عدم موجودگی میں شاہ صاحب (اور ایک سال کے لئے، ۱۹۴۷ء میں سید ریاض ندوی) ان کا کام نبھائے رہے اور مشذرات اور تبصرے بھی لکھتے رہے، ۱۹۴۹ء سے شریک مرتب کے طور پر شاہ معین الدین ندوی کا نام باقاعدہ طور پر آنے لگا، حالانکہ اب سراسر ترتیب انھیں کی ہوتی تھی تاثر کرتے ہیں ۱۹۵۱ء میں سید صاحب کے پاکستان چلے جانے کے بھی سال ڈیڑھ سال بعد شاہ صاحب کا نام ایڈیٹر کی حیثیت سے آیا، ادھر ہی ایسی ہی اس منصب پر فائز ہیں۔

دوسری جنگ کے بعد یاد دہانی جنگ ہی میں ایک نمایاں فرق و معارف میں یہ آیا کہ تازہ مطبوعات کے ذیل میں، چھپے پھڑپھڑ، رسالوں اور اخباروں پر جو تبصرے نکلتے رہتے تھے وہ بند ہو گئے، ان تبصروں نے ایک تاریخ بنائی تھی، اُردو صحافت کی تاریخ، جو آج معارف ہی کے صفحات میں محفوظ ہے اور کہیں نہیں (کئی سال بعد ۱۹۴۹ء میں یہ سلسلہ پھر چڑا کر چلا نہیں)

برہان کے ایڈیٹر مولانا اکبر آبادی دیوبند کے فاضل بھی ہیں اور عربی کے ایم اے بھی، دمال ہی میں کچھ عرصہ کیلئے کناڈا کے ادارہ علوم اسلامیہ میں وزٹنگ پروفیسر بھی آئے ہیں (کلکتہ، دہلی، اور علی گڑھ جیسے چوٹی کے شہروں یا اداروں میں کام کرنے کا تجربہ رہا ہے۔ برہان کی ترتیب میں ذہبی نقرات میں ان سب باتوں کی جھلکیاں ضرور ملتی ہیں۔

معارف اور برہان دونوں کے شذرات اور نظرات مستقل نوعیت کی چیز ہیں اور کم ہی ایسے ہوں گے جو کسی یکسی طور پر اس قابل نہ ہوں کہ وہ پیش نظر اشاریے میں جگہ نہ پا سکے ہوں۔

دونوں رسالوں کا سائز ۲۶×۳۰ ماپ ہے اور جگہ کے زمانے کے چھناؤ کو چھوڑ کے معارف کے صفحات کی تعداد ۸۰ رہی اور برہان کی ۶۱ کاغذ ہمیشہ اچھا سفید استعمال ہوا اور ٹائٹل ہمیشہ سلاخ رہا۔ اور مجز معارف کے دو خاص نمبروں کے (میب الرکن شرعانی اور سلیمان ندوی نمبر) دونوں نے حدیث النمر کوئی خاص نمبر سالانہ کے طور پر بھی نہیں نکالا۔ دونوں پرچوں میں جو کتابوں پر تبصرے نکلے ہیں ان کی فہرست الگ تین جگہ ہے (اس اشاریہ میں اس کی کوئی جگہ نہ تھی) اور اسی طرح اخبارات و رسائل کی ہیں۔ اس سے پہلے نصف صدی میں علمی و ادبی ترقی کا ایک بڑا حصہ سامنے آ جا سکا۔ (دیئے کتابوں اور مجلوں کی اس طرح جو فہرست بنے، ضروری ہے کہ دوسرے رسائل بھی سامنے رکھے جائیں ان کے تبصرے بھی دیکھے جائیں اور فہرست کو مکمل طور پر پیش کیا جائے)

خطوط مات کا حصہ دونوں کے یہاں، ”مخ کا مزید لے کے لئے“ ہوتا ہے اس لئے قیرا م ہے (مثلاً غیر مناسب بھی!) شذرات (اور نظرات) دونوں رسالوں کے اہم ہوتے ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا، اکثر اس قابل ہوتے ہیں کہ مستقل بالذات نوعیت کا مقالہ شمار کر کے حوالہ دیا جاسکے۔

اشاریہ کی قریب اس طرح ہے:

پچاس مضمون کا عنوان دیا گیا ہے، پھر بریکٹ میں مصنف کا نام ہے، اور اس کے بعد جلد اور شمارہ کا حوالہ ہے، یعنی مثلاً ۲۶/۵۸ کا مطلب ہے جلد ۲۶ کا پانچواں شمارہ یا مثلاً ۱/۶۸: ۵-۱/۲۸: ۵-۱/۵۰: ۳-۱ کا مطلب ہے جلد ۱ کا پہلا شمارہ، جلد ۱ کا شمارہ ایک تا شمارہ پانچ، اور جلد ۵ کا شمارہ تین تا شمارہ چھ۔ یعنی یہ مضمون اتنے پرچوں پر محیط ہوا ہے۔ اکثر مضمون خود قلمی ہیں لیکن جہاں کہیں ایسا نہیں ہوا ہے مقرر مضمون کے موضوع کے بارے میں چند نظروں میں وضاحت کردی گئی ہے۔

آدی جینی متیغزوں کو پالے، اس کا فرض ہو جائیگا کہ وہ جی نوع کے لیے انیس عام کوئی کوشش کر سکتا علم و اطلاع کا دائرہ وسیع تر ہو جائے، اور تاکہ تحقیق یا جی کی جستجو کرنے والے ہر آدمی میں شکستہ نہ بھرے، وقت کے قیمتی سرمایہ کو بچانا، ضرورت مند کو ضروری اطلاع بہرہوت بہم پہنچا دینا، اور متعلقہ علم و فن میں جی اور صداقت کے تعلق کی براہ راست اور بصیرت مدد کرنا، اس قسم کے اشاریوں سے میرا ہی مقصد ہے، اور یہاں یہ مقصد شعوری بن گیا ہے، اگر یہ مقصد کسی حد تک بھی حاصل ہو گیا، اور علمی تحقیق کو تھلے لے کر لوگوں کو بھی ان حوالوں سے فائدہ پہنچ گیا، تو میں سمجھوں گا میری محنت اکانت نہیں گئی۔ (عابد رضا بیدار)

① مذاہب

- ۱- شنتو مذہب کی کتابیں (محرر غوث) ۵/۲۶
- ۲- یوزاسف (مضمونی) ۴/۳۲
- مناظر احسن گیلانی وغیرہ کے مضامین پر
- ۳- الوہیت مریم کا مسئلہ (مشیر احمد خاں غوری) ۴/۴۴
- ۴- لائڈ ہیڈر کا تاریخی پس منظر (محمد تقی امینی) ۱/۴۶ ؛ ۵-۱/۴۸ ؛ ۵-۳/۵۰
- ۵- ہفت تماشا کے مرزا قاتیل (محمد عمر) ۴/۵۵ ؛ ۱/۴۹ ؛ ۵-۲۹/۵۰
- ۶- مذہب کا انقلابی مطالعہ: کیوں اور کس طرح (ڈبلیو ایسٹوہ - ترجمہ: مبارک الدین رفعت) ۴/۴۹
- ۷- مذہب اور انسانیت (سید قطب الرحمن عثمانی) ۱/۱

⑤ قرآنیات

- ۸- قرآن اپنے متعلق کیا کہتا ہے (خط الرحمن) ۳/۱۷-۶؛ ۱/۱۸-۳
- ۹- اسباب کفر و مجود (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۱/۱۷، ۲، ۶، ۱/۱۸
- جو قرآن مجید میں بیان ہوئے۔
- ۱۰- حضرت موسیٰؑ کے واقعہ اخذ رسانی (ادرسودہ احزاب کی آیت کے متعلق برأت کی تحقیق)
- داؤد اکبر اصلاحی (۳/۱۷)
- ۱۱- قرآن کے نقلی اور منوی حقوق (خواجہ سید محمد علی شاہ اسماعیلی رحمانی سہارن پور) ۱/۲۲-۲۴
- تلاوت، فہم، عمل
- ۱۲- قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر (غلام ربانی) ۶/۲۲ : ۱/۲۳-۴
- ۱۳- ہزار سال کے قدیم ترین تاریخی ثنائی قرآن کی روشنی میں (عمیلانی) ۲۰۱/۲۳
- ۱۴- جنت (مکیم محمد ابو زید) ۶/۲۲ : ۱/۲۵
- مرزا غلام احمد قادیانی کی تفسیر پر بحث
- ۱۵- دلائل القرآن (نجم الدین اصلاحی) ۲/۲۵-۴
- ۱۶- خدا کے کلام اور رسول کے کلام کا فرق
- قرآن مجید کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں (تحفیں و ترجمہ) ۲/۴
- ۱۷- قرآن مجید کے چند اور تراجم: مکتوب عبدالمجید بادی ۳/۴
- ۱۸- حضرت زورؑ اور طوفانِ نوحؑ (مختار الرحمن) ۵/۲، ۵
- ”شیخ عبدالوہاب کی قصص الانبیاء، جن کا آغاز سورہ بقرہ جلد ۱۸ سے کریں گے“
- ۱۹- بعض مشہور غائب کے مصنف و مفسر کی ترتیب
- قرآن مجید کی لسانیاتی اہمیت (عبدالملک آردی) ۱/۴
- ۲۰- حجج قرآن پر ایک نظر (قاضی عبدالعزیز محمد سید بادی) ۴/۴

۲۱- عصمتِ انبیاء (محفظ الرحمن) ۶/۵، ۱/۵

— ختم المرسلین اور حضرت زینب بنت جحش (۲) حضرت سلیمان۔

۲۲- ایک علمی سوال اور اس کا جواب (محفظ الرحمن) ۴۰۳/۸

سوال یہ کہ قرآن نے جو سورتیں کھٹنے کا بیج دیا تھا، ایک سورت کے بعد دس کیوں کر دی تھیں جب ایک ہی دیکھی گئی تھی تو پھر رگڑا دینی چاہئے تھیں۔

۲۳- حضرت یونس کا ذکر قرآن مجید میں (الواقسام محمد حفظ الرحمن) ۵۴۲/۱

۲۴- حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کی تشریح و توضیح (۱۱) ۶۰۵۲/۱

۲۵- قرآن کا معیار فکر و نظر (طب الدین احمد) ۳/۳۳

۲۶- عصمتِ حضرت آدم قرآن کی روشنی میں (ج ۲) ۲/۲

۲۷- سورہ فاتحہ کے بعض اہم مباحث (ضیاء الدین اصلاحی) ۳۴۲/۲

— اہم مضمون ہے۔

۲۸- تحقیق معنی العالمین (محمد اہل خان) ۲/۴۵

۲۹- علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث (خواجہ محمد علی شاہ) ۲۱۶/۱

۳۰- قرآن مجید اور ترجمہ و تفسیر (خواجہ محمد علی شاہ) ۶۳۰/۳، ۵۴۲/۳۱

۳۱- سورہ بقرہ کی ایک آیت کی صحیح تاویل (ضیاء الدین اصلاحی) ۲/۳۸

”وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ.....“

۳۲- فَتَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَلْوَانَ كَتُمِبُوا (ضیاء الدین اصلاحی) ۴/۳۸

— بقود اخوان می کا اسوئیل کے سلسلے کی آیات

۳۳- تفسیر لفظ الرحمان (محمد اہل خان) ۲/۴۲، ۴/۴۲

۳۴- قرآن کے اندر تراجم (سید محبوب رضوی) ۱/۱۲

۳۵- نظریہ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۱۲/۳-۶

۳۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا مقدمہ ترجمۃ القرآن (مقتلہ رمضان) ۵/۴/۱۵
 — ترجمہ و تحریک کیا مقدمہ ایسی تک قلمی ہے اس کا فارسی متن مع ترجمہ کے دیا ہے
 تفصیلی قرائت کے ساتھ۔

۳۷۔ حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ (سید ابوالنظر رضوی) ۶/۱۵
 — اہلال ۶۷۷ میں مولانا آزاد نے اس سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں چار
 قسطیں لکھیں، میں نے بھی اپنے شکوک لکھ دیے مگر اہلال بند ہو گیا۔ اب پھر میں
 لکھ رہا ہوں۔

۳۸۔ حضرت بابرؒ اور گوسالہ طلائی (احسن انہ، طوی) ۱/۶
 — خود کے ۳۲ ویں باب کی تشریح، نگار کے "مقدمۃ القرآن"
 معتمدؒ کے جواب میں

۳۹۔ حج ابراہیمی اور نوردی مضامین (گیلانی) ۵/۱۶
 — ابوالنظر رضوی کے مضمون کو آگے بڑھایا ہے۔

۴۰۔ آذر (محمد ادریس میرٹھی) ۴/۲
 ۴۱۔ اقسام قرآن (سیر بیعت اللہ بنواری) ۲۱/۶
 ۴۲۔ ذوالقرنین اور سد سکندری (مقتلہ رمضان) ۲۱/۷
 ۴۳۔ ایضاً: استدرک (۷) ۳/۷
 — عبدالمجید بریلادی کے مضمون مطلوبہ صدق کے جواب میں۔

۴۴۔ قرآن مجید اور اس کی حفاظت (بدیع عالم میرٹھی) ۱/۹-۶ : ۱/۱۰-۴
 ۴۵۔ فزعون موطی (محمد فرید الودید - ترجمہ: اکبر آبادی) ۶/۲
 ۴۶۔ فہم قرآنی (اکبر آبادی) ۱/۳-۶ : ۲/۲-۶ : ۵
 ۴۷۔ عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات (استقام احمد ندوی) ۳/۵۲

حدیث (۳)

- ۴۸- تدریس حدیث (مناظر حسن گیلانی) ۴/۱-۲؛ ۶/۱؛ ۲/۲۲؛ ۶-۷
- ۲/۲۲؛ ۶-۷؛ ۱/۲۵؛ ۶-۷؛ ۱/۲۶؛ ۶-۷؛ ۱/۲۷؛ ۳-۴
- ۴۹- علم حدیث بہارین: ایک اجمالی خاکہ (ابو حفصہ انکرم معصومی) ۲/۲۶
- ۵۰- ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات (ابو سلفیہ شعیب احمد بہاری) ۳/۳۱؛ ۲/۳۱؛ ۳/۳۱؛ ۴/۳۱
- خاص کر ۶۵۷ کے بعد کی تالیفات
- ۵۱- ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات - منیر (حبیب الرحمن عثمانی) ۲/۳۲
- ۵۲- حیدرآباد کے چند کتب خانوں میں حدیث کی اردو قطعی کتابیں (نصیر الدین ہاشمی) ۲/۳۲
- ۵۳- دسویں صدی ہجری کا بالکمال محدث: شیخ علی متقی جربان پوری (شیخ فرید بہار پوری) ۵/۳۶
- طاہات پر اہم مقالہ
- ۵۴- حدیث انترقان انداس کی اسناد پر ایک نظر (بدیع عالم میرٹھی) ۶/۱۷؛ ۶/۱۷؛ ۶/۱۷
- ۵۵- ادب المفرد، امام بخاری کی ایک گراں قدر شرح (ابو حفصہ انکرم معصومی) ۲/۲۵
- شاہ فضل اللہ کی فضل اللہ الصمد جو حیدرآباد سے تھے۔
- ۵۶- غنیمت حدیث (منیر احمد بدایونی) ۳/۲۵
- ۵۷- ترمذی اور جامع صحیح (محمد تقی الدین ندوی مظاہری) ۱/۵۱
- ۵۸- امام دارقطنی (ابو سلفیہ شعیب احمد بہاری) ۶/۲۵؛ ۶/۲۵
- ۵۸- صحیح بخاری کی فنی خصوصیات (سلیم الدین صدیقی) ۳/۳۱؛ ۳/۳۱
- ۵۹- اُردو میں تراجم حدیث (سید محبوب رضوی) ۴/۹
- ۶۰- طلوع اسلام اور پرہیز پر اعتراضات (اکبر آبادی) ۱/۹
- ۶۱- "فیمن ابہاری" (مغیر احمد عثمانی) ۴/۲
- مصنفہ: انور شاہ صاحب۔ ڈائری میں مرتب ہوئی قاہرہ میں تھی۔
- ۶۲- المدخل فی اصول الحدیث، عالم انیسابوری (عبد الرشید نعمانی) ۶-۲/۸

۶۳۔ معانی الآثار و مشکل الآثار لایام الطہادی

(سید عبدالرزاق قادری جعفر) ۱۱/۳-۶؛ ۱۲/۴؛ ۱۳/۵، ۱۴

— سوانح پر مقالہ جلد ۹ میں؛ یہ تصانیف پر۔

۶۴۔ امام طہادی (سید قلب الدین) ۹/۵؛ ۱۰/۱-۶

تجلی۔ موطا امام مالک اور اس کی خصوصیت (تقی الدین ندوی مظاہر) ۵/۵۵

۶۵۔ امام ابو داؤد اور ان کی سنن کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۶/۴۹

۶۶۔ امام مسلم اور ان کی جامع صحیح کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۱/۵۴

۶۷۔ امام نسائی اور ان کی سنن کی خصوصیات (تقی الدین ندوی) ۳/۵۵

۶۸۔ ایک نادر علی محمد (مختار احمد ندوی) ۴/۵۵

الزہری کی تحفۃ الاشراف، جو کبھی سے چھپی ہے۔ علم الحدیث پر نایاب اور اہم

کتاب ہے، اس کی دسٹن جلدوں میں سے پہلی جلد آئی ہے۔

فقہ (۴)

۶۹۔ فقہ اسلامی کا تاریخی ارتقاء (محقق ایتنی) ۶/۴۲

۷۰۔ اختلاف فقہاء کے اسباب (۸) ۳/۴۳

۷۱۔ فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے چند اسباب (محقق ایتنی) ۵/۴۳

۷۲۔ فقہ کی جدید تدوین (۸) ۳/۴۵

۷۳۔ معارف ذکوة کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں (نجم الدین اصلاحی) ۲/۲۷

— فی سبیل اللہ کی تشریح

۷۴۔ فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب (شاہ ولی اللہ - ترجمہ: ضیاء الدین اصلاحی) ۱۳/۵

۷۵۔ مسئلہ تملیک فی الزکوة (مرداویہ ریسن) ۳/۴۷-۶

— ایچ ایس اسلامی کے رد میں، جن کا مضمون ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

میں شائع ہے۔ مضمون نگار نے عام بیورو کے لئے استعمال کی اجازت پر بحث کی ہے۔

۷۶۔ اسلام کا نظامِ حُسن وِصفت (ظہیر الدین) ۲/۲۸ - ۶ - ۲/۲۹ - ۶

۷۷۔ بنی اسرائیل کی فتنی تالیفات (محمد عثمان قاضی) ۲/۲۸

۷۸۔ مولانا مودودی کے فتویٰ کا جائزہ (اکبر آبادی) ۳/۲۷

———— پچھلے دہائی میں بعض اخبارات میں مدیرِ قرآن کے ایک فتویٰ کا چرچا رہا۔ اگرچہ موصوف کی علمی حیثیت اور دینی بصیرت ہمارے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ ان کے کسی فتویٰ یا کسی تحریر پر بحث میں کچھ لکھا جائے، لیکن چونکہ فتویٰ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے، اس بنا پر ہم ذیل میں اس کا جائزہ صرف شرعی حیثیت سے لیتے ہیں۔

———— فتویٰ کے نکات یہ ہیں کہ پاکستان دارالاسلام ہے ہندو دارالکفر ہے، دونوں میں شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہونا چاہئے، اور یہ کہ میاں بیوی میں تفریق بھی جائز ہے۔

۷۹۔ عید کے چاند کے موقع پر گزریں ۱۰ اور بدعتِ ملال کا مسئلہ (مفتی عتیق الرحمن) ۱/۱۲

———— سوال اٹھایا ہے۔

۸۰۔ اسلامی روایاتِ ادران کا تحفظ: قواعدِ ازدواج (جیل داسلی) ۱/۱۵

۸۱۔ تدوینِ فقہ (منافز احسن گیلانی) ۱/۱۳ - ۶؛ ۱/۱۵ - ۳

۸۲۔ اسلامی روایاتِ ادران کا تحفظ: خنزیرِ خوری (جیل داسلی) ۶/۱۶

۸۳۔ اسلام اور نظریۂ صافیت (سید ابوالنظر رضوی) ۴/۲۱

۸۴۔ گائے کی قربانی (اکبر آبادی) ۴/۲۵

———— داخلہ فی الدین کے تحت یہ جائز چیز اب واجب ہو گئی ہے، مگر ایک لحاظ سے منع بھی ہونا چاہئے۔ پھر سوال اٹھایا ہے کہ جہاں مسلمان کمزور ہے وہیں "دلی جونی" ہوگی یا جہاں وہ بہت ہوگا؟

۸۵۔ مسئلہ قربانی اور مسلمان (حفظ الرحمن) ۵/۲۵

———— اکبر آبادی کی بات بے وقت کی لگتی ہے۔ قربانی ملامتِ خود ہے؛ فتویٰ کس بات کا؟

۸۶۔ مسئلہ قربانی اور مسلمان (اکبر آبادی) ۶/۲۵

———— حفظ الرحمن کے جواب میں، کہ سنی ہنگام میں منع نہیں، خوب قربانی ہوتی ہے۔

۸۸۔ اسلام اور فکریہ ترقی (سیہ ادا فکریہ) ۲/۱

_____ علمی روزنامہ

۸۹۔ ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ (سیہ موقبل) ۲/۲-۲

۹۰۔ امام ابراہیم نخعی (د اہل سنت والجماعت) ۲/۲۳-۲۴

۹۱۔ کمرشل انٹرنسٹ کی فقہی حیثیت کا تحقیقی جائزہ (فضل الرحمن گزوری) ۱/۳۰-۳۱/۳۱

۹۲۔ جن مالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں وہیں اسلامی دشمنی احکام کے نفاذ کا مسئلہ (اکبر آبادی) ۲/۴۹-۵۰

۹۳۔ ہندوستان میں مسلمان کا موقف کیا ہو (اکبر آبادی) ۱/۵۰

۹۴۔ پاکستان میں صدر کے انتخاب کے سلسلہ میں (نظرات) ۲/۵۲-۵۳

_____ من فاطمہ جانت کے لئے علماء کی حمایت پر تنقید۔

۹۵۔ موجودہ مسائل کو کس طرح حل کیا جائے (محدثی امین) ۲/۵۲

۹۶۔ جدید اسلامی قانون سازی کے مسائل (حزب شافعی - ترجمہ فضل الرحمن گزوری) ۵/۵۱

۹۷۔ غلط فہمیوں اور اجتہاد (خود رشید احمد فاروق) ۲/۵۵-۵۶

۹۸۔ مسلم پرسن لا ۵۱/۲۱-۵۲

۹۹۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت (محدثی امین) ۵/۵۳-۵۴ : ۳/۵۴-۵۵، ۶/۵۵

۱۰۰۔ اسلام اور شرح مود (سیہ من الزمان - کراچی) ۹/۵۳

۱۰۱۔ اجازت اور اس کی حقیقت (محدثی امین) ۳/۲۱-۲۲

_____ مولانا غیلانی کی گرامی میں ایم اے کا مقالہ

⑤ تصوف

۱۰۲۔ جمال الدین احمد ہانوی الخلیل (سعود احمد) ۲/۵۵

۱۰۳۔ اقبال و دینی کادین و علمانی مقام (محدثی امین) ۲/۵۵

۱۰۴۔ جوگہ بشت (ایڈیٹر مودی) ۳/۳۰-۳۱

_____ حاکم اشکوہ کا لایا ہوا ترجمہ - معنوں میں ہمارے بہت اچھے لکھ دیے۔

- ۱۰۲- تصوف (سید عبدالماجد) ۵/۴۲
- ۱۰۳- حقیقتِ نفس (میرزا الدین) ۵/۴۲
- ۱۰۴- مارچ سلوک () ۱/۴۲
- ۱۰۵- تصنیفِ قلب () ۲/۴۲
- ۱۰۶- ماعول پر تقابکس طرح حاصل کیا جائے () ۱/۴۸
- ۱۰۷- حقیقتِ تصوف (قلب الدین احمد) ۲۱/۳۳
- فقر و احسان یا رہبانیت و فالتاہیت ؟
- ۱۰۸- اسلامی تصوف کا نشو و نما (گوپ چند نارنگ) ۱/۳۷
- ۱۰۹- مولانا ضیاء الدین غنوی (خلیق احمد نقوی) ۵/۲۷
- ۱۱۰- حضرت خواجہ محمد نائل () ۱/۳۰
- ۱۱۱- مرزا رحیم بیگ محمد درویش فطیم آبادی شہید (مناظر حسن میلانی) ۲/۴۱
- ۱۱۲- وصال (شیخ وحید احمد مسعود) ۵/۴۷
- ۱۱۳- مرزا مظہر جانجانا کے خطوط (ترجمہ غلیق بنیم) ۲/۴۵ - ۶ - ۱/۴۶ - ۲

- ۱۱۴- توحید الوہیت (میرزا الدین) ۳/۱۵ - ۵
- ۱۱۵- عالمِ غمراہ اور مراتبِ دہود (شاہ فتح مہرٹ - ترجمہ خواجہ محمد علی رحمانی) ۲/۱۹
- ۱۱۶- حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (خلیق احمد نقوی) ۲/۱۸
- ۱۱۷- حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی، کتب و کلمات کے آئینہ () ۴/۱۷
- ۱۱۸- حضرت شیخ اکبر محمد الدین ابن مولانا ہندستان (خلیق نقوی) ۱/۴۲
- ان کی تصانیف کب یہاں پہنچیں، کون کون سا اثر ہے، کیا شریعت میں گہمیں، کیا اعتراض ہے؟

۱۱۹- انسانِ کامل (میرزا الدین) ۵/۴۲ (۴۱)

- ۱۲۰۔ شیخ ابو القاسم جلال الدین تبریزی (ڈاکٹر محمد سلیم، شعبہ تاریخ و سیاسیات، علی گڑھ) ۳/۱۲۱/۳
 ۱۲۱۔ حضرت محمد شاہ نور الحق کی عظمت (بدیع الدین علوی) ۵/۹
 ۱۲۲۔ حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید (سیہ اظہر علی) ۶/۱۲
 ————— برہان احمد فاروقی پر تنقید۔

- ۱۲۳۔ بزم عرفان: مرید ہندی شیخ جیل کی بارگاہ میں (قلب الدین احمد بختیار لکھی) ۶/۲۴
 ۱۲۴۔ بزم عرفان: مئے حجاز عجمی خم میں: شیخ منیری کے ایک اہلای مکتوب کا آزادانہ ترجمہ (۱۱) ۱/۴۵
 ⑥ فلسفہ و کلام

- ۱۲۵۔ عقائد جامی کی شرحیں اور تراجم (سجاد مرزا) ۶/۲۱
 ۱۲۶۔ شہاب الدین مقبول اور فلسفہ مشائیت (غوری) ۶/۲۴: ۳-۱/۴۵
 ۱۲۷۔ شیخ شہاب الدین مقبول اشراقی تھے: تقسیم چارگانہ صحیح ہے۔ (فضل الرحمن مولائی) ۱۰۰/۱۰۰
 ————— غوری کے مقالہ پر۔

- ۱۲۸۔ شہاب الدین مقبول اور فلسفہ مشائیت (غوری) ۲/۴۶
 ۱۲۹۔ معتزلہ (میر دین) ۱/۲۶-۶
 ۱۳۰۔ علمائے ہند کی کلامی خدمات (غوری) ۶/۳۹: ۶/۴۰
 ————— ابتداء میں علم کلام کا ارتقاء عرب میں تفصیل سے دکھایا ہے۔
 ۱۳۱۔ فوارج اور مسئلہ نصب امام (ماظظ غلام مرتضیٰ) ۵/۳۹
 ۱۳۲۔ یونانی علوم کا مسلمانوں میں داخلہ (غدی) ۶/۴۳: ۶/۴۵: ۶/۴۴
 ۱۳۳۔ خدا کی پُر اسرار شخصیت کا تصور (محمد فاروق اعظم گڑھ) ۵/۴۴
 ۱۳۴۔ جدید سائنس قدیم فلسفہ کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب ہے (اکبر آبادی) ۲/۳۸: ۳/۳۸
 ————— جدید علم کلام کی ضرورت پر

- ۱۳۴- لذت عرب فلاسفہ کی نظریں (مدالین عظیم) ۳/۱۱
- ۱۳۵- فلسفہ، یورپ کا جدید رجحان، دین سے روحانیت کی طرف (ایسل برگ - تلخیص) ۲/۱۲
- ۱۳۶- نظریہ موت اور قرآن (سید ابوالنظر رضوی) ۶-۳/۱۲، ۱/۱۳
- ۱۳۷- عصری علم کلام (یعقوب الرحمن عثمانی) ۶/۲، ۱/۱۳
- _____ کیسے مرتب کیا جائے۔
- ۱۳۸- عہدِ وسطیٰ کا ایک زبردست فلسفی: سپینوزا (غضیل عبدالرحمن) ۶/۵، ۱/۱۳
- ۱۳۹- قرآن کا تصور غیب (سید ابوالنظر رضوی) .../...
- ۱۴۰- اخلاق اور فلسفہ، اخلاق (حفظ الرحمن) ۳/۲، ۵
- _____ کتاب کا ایک باب
- ۱۴۱- فلسفہ کیا ہے و ڈاکٹر میر دل الدین) ۶/۸ : ۱/۹-۳
- ۱۴۲- دھند و ثبوت باری تعالیٰ پر ایک لمحہ فکریہ (خواجہ سید محمد علی شاہ بہار پوری) ۳/۱
- ۱۴۳- سیرۃ مومنہ کے مرکزی نقاط: باطن کی تعمیر (مونی خیر احمد) ۲/۱، ۴۸
- ۱۴۵- ابوالہر الخس (محمد سعید احمد) ۴/۴۸
- _____ تصنیف شیخ محمد غوث گوانیاری
- ۱۴۶- ہندی مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار (دکے - بچیناند مہتہ - ترجمہ: صفی الدین مسریق) ۱/۵۳
- _____ شاہ ولی اللہ سے لے کر ہمایوں کیس تک
- ۱۴۷- روح کا سراغ نظامِ جہانی کے سائنسنگ تجربہ کی شامِ عمل میں
- _____ (خس فیض) ۱/۵۴
- ۱۴۸- عقل کی ماہیت (محمد عثمان قاریط) ۴/۲۱

⑤ اسلام

۱۳۹- اسلامی تمدن (مختصر المجلد) ۳/۹؛ ۶۵/۱۰؛ ۲۱/۱۱

— اور یہ مضمون لکھ کر مولانا جیل چلے گئے

۱۴۰- اسلام کا نظام عصمت و محنت (ظفر الدین) ۲/۱۸-۲/۲۹؛ ۶-۲

۱۵۰- قری اور جماعتی زندگی کے نفسیاتی مؤثرات (محمد تقی امینی) ۳/۳۸-۳/۳

۱۵۱- مسلم سلاطین اور مسیحی فرماؤں کا تقابل (ابوالقاسم رفیع لادھی) ۱/۳۹

۱۵۲- انبیاء کے کرام اسلام کی نظر میں (ظفر الدین) ۳/۳۹-۳/۳

۱۵۳- قائدین کی تربیت اور اوصاف و خصائص (محمد تقی امینی) ۳/۳۹-۳/۳

۱۵۴- ابن قیم کی اجواب الکافی کے ایک باب کا ترجمہ (ابوالاعلیٰ محمد اسماعیل) ۲/۲۸-۲/۱

— دنیا اور آخرت کی تمام مصیبتوں کی جو گناہ ہیں

۱۵۵- مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (مناظر حسن گیلانی) ۲/۲۸-۲/۳۳؛ ۳/۳۰-۳/۱

— ایک مجتہد اوی یا نام بنیاد اہل قرآن فرقہ سے تعلق رکھنے والے صاحب کے مضمون کو پڑھ کر
کھ گیا۔

۱۵۶- توہمات کے دس احکام اور قرآن کے دس احکام (گیلانی) ۲/۲۹-۲/۳-۲/۱

۱۵۷- مسئلہ امامت اور شہرستانی (ملک محمد ابوباقی شطاری) ۱/۲۹

۱۵۸- رحمت عالم کا پیش کردہ نظام حیات (ظفر الدین) ۱/۳۰

۱۵۹- حکمران طبقہ اسلام کی نظر میں (ظفر الدین) ۲/۱/۳۵

۱۶۰- اسلام کا جمہوری نظام (ظفر الدین احمد) ۳/۳۵-۳

۱۶۱- عروج و زوال کے اہلی قوانین (محمد تقی امینی) ۳/۳۵-۳/۵؛ ۳/۳۶-۳/۳۱؛ ۳/۳۷-۳/۲

۱۶۲- اسلام کا فلسفہ تاریخ: حدیث مجددین وقت کی روشنی میں (مذاہرہ یوسف) ۳/۳۶-۳/۲

— اسلام کے فلسفہ تجویز پر مضمون ہے۔

۱۶۳- اسلامی تمدن میں عورت کا حقیقی درجہ (زین العابدین سجاد) ۳/۲

۱۶۴- اسلام میں رواداری کی تعلیم اور آنحضرتؐ کا سلوک غیروں کے ساتھ (شیخ محمد امین باپنی) ۱/۱۲

_____ طویل مضمون

۱۶۵- میں نے اسلام کیوں قبول کیا (خالد شیلڈرکب - ترجمہ: زین العابدین سجاد) ۱/۱

۱۶۶- اسلام کا نظریہ اجتماع : عقیدہ توحید کا مقصد وحید (حامد الانصاری غازی) ۵/۳

۱۶۷- توحید اور اجتماعیت (ابوالنظر رضوی) ۱/۲

_____ غازی کے مضمون کے سلسلہ میں۔

۱۶۸- کائنات میں انسان کا مقام اسلامی نقطہ نظر سے (محمد تقی امینی) ۲/۵۰

۱۶۹- مسلمان کے معنی (نظرات) ۶/۲۱

۱۷۰- اسلام میں رسول کا تسبیح (درد عالم میرٹھی) ۵/۱۷

۱۷۱- قدرتی نظام اجتماع (غفرالدین) ۲/۲۳ — ۵ : ۵/۲۳ - ۶ : ۶/۲۵

_____ سلسلہ نظام مساجد

۱۷۲- دربار الہی، یعنی مساجد اسلام کی نظریں (غفرالدین) ۳/۲۵

۱۷۳- پیغام ابراہیمؑ (حفظ الرحمن) ۵/۲۳

_____ حیدر قربان کے موضوع پر

۱۷۴- شب سراج (حفظ الرحمن) ۱/۲۳

_____ ریڈیائی تقریر

۱۷۵- پیغمبر اسلام کا پیغام امن و سلام (زین العابدین سجاد میرٹھی) ۱/۲۲

۱۷۶- اشاعت اسلام کے اسباب و اکتسابان کی نظریں (محمد رب رضوی) ۲/۱۲۰

۱۷۷- نیاز توحیدی کے دس سوالات کے جوابات (دکتر آبادی) ۴/۵

_____ علامہ کرام سے اگست ۴۰ء کے شمار میں جو سوال گئے ہیں ان کے جواب

(۱) قرآن کا خدا کے ساتھ وجود میں آنا۔ (۲) قرآن ان الفاظِ لام نہی میں جو چھپتے ہیں۔ (۳) خدا کا کلام۔

(۴) نطق خداوندی - (۵) ترتیب قرآن - (۶) لوح محفوظ میں محفوظ ہونا - (۷) ازل سے وجود محمد - (۸) خدا کا خدا اپنے نام سے شروع کرنا - بسم اللہ! الحمد للہ - (۹) اشخاص: اللہ رب و غیرہ - (۱۰) کلام ہے تو خدا کی زبان بھی ہوئی۔

۱۷۸- دکنی الہی (اکبر آبادی) ۵/۵؛ ۶/۶؛ ۵/۱

_____ نیاز کے سوالوں کے سلسلے میں، تفصیل

۱۷۹- اصول دعوت اسلام (عربی) ۶/۹؛ ۱/۱۰-۳

⑧ تعلقات اسلام

۱۸۰- خیر اندیشی اور حسن سلوک (دائود اکبر اسلامی) ۳/۱

۱۸۱- ادارہ معارف اسلامیہ کاتیسرا اجلاس ۱/۲

_____ صدر کے خطبہ کے اقتباسات وغیرہ

۱۸۲- استنبول میں بعض اسلامی ہتھیاروں کا ذخیرہ

(تفصیل: المتنعت) ۱/۵

۱۸۳- دنیا میں مسلمانوں کی موجودہ آبادی کا صحیح نقشہ ۲/۵

_____ زکی ظنی کی کتاب سے

۱۸۴- وحدت ملیہ اسلامیہ (قاضی زین العابدین) ۲/۶

۱۸۵- گوئے اور اسلام (عبد الستار غفری، علی گڑھ - ترجمہ و تفسیر: عبدالقوی دہلوی) ۱/۲۰

۱۸۶- دارالمصنفین کی جوبلی (نظرات) ۲/۵۲

۱۸۷- اسپین میں ابن حزم کی نو سو سالہ یادگار تقریب (قاضی امیر مبارکپوری) ۲/۵۳

_____ جو ۶۶۳ میں مکہ منائی گئی۔

۱۸۸- اسلامی علوم کے ہندی معارف (سید محمد حسن قیصر) ۱/۵۴-۵

۱۸۹- تاریخی حقائق (ظفر الدین) ۶/۳۳

_____ کوئی متن پہلے کہ اس کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں اسی طرح اس بار بھی

۱۹۰- کائنات سے استفادے کے حدود (گیلانی) ۵/۳۳

_____ کیلئے ۵۰ کا تر

۱۹۱- کیلئے (گیلانی) ۵/۳۰ : ۱/۳۱ - ۶ : ۱/۳۲

۱۹۲- ہمارا عروج و زوال (سید عبدالماجر) ۴/۳۰

۱۹۳- نیکی اور بدی (میر ولایت علی) ۱/۳۲

۱۹۴- کیا مسلمانوں کو اپنی موجودہ حالت کا کوئی علم ہے (عبدالحق، حیدرآباد) ۴/۳۳

۱۹۵- زبان کا اصولی و نفسیاتی شعور (دقار احمد رنوی) ۴/۳۵

۱۹۶- بحیرہ مُردار، دنیا کا بدترین پانی (محبوب رنوی) ۲/۴۶

۱۹۷- ززم، دنیا کا بہترین پانی (محبوب رنوی) ۳/۴۶

۱۹۸- خیرات (منقولی - ترجمہ: قاضی زین العابدین سجادی) ۳/۶

۱۹۹- پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کے علمی و محفانات (اکبر آبادی) ۴/۳۰

۲۰۰- ہندوستان میں تصنیفی مشکلات اور اُن کا حل (اکبر آبادی) ۱/۱۲

۲۰۱- قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (عبدالرحمن خاں) ۵/۱۸

_____ عمدہ مضمون

۲۰۲- مغرب پر مسلمانوں کے احسان (حقی - ترجمہ: مہناز الدین رفعت) ۶/۲۵

۲۰۳- افغانی و قاضی خاں و امین الدین دہلی و امین الدین اولیاء (عبدالحق، حیدرآباد) ۴/۳۸

۲۰۴- "ملک طاؤس" (میر غلام عبدالرشید) ۶/۱۳

_____ شیطان کا نام جو زیروں نے رکھا ہے۔

۲۰۵- اسلام میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت (سید محمد سیادت امر دہری) ۲/۵۲

۲۰۶۔ اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل (پروفیسر جے۔ بی۔ جیمز) (۲/۵۲)

۲۰۷۔ جدید دور میں جدید رہنمائی کی ضرورت (محمد تقی امینی) (۲/۵۲)

۲۰۸۔ درجہ شرفِ آدم (محمد احمد صدیقی) (۲۱/۳۲)

۲۰۹۔ انسانیت اور تمدن کی صیغ (۴) (۳/۳۲)

۲۱۰۔ دو سنگوں کا حیرت انگیز قوافی (۵) (۴/۳۲)

————— ملنگا جانا اور حضرت موسیٰ کا مرجع البحرین

۲۱۱۔ ہمارے دور کی مغربی تہذیب و ثقافت کا زوال (شمس ذبیہ) (۲/۲۵)

۲۱۲۔ امید اور غموت : زندگی پر اکسانے والے دو عظیم ترین داعیے (شمس ذبیہ) (۲/۵۰)

۲۱۳۔ علمی روزنامہ (سیا ادا نظر رضوی) (۴/۲۱)

————— حالات اور آرزوئیں

⑨ سیاسیات

ہندوستانی مسلمان

۲۱۴۔ شرقی و مغربی بنگال کے فسادات حضرت بن کے بیچ میں (نقراٹ) (۲/۵۲)

————— "پاکستان میں کچھ بھی نہ پہنچ رہی یہاں۔۔۔ جہاں پورے گدھے اور چند دکانیں کھلے ہیں۔"

۲۱۵۔ سیاست سے جدا ہوجوئے۔۔۔ مغربی بنگال کا فساد (نقراٹ) (۳/۵۲)

۲۱۶۔ فسادات اور مسلمان (نقراٹ) (۵/۵۲)

تبلیک۔ گودھرا گورکھ پور کا فساد (نقراٹ) (۷/۵۲)

۲۱۷۔ نئی شامی حکومت کے سامنے ہندوستان کے مسئلے (نقراٹ) (۱/۵۲)

————— فاسک ہندو مسلم فسادات

۲۱۸۔ مسلمانوں میں صحیح لیڈر شپ : ایک سرسید کی ضرورت (نقراٹ) (۲/۵۲)

۲۱۹۔ گنہگار شامی اجتماع اور ہماری تجاویز اس کے لئے (نقراٹ) (۲/۵۲)

۲۲۰۔ ہندو پاک جنگ۔ (نقراٹ) (۴/۵۵۲)

- ۲۲۱۔ جنرل ہندیں ہندی دشمن طوفان (نقراۃ) ۲/۵۴
- ۲۲۲۔ مذہب کی توہین کرنے والی کتابیں (نقراۃ) ۴/۲۸
- ۲۲۳۔ اتر پردیش میں مذبح پر حملہ ممنوع ہونے پر (۱۱) ۰۰۰/۰۰۰
- چار پانچ سطریں ہی لکھی ہیں مگر خوب لکھی ہیں۔
- ۲۲۴۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اعلان مارچ ۱۹۷۶ میں (نقراۃ) ۴/۳۶
- ۲۲۵۔ مسلمانوں میں قی شورش کا فقدان (نقراۃ) ۶/۳۶
- حفظ الرحمن نے گاندھی جی کی پراقتضا پر اعتراض کیا تو مسکن بولے اب سے پہلے اعتراض کیوں نہ کیا۔ دفرہ۔
- مسلمان اخباروں کو کم سے کم دینی حد تک تو متفق ہی ہونا چاہیے۔
- ۲۲۶۔ ہندوستان اور اسلام (نقراۃ) ۶/۲۳
- لکھی دھر مدر سرسکرت دہلی یونیورسٹی صوفی قسم کے شخص ہیں۔ ہندو مسلم سوالیہ پرائیمری زبان سے خوب مزے کی باتیں کر تقسیم سے ہندوؤں کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام کی اصلاحی تحریک سے کٹ گئے اور مذہبیں ہر اچھی چیز سے اس لئے الگ کر یہ اسلامی۔
- برہان کا اہم مضمون
- ۲۲۷۔ مولانا حفظ الرحمن کی گرفتاری (مفتی عتیق الرحمن) ۳/۵
- جات سب میں تقریر پر ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ میں
- ۲۲۸۔ بہادر بنگال کے مسلمانوں میں ہندوؤں کی دشمنی (نقراۃ) ۱/۳۱
- لڑکے کی قیمت لگا کے سٹا دیاں جوتی ہیں۔
- ۲۲۹۔ اسلامی ریاست ! پاکستان کی اسلامی ریاست ؟ اور نیکی کو نام کا تصور (اکبر آبادی) ۱۱/۲۹
- ۱۲ صفحات پر مشتمل نقراۃ
- ۲۳۰۔ "تم کو بے مہری یا مانی وطن یاد نہیں" (شیخ وحید احمد مسجد) ۱۱/۲۸

- ۲۳۱- قومی یکجہتی اور مسلمان ۶/۲۸ : ۱/۲۸
- ۲۳۲- اسلام، اسلامی حکومت اور ہندوپاک ۶/۲۸
- ۲۳۳- جامعۃ اسلامی اور جزیۃ العلماء کے کل بند کنونشن - جماعت پر تنقید ۱/۲۶
- ۲۳۴- جیلور، ساگر اور پاکستان ۵/۳/۲۶
- ۲۳۵- جیلور اور حفظ الرحمن کی گونج ۳/۲۶
- ۲۳۶- معاہدہ بیہود علی نقطہ و نظر سے (شخص العلماء و حفظ الرحمن) ۲/۱/۲۶
- _____ حفظ الرحمن نے میرے مضمون متحدہ قومیت کے جواب میں جو متصل مضمون لکھا ہے اس سلسلہ میں
- ۲۳۷- تصویر کا دوسرا رخ (حفظ الرحمن) ۳/۲ - ۵
- _____ جواب ابواب
- ۲۳۸- جواب حفظ الرحمن (عبدالرحمن) ۵/۱ - ۳
- ۲۳۹- عدم تشدد، گاندھی کے ایک مکتوب پر تبصرہ (حفظ الرحمن سیر آبادی)
- _____ علی گڑھ کے ایک مسلمان کے خط کے جواب میں گاندھی جی نے ہرجن ۱۱ نومبر ۱۹۳۹ء میں
- لکھا اُس میں قرآن کو بھی گواہ بنایا۔ (۲) گاندھی جی کی ریسرچ غلط ہے۔ ۱/۲
- ۲۴۰- خاکسار تحریک پر ایک نظر (اکبر آبادی) ۵/۲
- _____ سخت تنقید
- ۲۴۱- متحدہ قومیت اور اسلام (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۳/۵
- ۲۴۲- لاہور میں اسلامی جماعت کی تشکیل، حکومت الہی کے قیام کے لئے (نظرات) ۱/۸
- ۲۴۳- نظرات ۱/۸ کے جواب میں منظور لہانی نے الفرقان میں جو کچھ لکھا اس کے جواب میں (۸) ۳/۸
- ۲۴۴- جزیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس حیدرآباد کے موقع پر جزیۃ کو مشورے (نظرات) ۲/۲۶
- جمیۃ میں افتراق ۶/۵۵
- ۲۴۵- جمیۃ کے اجلاس کے بعد (نظرات) ۵/۲۶
- ۲۴۶- جمیۃ کے طریق کار پر تنقید - مسلمانوں کے لئے کیا کرنا چاہیے۔ (نظرات) ۲/۲۷

۲۴۷- پاکستان گورنمنٹ کی اسلامی حیثیت اور اس میں غیر مسلموں کا درجہ و مقام (اکبر آبادی) ۵/۲۴
 ————— لیاقت علی خاں کے بقول ان کی حکومت اسلامی ہے دینی نہیں۔

۲۴۸- کیا ہندوستان "دارالاسلام" ہے (محمریان) ۶/۲۴

———— اکبر آبادی کے معنوں پر مکتوب

۲۴۹- مسلمان پر مذہب : ہندو سکولٹ (اکبر آبادی) ۲/۲۳

۲۵۰- ٹنٹی جی - ہندو کلچر - مسلمان اور برہمن (اکبر آبادی) ۶/۲۳

۲۵۱- پھر بھی اعزاز - مسلمان اور پاکستانی () ۵/۲۵

۲۵۲- مسلمان لازم کی جان بچاتے ہوئے چیر بر آف گائرس کے صدر ہلاک : (اکبر آبادی) ۲/۲۳

———— کیمرون جو ہندو مسلمان ::

۲۵۳- ہندوستان اور پاکستان (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۲۵۴- پیہم جو دہ پائے ضم پر دم دوان : مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں (اکبر آبادی) ۲/۲۳

———— پاکستان کی طرف بھگدڑ پر

۲۵۵- ہندو مسلم سوال : پاکستان دہندستان آزادی کے بعد (محمریان) ۳/۲۳

۲۵۶- دہلی کی تباہی : فرادات (اکبر آبادی) ۲۰/۱

———— برہمن متبر "ادسمبر ۱۹۴۷ اور جنوری ۱۹۴۸ میں ہندو فروری ۱۹۴۸ میں نکلا۔

۲۵۷- اچاریہ کرپانی کا بیان اور ہندو، مسلمان (نظرات) ۵/۲۳

۲۵۸- تقسیم، مسلمانوں کی بچپن سیاست اور جمعیت العلماء (نظرات) ۲/۲۳

۲۵۹- زبان - ہندو مسلم کلچر - ہندوستان () ۱/۲۳

۲۶۰- سپروڈس کا مسلم کنونشن () ۱/۲۴

۲۶۱- ہندوستان کے مسلمان () ۲/۲۴

۲۶۲- ایک کلچر ایک زبان کا نوز () ۳/۲۱

- ۲۶۳- ۲۴ء کے بعد ہندوستانی مسلمان (نکلات) ۱/۲۱
- ۲۶۴- فرقہ پرستی اور اقلیت (۵) ۵/۲۱
- ۲۶۵- علماء اور حکومت (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۴
- ۲۶۶- جواب (اکبر آبادی) ۲۶/۲۴
- ۲۶۷- جواب الجواب (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۸
- ۲۶۸- علماء ہند کا سیاسی موقف (اکبر آبادی) ۲/۲۱-۵
- اہم فقرہ : ہندوستان کی سیاست کی تاریخ پر
- ۲۶۹- علی گڑھ (اکبر آبادی) ۶/۳۷
- ”رہنمائی لکچر“ کے تفسیر کو بنیاد بنا کر ابھی تک علی گڑھ اور مسلمانوں پر پارلیمنٹ میں
- کچھ زچہل رہی ہے۔ اس پر تیز اداریہ
- ۲۷۰- ہندوستان کے فسادات پر (اکبر آبادی) ۶/۵/۲۲
- ۲۷۱- مسلمان کیا کریں (اکبر آبادی) ۳/۲۳
- یہ سوال ہی غلط ہے : اصل یہ ہے کہ ”کون کرے“ اور ”کیوں کرے“۔
- اتحادیت مفقود ہے در نہ یہ کہ ۱/۲۴ کر ڈر کے چندے سے بڑے سے بڑا کام ہو سکتا ہے۔
- ۲۷۲- مسلمانان ہند (اکبر آبادی) ۱/۲۳
- ۲۷۳- علی گڑھ
- مسلم یونیورسٹی ایکٹ نے مسلمانوں میں پارلیمنٹ میں تبدیلیاں لانے پر غور
- (اکبر آبادی) ۲۱/۲۴
- ۲۷۴- مسلم یونیورسٹی کے خلاف بیجان (اکبر آبادی) ۶/۳۵
- ۲۷۵- اسلامی جامعہ ہند میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس کا سبب (اکبر آبادی) ۵/۲۸
- جامعہ اسلامی پر : سراپا ہے۔

۲۷۶- ٹاہریں عید کی نماز اوردین پڑھی گئی (اکبر آبادی) ۷/۳۸

— اعتراض کیا ہے۔

۲۷۷- مسند قزیمت مستند ابراہیم علی مودودی پر تبصرو (اکبر آبادی) ۳/۳۰

۲۷۸- ملائے حق (اکبر آبادی) ۳/۲

۲۷۹- ملائے کرام سے خطاب (اکبر آبادی) ۲/۳۲-۶

۲۸۰- ٹنڈلن جی کانگریس کے صدر (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۲۸۱- اسلام میں ریاست کا تصور (محمد امین سیوہادی) ۲/۱۲

۲۸۲- اسلام میں حکومت کا تصور (") ۶/۱۵

۲۸۳- عدم تشدد اور مخالفت خود اختیاری (میرولائش ایبٹ آبادی) ۲/۱۸

۲۸۴- خطبہ جمعہ کی زبان (گیلانی) ۳/۱۸

۲۸۵- فرقہ وارانہ فسادات (اکبر آبادی) ۵/۱۷؛ ۱/۱۸

۲۸۶- موجودہ فسادات اور اسلام (اکبر آبادی) ۶/۱۸

⑩ معاشیات

۲۸۷- زمین داری اور جاگیر داری کا تاریخی پس منظر (فتح الدین بھارتی) ۳۰۳/۲۹

۲۸۸- آراضی منقسمہ (ایضاً) ۵/۲۹

۲۸۹- بھوک سے خطرہ ہے ! (شمن زید) .../...

۲۹۰- بیمہ زندگی : مساد علمائے مصر کی نظروں (ترجمہ : فضل الرحمن گزری) ۳/۳۲

— از الاسلام سے ترجمہ

۲۹۱- قاضی ابوبکر سن کی کتاب الخراج (نور شیعہ احمد قدق) ۵/۳۳

۲۹۲- اسلام کا اقتصادی نظام (محمد الرحمن) ۷/۱؛ ۳/۳۳

۲۹۳- اسلامی معاشیات (عبدالرحمن خان) ۳/۱۲

- ۲۹۳- اسلام میں دولت و انفس کا توازن (سیدنا قیصر رضوی) ۲/۱۲
- ۲۹۵- اسلام اور نظام سرمایہ داری: جذبات کشاکش کی معضلوں پر ایک نظر (میر ولی اللہ ایبٹ آبادی) ۳۶/۶
- ۲۹۶- اسلام اور اشتراکیت (مشیر حسین قدوائی - ترجمہ، ملک حامد حسین) ۶۵/۵
- ۲۹۷- مسلمانوں کی مالی حالت (سید طفیل احمد منگھڑی) ۳/۶
- ۲۹۸- علم الاخلاق اور علم المعیشت کا باہمی ربط و تعلق :
- حضرت شاہ ولی اللہ کا ایک خاص نظریہ (حفظ الرحمن) ۳/۶
- ۲۹۹- "اسلام کا اقتصادی نظام" اور سالہ ترجمان القرآن (۵) ۲/۶
- 'غیر ملکی' انداز پر مولانا مودودی نے تنقید کی ہے اس کے جواب میں
- ۳۰۰- لکھنے اور ہندوستان (الہلال، مصر) ترجمہ ۲/۲
- ۳۰۱- مسلمانوں کا نظام ایالت : تاریخی نقطہ نظر سے (تخصیص) ۱/۹، ۳/۱، ۴
- حسن ابراہیم حسن کی "النظم الاسلامیہ" کی تخصیص
- ۳۰۲- سوشلزم کی بنیادی حقیقت اور اس کے اقسام (مارل ٹی - ترجمہ: مفتی الدین شمس) ۲۷۱/۲
- ۳۰۳- ہندوستان کا زرعاتی ارتقا (ایشیائی ریویو سے تخصیص) ۶/۹، ۱۰/۱
- ۳۰۴- اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریاں (محررات اللہ صدیقی) ۶/۲۸، ۱/۲۹
- ۳۰۵- سرمایہ کاری کی معاشی حقیقت: اسلامی نقطہ نظر سے اس کے معاوضہ کی وجہ جواز

(سید عین الدین قادری) ۳/۳/۵۵

۵۱۲۔ بروم بادک اور اس کی کتاب سود کے نظریہ کی تائید و تنقید: ایک تعارف (فضل الرحمن) ۶۵/۵۵

⑪ سماجیات

- ۳۰۶- اسلام کا نظام امن و امان (ظفر الدین) ۶۵/۲، ۱/۴۱
- ۳۰۷- رفا و عام کے کام اسلامی دنیا میں (انظر شاہ) ۳/۴-۶
- بہار و بنگال کے مسلمانوں میں ہندو اور شاہیاں (تقرات) ۱/۳۱
- روکے کی قیمت لگا کے شاہیاں بچھرتی ہیں۔

۲۰۹۔ شادی پر سوامیہ میرٹ کرنے کی بنیائی گول میں تحریک چل پڑی (اکبر آبادی) ۴/۳۱

_____ مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے۔

_____ ”بنیائی کے میں نے ہر نامہ سنگھ نے ایک تحریک شروع کی ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پر سولہویہ سے زیادہ خرچہ نہ کیا جائے۔ یہ تحریک پنجاب میں اور وہ بھی سکھوں میں خصوصاً بہت کامیاب ہو رہی ہے اور اب تک متعدد تانہ اڑن میں شادیاں اسی اصول پر ہو چکی ہیں۔ یہ خبر اگر صحیح ہے تو سب سے زیادہ عبرت مسلمانوں کو ہونی چاہئے جن کے پیڑھے سب سے پہلے اپنی لختہ جگر کو تنہائی سدا کی عداوت شادی کے ایک مثال نام کی تہ اور قرآن نے فی رسول اللہ اسوۂ حسنہ کہ اس مثال کی پیروی کی دعوت دی تھی۔ ہائے: مجھے خند ہو گیا ہے آتا ہے رونا کہ اس طرت بننے کی خوشی کسی کی“

⑫ تعلیم

۳۱۰۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، اعظمی مستقبل (محمد عتیق بی اے) ۵/۲۸

۳۱۱۔ ہمارا مسئلہ تعلیم (اکبر آبادی) ۶/۵/۳۱

۳۱۲۔ قدیم اور جدید تعلیم کے بعض خصوصیات و امتیازات (نصیر الدین ہاشمی) ۶/۳۲

۳۱۳۔ مدارس عربیہ کے لئے ایک نئے فکر (اکبر آبادی) ۱/۳۲ : ۱/۳۳ : ۶/۳۲ : ۶/۳۳

۳۱۴۔ علوم قدیمہ کا تحفظ (مرزا محمد یوسف) ۶/۴۰

۳۱۵۔ تعلیم میں غیر مکرر عنصر پر مبنی حافظ الرحمن کی پارلیمنٹ میں تقریر (ظلمات) ۴/۴۲

۳۱۶۔ جمیئۃ العلماء دہلی کے زیر قیادت، بمبئی میں دیہی تعلیمی کنونشن (ظلمات) ۲/۳۳

_____ دیہی تعلیمی مسئلہ دیکھ لیا۔

۳۱۷۔ بستی تعلیمی کانفرنس، جمیئۃ کانفرنس وغیرہ کی تعلیمی سرگرمیاں (ظلمات) ۱/۴۵

۳۱۸۔ دیوبند (اکبر آبادی) ۱/۳۵

_____ آئینہ دل و اپنا زمانہ۔ وہاں کے اہم طلباء! اچھے اصول وغیرہ

۳۱۹۔ جامعہ انصاریہ (تجربہ: محبوب الرحمن عثمانی) ۲/۳۸

- ۳۲۰۔ قدیم اسلامی نظام تعلیم کی ایک جھلک (محبوب رضوی) ۵/۲۸
- ۳۲۱۔ ہندوستان میں قدیم تعلیمی نظام کی بربادی (۵) ۱/۲۹
- ۳۲۲۔ جمعیت العلماء کی تعلیمی کانفرنس، احمد آباد کا خطبہ مہارت (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۵/۲۹
- ۳۲۳۔ مدرسہ عالیہ گلشنہ کی تاریخ (سعید احمد اکبر آبادی) ۲/۳۰
- ۳۲۴۔ قدیم اسلامی درس گاہوں کے نصاب کی اصلاح کے متعلق چند بنیادی باتیں (عباس السلام خاں رام پوری) ۳/۳۰
- ۳۲۵۔ ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس علی گڑھ (نظرات) ۳/۲۸
- نشاۃ ثانیہ پر خوشی
- ۳۲۶۔ دارالعلوم اسکیم اور ”ودیا مندر“ اسکیم (اکبر آبادی) ۲/۱
- ۳۲۷۔ اینگلو عربک کالج دہلی کا حالِ زبوں (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۳/۵
- ۳۲۸۔ دارالعلوم دیوبند میں نصابی کمزوریاں اور انتظامی بدعنوانیاں (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۱/۱۱
- ۳۲۹۔ یادگار شیخ الہند : مدرسین دارالعلوم دیوبند کے لئے حضرت شیخ الہند کی وصیت (عبید اللہ سندھی) ۵/۱۱
- ”مولانا نازوقی کی تعینات نصاب میں داخل ہوں۔“
- دیوبند: کمرے تو ہم خود دہلی میں درس دیں گے۔
- ۳۳۰۔ مسلم یونیورسٹی اسلام کی طرف (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۲/۱۳
- ۳۳۱۔ امریکی مشرقی علوم کی اشاعت (الہلال سے ترجمہ، حافظ رشید احمد) ۳/۱۳
- ۳۳۲۔ دیوبند میں علم کی پہلی درس گاہ : عہد عالمگیری کے دو پروانے (سعید محبوب رضوی) ۱/۱۵
- ۳۳۳۔ عربی مدارس ؛ نصاب تعلیم ؛ اصلاح (نظرات) ۳/۱۸ ؛ ۳
- ۳۳۴۔ بچوں کی تعلیم و تربیت (اکبر آبادی) ۶/۱۷ ؛ ۲/۱۸ ؛ ۲/۱۸
- ۳۳۵۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات (محبوب رضوی) ۱/۲۵
- ۳۳۶۔ علی گڑھ، دیوبند، مدرّۃ اور جامعہ (نظرات) ۱/۵۲

۳۳۵۔ جامعہ ملیہ اردو اسلامیہ : اسلامیہ پریگانڈمی جی کا اصرار (نقولات) ۱/۲۱

۳۳۶۔ وائس چانسلر علی یادہ رنگ کی تعریف ۶/۵۲

۳۳۷۔ مسلم یونیورسٹی کا ہنگامہ (نقولات) ۵/۵۲

۳۳۸۔ مسلم یونیورسٹی کا معاملہ عوامی تحریک بنے گا۔ (نقولات) ۱/۵۵ : ۳/۵۵

۱۳۰ نفسیات

۳۳۹۔ تحلیل نفسی کا تاریخی پس منظر (موز علی بیگ) ۱/۳۲

۳۴۰۔ خواب (سید عبد الماجد) ۶/۳۵ : ۲/۴۴

۳۴۱۔ علم النفسیات کا ایک افادی پہلو : ذکر کی فیصلت اور ابائیت (خواجہ عبدالرشید) ۴/۳۵

۳۴۲۔ زندگی اور علم النفسیات (سٹی ادین ٹیسی) ۱/۱۶

۳۴۳۔ داخلی محرکات اور علم النفس (ہایت الرقن مسمی) ۵/۱۶

۳۴۴۔ علم النفسیات کا ایک افادی پہلو (لفظت یزین خواجہ عبدالرشید) ۵/۲/۱۸ : ۵/۴/۱۸

۳۴۵۔ اسی دنیا کا ایک ماہر نفسیات : امام غزالی اندر میکڈوگل کا تقابلی مطالعہ : علاناکلہ روی ۵/۴/۵

۳۴۶۔ علم النفسیات کا ایک افادی پہلو : ذاتی مشاہدہ (خواجہ عبدالرشید) ۵/۴/۶

۳۴۷۔ تربیت حافظہ (تلخیص : سید محبوب رفوی) ۲/۵

۳۴۸۔ بچوں کی تعلیم و تربیت : علم النفسیات کی روشنی میں (ہایت الرقن مسمی) ۴/۶

۳۴۹۔ نفس انسانی (قاضی عبدالحمید) ۵/۸

۳۵۰۔ محدود ابائیت تاریخ کی روشنی میں (محمد ادین صدیقی) ۱/۱/۲ : ۵/۴/۲

۳۵۱۔ خواب (سید عبد الماجد) .../... (؟/۴۹)

— دیئے صاف و قریبی

۱۳۱ سائنس

۳۵۲۔ این مونی خواندنی علم جبر کا پہلا مسلمان موجد (محمد بن عبد اللہ حران - ترجمہ : خالد کمال مبارک پوری)

۳۵۲۔ قانون کشش ثقل، نیوٹن اور حکیم نامہ ضروری (میر ولی اللہ رئیس آبادی) ۵/۱۵

۳۵۳۔ "ابن عربی خوارزمی" دوائے مضمون پر اتحاد و ایازاد (شبیر احمد خاں غوری) ۵/۲۵

۳۵۴۔ موجوں کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۲/۲۸

۳۵۵۔ جوہری توانائی (عبدالرحمن خاں) ۶/۲۷

۳۵۶۔ آواز کی کہانی (نصیر احمد عثمانی) ۱/۲۹

۳۵۷۔ روشنی کی کہانی (") ۲/۲۹

۳۵۸۔ غذا اور سائنس (محمد حسن جلیل) ۶/۳۲

۳۵۹۔ چاخط کی کتاب الجہوان (خورشید احمد طارق) ۶/۳۶

۳۶۰۔ ارتقاء عالم (احسان اللہ خاں) ۵/۳۷

۳۶۱۔ زمین کا کرہ ہوائی (عبدالرحمن خاں) ۶/۱۰

۳۶۲۔ نقشِ فطرت میں نظم و تربیت (ترجمہ: نصیر احمد عثمانی) ۶/۱۱

۳۶۳۔ "۔۔۔ اشعار (") ۲/۱۲

۳۶۴۔ "۔۔۔ کائنات بحیثیت مجموعی (") ۳/۱۲

۳۶۵۔ "۔۔۔ زمین بحیثیت مرکزِ نظامِ انسان (") ۵/۱۲

۳۶۶۔ عمرِ خاتمِ کالینڈر (عمر سلیمان - ترجمہ) ۳/۱۲

۳۶۷۔ عجیب ستارے: آسمانِ دنیا کے رونے (تفہیم: محمد کابل) ۱/۶

۳۶۸۔ قانونِ قدرت پر تفصیلی بحث (محمد قسطل) ۶/۴

۳۶۹۔ اسلام اور سائنس (محمد عثمان خاں قلیط، ایڈیٹر اخبارِ نوزم) ۱/۵

۳۷۰۔ عذابِ الہی اور قانونِ فطرت (محمد انوری لاکپوری) ۳/۲/۵

۳۷۱۔ عذابِ الہی اور قوانینِ فطرت (ابراہیم نظری) ۶/۵

۳۷۲۔ اسلام اور اکتشافاتِ حاضرہ (محمد عثمان خاں قلیط) ۱/۶

۳۷۳۔ میڈم کوری، ریڈیم کی دریافت کنندہ (آرمینا ایران - ترجمہ: حموی صدیقی) ۵/۳/۶

- ۳۷۴۔ سائنس اہل الوہیت (سید محمد تقی) ۴/۱
 ۳۷۵۔ پہلا انسان اور قرآن (سید حسین شوری) ۶/۵ : ۲/۸
 ۳۷۶۔ قرآن مجید اور علم الحیوانات (عبدالغفور ندوی) ۲/۸
 ۳۷۷۔ نظام کائنات (حامد الانصاری غازی) ۵/۹
 ۳۷۸۔ علم حقائق (ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری) ۱/۱۰
 ۳۷۹۔ اربعہ الجوجانی کی تلخیص رسالہ درار ثماطیق (غوری) ۳/۵۰
 ————— مدوۃ العلما میں قلمی نسخہ ہے۔
 ۳۸۰۔ جوہری یادل اور قرآن مجید کی پیشگوئی (خواجہ عبدالرشید) ۱/۲۱

۳۸۱۔ نباتات اور جمادات میں زندگی اور شعور (میر دل اللہ ایبٹ آبادی) ۴/۲۱

⑮ طب

- ۳۸۲۔ مسلمان اور طب (خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۱
 ۳۸۳۔ استہداک بر مقتضی شریعت حیات، قانون، تالیف حکیم شریف خان دہلوی (سید محبوب رضوی) ۱۲/۱۲

⑯ جہاز رانی — تقویم

۳۸۴۔ ابن ماجہ نوی صدی ہجری کا مشہور امیر البحر عرب (قدری حافظ طوفان - تلخیص) ۳/۴

۳۸۵۔ ہجری اور عیسوی سنین کی تطبیق کا قاعدہ (ماخوذ از اہلال مصر) ۵/۴

$$: (سنہ عیسوی - ۶۲۱) \times \frac{1}{4} = سنہ ہجری$$

$$مثلاً ۶۱۹۴ = (۶۲۱ - ۱۹۴۰) \times \frac{1}{4} = ۱۳۱۸ \times \frac{1}{4}$$

$$= \frac{۱۳۱۸}{4} = ۱۳۵۹ ہجری$$

کیونکہ (۱) سنہ ہجری کی جمعہ تک محرم ۶۲۲ کی ۱۶ جولائی تھی۔

(۲) سو سال ہجری قمری ۹۷ عیسوی سال کے گنگ بھگ ہوتے ہیں اس لئے ۶۲۱ اور ۱۳۵۹

(۱۷) لسانیات (ومتعلقات)

۳۸۶- اُردو کا مسئلہ؛ انجمن ترقی اُردو کی مہم (نظرات) ۱/۲۸

۳۸۷- ہندی؛ اُردو، انجمن ترقی اُردو (ایضاً) ۶/۲۷

۳۸۸- اُردو کہاں بولی جاتی ہے (ایضاً) ۳/۳۶

— بہت عمدہ شذرہ

۳۸۹- اُردو کی ترقی کے سلسلہ میں ایک تجویز (خواجہ احمد فاروقی) ۱/۳۷

۳۹۰- لسانی اقلیتی کشر کے تقرر کا اعلان (نظرات) ۳/۳۷

۳۹۱- اُردو حیات رہی ہے؛ کانگریس کا تاریخی رزلویشن (نظرات) ۲/۲۱

— مرکزی وزارت داخلہ کا ۱۳ جولائی کا پریس نوٹ بھی دیا ہے۔

۳۹۲- اُردو پر حفظ الرحمن کی تقریر؛ پارلیمنٹ چارٹرا (نظرات) ۲/۲۳

۳۹۳- اُردو ہندستان میں (نظرات) ۳/۲۳

۳۹۴- اُردو ہی ہندستان کی زبان ہو سکتی ہے (حمیدہ سلطان) ۲/۲۴

۳۹۵- ہندستانی- اوریڈو کی حکومت (عبادت بریلوی) ۶/۲۴

— نظرات؛ عبادت بریلوی نے لکھے ہیں۔

۳۹۶- درجہ اُردو؛ اُردو کی شرعی حیثیت کیا ہے (حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی) ۳/۷

— دہلی یونیورسٹی کے مراسلہ کے جواب میں

۳۹۷- مسئلہ زبان اور ہندستان — شرعی نقطہ نظر سے (محبوب ہتھ دیوبند) ۶-۴/۷

۳۹۸- علمِ ہندی کی تاریخ و ترمیمی (اشفاق علی خاں شاہجہان پوری) ۳/۳۹

(۱۸) صحافت

۳۹۹- ایک انگریزی روزنامے کی قیادت (اکبر آبادی) ۲/۴۳

۴۰۰- قند سے محروم پاکستانی نے اُسے ہمارے سرورق اسلامی تبلیغ کے لئے نکالا ہے (نظرات) ۶/۴۴

- ۲۰۱۔ انگریزی مینسج پچھلے تین ماہ سے شائع ہو رہا ہے۔ (نگار) ۲/۲۸
 ۲۰۲۔ الاذیاد کو الانقاسات اب سے روزہ دعوت کی شکل میں دتی سے پہلے ۵/۲۲
 ۲۰۳۔ سوغات زیر نگرانی طبع آبادی: اشتہار میں درج ہے کہ اشاعت کو ایک سال ہوا ۲/۲۴
 ۲۰۴۔ آجکل کثیر نمبر پر تبصرہ ۲/۳۵
 ————— اگست ۶۵

- ۲۰۵۔ قدرت پہلے کے چند اردو اخبارات (دسم علی معز مال کی تحفہ)
 جامع الاخبار - فوائد الناظرین - قرآن السعدین - دہلی اردو اخبار
 ۲۰۶۔ ابوالحسن علی مدنی کا پندرہ روزہ تمیز چن: ماہ سے نکل رہا ہے۔ ۲/۲۲
 ۲۰۷۔ رسالہ تفسیر بریل: پرتیبہ ۶/۴
 ————— ایڈیٹر برقی زیدی: کچھ غلط سے مستور نکل رہا ہے۔
 ۲۰۸۔ روزنامہ ہندوستان بمبئی (رئیس احمد جعفری ایڈیٹر) ۶/۴
 ————— خلافت سے منقطع ہونے کے بعد یہ نکال رہے ہیں۔

- ۲۰۹۔ ترجمان سرحد پشاور۔ ۳/۶
 ————— جزوی ۲۶ سے باقاعدگی کے ساتھ جاری
 ۲۱۰۔ پریس کی ابتدا ہندوستان میں (سابقہ ریجن جملہ جاریہ) ۶/۲۶

①۹ اُردو ادب

- ۲۱۱۔ نظم و شعر کی مادی اور تنقیدی حیثیت (جوہر نڈی) ۱/۵۰
 ۲۱۲۔ غالب اور ریاض الافکار (نثار احمد فاروقی) ۱/۵۰
 ۲۱۳۔ خاص الفکر: ایک دو کفن مثنوی (رتبہ ابوالنصر خالدی) ۵/۵۰-۵۱
 ————— مولفہ حاجی محمد رفیع قاسمی
 ۲۱۴۔ سید سلیمان ایک مکتوب نگاری کی حیثیت سے (سید ذوالفقار بخاری) ۳/۵۳

۴۱۵۔ ہندی مشائری میں قاضی رسالت کی توصیف و تعریف (ترجمہ جعفر رضا) ۵/۵۳

مسلمان شعرا ہی ہیں۔

۴۱۶۔ اُردو تنقیدوں کی تنقیدی اہمیت (عبادت بریلوی) ۵/۱۱

۴۱۷۔ مرزا غالب اور یوسف علی خاں ناطم (حمیدہ سلطان)

۴۱۸۔ مرزا غالب کی شاعری اور ان کی شخصیت (عزیز الرحمن جاسمی)

۴۱۹۔ قافی اور پیردی سنتری (اکبر آبادی) ۲۱/۱۷ (اختیار علی مرثی) ۲/۱۷

— مغربی شاعر مراد ہے یا مغربی تہذیب !!

۴۲۰۔ نواب الہی بخش معززت (حمیدہ سلطان) ۳/۸

۴۲۱۔ عارف اور کلام عارف پر ایک نظر (۲/۲ : ۲/۷)

— زمین العابدین خاں عارف

۴۲۲۔ پرتھی راج راسو (بشیر الدین پنڈت) ۳/۳۲

۴۰۳۔ ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ (پنڈت لچھی دھر کے مقالے کے ترجمہ کی تلخیص) (اکبر آبادی) ۲/۲۵

۴۲۳۔ محمد اشرف خاں گھنوی ثم دہلوی (عابد رضا بیدار) ۲/۲۵

۴۲۵۔ فزاقی اور اس کی نمایاب شہری (نصیر الدین ہاشمی) ۳/۳۷

۴۲۶۔ تیرک اظہار تقدیر (گلشی زاق و ششٹ تاشی) ۲/۳۰

۴۲۷۔ خطبہ صدارت : یوم رسوا (غلام احمد فاروقی) ۵/۳۰

۴۲۸۔ رفقا و ادب (غلام احمد فاروقی) ۶/۳۱

— ریڈیائی نشریہ

۴۲۹۔ اسماعیل خاں ابجدی اور ان کی تصانیف (خسیر الدین ہاشمی) ۳/۴۱

۴۳۰۔ اُردو ادب اس سہا ہی میں (غلام احمد فاروقی) ۱/۲۸ : ۱/۲۹

— ریڈیائی نشریہ

- ۲۳۱- شیخ علی بخش بیلہ (عابد رونا بیدار) ۵/۳۰
- ۲۳۲- محمد حسین آزاد اندیز نگہ خیال (گلشنی زائن و ششٹ) ۵/۳۱
- ۲۳۳- جید مصطفیٰ کے ادبی رجحانات (خواجہ احمد فاروقی) ۶/۳۳
- ۲۳۴- ذکر مصطفیٰ (نثار احمد فاروقی) ۶/۳۵ : ۱/۳۳ : ۶/۳۴
- ۲۳۵- سید سلیمان ندوی بحیثیت ایک مورخ (سید ذوالفقار حسین بخاری) ۵/۵۵
- ۲۳۶- مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی و تاریخی کارنامے (اے بی اعلیٰ) ۶/۳۶
- ۲۳۷- غالب نثار (نثار احمد فاروقی) ۲/۳۴ : ۱/۳۶
- ۲۳۸- حضرت فاطمہ شاہجہان آبادی (مسود احمد) ۶/۳۴ : ۱/۳۵
- ۲۳۹- حضرت عظیمیہ ————— اسٹورک (قاضی عبدالودود) ۲/۳۵ : ۵/۳۴
- ۲۴۰- سید صاحب کی زندگی کے وہ خاص گوشے جن سے میں متاثر ہوا (مفتی مفتی الرحمن عثمانی) ۲/۳۴ : ۲/۳۴
- سید سلیمان پر
- ۲۴۱- راجہ گوند بخش اور ان کی شاعری (رشید شوکت) ۳/۲۲ : ۳/۲۲
- ۲۴۲- دیوان مخلص کا ایک نادر نسخہ (امتیاز علی عطشی) ۳/۲۵
- آئندہ نام مخلص، فارسی دیوان پر اُرشد اشعار - مسودہ مصنفہ اردو کے ۳۲ شعر -
- ۲۴۳- میر قمر الدین منت (سید اعظم علی) ۳/۱۱ : حبیب الرحمن عطشی ۱/۳۴ - حسین مٹلی ندوی ۱/۳۴
- ۲۴۴- مکتبہ حالی کا نادر الوجود فارسی ترجمہ (سید محبوب رضوی کشمیرا گرد بند) ۱/۵
- فیر قمر الدین احمد کشمیری وکیل ہائی کورٹ کشمیر نے ترجمہ کیا۔
- ۲۴۵- نواب عالی مرحوم (حمیدہ سلطان) .../...
- سلطان کے چھوٹے صاحبزادی - اقبال کے قلم "ایں چہ لولہ بی ست" کا جواب بھی انہوں نے دیا ہے۔
- ۲۴۶- ایک ادبی خطبہ (سیراب اکبر آبادی) ۵/۱۲
- ۲۲ رات پرچہ کو دہلی کے مشاعرہ میں۔



- ۳۴۶- ششٹی بجشہ، حقیر اور غالب (سید آفاق حسین) ۵/۱۸
- ۳۴۷- ابرار العزیز اب سراج الدین احمد فاضل سائل (حلیۃ الرحمن و اوصاف) ۱/۲۳ - ۲۴/۲۴
- ۳۴۸- ایک گناہ شاعر: وقار اپوری (امتیاز علی قریشی) ۲/۲۲
- ۳۴۹- غالب اور مومن تغزل کی روشنی میں (مظفر شاہ خاں) ۲۰/۲۱
- ۳۵۰- تاریخ ادب اردو کی کتابیں جنگ عظیم کے بعد (نصیر الدین ہاشمی) ۱/۹
- ۳۵۱- فن تمثیل (اشتیاق حسین قریشی) ۶/۹
- ۳۵۲- یاد ایام صحت خان (ابش دہلوی) ۲/۹
- ۳۵۳- مرزا غالب اور نواب امین الدین احمد خان (حمید سلطان) ۳/۱۰
- ۳۵۴- حسرت موہانی (عابد رضا بیدار) ۱/۴۷ - ۶/۴۸ - ۲۴/۴۹ - ۲۵/۵۰
- ۳۵۵- مجاہد ڈبیس ساکالوچی (حکیم رشید احمد مستقیم بریلوی) ۴/۴۷

(۲۰) شاعری

- ۳۵۶- غزل (سید احمد اکبر آبادی) ۶/۳۶
- حالات ہندوستان کے پیش نظر بہت عمدہ غزل
- ۳۵۷- شمس نوید کی نظمیں، متفرق پرچے۔ برہان نے اس باب میں اگر کوئی واقعی کفارہ ادا کیا ہے تو صرف شمس نوید کھٹن کے۔ ورنہ ساٹھے تین سو رسالوں میں کم ہی چیزیں کام کی گئیں گی۔
- ۳۵۸- روش مشرق کی "خواب و بیداری" ۳/۶
- ۳۵۹- "اے مسلمان نوجوان" (عبد الرحمن خان کا فارسی نظم) ۶/۱۲
- ڈیڑھ صفحے کی نظم ہے اور پچھ صفحے کے تاریکی نوٹ ہیں۔
- ۳۶۰- منظر سرحدی نائیدو کی شاعری (حمید سلطان) ۵/۲۳

۴۶۰۔ مسافر ادبی: گاندھی جی کی یادیں (روحش صدیقی) ۵/۲۱

(۲۱) ابراہیم آزاد

۴۶۱۔ اسلامی قانون مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عثمانی) ۲/۴۵

۴۶۲۔ آہ ابراہیم الکلام — ایک تار (خواجہ احمد قادری) ۴/۴۰

۴۶۳۔ مولانا ابراہیم الکلام کا سفر خوارق افسانہ ہے یا حقیقت (مہر محمد حسن شہاب) ۴/۶۶

۴۶۴۔ مولانا آزاد کے مذہبی عقائد (رفیع اللہ عثمانی) ۵/۴۲

۴۶۵۔ مولانا آزاد کی مستند سوانح عمری کا خاکہ (عابد رضا بیدار) ۱/۴۳

۴۶۶۔ مولانا آزاد، خیابار خاطر اور کاروان خیال: حیرت انگیز اصلاحی عمل (ایضاً) ۴/۴۴

۴۶۷۔ آزاد — ایک صحافی (عابد رضا بیدار) ۴/۴۳

صحافت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ کر دیا گیا ہے۔ ابھیال کے اہم نمونے بھی ہیں۔

۴۶۸۔ اسلام کا اقتصادی نظام مولانا آزاد کی نظر میں (رفیع اللہ عثمانی) ۲/۴۳

۴۶۹۔ مولانا ابراہیم الکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا انتخاب (فضل الرحمن مرقا) ۶/۴۳

بنام دین محمد تہ عہد ہمارے ہے جنہیں میں خود جانتا ہوں۔

۴۷۰۔ ابراہیم الکلام — حبیب الرحمن شروانی تعلقات پر لطیف تبصرہ (اکبر آبادی) ۳/۲۵

۴۷۱۔ مولانا ابراہیم الکلام آزاد بحیثیت ایک صاحب طرز انشا پرداز کے (رفیع اللہ) ۶/۵۱

۴۷۲۔ مولانا آزاد کا ایک فیصلہ (سیہ عطار النبی - کلکتہ) ۴/۴۶

سجدہ خضوع کے بارے میں ۱۹۲۰ء میں، اسی زمانہ کا شائع شدہ پمفلٹ۔

۴۷۳۔ مکتوبات سلیمانی مرتبہ عبد الماجد دہلوی (اکبر آبادی) (۵۲) ۵۴/۵۴

حاکم مولانا آزاد کے سلسلہ میں

۴۷۴۔ مولانا ابراہیم الکلام آزاد اور مولانا محمد اللہ سندھی: اخلاقی تفصیلات، تقابلی مطالعہ

(ابو سلمان شہباز پوری) ۴/۵۵

اقبال (۲۲)

- ۳۷۵- اقبال اور قرآن (ابرحسین قریشی) ۳/۴۷
- ۳۷۶- کیمیائے اقبال () ۶/۴۷ : ۴/۴۸
- ۳۷۷- کلام اقبال میں آیات قرآنی کا تنہوم (زابدالمصنفی) ۵/۴۸
- قریشی کے مضمون پر
- ۳۷۸- اردو کی جدید شاعری اور اقبال (دقت احرف) ۶/۴ : ۱/۵
- ۳۷۹- اقبال کا نظریہ شاعری (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۴
- ۳۸۰- اقبال کی کہانی مصنفہ ظہیر الدین احمد جامی پرتیسرو (اکبر آبادی) ۲/۳ (۳)
- ۳۸۱- "اقبال کی کہانی" پر تنقید (میر ذل الدین) ۴/۳۰
- ۳۸۲- اقبال کی کہانی - پرتیسرے سے متاثر ہو کر: ظہیر الدین احمد جامی (۵/۳۰)
- ۳۸۳- اقبال کا فلسفہ خودی اور فلسفہ مذہب (منقوشہ خاں) ۴/۲۷
- ۳۸۴- اقبال کا پیغام عصر حاضر کے انسان کے نام (تاریخہ انجیر الدین پشت) ۶/۲۸
- ۳۸۵- ایک جوئے نسبت کن کو تہ روزاں: اقبال کے پتہ غیر مرتب نوادر (مابدہش بیدار) ۶/۲۵
- ۳۸۶- قبال کا فلسفہ خودی (میر ذل الدین) ۴/۲ : ۵
- ۳۸۷- اقبال اور رومی (سید عبداللہ) ۳/۱۳
- اقبال و رومی کا دینی و عمرانی مقام (صوفی ندوی احمد شریقی) ۶/۳۵
- ۳۸۸- اقبال اور آرزوئے نیافت (انیاز علی شریقی) ۶/۱۶
- ۳۸۹- اقبال اور فسطائیت (حمید سلطان) ۱/۱۹
- ۳۹۰- اقبال اور نظریہ سعی و عمل (شیخ وحید احمد شیخونہ) ۳/۱۷ : ۴
- ۳۹۱- اقبال اور فارسی شعرا (ابرحسین قریشی) ۱/۵۰
- ۳۹۲- ڈاکٹر محمد اقبال کی تفہیمات و ترجیحات (حکیم فضل الرحمن نوابی) ۲/۵۳
- ۳۹۳- اقبال سے ایک ملاقات (ذکرات) ۲/۵۵

۴۹۲- اقبال کا ایک شعرا و اداس کا مفہوم (اکبر آبادی) ۵/۲۱

(۲۳) فارسی ادب

۴۹۵- ایران کا ایک جدید شاعر رشید یامی (فرمانی انصاری) ۵/۴۲

۴۹۶- شعرائے ایران کا پیشرو رودکی (رضیعیں) ۳/۴۴

۴۹۷- ابوالسینا بحیثیت ایک فارسی ادیب اور شاعر (رضیعیں) ۳/۴۴

۴۹۸- قاضی کا ایک قصیدہ (آفتاب اختر) ۴/۴۵

— مزاربا- غباربا- دردم مرزا قیطان

۴۹۹- سیستان کا مشہور قصیدہ گو فرخی سیستانی (رضیعیں) ۲/۴۵

۵۰۰- ہند پر فارسی زبان داب کے اثرات (مفتاح الرحمن سیوادی) ۵/۳۹

۵۰۱- طوطی ہند امیر خسرو کی زندگی پر طائرانہ نظر (اشرف حسین) ۴/۳۴

۵۰۲- شہزادی رومی میں بے جا تصرفات (محمد احمد صدیقی) ۴/۳۴

۵۰۲- شبنم شاداب - نشر کردہ کتابستان انار آباد پر ایک نظر (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۴

۵۰۴- ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور فارسی صحافت کا آغاز (گنورین) ۴/۳۲

— گنورین مقیم دہرہ دون کی ایک کتاب کا ایک باب

۵۰۵- حکیم سنائی (خلیل اللہ خلیل) - افغانستان - ترجمہ : انعام اللہ خان قاصر (۲/۳۰-۳۱/۱۶)

۵۰۶- ملک الشعراء طالب آملی : ۱۰۴۲ کا مخطوطہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۳۱

۵۰۷- ملک الشعراء طالب آملی (انتخابی مخطوطاتی) ۶/۳۱

— نسخے ملتے ہیں مگر بہت بعد کے۔

۵۰۸- مولائے روم (سید مبارک الدین رشت) ۴/۳۱

۵۰۹- "ملفوظات رومی اردو" — تحقیق کی روشنی میں، مترجم عبدالرشید تبسم (دہرہ دون شہابیا)

۲۰/۵۲۰۶/۵۰

۵۱۰- شہزادی مولانا روم (خواجہ عبدالرشید) ۴/۴۹

— شہزی کے ابتدائی اشعار پر

۵۱۱۔ سنسکرت کا فارسی ترجمہ (دلفوزندوی) ۱/۳۲

— شروع سے اب تک جو ترجمے ہوئے ہیں خاص کر مثل جہدیں ان پر بہت عمدہ مضمون ہے

۵۱۲۔ رشید یاسمی کا فلسفہ اخلاق (گلشی زائی و ششٹ) ۶/۳۳

۵۱۳۔ اسماعیل نرغی (شیخ فرید برہانپوری) ۳/۲۸

۵۱۴۔ ایضاً مرزا اداس کی شاعری پر ایک نظر (قاضی محمد ابراہیم) ۴/۴۱

۵۱۵۔ بہرام مرزا صفوی (قاضی محمد ابراہیم) ۲/۳۷

۵۱۶۔ شاہ کمال الدین گزرم کندی — اور ان کا کلام (نجات مرزا) ۴/۳۳

۵۱۷۔ ادیب پشت دوی (میرولی اللہ) ۲/۱۹

— طہران سے تھوڑا چھپا۔ ۱۸۴۲ء کی پیدائش

۵۱۸۔ محمد الحسن اشعری، اہلند، کانسیہ، برائے شاہ حبیب اللہ خان والی افغانستان ...

— تھانہ بھون سے نقل ہو کے آیا ہے۔ مورخہ ۱۹۰۷ء

۵۱۹۔ سرتان محمد دغزوی کی وفات پر ایک نظم (مہر الدین خان) ۴/۸

— وہ یہودیہ بھوجو جہاں اصل کتاب کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہے۔ فردوسی کی نہیں۔

”راقم نے بچپن میں کچھ اشعار فارسی میں کہے تھے وہ بھی عربی ہیں“

۵۲۰۔ فردوسی کے شاہنامہ میں رومانی عناصر (آفتاب اختر) ۶/۴۶

۵۲۱۔ فردوسی کا عہد اور اس کی ادبی خصوصیات () ۵/۴۸

۵۲۲۔ عربی — حیات و تصنیفات (ظہر۔ دہلی) ۴/۳۵

۵۲۳۔ مرزا حسن بیگ رفیع (میدانی سرحدی) ۲/۵۳

— محمد شاہ جہانی کا ایرانی شاعر

۵۲۴۔ ”آدم نامہ“ مؤلفہ مولانا فضل امام خیر آبادی (حکیم بنو الدین) ۶/۲۱

— تعلیمی

۵۲۵۔ گہارے بھارت : مخطوطات ہندی یا فیہ ان فیہ کایا ایشی (مہر محمد خاں شہاب) ۳/۵۱

_____ فردز الفز کی مرتبہ تبسم کی ترجمہ کتاب پر (اس پہلے نمبر ۵۰۹ جی ملاحظہ ہو)

۵۲۶۔ فوق رام حسرت (عابد غا بیدار) ۴/۵۳

_____ فارسی کا ایک گام مشاعرہ ایرانی جس کا اعتراض کرتے تھے۔

۵۲۷۔ حکیم ابوالقاسم فردوسی (آفتاب اختر) ۴/۵۵

۵۲۸۔ سید احمد کاشفی (زیدی بخاری) ۴/۵۲

_____ فارسی اور ہندی کا ایک غیر معروف شاعر

۵۲۹۔ (سید امیر حسن عابدی) ۶/۵۴

(زیدی جعفر رضا) ۵۵

۵۳۰۔ داستان امیر خسرو (فضل الرحمن)

۵۳۱۔ فارسی زبان کا ارتقا (عبدالرحمن ناصر مصلاتی) ۶/۵۵

(۲۴) عربی ادب

۵۳۲۔ عربی علوم و فنون پر اسلام کا اثر (فضل الرحمن عثمانی) ۴/۴۱

۵۳۳۔ ہندوستان کے عربی شعراء پر ایک نظر (ابو مخطوطا اکرم معصومی) ۳/۳۲

_____ معصومی نے کچھ شعرون بطور "معارف" پر کاموں پوری نے "جمہور ملی گتہ" میں

مضمون لکھا۔ اس پر :

۵۳۴۔ عربی اخبار مصنفہ ابن قتیبة الدیربوری (عوضید احمد طارق) ۴/۳۲

۵۳۵۔ عربی شاعری اور خیالات کا اثر بر وقتسا و اطالیہ کی شاعری پر (محمد احمد صدیقی) ۱/۵/۳۶

۵۳۶۔ شعر عربی کی مختصر تاریخ (عربی جبین) ۶/۳۸ : ۶/۳۹ : ۲/۴۱ : ۲/۴۲

۵۳۷۔ حسان بن ثابت اور ان کی شاعری (محمد عمری غلام احمد) ۶/۳۹ : ۶/۴۰ : ۱/۴۱

۵۳۵۔ قاضی بن جعفر الکاتب (معصومی) ۳۱/۲/۴۰

———— بتقریب طبع جدید " نقد الشعر "

۵۳۶۔ حمید عربی شاعری کے علمبردار در رشید احمد ارشد ۶/۴۰

———— باردی، یکن، مطران، حافظ

۵۳۷۔ حمید عراقی شاعری کے رہنما (رشید احمد ارشد) ۳/۴۱

———— زبانی ؛ رسانی

۵۳۸۔ ہندستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج: علامہ ہند اور عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ -

(عبدالملک آمدی) ۳/۸-۵

۵۳۹۔ مجازی عربی کا سامی زبانوں میں مقام (مناظر احسن گیلانی) ۵/۱۲

۵۴۰۔ زبیر بن ابی سلمیٰ: سوانح و کلام (ڈاکٹر محمد یونس علی گڑھی) ۲۱/۱۵

۵۴۱۔ بطرس البستانی (رشید احمد ارشد) ۵/۱۵

۵۴۲۔ عبداللہ بن المعتز (") ۶/۱۶ ؛ ۱/۱۷

۵۴۳۔ عربی ادب کے پیادہ مفتاحین (رشید احمد ارشد) ۶/۱۸

۵۴۴۔ حضرت غسان عرب کی بہترین مرثیہ گو شاعر (رشید احمد ارشد)

۵۴۵۔ زبان کا ماحول اور شاعری (غور رشید احمد فاروق) ۳/۲۳

۵۴۶۔ جاویدوں سے دلچسپی رکھنے والا عربی کا ایک قدیم شاعر (غور رشید احمد فاروق) ۳/۲۴

———— قائم: عہد عباسیہ

۵۴۷۔ بیان اللسان پر تبصرہ (محبوب الرحمن ازہری) ۳/۲۵

———— عربی اردو و گنتری مرتبہ تاضی زین العابدین سجاد

۵۴۸۔ عربی زبان کی ترویج و اشاعت (اکبر آبادی) ۶/۴

۵۴۹۔ عربی زبان کی تعلیم یورپ و امریکہ کی یونیورسٹیوں میں (ملخص) ۶/۵

۵۵۰۔ امریکہ میں عربی زبان کے چند مثالی ادیب (المستقیم العربی) ۳/۴
 ————— (تخلیص و ترجمہ)

۵۵۱۔ امام ابن الاثناری کی کتاب الاضداد فی اللغة (قاضی الطبر) ۴/۴۶
 ————— حکومت کراچی کی مشائخ کمرہ

۵۵۲۔ سبط الاکلی پر تنقید کا جواب (عبدالرزاق سیفی) ۶/۱؛ ۲/۱-۴
 ————— مولانا سورتی کی سوانح میں تنقید کے جواب میں

۵۵۳۔ توتو، میں میں (سید اعجاز علی) ۶/۲

————— سورتی، یمن، قضیہ کے سلسلہ میں

۵۵۴۔ سوویت روس میں عربی زبان و ادب کی تعلیم (تخلیص: المستقیم العربی) ۱/۱۱
 ————— مصنفہ مینورسکی

۵۵۵۔ حکیم عبدالرحمن سہارن پوری: ہندستان کا ایک پُر عربی شاعر (علامہ علی خاں رام پوری) ۲/۵۵

۵۵۶۔ عبدالقادر جانی کا تنقیدی نظریہ (اقشام احمد ندوی) ۴/۵۵

۵۵۷۔ عربی تنقید پر قرآن مجید کے اثرات () ۲/۵۳

————— اعجاز القرآن پر

۵۵۸۔ ابوالحیات قوجیدی کے تنقیدی انکار (سید اقسام احمد ندوی) ۶/۵۵

۵۵۹۔ ادب کیا ہے؟ (دقار احمد رضوی) ۶/۵۴

۵۵۹۔ جمیل الزہادی عراق کا نامور شاعر (محمود الحسن ندوی) ۶/۵۱

● ظہیر الدین کی تلمیح و تندوین (اشفاق علی شاہ بہانپور) ۳/۴۹

②۵ ترکی ادب

۵۵۸۔ جدید ترکی ادب میں معاشرتی موضوعات (محمود الحسن) ۶/۴۷؛ ۳-۱/۴۸

③۹ سیرت پاک

۵۵۹۔ بیشتر از دواج النبی (المفتخر گری) ۶/۲۸

۵۶۰۔ حضرت علیؑ کا صحابہ مانی اور آنحضرتؐ کی ناراضگی (اکبر آبادی) ۱/۳۰

_____ ایک سوال کا سرسری سا جواب

۵۶۱۔ مکتوب نبویؐ اور قیصر روم کا اعتراض (محبوب رضوی) ۲/۳۶

۵۶۲۔ ابن ابی علیٰ خلق عظیم (حفظ الرحمن) ۵/۲

۵۶۳۔ الامم المندرجین ابی النکلی کی ایک روایت پر تنقید (حضرت مولانا: حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ مجتہد العلماء)
۳/۲۲

_____ کبھی کی کتاب الامم کا ترجمہ کر لیا ہے اس سلسلہ میں

۵۶۴۔ واقعات سیرت نبویؐ میں توقیفی تضاد اور اس کا حل (اسحق ابنی ملوی) ۶/۵۲ : ۶/۵۳ : ۶/۵۴

_____ ہر بیان کے اہم ترین معنائیں میں سے ایک : تقریباً سارے مضامین میں تمہا ہے۔

گمشدہ اسلامی کتب ریاضی کی کتب کی کتب لگائی ہے اور اس طرح اس تضاد کو دور کیا ہے جو موجود
دو ایک چلا آ رہا تھا کہ مورخوں کے بیان کردہ تاریخوں دونوں اور بیرونی محالیت نہیں ملتی تھی !

۵۶۵۔ ولادت خیر الانامی : یعنی یحییٰ و سلام کی تاریخ ولادت، نظریہ علوی کی روشنی میں

(حبیب الرحمن خاں صاحبہری - مرشد آباد) ۴/۵۴

_____ اسحق ابنی ملوی کی دریافت کی بنیاد پر تحقیقات کو آگے بڑھانے کے تاریخ ولادت کے

تعیین کی کوشش کی ہے۔

(۲۷) - تذکرہ

۵۶۶۔ نگارفتہ جو (اکبر آبادی، نظرات) ۲/۵

_____ نیا نئے جون ۲۰۰۶ میں 'جو اس' لکھی ہے اس پر

۵۶۷۔ شاخت اور حقیقی (اکبر آبادی) ۵/۵۰

۵۶۸۔ امیر شکیب ارسلان (سیا احتشام احمد ندوی) ۵/۵۰

۵۶۹۔ امیر شریعت محمدی الدین قادری پھلواروی (عون احمد) ۵/۱۸

۷۰۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی بعض علمی خصوصیات (ابراہیم رضوی اردوبی) ۲/۱۱

- ۵۷۱۔ شمس العلما مولوی عبدالرحمن (اکبر آبادی) ۶/۳۶
- _____ جون ۲۷ء تک رام پور میں رہے۔ اہم مضمون ہے۔
- ۵۷۲۔ مجموعہ مکتبہ حضرت سید احمد بریلوی قلمی سالار جنگ میں (نثار احمد فاروقی) ۳/۳۶
- ۵۷۳۔ سعید احمد اکبر آبادی برہان کی ادارت سے بکدوش (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۵/۱۱
- _____ سینٹ اسٹیفنس کالج میں ملازمت کے سبب۔
- نظرات اس سے پہلے ہی مفتی صاحب لکھنے لگے تھے۔
- ۵۷۴۔ مولانا ناوٹوی ڈی قضاہ کی کلامی اہمیت اور ان کی بے قدری
- _____ نظرات (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۵/۱۱
- ۵۷۵۔ مجذوب سندھی کی چند الہامی باتیں (اکبر آبادی) ۴/۲۴
- _____ عبید اللہ کی سیاسیات عالم پر گہری نظر تھی۔
- ۵۷۶۔ عبید اللہ سندھی اور دین الہی (منشی متیق الرحمن عثمانی) ۴/۱۰
- _____ سندھی کا ایک خط جس میں معذرت کی ہے۔
- ۵۷۷۔ مولانا عبید اللہ سندھی: ایک تبصرہ پر تبصرو (اکبر آبادی) ۲/۱۳ - ۶ - ۱/۱۴ - ۴
- _____ مسعود عالم ندوی کے تبصرے پر
- ۵۷۸۔ مولانا عبید اللہ سندھی (حسین احمد ندوی) ۴/۱۴
- ۵۷۹۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک - استدلاک (عبید اللہ سندھی) ۵/۱۰
- ۵۸۰۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی۔ ۳۲ سالہ سائنس دان کو طبیعات کے سلسلے میں اس سال نوبل پرائز ملے اس سے پہلے ٹیگور اور رمن کو یہ انعام مل چکے ہیں۔ (نظرات) ۴/۵
- ۵۸۱۔ مولانا فی اور مولانا سندھی (منشی متیق الرحمن عثمانی: نظرات) ۴/۱۴
- ۵۸۲۔ ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرنجی (اکبر آبادی) ۵/۴
- ۵۸۳۔ حضرت عبداللہ بن مبارک (اکبر آبادی) ۴/۴

_____ ماخوذ از "غلامان اسلام" جو میڈیشن ہوئی ہے۔

۵۸۳۔ میں _____ پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ (اکبر آبادی) ۲/۲۲

_____ برائے ان کے کرتادھرتا پہلے سے مفتی صاحب ہیں اب نگران خرام احمد فاروقی اور
شہابی کرتے رہیں گے۔

۵۸۵۔ مولوی محمد۔ ۱۹۰۱ء (مفتی عبدالقدیر) ۵/۲۵

_____ اس نام بہادر سنگھ

۵۸۶۔ مفتی متین الرحمن کا ذکر شبیر احمد عثمانی پرتو پتی نوٹ کے سلسلہ میں (اکبر آبادی) ۱/۳۴

۵۸۷۔ مولانا ناؤوی سرسید کی نظریں (محبوب رضی) ۲/۱۷

_____ وفات پگڑٹ میں سرسید نے جو مضمون لکھا وہ نقل کیا ہے۔

۵۸۸۔ مفتی صاحب غیر سگالی میں منج کے لئے مجاز مقدس کو (نظرات ستمبر ۱۹۶۹) ۴/۲۳

۵۸۹۔ سزا پافلاس و عمل شخصیت کا تعارف _____ نظرات (مفتی متین الرحمن عثمانی) ۴/۱۱

_____ تبلیغ جماعت پر۔ اصل جماعت یہی ہے، خاکسار جماعت اسلامی وغیرہ فضول۔

۵۹۰۔ افتادات امام عبدالوہاب اشعرائی (ایکٹھی امام خاں نوشہروی) ۲/۱/۲۰

۵۹۱۔ فزیمامون احمد بن یوسف (فارق) ۶/۲۴ : ۲۱/۲۵

۵۹۲۔ البیرونی اور اسفندیار جیلیمان مرزبان بن رستم (معموری) ۳/۳۴ : ۳/۳۴

۵۹۳۔ امیر البحر فیض الدین بابر بوسہ (خواجہ عبدالرشید) ۲/۴۱

۵۹۴۔ ابن الحنفیہ (فارق) ۴/۴۴ : ۶

_____ حضرت علیؑ کے صاحبزادے۔

۵۹۵۔ یحییٰ بن یحییٰ اندلسی (میتوب الرحمن عثمانی) ۵/۲

۵۹۶۔ امام دارقطنی (ابو سلمہ شفیق احمد بیانی) ۱/۲۶

_____ صاحب حوسہ برائے ابن ہشامؑ ہیں۔

۵۹۷- علامہ ابن جوزی (مفتی عتیق الرحمن عثمانی) ۶/۱۲/۳۱۵ھ

————— صید الخصال کا تواتر ؛ اقتباسات

۵۹۸- محقق ودائی (غلام رقصی) ۵/۳۸

۵۹۹- قاضی شریح (فارق) ۶/۵/۳۱

۶۰۰- حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۶/۵/۳۸ ؛ ۱۲/۳۹ ؛ ۵-۱۲/۳۹

۶۰۱- حضرت عوفؓ کے سرکاری خطوط (فارق) ۶-۱/۳۵ ؛ ۶-۱/۳۶ ؛ ۲-۱۲/۳۷ ؛ ۶-۱۲/۳۸ ؛ ۶-۱۲/۳۸

۶۰۲- صید ابوبکرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت (اکبر آبادی) ۲/۳۶

————— دو بیعتیں ہونیں، یوں مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

۶۰۳- مالک بن نویرہ اور حضرت خالد بن الولید (اکبر آبادی) ۱/۳۷

————— حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کا اعداد کا واقعہ کو قس کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے مقول کی
پوری سے نکاح کر لیا۔

۶۰۴- مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا کا نامہ : بُرہان اور مددۃ المصنفین

(اکبر آبادی : فقرات) ۴/۳۱

۶۰۵- سعید احمد اکبر آبادی (فقرات) ۱/۴۳

————— میں کلکتہ سے دس برس چند ماہ کی سر دس کے بعد علیؓ گدھا آ گیا ہوں: ۶۱۹۵۹

۶۰۶- میر عبد الجلیل بگلوی (عبد مالک آروی) ۶/۱

۶۰۷- علامہ سید جمال الدین افغانی (ترجمہ : شہداء اللہ، عمر آباد) ۶/۴۲

————— قاپو کے المنار میں ۱۸۹۷ء میں شائع شدہ ایک مضمون کا ترجمہ

۶۰۸- استاد کرد علی (شیخہ حدیسیہ) ۲/۳۹

۶۰۹- حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات "پرتمبر" (اکبر آبادی) ۳/۲۶

- ۶۱۰- ابن خلدون اور اس کا مقدمہ (محمد احمد صدیقی) ۵/۳۸ ؛ ۳۹-۲-۳
- ۶۱۱- بلاذری کی کتاب الانساب (عراق) ۴/۳۸
- پر بی تفصیل دی ہے کہ کتاب کے کس باب میں کیا ہے۔
- ۶۱۲- ابن الجوزی اور تاریخ نویسی (عبد الرحمن خاں) ۳/۲۷ (۲)
- ۶۱۳- حضرت شیخ الہند کے سفرِ حجاز سے متعلق (حکیم سید محمود الحسن) ۶/۲۱
- ۶۱۴- مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کا سیاسی فکر و عمل (محمد اشفاق شاہ بچا پندی) ۱/۲۱
- ۶۱۵- شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے متعلق چند غلط روایات (محمد عبدالدین خاں) ۵/۵۳
- ۶۱۶- شاہ عبدالعزیز دہلوی کی عقلی شعروادب (محمد عبدالدین خاں) ۳/۵۵
- ۶۱۷- ایک علمبردارِ حدیث کے کارنامے اور بے لوث خدمات (عزیز الرحمن مدنی اعظمی) ۵۰۴/۵۲
- حکیم فضل الرحمن صوابی "متعنا اللہ بطول بقائہ" پر
- ۶۱۸- آہِ لعلِ شبِ چراغِ ہند (نظرات) ۶/۵۴
- جواہر لال نہرو پر



(۲۸) وفيات

- | | |
|---|---|
| <p>۶۳۹- جگر مراد آبادی ۴/۴۵</p> <p>۶۴۰- جناح ۴/۲۱</p> <p>۶۴۱- حبیب الرحمن خاں شروانی ۳/۲۵</p> <p>۶۴۲- حبیب الرحمن لدھیانوی ۳/۳۷</p> <p>۶۴۳- ڈپٹی حبیب اللہ ۴/۴۶</p> <p>۶۴۴- حسرت ۶/۲۶</p> <p>۶۴۵- حسن نظامی ۳/۳۵</p> <p>۶۴۶- حسین احمد دانی ۶/۳۹</p> <p>۶۴۷- حفظ الرحمن سیوہادی ۲/۲۹</p> <p>۶۴۸- ذاب حمید اللہ خاں ۳/۴۴</p> <p>۶۴۹- دل شاہ بچا پوری ۳/۴۴</p> <p>۶۵۰- سر ڈین سن راس ۴/۵</p> <p>۶۵۱- رام بابو سکینہ ۱/۴۰</p> <p>۶۵۲- رفیع احمد قدانی ۵/۳۳</p> <p>۶۵۳- محی الدین دور ۶/۵۰</p> <p>۶۵۴- سالک ۴/۴۳</p> <p>۶۵۵- سید سلیمان ندوی ۶/۳۱</p> <p>۶۵۶- سر شاہ سلیمان ۴/۶</p> <p>۶۵۷- حمید انصاری ۶/۵</p> <p>۶۵۸- سیاب ۲/۲۶</p> | <p>۶۱۹- آزاد سبحانی ۲/۳۹</p> <p>۶۲۰- ابو الکلام آزاد ۳/۴۰</p> <p>۶۲۱- آصف علی ۵/۳۰</p> <p>۶۲۲- سید ابوالنظر رضوی ۵/۳۶</p> <p>۶۲۳- ابو الحسن محمد سجاد بہاری ۶/۵</p> <p>۶۲۴- ابن سعود ۶/۳۱</p> <p>۶۲۵- ڈاکٹر ابرار حسین خالد سید احمد اکبر آبادی ۲/۲۹</p> <p>۶۲۶- احسن مارہروی ۴/۵</p> <p>۶۲۷- احمد سعید دیوبلی ۶/۳</p> <p>۶۲۸- اسد ملتان ۶/۴۳</p> <p>۶۲۹- اسلم جیراچوری ۱/۳۶</p> <p>۶۳۰- اشرف علی تھانوی ۲/۱۱</p> <p>۶۳۱- اعجاز علی ۴/۳۴</p> <p>۶۳۲- اقبال ۱/۱</p> <p>۶۳۳- اقبال ہیل ۶/۳۵</p> <p>۶۳۴- اکبر شاہ خاں ۱/۱</p> <p>۶۳۵- ایساں کاندھلوی ۵/۱۸</p> <p>۶۳۶- امجد حیدر آبادی ۵/۴۶</p> <p>۶۳۷- بدر عالم میرٹھی (درد مینہ) ۶/۵۵</p> <p>۶۳۸- بشیر الدین، اٹاوا ۱/۳۷</p> <p>۶۳۹- تاج محمد نجیب آبادی ۲/۲۶</p> |
|---|---|

- ۶۷۸- ڈاکٹر عبدالعلی ۶/۴۶
 ۶۷۹- قاضی عبدالغفار ۲/۳۶
 ۶۸۰- شاہ عبدالقادر رائے پوری ۳/۴۹
 ۶۸۱- عبداللہ یوسف علی ۱/۳۲
 ۶۸۲- مفتی عبداللطیف (سہارنپور) ۳/۳۳
 ۶۸۳- مفتی عبداللطیف (علی گڑھ) ۱/۴۴
 ۶۸۴- عبدالمجید خواجہ ۱/۵۰
 ۶۸۵- عبید اللہ سندھی ۳/۱۳
 ۶۸۶- شاہ حلیم عطا ۵/۳۵
 ۶۸۷- عطاء اللہ شاہ بخاری ۳/۳۷
 ۶۸۸- فرحت اللہ بیگ ۵/۱۸
 ۶۸۹- محمد احمد کاکلی ۶/۴۳
 ۶۹۰- کشن پرشاد کول ۲/۳۴
 ۶۹۱- مفتی کفایت اللہ ۱/۴۰
 ۶۹۲- پنڈت کینی ۵/۳۵
 ۶۹۳- گاندھی جی ۳/۲۰
 ۶۹۴- لیاقت علی خاں ۵/۲۷
 ۶۹۵- محمد علی ردوئی ۴/۴۳
 ۶۹۶- محمد میاں منصور ۵/۱۶
 ۶۹۷- امیر شریعت محمد محی الدین قادری ہزاری ۱/۸
 ۶۹۸- محمود شیرانی ۵/۱۶
 ۶۵۹- شائق ندوی بھٹنگر ۲/۳۴
 ۶۶۰- شبیر احمد عثمانی ۱/۲۴
 ۶۶۱- شعیب قریشی ۴/۴۸
 ۶۶۲- محمد شفیع (پنجاب) ۶/۵۰
 ۶۶۳- شفیق جرنپوری ۶/۵۰
 ۶۶۴- شفیق الرحمن قدوائی ۶/۳۰
 ۶۶۵- صفتہ اللہ شہید فرنگی علی ۴/۵۴
 ۶۶۵- سید صدیقی حسن ۴/۵۱ (۶ ستمبر)
 ۶۶۶- ضیاء الدین احمد (نڈائے صحر) ۵/۲۸
 ۶۶۶- سیدنا طاہر سیف الدین ۶/۵۵
 ۶۶۷- سلطان دلی جہری ۳/۴
 ۶۶۸- طہسین احمد منگھری ۵/۱۶
 ۶۶۹- ظفر علی خاں ۶/۳۷
 ۶۷۰- خلیفہ عبدالغنی ۲/۴۲
 ۶۷۱- مولوی عبدالحق ۳/۴۷
 ۶۷۲- افضل العلماء عبدالحق ۴/۴۰
 ۶۷۳- عبدالحق مدنی ۲/۳۵
 ۶۷۴- خواجہ عبدالحق فاروقی ۲/۵۴
 ۶۷۵- عبدالرحمن ۳/۳۳
 ۶۷۶- عبد الرحمن خاں ۴/۴۹
 ۶۷۷- خواجہ عبدالرؤف عشرت ۴/۵
 ۶۷۸- عبدالسلام ندوی ۳/۳۷

- ۶۹۹- مصطفیٰ کمال ۶/۱ ۷۰۵- تہال سیوہادی ۱/۲۸
 ۷۰۰- مطلوب الرحمن عثمانی ۲/۴۵ ۷۰۶- نکلسن ۵/۱۵
 ۷۰۱- معین الدین اجیری ۳/۴ ۷۰۷- (آبروی - اخبریل)
 ۷۰۲- طبع آبادی ۱/۴۳ ۷۰۸- ہادی حسن ۶/۵۰
 ۷۰۳- مناظر احسن گیلانی ۱/۳۷ ۷۰۹- یعقوب الرحمن عثمانی ۳/۲۸
 ۷۰۴- ظہیر الحسن ناظم سیوہادی ۳/۴۴ ۷۱۰- محمد یوسف (امیر جامعہ تبلیغی) ۴/۵۴

(۲۹) فنون جمیلہ

(تیسرے مضموری: تیسری: غیرہ)

- ۷۱۰- عراق دہم پر ہندوستانی فن کا اثر (ایسٹ آرٹ - ترجمہ: عبداللہ چغتائی، ۳/۱)
 ۷۱۱- عہد وسطیٰ کے ہندستان کا فنِ تعمیر (یوسف کمال بخاری) ۶-۴/۳۷
 ۷۱۲- اسلامی سنائے لطیفہ: اور یورپی سنائے لطیفہ پر ان کا اثر (۱۷۱۰ء: بیسٹ)
 ترجمہ: سباز الدین رفعت، ۵-۲/۴۰

————— ”ورثہ اسلام“ میں شائع شدہ مضمون کا ترجمہ

- ۷۱۳- مغربی فنِ تعمیر پر اسلامی فنِ تعمیر کے اثرات (مارٹن ایس برگس - ترجمہ: رفعت) ۱/۲۸
 ۷۱۴- تمدنی، ثقافتی، تہذیبی اثرات:

تہذیبوں نے ہندی اسلامی فنِ تعمیر کے ارتقا میں حصہ لیا (عبداللہ چغتائی) ۱/۳۲

۷۱۵- تاج محل (عبداللہ چغتائی) ۶/۳۲

————— تاج محل روضۂ ممتاز محل کا گنگاڑ ہے۔

۷۱۶- جامعہ قرطبہ (محمد ظفر الدین) ۱/۲۶

”تاریخ مساجد“ کا ایک باب۔

۷۱۷- جائے اموی دمشق (محمد ظفر الدین) ۶/۲۷

————— تاریخ مساجد کا ایک باب۔

- ۶۱۸۔ دیوبند کی چند تاریخی مسجدیں (سید محبوب رضوی) ۶/۲۶
 ۶۱۹۔ احمد آباد کی شیدی سعید کی مسجد (ابوظفر ندوی) ۴/۳۳
 ۶۲۰۔ اصفہان (صغیر حسن معصومی) ۲/۳۵ اس سے قبل ملاحظہ ہو: ۵۱۹
 ۶۲۱۔ "حالات ہنردراں" (کے بعد تاریخ الملوک) (خواجہ عبدالرشید) ۳/۲۶ (۴)
 ————— عبداللہ چغتائی کے موضوع "حالات ہنردراں" یعنی حالات خوشنویساں پر
 یہ موقوفہ ملا ہے اس کا تعارف -

- ۶۲۲۔ - مشرقین یورپ اور اسلام میں معنوی کے احکام (سید جمال حسن شیرازی) ۲/۱۱-۵
 ۶۲۳۔ - نضر الخضر (تلمیخ: المقتطف) ۳/۵
 ۶۲۴۔ - موسیقی اور روحانیت (حکیم سید ابراہیم نظر رضوی) ۲/۱
 ————— غنی روزنامہ

- ۶۲۵۔ - جامع مسجد ہرات (تلمیخ و ترجمہ) ۶/۱۲
 ۶۲۶۔ - ہندوستان میں اسلامی طرزِ تعمیر (عبداللہ چغتائی - ترجمہ: جمال حسن شیرازی) ۳/۱۰۰
 ۶۲۷۔ - قبۃ الصخرۃ: پہلی صدی ہجری کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت
 (کرد و دل ترجمہ: اکبر آبادی) ۵/۲

آثار (۳۰)

- ۶۲۸۔ - حدود العالم من المشرق الی المغرب: افغانستان قدیم کے ایک جزائیہ مکار کا نامہ (تلمیخ) ۳/۶
 ۶۲۹۔ - عراقی کردستان میں کھدائی کا کام (لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۵/۲۷
 ————— قبل از تاریخ کا تہذیب و تمدن
 ۶۳۰۔ - کتبہ مارگلہ (خواجہ عبدالرشید) ۴/۳۶؛ ضمیمہ (ذمید احمد) - و نظرات ۵/۳۶
 ————— راولپنڈی اور ٹکسیلا کے درمیان ہے -
 ۶۳۱۔ - کابل میں دو صحابہ کی قبریں: حضرت تمیم دجیر (تلمیخ آریانا ص ۱) از گریہ امتدادی - 7-

- ۴۳۲- یمن کا قدیم تمدن: تین ہزار سال پرانی تہذیب (سیدنا پیر احمد فیضی) ۴/۱۱
- ۴۳۳- ہرات کے آثارِ قدیمہ (مترجمہ عفت اللہ) ۲/۶ - ۶
- ۴۳۴- 'ماندر' عرب جہاز رانوں کی قدیم بستی (۴) ۲/۱۶
- ۴۳۵- ہلالِ خصیب (FERTILE CRESCENT) اور وادیِ سندھ (عبدالرشید) ۵/۱۴
- ۴۳۶- لاہور کی ایک وجہ تسمیہ (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۴
- ۴۳۷- اُچھڑ (میر جاجوگیر علی خان) ۶/۱۴
- خواجہ عبدالرشید کی تائید میں -

(۳۱) تاریخِ قدیم

- ۴۳۸- تاریخ کے دورِ آغاز میں مختلف آئینِ توہم (خواجہ عبدالرشید) ۳/۱۵
- ۴۳۹- تہذیب و تمدن آشور (لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید) ۱/۱۷
- ۴۴۰- دنیا کے تین بڑے جاہل تمدن (ابو صالح عثمانی) ۲/۱۹ : ۲۰/۱۰ - ۲۰
- ۴۴۱- علمِ فتنِ الکلمہ (METATHESIS) (خواجہ عبدالرشید) ۲/۱۵

(۳۲) سفر نامے

- ۴۴۲- دیارِ عزیزِ کائنات کے مشاہدات و تاثرات (سید احمد اکبر آبادی) ۳۶۵۲: ۳۶۵۳ : ۵-۳/۵۳ - ۲-۱/۵۴

- ۴۴۳- قاہرہ میں پہلی اسلامی کانفرنس (اکبر آبادی) ۴/۵۲

— نظرات اور مقالہ

- ۴۴۵- انڈونیشیائی افزائشیائی اسلامی کانفرنس (اکبر آبادی) ۴/۵۴

— نظرات اور مقالہ

۴۷۷۔ مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کی دوسری سالانہ کانفرنس (اکبر آبادی) ۲/۵۵

۴۷۸۔ پندرہ روزہ دورہ روس کی روداد (منقہ عتیق الرحمن عثمانی) ۲/۵۴
۳/۵۲

_____ سلسلہ اشاعت نمبر ۶۶۳

(۳۳) تاریخ اسلام (مسلمانان)

۴۷۹۔ اسلامی روایات اہل ان کا تحفظ (سجیل واسطی) ۶/۱۲ : ۶/۱۳

_____ مسلمانوں کے عروج و زوال پر بحث

۴۸۰۔ اندلس میں اسلامی تہذیب (ترجمہ: خالد کمال مبارکپوری) ۴/۴۶

۴۸۱۔ تمدن جدید پر عربی تہذیب کی فیضیت (اسٹالین پول - مغرب المفتوح - تلخیص) ۶/۵۴

۴۸۲۔ جنگ قادسیہ کا ایک باب: سفر اسلام کی جرأت حق (حفظ الرحمن) ۶/۵۴

۴۸۳۔ عربوں کی قومی تحریک اور جنگ (علیم اللہ صدیقی - ترجمہ) ۲/۱۸

_____ ”راؤنڈ ٹیبل“ سے ترجمہ

۴۸۴۔ بیت المقدس (منشی عبدالقدیر) ۳/۱۶

_____ مسلسل

۴۸۵۔ مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ، قرونِ اولیٰ میں (اکبر آبادی) ۳/۱۱

۴۸۶۔ حضرت بلالؓ کا نام و نسب (عبداللہ چغتائی) ۴/۹

۴۸۷۔ عہدِ بامونی کے چند نامور (شہزادہ احمد علی خاں درانی - کابل) ۱/۸

۴۸۸۔ امیر المومنین عبدالرحمن الناصر الدین اللہ (سید انوار الحق) ۴/۲۲

۴۸۹۔ مسلمانوں کے دنیوی معائب کے دینی اسباب (گیلانی) ۱/۲۲

۴۹۰۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں سماج میں عورت کا مقام (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۵۰

۴۹۱۔ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث (محمود الحسن) ۴/۳۵۴

_____ پہلی صدی ہجری کا اہم شخص

- ۷۶۲۔ اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں، مقدسی کی احسن التقاسیم کی مدد سے (فارق) ۶۰۵/۳۲؛ ۶۰۳/۳۱
- ۷۶۳۔ اسلامی دنیا چوتھی صدی ہجری میں (خورشید احمد فارق) ۳۰۲/۳۲
- ۷۶۴۔ اعظم کوئی کی تاریخ فتوح (”) ۵/۳۳
- ۷۶۵۔ واقعہ بیعت یزیدؑ کی تحقیق مزید (قامی زین العابدین سجاد) ۲/۲۶
- ۷۶۶۔ افغانوں میں اشاعت اسلام کی ابتدا اور اس کے اسباب (رحیم عبدالرزاق لاہوری) ۳/۳۲
- دی قدیم خالد اور قیس عبدالرشید کی داستان
- ۷۶۷۔ دنیا سے اسلام اور مدیر لافٹ انٹرنیشنل نیویارک (ترجمہ: نظام الدین ایس گوگر) ۳/۳۲
- ۷۶۸۔ تاریخ الردۃ (خورشید احمد فارق) ۴/۳۳-۱؛ ۴/۳۲؛ ۱/۳۵؛ ۵-۱/۳۶؛ ۳/۱
- ایک علمی کتاب معقہٴ ہنسی سے، جو قاہرہ میں ہے۔
- ۷۶۹۔ مختار بن ابوعبید الشقی (خورشید احمد فارق) ۳/۲۶-۳؛ ۶-۱/۲۷
- ۷۷۰۔ سلطان محمود غزنوی کی تصویر کا حقیقی رخ (محبوب رضوی) ۲/۳۳
- ۷۷۱۔ خالد بن سنان الصبی (محمد خالدی) ۴/۳۲؛ ۵
- عرب میں عیسیٰ اور محمدؐ کے درمیان کسبھی
- ۷۷۲۔ علی صرف تاریخ کی روشنی میں (دلا حسین۔ ترجمہ عبدالحیہ ثنائی) ۶/۳۲؛ ۵/۳۱
- ۷۷۳۔ عثمان صرف تاریخ کی روشنی میں (” ” ” ”) ۱/۳۳-۱؛ ۶/۳۵؛ ۴/۳۲
- ۷۷۴۔ قریش کی تصویر قرآن کے آئینہ میں (عبدالمجید) ۲/۳۲
- ۷۷۵۔ تاریخی حقائق (غفر الدین) ۲/۳۲؛ ۱/۳۲-۲؛ ۳؛ ۶/۳۳؛ ۵/۳۵؛ ۶/۳۱
- بعض سلاطین ازل و ابدا کے شخصی حالات زندگی؛ تاریخ ملت؛ وغیرہ
- ۷۷۶۔ مجزیہ قوسہ (حسینی عبدالباقی) ۵/۳۱
- مقلیدہ اور توس کے درمیان اسلامی لسانیات
- ۷۷۷۔ حضرت عمرؓ کی زندگی کے چند واقعات (فارق) ۱/۳۲

- ۷۹۳- اسباب خروج دزوال امت (اکبر آبادی) ۱/۸-۶
- ۷۹۴- بہادر شاہ ظفر کی عید (خواجہ عبدالحمید دہلوی) ۶/۱
- ۷۹۵- بانی سلطنت بہمنیہ کا نام و نسب (محمد عبد اللہ چٹائی) ۶/۷
- ۷۹۶- امیر الامرا نقاب نجیب الدولہ ثابت جنگ (مظہری) ۲۳/۳-۶؛ ۲۳/۱-۴
- ۷۹۷- ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی (۲۲/۳-۶)
- ۷۹۸- سلطان علاؤ الدین خلجی کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نظامی) ۲۱/۲۰۵-۶
- ۷۹۹- مسلمانوں کی آمد ہندوستان میں (خدا انصاری غازی) ۱/۱
- ۸۰۰- میر کا سیاسی ماحول (محمد عمر) ۶۸۰؛ ۱۵۱-۱۵۲؛ ۱۵۳-۱۵۴؛ ۲۱/۵۳؛ ۲۱/۵۵؛ ۲۱/۵۵
- ۸۰۱- خلافت التوارخ اور اس کا مصنف (دراغین انصاری) ۴/۵
- ۸۰۲- ترکوں کی فتح کے اسباب (جمال محمد عینی) ۵/۵۰
- ۸۰۳- ہندوستان میں
- ۸۰۴- اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے (بشیر الدین پندت) ۲۱/۵۵
- ۸۰۵- ہندو مسلمانوں کے کچھ تعلقات (خواجہ احمد فاروقی) ۳/۲۱
- ۸۰۶- مرزا منٹو اور جنگ آزادی (منشی اعظم اللہ شہابی) ۶/۲۱
- ۸۰۷- سلاطین مغلیہ کی حیات و معاشرت (قاضی ابراہیم ڈار) ۶/۳۴
- ۸۰۸- بابر تا جہانگیر
- ۸۰۹- کمالگیر ہندو کش تھا ظالم تھا سنگرتا (منشی عتیق الرحمن عثمانی) ۶/۱۴
- ۸۱۰- میدان مشکوہ (عبد اللہ چٹائی) ۱/۱۴

- ۸۰۹- فتح مانڈو (عبداللہ جٹائی) ۶/۱۱
- ۸۱۰- ۱۸۵۷ء کے پہلے کی دلی (خلیق احمد نقوی) ۶/۱۸ ؛ ۱/۱۹
- ۸۱۱- دونوں کے نام (مرتبہ خلیق احمد نقوی) ۵/۳۳
- _____ فارسی عوامی نظم معتمد حاجی محمد عہدی قصبہ موئی ضلع بریلی۔
- ۸۱۲- ہندوستان کے متعلق جاچھ کے اجمالی معلومات کا تفصیل مطالعہ (ابوالنصر خالدی) ۱/۳۷-۱
- ۸۱۳- ہندوستان عہدِ غوثی کی تاریخ میں (سید محمد حسن قیصر) ۵-۲/۳۹
- _____ قدیم ہندوستان، عربی مآخذ کی روشنی میں
- ۸۱۴- پرمی اور سلطان علاؤ الدین خلجی (مشتاق احمد زاہدی) ۳/۴
- _____ طویل مضمون ہے جس میں بتایا ہے کہ الزام بے بنیاد ہے، اصل مآخذ پرمات ہے جس کا انساہ بن گیا دانتہ کسی پرستی کا وجود ہی نہ تھا۔
- ۸۱۵- مغلوں کا تعلق گجرات سے (ہدایت الرحمن حسنی) ۵-۳/۵
- ۸۱۶- مسلمان ہند کے زوال کے داخلی اسباب (سید عبداللہ) ۳/۶
- ۸۱۷- دیوبند: وجہ تسمیہ اور قدامت (سید محبوب رمیزی) ۶/۶
- ۸۱۸- دلی کا مغل تاجدار بہادر شاہ جدید تاریخی روشنی میں (ہدایت حسنی) ۶-۲/۷
- ۸۱۹- ہندوستان کے پہاڑی علاقے، یعنی تال کایوں، میں ایک جاپانی راجدھانی (گیمانی) ۴/۱۶
- _____ عنوان مخالف آئیز ہے۔ یار محمد کی "انشاء قلندر، قلی" سے کماؤں کا بیان دی گئی
- عہدِ محمد شاہ میں جہاں دورِ رواج تھے، ایک عورتوں کا قہر بننا شرافت کی نشانی تھی۔
- دوسرے شاہ پرستی۔
- ۸۲۰- سلطان محمد بن تغلق کے مذہبی رجحانات (خلیق احمد نقوی) ۳/۱۶
- ۸۲۱- متنی بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی محسنہ خاص (پریم ناتھ بھٹا - ترجمہ: اکبر آبادی) ۴/۱۶
- ۸۲۲- شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے لکھے ہوئے قرآن کریم (عبداللہ جٹائی) ۱/۱۹

- ۸۲۳- ناتلداؤ پیشوا (اختتام الشہائی) ۱/۲۲
 ۸۲۴- ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی (شہائی) ۳۰/۲/۲۲

(۳۵) مشرق اوسط

- ۸۲۹- ایران کا پس منظر ۶/۵/۸
 ————— " راجوڈ ٹیبل " کے معنون سے۔
 ۸۳۰- ڈل ایسٹ کمانڈ (اسرار احمد آزاد) ۱/۲۸
 ————— " حالات حاضرہ " کے ذیل میں

- ۸۳۱- ٹینس اور فرانس (اسرار احمد آزاد) ۲/۲۸
 ————— " حالات حاضرہ "

- ۸۳۲- مشرق وسطیٰ کی انقلابی جدوجہد کا پس منظر (اسرار احمد آزاد) ۲/۲۹
 ۸۳۳- سلمان حکمرانوں کی موجودہ زبوں حالی (اریس ہنڈس : مجاہد لکھنؤ سے گفتیں) ۳۰/۲/۳۰

(۳۶) ترکی

- ۸۲۶- ترکوں میں مذہبی احساسات کی بیداری (اے ، زیڈ - ترجمہ : کمیشن قطب الدین احمد) ۳۴/۳/۱۵
 ۸۲۷- ترکی کا اسلامی انقلاب (اکبر آبادی) ۳/۲۶
 ۸۲۰- ترکی ۱۹۲۰ء سے (رئیس بشین اسکول آف اوریینٹل اسٹڈیز) ۱۰/۲/۳۰/۶۵
 ۸۲۰- موجودہ ترکی کی ایک جھلک (اکبر آبادی) ۲/۵۰

(۳۷) مصر و سودان

- ۸۲۴- محمد علی جدید مصر کا بانی (محمود الحسن ندوی) ۳/۲۴
 ۸۳۵- کچھ قاہرہ کے بارے میں (فاروق) ۶/۳۹ ؛ ۱/۴۰
 ————— سفر نامہ

- ۸۳۶- مصری انقلاب کی کہانی کرنل انور السادات کی زبانی (عابد رضا پیدار) ۴/۴۰

۸۳۷- مصر ۹۹-۱۸۹۸ء میں: عبدالرحمن امرتسری کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۱/۱۱

۸۳۸- مصر ۱۹۰۰ء میں: محبوب عالم کا سفرنامہ (عابد رضا بیدار) ۵/۴۱

۸۳۹- سیاسیات مصر (اسرار احمد آزاد) ۲/۲۹

۸۴۰- مصر کا سیاسی پس منظر (مظفر شاہ خان) ۱۵/۶ (۱۴/۶)

۸۴۱- سودان کے عرب (تفہیم) ۵/۱۱

(۳۸) افریقا

۸۴۲- مشرقی افریقہ کا علاقہ کینیا اور ماراؤ تحریک (ایما حسین قادرقی) ۳/۳۱

۸۴۳- حبشہ کے مسلمان (تفہیم، المستبح العربی) ۴/۱۰

(۳۹) آسٹریلیا

۸۴۴- آسٹریلیا میں اسلام (ترجمہ: مجیب الرحمن عثمانی) ۵/۳۸

(۴۰) اسلامیان روس

۸۴۵- قازان کے مسلمان (تفہیم) (سید محمد زاہد قیصر رضوی) ۴/۱۳

۸۴۶- کاکیشیا کے مسلمان: ایک ستیاج کے تاثرات

(تفہیم، المستبح العربی) ۴/۸

۸۴۷- علاقہ قفقاز (عبدالقدیر دہلوی) ۲/۹

(۴۱) اسلامیان یورپ

۸۴۸- جنگ کے اٹھارہ مہینے (ہندستان ٹائمز۔ ترجمہ: جمال حسن شیرازی) ۱۵/۶

۸۴۹- پولینڈ کے مسلمان (تفہیم) از المستبح العربی - ۶/۷

۸۵۰- موجودہ جنگ کے دو اہم جزیرے: مالٹا، مفا سکر (عبدالقدیر دہلوی) ۶/۸

۸۵۱- مشرق وسطیٰ (عبدالانصاری غازی) ۶/۱

۸۵۲- نمائندہ کے مسلمان (اکبر آبادی) ۵۰/۲، ۳، ۴

(۴۲) اسلامیان چین

۸۵۳- تاریخ چین کا ایک ورق (عناظر سن کیوان) ۲/۲۹

خاتمہ "دوفتہ الصفا" میں اس سفارت کی ڈائری مکمل نقل کر دی گئی ہے جو تیمور کے بیٹے مرزا شاہ رخ نے چین کو بھیجی تھی۔ یہ مضمون اس پر مشتمل ہے۔

۸۵۴- چین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی تاریخ (اسرار احمد آزاد) ۶/۳۸

۸۵۵- چین کے مسلمان تلمیذ : (المستیع العربی) ۲/۱۱

۸۵۶- چین کے مسلمان (یوسف شحنت کے عربی مضمون سے) ۳/۲۴

(۴۳) جنوبی مشرقی ایشیا

۸۵۷- برما (منظر شاہ خان یوسفی) ۴/۲۱۱

۸۵۸- انڈونیشیا میں سیاسی کشمکش (منظر شاہ خان) ۱/۱۹

۸۵۹- انڈونیشیا اور اسلام (محمد فیاض) ۲/۱۵۰



کتابخانے اور کتابیں (۴۴)

- ۸۶۰۔ جامع الجہدین، مؤلفہ عبدالباری ندوی پرتبصرہ (اکبر آبادی) ۱/۲۸-۶
 ۸۶۱۔ مکاتیب شیخ الاسلام مدنی، حصہ اول پرتبصرہ (اکبر آبادی) ۵/۲۹
 ۸۶۲۔ مختصر سیرت قرآنیر سیدنا محمد، مصنفہ محمد اہل خاں: تبصرہ (اکبر آبادی) ۶/۳۰؛ ۳۱/۱-۳
 ۸۶۳۔ بزم ملوکیہ، مصنفہ صباح الدین عبدالرحمن: تبصرہ (معموری) ۱/۳۵-۶
 ۸۶۴۔ اشرف دکنشن تو اسلام (انگریزی)، مصنفہ حمید اللہ: تبصرہ (اکبر آبادی) ۳/۴۱-۲
 ۸۶۵۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل از سید فیض بدر الدین طیب جی: تبصرہ (اکبر آبادی) ۵/۳۰
 ————— اچھے مشورے دیے ہیں۔

- ۸۶۶۔ تصانیف اشعری (حافظ غلام تفتی)، ۶/۳۷؛ ۱/۳۸
 ————— نیابت میں غائب رہنا بیدار کے مقالہ پر۔ میکار بخئی اور بیدار کے رویوں
 ۸۶۷۔ کتاب 'نفسیات جمال' پرتبصرہ (سید ابوالنظر رضوی امروہوی) ۵/۱۸
 ۸۶۸۔ الیڈ کاغذی ترجمہ جو سیلمان بستانی نے کیا ہے (المنیر) ۱/۱۲
 ۸۶۹۔ دستورالضعافت مرتبہ عثمانی: اس کی ترتیب اور حواشی پرتنقید (آمنہ خاتون) ۳/۱۸-۲۲
 ۸۷۰۔ آئینہ نامہ، مصنفہ فضل الرحمہ آزاد، مرتبہ حکیم محمد بن عبداللہ مدنی، ۱/۲۲
 ————— غازی ہیں۔

- ۸۷۱۔ اسیران اسلام۔ انگریزی، مصنفہ: میر خواجہ عبدالرشید، پرتنقید (میر احمد علی سولنگی) ۶/۴۶
 ۸۷۲۔ ایک علمی استفسار (خواجہ عبدالرشید) ۲/۵۵
 ————— تاریخ کلام الملک اعلیٰ، مصنفہ: یوسف لاجبی کے بارے میں۔
 ۸۷۳۔ تفسیق اعظم: ڈیوی ڈسمل کلائیکیشن کے اردو ترجمہ کا تعارف (ایضاد علی مرثی) ۱/۵۲
 ————— سید محمد حسن قصیر کے ترجمہ کا تعارف۔

۸۷۴- مکتوباتِ سنّیانی، مرتبہ عبدالجبار آبادی (اکبر آبادی) ۵۳-۵۳/

_____ تفصیل تبصرہ۔

۸۷۵- ہندوستان کے عربی فارسی کاتبانے (اختیار عملِ عرشی) ۵/۱۸

۸۷۶- تاجرہ کا اسلامی میوزیم (خالد کمال مبارک پوری) ۶/۴۶

_____ جو ستر ہزار شاہکاروں پر مشتمل ہے۔

۸۷۷- کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ سالار جنگ میں شعرا و رنگ آباد کی اردو قلمی کتابیں (نصیر الدین ہاشمی) ۶/۲۲

۸۷۸- عہدِ سلطین میں کتب خانوں کی تنظیم (ترجمہ: خالد کمال مبارک پوری) ۵/۴۵

۸۷۹- سیرۃ النبی کی ایک اہم اردو کتاب (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۴۵

_____ فوائدِ مدنیہ مؤلفہ قاضی صاحب م ۱۲۸۰ھ

۸۸۰- تفسیرِ ملام: تاریخِ الکیما: فلسفہ (خواجہ عبدالرشید) ۲/۲۹

۸۸۱- کتب خانہ شکر افغان: بہار (اورنگ زیب احمد بہاری) ۱/۳۸

۸۸۲- اسلامیات کے متعلق کتب خانہ سالار جنگ کے اردو مخطوطات (نصیر الدین ہاشمی) ۴/۴۲

۸۸۳- کتب خانہ سالار جنگ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کی اردو مطبوعات (ایضاً) ۳/۴۴

۸۸۴- "خلافتِ معاویہ و یزید": ایک جائزہ (عابد الاسلام قاسمی) ۶/۴۳

_____ محمود احمد عباسی کی کتاب پر تبصرہ۔

۸۸۵- خلافتِ معاویہ و یزید پر (اکبر آبادی) ۵/۴۳

۸۸۶- سندھ ہند کا ایک علمی و ثقافتی تذکرہ (دعوی) ۳-۱/۴۳

۸۸۷- ایضاً (اکبر آبادی) ۳/۴۲

_____ اطہر مبارک پوری کی کتاب پر

۸۸۸- قرآن اور علمِ جدید (میرا محمد ریاضی ایس سی سنگھ) ۳/۴۵

_____ ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب پر تبصرہ

۸۸۹- مسئلہ تصدیق ازدواج (اکبر آبادی) ۴/۳۵

————— جنرل بطوری کی کتاب پر تبصرہ۔

۸۹۰- مولانا گیلانی کی "تہذیبِ حدیث" پر تبصرہ (اکبر آبادی) ۴/۳۸

۸۹۱- فارسی اور اردو کی چند کتابیں (شمارہ فاروقی) ۴/۴۱ - ۵ - ۲/۴۲ - ۲

————— آئینہ حیرت ؛ سفر نامہ مصر و۔

۸۹۲- مشاعرہ الصلوٰۃ فارسی قلمی، مصنفہ شاہ محمد بن شاہ میمنہ جند اللہ برہان پور کا (شیخ فرید) ۲/۳۸

۸۹۳- دیوان "بیدل کائنات" بے بدل حبیب گنج میں (شروانی) ۱/۳۳

————— پیسز انڈرام ٹکھن کے خط میں ہے اردو بیکل نے اسے دیکھا ہے۔

۸۹۴- گیلانی کی نظامِ تعلیم و تربیت پر سیلیمان کے تبصرے کے جواب میں (مفتوح صاحب، نکلات) ۲/۱۴

۸۹۵- مخطوطاتِ عجائب خانہ بے جا پور کی ایک مختصر فہرست (عبداللہ چنائی) ۴/۳۰

۸۹۶- مخطوطاتِ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند (محبوب دہلوی) ۴/۵ - ۶

————— کل کتابیں ۱۹۶۶ء میں اُن میں بہت سے مخطوطات ہیں۔

۸۹۷- تاریخ طبری کے مآخذ (جماد علی - ترجمہ : شمارہ احمد فاندقی) ۲/۵۴ - ۵

۳/۸ مارچ ۱۹۴۲ء کا ایک شمارہ حزب اعلیٰ ذیل سے
 تھا، اب ہمیں لی گیا مگر اس وقت لاہور میں جو کچھ لکھا ہوا تھا
 وہ پورچا، اور ان سب کا اشتہار بھی ہو گیا، اب اسے چھپانے میں
 موضوعاتی لحاظ سے داخل کرنا ایک مسئلہ تھا اور پھر ابھی قریب میں
 اپنی اپنی جگہ رکھنا دوسرا مسئلہ تھا۔ اس لیے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس
 شمارہ کے اشتہارات لکھتے دے دیے جائیں کہ اس طور پر کم سے کم
 اتنا تو ہوگا کہ تشکیکی ذہن کی کو بیرونی کا کوئی شمارہ کہہ دے۔ لکھ
 ایڈیشن میں اس کا باضابطہ افضہ نام جوہر ہے، فاسلہ شمارہ کی تفصیل
 درج ہے۔

● نظرات (سید احمد کبیر آبادی) ۳/۸

— جماعت اسلامی پریچرہ —

● اسباب خروج و زوال امت (سید احمد کبیر آبادی) ۳/۸

— تیسری سط

● المدخل فی اصول الحدیث لعلامہ الکلباء (عبد الرشید نعمانی) ۳/۸

— دوسری سط

● ہندوستان میں زبان عربی کی ترقی و ترویج
 طوائف و جماعات عرب و عجمی مہاجرین کا مختصر تذکرہ { جملہ لکھ آبادی) ۳/۸

● ایک علمی سوال اور اس کا جواب (محمد مختار رحیم سید آبادی) ۳/۸

● مصر کی صنعتی ترقی۔ محمد علی پاشا سے شاہ فاروق تک (ط-م) ۳/۸

— تیسری و ترقی

● ادبیات: دکن و اسرار شہادت (نظم) سیب کبیر آبادی ۳/۸

● تبصرے (ط-۲) ۳/۸



مصنف اشاریہ





آزاد، اسرار گین، ۸۳۰، ۸۳۱	۸۳۲، ۸۳۹، ۸۵۴	آزاد، اسرار گین، ۸۸، ۸۳، ۱۳۶، ۱۳۹	اسمیت، ۷۱، ۷۹
آصف یسار دی، ۲۸۱، ۲۸۲	آفاق حسین، سید، ۴۴۲	ابن خاں، محمد، ۲۸، ۳۳	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
آفتاب اختر، ۳۹۸، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۷	آمنہ خاتون، ۸۶۹	احسان اللہ خاں، ۳۶	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ابراہیم فاروقی، ۸۳۲	ابراہیم ڈار، قاضی، ۸۰۶	احسن جلیل، محمد، ۳۵۸	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ابراہیم، قاضی محمد، ۵۱۳، ۵۱۵	۷۸۵، ۷۸۶	احمد صدیقی، محمد، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ابو ذر، حکیم محمد، ۱۳	ابو سلمان شاہ جہانپوری، ۴۴۴	احمد علی خان، دستان، ۷۵۷	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ابو جراح اعظمی، ۷۴۰	ابو نفیر ندوی، ۸۱۱، ۵۱۱، ۵۱۹	ادریس صدیقی، محمد، ۳۵۰	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ادریس علی اعظمی، ۳۳۵	ادریس علی اعظمی، ۳۳۵	ادریس میر علی، محمد، ۴	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
ابو انصاف خالیدی، ۸۱۳، ۴۱۳	ابو انصاف رضوی، سید، ۳۵، ۴۵	ادریس، محمد، ۳۵۰	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰
اسحاق ابنی طوی، ۳۸، ۳۹	اسحاق ابنی طوی، ۳۸، ۳۹	اسحاق ابنی طوی، ۳۸، ۳۹	اسمیت، ڈبلویس، ۷۰

پاشا، حسن حسنی عبدالوہاب، ۷۷	۳۳۳، ۳۳۵، ۳۱۷-۳۱۵	۲۲۹، ۱۹۹، ۱۷۸
تاجش دہلوی، ۵۲	۳۳۸-۳۱۶، ۳۳۸-۳۲۶	۲۵۰، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸
تاجش، یکشنبہ، ۲۶	۳۹۰-۳۹۳، ۳۰۰-۳۹۳	۲۶۶، ۲۵۹، ۲۵۴
۵۱۲، ۳۳۲	۸۹۳، ۶۱۸، ۶۰۵، ۵۸۰	۲۸۲، ۲۸۵، ۲۸۰-۲۶۸
تقی امینی، محمد، ۳، ۶۹-۷۲، ۷۵	۴۹۱، ۳۷۶، ۳۵۵، ۳۷۶	۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۱، ۳۰۹
۱۶۱، ۱۵۳، ۱۵۰، ۹۶	۵۵۹	۳۳۳، ۳۲۶، ۳۲۳
۲۰۷، ۱۶۸	امام خاں نوشہری = نوشہری	۳۵۶، ۳۲۳، ۳۰۹
تقی الدین بہاری، ۲۸۸، ۲۸۷	ابو حسن مابدی، سید، ۵۲۳، ۵۲۸	۴۰۳، ۳۷۰، ۳۶۴
تقی الدین ندوی، مظاہری، ۵۲	ابو تقی، ۳۰۷	۵۶۰، ۵۶۰، ۵۶۸
۳، ۶۷-۶۷	انوار الحق، حق بس، ۷۵	۵۶۷، ۵۶۱، ۵۶۷
فرسٹی، اے۔ ایچ، ۱۲	انوری، لاکھپوری، محمد، ۳۷	۵۸۲، ۵۸۲، ۵۸۳
شمیہ شوکت، ۲۰	اے۔ ریڈ، ۹۲۵	۶۰۲، ۶۰۳-۶۰۲، ۶۰۹
شمار اللہ، ۶۰	بدر الدین علوی، ۱۲۱	۷۴۷، ۷۴۲، ۷۴۳
جانی، عزیز الرحمن، ۱۸	بدر عالم میرٹھی، ۱۷۰، ۵۳، ۴۴	۷۷۷، ۷۷۷، ۷۷۷
جانبی، طہیر الدین احمد = طہیر الدین احمد	بشیر الدین پٹوٹ، ۳۲۳، ۳۸۳	۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲
جعفر، عبدالرزاق قادری، ۶۳	۸۰۳، ۷۸۳	۸۵۲، ۸۶۰-۸۶۸
جمال مسن شیرازی، سید، ۷۲	بہار الدین، حکیم، ۵۲۳	۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۵
۷۴، ۷۴	بہار الدین صدیقی، ۸۷۰	۸۷۷، ۸۸۵، ۸۸۷
جمال محمد صدیقی، ۸۰۲	بیدار، مہدی رضا بیدار، ۳۲۳، ۳۲۳	۸۸۹، ۸۸۹
جیل واسطی، ۸۰، ۸۲، ۷۴	۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷	اکبر آبادی، سعید احمد (نظارت)
جواو علی، ۸۹	۸۳۵، ۵۲۶، ۸۳۶	۱۶۹، ۱۸۶، ۲۱۳
جوزف شافت، ۷۵	۸۳۷، ۸۳۷	۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۲
جمہور نظامی، ۱۸	بیگم انصار حسین، ۲۰۶	۲۳۶، ۲۵۷-۲۶۳

بها نیک علی خاں امیر ۷۲۷	۸۲۰ / ۸۱۱	زاهدی / مشتاق احمد ۸۱۳
چغتائی = عبداللہ چغتائی	خلیق انجم ۱۱۳	زبید احمد ۷۳۰
ح ۲۶	خواجه احمد فاروقی ۴۲۷، ۳۸۹	سجاد زین الدین ۱۱۳
حاج حسن ملک ۲۹۶	۴۳۰، ۴۳۳، ۴۶۲، ۴۹۷	سجاد میرٹھی، زین العابدین،
حامد علی خاں رام پوری ۵۵۵	خورشید احمد فاروقی = فاروقی ۸۰۲	۱۶۵، ۱۷۵، ۱۸۲
حبيب الرحمن اعظمی ۲۳۲، ۵۱۱	داؤد اکبر اصلاقی ۱۸۰، ۱۰۱	۱۹۸، ۲۶۵
حسن الزماں سید ۹۷	ذوالعزیز ابراہیم ڈار	سید یحیٰی محمد قرقی، مکہ ۱۳۶
حسن شمس ندوی، سید ۴۳۲	ذوالفقار بخاری، سید ۴۱۳، ۴۳۳، ۴۳۴	سجاد مرزا ۱۲۴، ۵۱۲
حسین احمد مدنی ۵۷۸	رحیم دہلوی، محمد ۷۲۲	سید احمد اکبر آبادی، حاکم آبادی
حفظ الرحمن ۲۱، ۲۱، ۱۸، ۸۰، ۲۲	رشید احمد حافظ ۲۳۱	سلیم الدین صدیقی ۵۸۰
۲۳، ۲۳، ۲۶، ۳۲، ۴۲	رشید احمد = ارشد	سلیم، قاکدر محمد ۱۲۰
۸۵، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۷۳	رضا، زیدی جعفر ۳۱۵، ۵۲۸	سیادت امروہوی، سید محمد ۳۵
۱۷۳، ۲۲۷، ۲۹۸	رفیع حسین ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۹	سید محمد اللہ = عبد اللہ
۲۹۹، ۵۶۲، ۵۷۲	رفعت احمد خاں ۳۷۸	سیاب اکبر آبادی ۳۳۵
حفظ الرحمن سید پوری ۲۳۹-۵	رفعت، مبارک الدین ۲۰۲، ۶۱	شانت = جوزف
حق = انوار الحق	۵۰۸، ۱۲، ۱۲، ۱۳، ۷۸، ۷۸	شانتی رحمن جٹا جاتی ۳۱۰
حمید سلطان ۲۹۳، ۳۱۷، ۳۲۰	رفیع انور ۷۷	شیر محمد چغتائی ۶۱۰
۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۳۵۹	رفیق دلاوری، ابوالقاسم	شیر فاطمہ، سید ۷۸۳
خالد کمال مبارک پوری ۳۵۲-۳۸۹	۷۵۱، ۸۷	شروانی ۸۹۳
خالدی = ابو نصر خالدی	رونق اعظمی، عزیز الرحمن ۶۱۷	شکاری، حکیم عبد الباقی ۱۵۷
خالدی، محمد ۷۷	رئیس احمد جعفری ۴۰۸	شفیع احمد بہاری، ابوسلمہ ۷۵۰
خلیق احمد نظامی ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲	زاد الحسنی ۳۷۷	۵۷، ۵۹، ۵۹، ۸۸۱
۷۸، ۷۸، ۷۸، ۷۸	زادہ قیصر رضوی، سید محمد زادہ	شمس قزید ۱۳۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۸۱
		شور سید حسین ۳۷۵
		شہاب، میر محمد خاں ۳۱۳، ۵۰۹
		۵۲۵

عبدالقدیر فشتی، ۵۸۵، ۵۸۴	مابری = امیر حسن مابری	شهبانی، انتظام الشر، ۷۹۱، ۷۹۰
عبدالغفور دریابادی، ۱۸۵	مبارت بریلوی، ۳۹۵، ۳۹۶	۷۹۰، ۸۱۳، ۸۱۳
عبدالغفور ندوی، ۳۷۱	عبدالحمد، قاضی، ۳۳۹	صابری، حبیب الرحمن خاں، ۵۶۵
عبداللہ چغتائی، ۱۰، ۱۱، ۱۲	عبدالحمد نعمانی، ۷۷۳، ۷۷۴	صادم سیمو مابری، قاضی عبدالعزیز
۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵	عبدالرحمن، ۱۹۳، ۲۳۸	صفت اللہ البخاری، سید، ۷۱
۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷	عبدالرحمن خاں، ۲۱، ۲۹۳	صغیر احمد، بی۔ ایس سی (علیگ)
۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹	۳۵۵، ۳۶۱، ۳۵۸	۷۷۸، ۷۷۹
عبداللہ سید، ۳۸۷، ۳۸۸	۵۱۹، ۶۱۲	صفی الدین صدیقی، ۱۳۶
عبدالمجید سید، ۱۰۲، ۱۰۱	عبدالرحمن، شمس الطلا، ۳۳۶	ضیا۔ احمد بدایونی، ۵۶۰
۳۵۱، ۳۴۰	عبدالرزاق کانپوری، ۷۶۶	ضیاء الحسن فاروقی، ۷۹۰
عبدالمالک آروی، ۱۹، ۲۳۵	عبدالرشید نعمانی، ۶۲	ضیاء الدین اصلاحی، ۲۱، ۲۷
۷۷۶، ۷۷۷	عبدالرشید خواجہ، ۲۰۳، ۲۱۵	۷۷۷، ۷۷۸
عبدالمجید دلوی، خواجہ، ۷۹۳	۳۳۶، ۳۳۳، ۳۳۱، ۲۶۷	غنیس احمد منگلوری، ۲۹۷
عبدالودود، قاضی، ۳۳۸	۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱	غنیس عبدالرحمن، ۱۳۸
عبداللہ سندھی، ۳۳۹، ۵۷۹	۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳	طوفان، قدری حافظ، ۳۸۳
عبدالحق بی۔ اے، محمد، ۳۱۰	۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵	طیب، محمد، ۷۹۱، ۷۹۲
عبدالحق الرحمن عثمانی، مفتی، ۷۹۱	۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷	غفر الدین، ۷۹۱، ۷۹۲
۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳	۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹	۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴
۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵	۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱	غفر الدین، محمد، ۷۹۱، ۷۹۲
۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷	۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳	غفر الدین احمد جاسمی، ۳۸۲
۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹	۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵	
عبدالحق فاروقی، محمد، ۷۹۷، ۷۹۸	۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷	
۷۹۸، ۷۹۹	۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹	

عربی، اقتیاضی، ۴۴۱، ۴۱۹	غلام ربانی، ۱۲	تفسیر، نعم اللہ، ۷۸۹
۴۴۸، ۴۳۸، ۴۰۷، ۴۰۵، ۴۰۳، ۴۰۲، ۴۰۱	غلام مرتضیٰ، ۱۳، ۵۹۸، ۸۱۶	فیاض، محمد، ۸۵۹
عنون الرحمن = جاسی	غوث، شاہ فتح محمد، ۱۱۵	قاسم علی سمن لال، ۴۵۱
عقد الدین خاں، محمد، ۶۱۵، ۶۱۶	غوث، محمد، ۱	قدوائی، بشیر حسین، ۱۹۶
عطارا البنی، سید، ۴۷۲	غوری، بشیر احمد خاں، ۱۲۵، ۱۲۴	قطب الدین احمد، ۲۵۰، ۱۰۷، ۱۰۶
عظمت اللہ، ۴۳۳، ۴۳۴	۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۴	۸۲۵، ۱۶۰
عظیم، محمد الدین، ۱۳۴	۳۷۹	قطب الدین احمد، مختیار کاکی، ۱۳۳
عقیل، سید محمد، ۸۹، ۳۶۸	فاروق، نور شید احمد، ۱۵، ۱۶	قطب الدین، سید، ۶۳
۳۷۹	۲۹۱، ۳۵۹، ۵۳۱، ۵۳۵	قید، سنو، سید محمد زام،
طوی، سلسلہ البنی	۵۳۶، ۵۹۱، ۵۹۳	۱۲، ۶۳۲، ۸۳۵
طیم اللہ صدیق، ۵۳۲	۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۱۱	قید، سید محمد حسن، ۱۸۸، ۸۱۳
طی رحمانی، خواجہ محمد، ۱۱۵	۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۸	کرد زویل، ۷۲۷
طی شاہ اسحاق رحمانی بہار پوری	۶۶۹، ۷۷۷، ۷۷۸	کنور حسین، ۵۰۳
محمد، ۱۱، ۱۳۲	۷۷۹، ۷۹۰، ۸۳۵	گب، پردیس، ۲۰۶
طی شاہ، خواجہ محمد، ۲۹، ۳۰	فاروق، محمد، ۱۳۲	گوریکر، نظام الدین، ایس، ۷۷۷
عمر سلیمان، ۳۲۶	فرید برہا پوری، شیخ، ۵۳، ۵۴	گویا، قتادی، ۷۲۱
عمر، محمد، ۸۰۰، ۵	۸۹۲	گیلانی، مناظر حسن، ۱۳، ۳۹
عتائی، رفیع اللہ، ۳۶۱، ۳۶۳	فضل الرحمن، ۳۰۵، ۵۲۸	۸۱، ۱۱۱، ۱۵۵
۳۶۸	فضل الرحمن صوائی، ۱۲۶، ۳۶۹	۱۵۶، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۸۳
عنون احمد، ۵۶۹	۳۹۲	۵۲۹، ۵۵۹، ۵۹۹، ۸۵۳
غازی، حامد الانصاری، ۱۶۶	فضل الرحمن عثمانی، ۵۲۹	لین پول = استلک
۳۷۷، ۷۹۹، ۸۵۱	فضل الرحمن گدڑی، ۹۱	مارتن، ایس برکس، ۱۳۳
غلام احمد چوہدری، ۵۳۳	۶۵، ۳۰	مارس، ہنریس، ۸۳۳
		مجاہد الاسلام، کاکی، ۸۸۲

ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی کی اردو تحریریں شانِ ایرانی

رسالہ جامعہ سے

○ قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت

● ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی

○ مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری

● ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی

حرفِ چند

مورثر بہار ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی جو قبلہ یونین
پبلک سروس کمیشن کے چیرمین تھے اور اس سے قبل
علیگڑھ میں سائنس (کیمسٹری) کے نامور پروفیسر۔ مگر
اس سے بھی قبل ۱۹۳۸ء میں "اخلاق الرحمن صاحب متعلم
جامعہ" اور ۱۹۴۰ء میں "اخلاق الرحمن صاحب قدوائی بی۔ اے
جامعہ" تھے۔

یہ تحریریں اسی زمانے کی یادگار ہیں جب وہ ڈاکٹر
سلیمانزیاں سے سائنس پڑھتے تھے اور ادب اور سائنس
دونوں سے یکساں شغف رکھتے تھے: — عجب

قومیت کی تعمیر میں سائنس کی اہمیت

سائنس نام ہے کائنات کو باضابطہ مطالعہ اور قدرت کی تمام چیزوں کو باقاعدہ علم کا چنا چھنا جس کی مختلف شاخیں عالم وجود کی مختلف اشیاء کا مطالعہ کرتی ہیں۔ اگر طبیعیات میں مختلف قسم کے طبیعی تغیرات اور قوتوں کا مطالعہ کر کے مختلف اصول قائم کئے جاتے ہیں اور انکی مدد سے ششیں تیار کی جاتی ہیں تو کیمیا میں مختلف مادوں کی خاصیتوں کا مطالعہ۔ عناصر اور انکے مرکبات کا تجزیہ اور ان کے اہم تعامل کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور نئے نئے مرکبات تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح علم نباتات کا کام عالم نباتات کا مطالعہ اور علم الاجسام کا مقصد مختلف اجسام اور انکی ساخت سے بحث کرنا ہے۔ غرض کہ سائنس عالم فطرت کے ہر علم پر حاوی اور قدرت رکھتی ہے اور اس کا مقصد ان تمام چیزوں کو جو کائنات میں موجود ہیں، باہیت معلوم کرنا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی انسان قدرت کے پوشیدہ حزاؤں سے ناواقف تھا اور دنیا کی مختلف چیزوں کی باہیت یا دوسرے الفاظ میں سائنس نہ جاننے کی وجہ سے منطس، بیکار اور غیر متقدم تھا لیکن جہل جوں لوگوں کا علم بڑھ گیا۔ اسی طرح وہ زیادہ مرفہ الحال اور مہذب ہوتے گئے حتیٰ کہ آج دنیا میں سائنس کا دور دورہ ہے اور انسان قدرت کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے ترقی کی اس منزل تک پہنچنے میں زمانہ مختلف دوروں سے گھنٹا اور ہر وہ دم جو زمانہ کے مطابق ہوتی وہی دنیا کی سب سے افضل۔ ترقی یافتہ اور مہذب قوم ہوتی تھی۔ اور ان کی یاد دہ دنیا پر تسلیم کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک زمانہ تھا جب قوت اور طاقت کی تمام عالم پر فراعزازی تھی۔ وہ دنیا کی سب سے مہذب اور ترقی یافتہ قومیں تھیں جو جسمانی اور آلات کی قوت کی ایک تھیں لیکن زمانہ نے کدوٹ بدلی اور ترقی کا معیار قوت سے بدل کر علم و مہر اور انسانی صلاحیت ہو گیا چنانچہ اس عہد میں وہ قومیں صاحب اقتدار تھیں جو مختلف فنون اور علوم کی، ملک تھیں انھیں کے اقتدار

ہیٹا کی نام قیادت تھی۔ اس دور میں جرطاً تو تمہیں۔ انکی مطیع اور انکے اقتدار کا ذریعہ بن گئیں۔

زمانہ صرف اسی حالت پر قائم نہ رہا بلکہ اس نے تہذیب کا معیار پھر بدلا اور اس مرتبہ عثمان قیادت ان قوموں کے اُنہیں آئی جو نظرت کے مطالعہ اور قدرت کے علم سے واقف تھیں یعنی جن کی قومیت کی بنیاد مذہب پر تھی وہ دنیا کی سب سے زیادہ مذہب اور ترقی یافتہ قومیں مانی گئیں۔ اور وہ قومیں جسکا سرمایہ صرف طاقت یا ادب تھا انکی غلام اور مطیع ہو گئیں۔

زمانہ کے اس آخری انقلاب نے ایشیا کی قیادت اور تہذیب و تمدن کو ختم کئے یورپ کو اقتدار بخش اور مشرق جو کہ اب تک تہذیب و تمدن کا مرکز اور علوم کا علم بردار تھا۔ مغرب کے آگے جھک گیا۔ ایشیا اپنے قدرتی وسائل دولت یعنی اپنی ویرانہ کی وجہ سے مرتدہ الحال تھا۔ اسی لئے تہذیب کا مرکز بھی تھا۔ اور یورپ اس حیثیت سے مغرب تھا اور قدرتی وسائل دولت کی کمی کی وجہ سے مغفلس اور غیر تمدن تھا۔ لیکن جب اہل یورپ نے سوچا اور سمجھا کہ وہ کیا یعنی سائنس کو انھوں نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا تو انکی دیوان اور بنجر زمینیں کھمبائی کھادوں کی مدد سے سرسبز اور پہلے ہاتے ہوئے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں۔ طوفان اور تاریکی بجلائی جو کل تک بالکل بے مصرف تھے۔ دنیا کی نعمتیں پیدا کرنے لگے انکا ہر تپہ اور شاخ و برگ بھاڑ دولت میں تبدیل ہو گیا۔ اونچائی سے گرنے والے پانی کے دھارے جو کل تک سیلاب اور مصیبت کا باعث تھے آج قدرت کی بہترین نعمت یعنی بجلی جیسی قوت محرکہ پیدا کرنے لگے۔ کھٹے اور لہوے کی کانیں جو کل تک بیکار تھیں ان سے آج دیو قامت مشینیں اور سونے کے مول بننے والے فوڈز بننے لگے۔ غرض کہ یورپ جو ایشیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ مغرب اور بیکار تھا۔ سائنس کی ترقیوں کی بدولت نہ صرف انتہائی زرخیز اور دولت و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ بلکہ طاقت اور علم کی انھیں کے قبضے میں آ گئے اور اہل ایشیا جو اب تک تہذیب اور دولت کے مرکز اور علوم کے حوزہ تھے اور جو اپنے قدرتی وسائل دولت پر قانع ہو چکی وجہ سے سائنس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھانے لگے۔ یورپ کے نہ صرف مطیع اور غلام ہو گئے بلکہ انھوں نے اپنے وسائل دولت کو بھی اپنے ملک کی ترقی کا ذریعہ بنادیا اور خود بالکل مغفلس اور غلام ہو کر رہ گئے۔

کم و بیش یہی حالت ہمارے ہندوستان کی ہے۔ جس نے اپنے قدرتی وسائل دولت پر قائم
 کی تھی اور علوم جدیدہ سے زیادہ فائدہ نہ اٹھایا تھا ایک ترقی یافتہ اور علوم جدیدہ سے فیضیاب ہونے
 والی قوم کا غلام ہو گیا۔ آپ یقین مانتے کہ اگر تہذیب و تمدن اور ترقی کا معیار دیکھا رہا جو کبھی سائنس کی
 ترقی سے قبل تھا اور انگلستان و ہندوستان کی تجارت پر سخت پابندیاں عاید نہ ہوئیں اور اٹھارویں
 صدی کے آخر میں سائنس کی ایجادیں وجود میں نہ آئیں تو یقیناً آج انگلستان، ہندوستان کا کم از کم سماجی
 حیثیت سے ضرور غلام ہوتا۔ لیکن اٹھارویں صدی کے آخر کی ایجادوں یعنی James Watt، Arkwright اور Spinning-jenny کے
 Cromton کی ایجاد اور Powerloom وغیرہ ایجادوں نے صورت ہی بدل دی۔
 نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مال ہندوستان سے بنکر انگلستان جاتا تھا اس سے کہیں زیادہ انگلستان سے بن کر
 ہندوستان آئے لگا۔ آخر ہندوستان کی ٹھہری ہوئی غیر سائنٹیفک صنعت انگلستان کی کثیر پیداوار
 (Mass Production) اور سائنٹیفک صنعت کے سامنے کس طرح چل سکتی تھی۔ بالآخر ہندوستان
 کو انگلستان کی ایجادوں کی وجہ سے غلام بنا پڑا۔ اس کے بعد جس دن اس کے داخلی ٹخن نے توڑا اور
 ہی بدل دیا جس کی وجہ سے انگلستان دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند ملک اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا
 دنیا کا ایک بڑا حصہ خصوصاً ہندوستان اور امریکہ اس کی صنعت کے سامنے خام پیداوار مینا کر لے گئے اور
 خود غرض ہو گئے۔ ہندوستان کی تمام صنعت ایک قفل بدلت میں بائیل فنا ہو گئی۔ اور ہندوستان اور امریکہ
 خام پیداوار کو کڑیوں کے مول انگلستان، جہاں اور ضرورت شکل میں آکر سونے کے مول بن گئے۔ لیکن امریکہ
 نے زمانہ کے گزر کو سمجھ لیا اور اس نے اپنی قومیت کی بنیاد سائنس پر رکھ کر انگلستان سے آڑھ ہوا۔ حالانکہ
 اور آج وہ دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ، مہذب ملک سے اور معاشی لحاظ سے تمام دنیا پر چھا
 ہوا ہے۔

کیا ہندوستان امریکہ کی طرح عروج اور ترقی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ یقیناً کر سکتا ہے۔ اس
 کہ اس کے معاشی حالات امریکہ سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ہندوستان خام اشیاء اور بیٹ کو

پہلے سے ترقی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر تیس سالہ سکیم بنیادوں پر رکھی جائے اور اسکو اصل اصول بنا کر قدرتی دولت کو خاطر خواہ استعمال کیا جائے اور خدمت کے عملیات کی صحیح منصوبہ بندی کی جائے۔ یہ کام کچھ مشکل نہیں بلکہ ہم لوگوں میں دلدادہ اور پیش قدمی۔ آزادی کے لئے سچی لڑائی کی انگ ہو۔ ہمارے سامنے نہ صرف امریکہ بلکہ جاپان کی مثال بھی ہے۔ جس نے تیس سالہ سکیم کو اپنا نصب العین بنا کر انتہائی عروج حاصل کیا ہے۔ جاپان ۱۸۶۸ء سے قبل صرف ایک زراعتی ملک تھا لیکن جاپانیوں نے ترقی کے راز کو سمجھا اور ۱۸۷۸ء سے انھوں نے جدید جہاز شہر دار کی ابتداء میں انھوں نے کپڑے کی صرف پائیس سائنٹفک اصولوں پر قائم کیں۔ اور لوگوں نے علوم تیس کی طرف توجہ کی۔ حکومت نے غیر مالک میں طلباء کیلئے جیسے جنھوں نے اپنی انتہائی کوششوں سے نہ صرف تیس کو سکھا بلکہ مختلف ممالک کے تجارتی راز بھی معلوم کئے اور انکی ایجادوں کو سمجھ کر اپنے ملک میں انھیں چیزوں کو تیار کیا اور اپنے حالات کے مطابق بہت سی نئی نئی چیزیں تیار کیں۔ سامان تیار کرنے کے سستے طریقے نکالے۔ اور ایک قلیل مدت میں انھوں نے ایسی ترقی حاصل کی کہ اسکا شمار آج صنف اول کی قوموں میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہندوستان وڈرہرگ کی مثال کو پیش رو بنائے اور اس سے سبق حاصل کرے تو اس کے لئے ترقی کی راہیں کھلی اور عدوت کی منزل یقینی ہے۔ جرمنی کے اس چھوٹے سے خطے نے جو ہندوستان کی طرح صرف زراعتی ملک تھا۔ ایک ہی نسل کی کوششوں سے اور سائنس کی ایجادوں کی مدد سے ایک بہترین صنعتی ملک میں تبدیل ہو گیا۔ حالانکہ آج سے پچیس برس قبل اس کے لئے اپنی دیہی آبادی کے لئے خوراک اور دروازہ گارمیا کا بھی مشکل خالق نہ اس وقت سے کہیں زیادہ آبادی کا فیصل اور دولت و تہذیب کا مرکز ہے۔

آج جبکہ تیس کی ایجادوں نے ہر فرد اور ہر قوم کے لئے ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔ کیا ہندوستان اس وقت بھی ان سے محروم رہے گا۔ آج جبکہ تیس کی بدولت خبر علاقے سرسبز بناتے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ذریعے نے دولت اگنا شروع کر دی ہے صنعتی پرزوں سے دھلے اور بہترین چیزیں اگر تیس کی مدد سے سونے میں تبدیل نہیں ہو جائیں تو پابندی اور سونے

کے عمل فرخت ضرور ہوئی ہیں۔ اگر تارکول میبی بد صورت اور ذلیل نشے سے تین سو سے زائد ہندو مصنوعات۔ رنگ اور خوشبوؤں کی صورت میں نکالی جاسکتی ہیں تو کیا ہندوستان کے قدرتی وسائل دولت کو تنظیم کر کے کمربا ہوا اقدار اور عروج حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستانی قومیت کی ترقی کے لئے اس وقت اہل امریکہ جیسے ہندو اراحدوں اور اہل جاپان کے سے دلوں اور عمل کی ضرورت ہے۔ آج بھی اگر ہم کو انجی پتی اور کمزوری کا احساس ہو جائے تو ہم نہایت ہی قلیل مدت میں دوسری قوموں کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ہندوستان کی خام پیداوار خود اس قدر زیادہ ہے کہ ابتدائی تمام پیداوار کا معیہ صرف مکان بھی مشکل ہوگا۔ اسی طرح قوت محرکہ اتنی زیادہ ہندوستان میں پیدا کی جاسکتی ہے جو نہ صرف کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ غرضکہ اگر آج بھی ہم صحیح معنوں میں ترقی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیں اور اپنی ترقی کا ذریعہ سانس کو بنا کر اپنے قدرتی وسائل دولت کو ضائع نہ جانے دیں اور نہ کڑیوں اور دھڑلے کے مول ہندوستانی دولت بائیسچیں بلکہ خود ہندوستان اس سے فائدہ اٹھائے اور اپنی ملکی دولت کو ترقی دے تو یقیناً ہم دیکھیں گے کہ ایک قلیل مدت میں ہندوستان بھی امریکہ اور جاپان کی تہذیب و تمدن کا مرکز۔ علوم کا مخزن اور دور جدید کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہونے لگیگا۔ اور آج ہندوستان کو شب و روز کے جن معائب اور نکالیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کل نہ صرف سٹ جائیں گی بلکہ ہماری ترقی کا ذریعہ اور رحمت بن جائیں گی، آج جو سیلاب اور طوفان ہمارے لئے قہر ثابت ہو رہے ہیں کل ہماری بجز زمینوں کو زندہ کرنے اور قوت محرکہ پیدا کرنے کا مرکز بن جائیں گے۔ گرو اخبار اور گرمیوں میں اڑنے والی ریت سے ایسے مسئلے خارج ہو سکتے ہیں جو آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہالیوڈ کے خوشامیاد اداکار ایک جگہ ہمارے تخیل اور کوششوں کے بعد صنعت و حرفت کا مرکز بن سکتے ہیں۔ اور انکی سرٹنے اور گھنے والی لکڑیوں پھلوں اور پھولوں سے قیمتی اشیاء پیدا کی جاسکتی ہیں۔ ہالیوڈ سرسبز و شاداب زمینیں جن کی قوت پیداوار روز بروز گھٹ رہی ہے۔ اور مغرب بجز ہندیوں کی

میں کی کوششوں سے پھر سونا اگلنے لگیں گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں بہت کم ممالک بلکہ غایہ صرف امریکہ ایسا ملک ہے جو ہندوستان سے قدرتی وسائل دولت میں مقابلہ کر سکتا ہے اس لئے اگر ہندوستان سائنس کی مدد سے اپنے تمام زراعتی اور صنعتی وسائل دولت سے خاطر غور فائدہ اٹھائے تو اسکی دولت کا شمار حال اور تہذیب و تمدن کی ترقی کا اندازہ مشکل ہوگا۔

یوں تو دنیا کی کوئی صنعت ہندوستان کے لئے ناممکن نہیں۔ کیونکہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں دنیا کی تقریباً ہر چیز کم و بیش پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ان سب کے ذکر کی غرض اس تصویر سے وقت میں نظر نہیں آتی اس لئے منہ جذبی سطح میں صرف اہم صنعتوں کا جو سائنس کی توجہ اور مدد کی محتاج ہیں نہایت ہی مختصر الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ سوتی کپڑے کی صنعت :- یوں تو آج بھی ہندوستان میں کافی ملیں موجود ہیں لیکن اس صنعت کو سائنسٹک طور پر اور اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لئے بہترین روئی پیدا کرنے کی کپڑے رنگے اور ریلوں کے اندر جہاں تاگا کاٹا جاتا ہے۔ مرطوب فضا اور مناسب حالات پیدا کرنے کے لئے مائنس کی تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔

۲۔ ادنی کپڑے کی صنعت :- ہندوستان میں اون کی صنعت اس قدر ترقی یافتہ نہیں جس قدر ہونا چاہئے۔ اس کے لئے رنگ کاٹنے اور رنگنے کے اچھے مرکبات درکار ہیں جن کو معمولی تجربات کے بعد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ریشم کی صنعت :- ریشم کی صنعت ہندوستان میں بالکل ابتدائی اور پست حالت میں ہے۔ اس کے علاوہ مصنوعی سلک کا ہندوستان میں بالکل رواج نہیں حالانکہ *Cellulose* اور مختلف قسم کے مٹل *Metals* ہندوستان میں بکثرت تیار کئے جاسکتے اور مصنوعی ریشم ملائی کر بہت کافی ترقی دی جاسکتی ہے۔

۴۔ کاغذ کی صنعت :- ہندوستان میں کاغذ سازی کی صنعت کو ترقی دینے کے بہت زیادہ مواقع مل رہے ہیں۔ جھگڑات سے بہترین قسم کی کلوئی۔ بانس۔ گھاس اور بھوسا وغیرہ بکثرت اور

بہت کم قیمت میں حاصل کر کے مختلف کیمیاوی طریقوں سے کاغذ کی بہت اچھی تبدیلی تیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن آجکل صرف معمولی کاغذ کے لئے ٹسیدی ہندوستان میں تیار کی جاتی ہے اور اچانک یورپ کے ٹسیدی سے جتا ہے۔ حالانکہ تھوڑی سی محنت تحقیق اور تجربات کے بعد بہت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

۵۔ رنگ اور رنگ سازی:- ہندوستان میں نیل اور بہت سے رنگ کثیر مقدار میں پیدا ہونے کے باوجود بھی ہر سال کروڑوں روپے کے رنگ باہر سے آتے ہیں۔ اور ہندوستان کے رنگ بالکل غالیع جاتے ہیں۔ چڑا رنگنے کے لئے مختلف قسم کی دھنسیں اور روغن ہندوستان میں بہت ہی اچھے اور سستے تیار کئے جاسکتے ہیں۔

۶۔ سنس کی مطلوبات کی کمی اور بے توجہی کی وجہ سے روزانہ لاکھوں جانوروں کے گوشت، ہڈیاں اور خون بیکر جاتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اشیا کی مصنوعات یورپ سے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے منگائی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کی صنعت بہت ہی آسان اور نفع بخش ہو سکتی ہے۔ بہت آسانی سے رائج کر جاسکتی ہے۔

۷۔ تیل اور مختلف قسم کے چربی ہندوستان میں غیر محدود مقدار میں پیدا ہوتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ پیدا کی جاسکتی ہیں کیونکہ ان سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ تیل کی بنا ہوئی چیزیں ہر سال کروڑوں روپے کی یورپ سے آتی ہیں۔ صابن، موم، تیلی اور پیرافین وغیرہ کی صنعت کے لئے بیکہ مواقع پیش ہیں۔

۸۔ ہندوستان میں بہترین قسم کی شکر تیار کی جاسکتی ہے۔ اور گزشتہ چند سالوں سے اس صنعت کی طرف کافی توجہ کی جا رہی ہے۔ لیکن اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے سنس کا تحقیقات کی سخت ضرورت ہے۔ گنے کے رس سے صرف ۵ فی صدی شکر حاصل کی جاتی ہے اور باقی شکر شیرے کی صورت میں بالکل غالیع جاتی ہے جس کا کوئی مصارف نہیں۔ حالانکہ اس فضول اور بیکار چیز سے نہایت ہی سستا مکمل تیار کیا جاسکتا ہے جو موٹر اور دوسری مشینوں میں

ہرگز برا بھلا نہ سمجھنا کہ کپڑوں کی قیمتی پٹریوں کی بجائے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح سے ہندوستان میں پٹریوں کی کمیابی۔ نہایت ہی سستے اگلے سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن فائدہ حکومت ہند اپنے اغراض و مقاصد کی خاطر اسے تیار کرنے کی اجازت نہ دے۔

۹۔ ہر سال کروڑوں روپے کی اشیائے ہندوستان میں یورپ اور امریکہ سے آتی ہیں تاکہ قیمتی دوائیں خود ہمارے ملک میں تیار کی جا سکتی ہیں۔ اس لئے کہ ان پودوں میں جن سے یہ دوائیں پیدا کی جاتی ہیں۔ بہت کم ایسے ہیں جو ہندوستان میں پیدا نہیں ہو سکتے یا پیدا نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک کے طبعی آب و ہوا بھی قدیم زمانہ کی طرح دھواؤں میں جھڑی بوٹیاں، لکڑیاں اور پتے استعمال کرنے میں بالکل ترقی اور تہذیب و تمدن کے اس دور میں سائنس کی مدد سے دھواؤں کے مفید اجزاء نکال کر استعمال کئے جا سکتے ہیں جو بوٹیوں اور پتوں سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اور اس سے نہ صرف ملکی صنعت کو ترقی ہوگی بلکہ یونانی اور ویدک طب کے علاجی پھر جائیں گے اور ڈاکٹری کے مقابلے میں وہ شے کی بجائے پھر ترقی کرتے گلیں گے۔

۱۰۔ معدنی پیداوار:- ہندوستان معدنی پیداوار کے لحاظ سے بھی کسی دوسرے ملک سے کم نہیں۔ مختلف دھاتیں اور ان کے کثیر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ سوڈیم اور پتاشیم کے مرکبات۔ لیکن، تانبا، لوہا، سیسہ، اسٹرانسیم، بکشیسم، شورو، ٹنگ، گرافٹ، گندھک، جینر، ٹین، ہیرا، ڈاکا، سونا اور کوکڑ وغیرہ ہندوستان میں بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ میگنیز اور بارق غالباً دنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی یہ تمام معدنی پیداوار یا تو ضائع ہو رہی ہے یا ہر جاتی ہے۔ جس سے فائدہ اہل یورپ اٹھاتے ہیں۔ اور انہیں اشیائے رکھریات کہہ دیتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلوں میں آبائی تیار کئے جا سکتے ہیں۔ یورپ سے بن کر ہندوستان آتے ہوئے سفر کے مول کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یورانیئم اور ریڈیم کی کچھ دھاتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان اور یورپ کم قیمت میں جاتے ہیں اور وہ ان سے یورانیئم اور ریڈیم بھی قیمتی اشیاء کا کچھ بھی خریدتے ہیں۔

۱۱۔ ایلو اور گولہ بارود :- ہندوستان میں گندھک، شورہ، پیکرک ایسڈ، پھیسرین اور زائیرک ایسڈ وغیرہ بہت کافی پیدا ہوتے ہیں جن کی مدد سے ہندوستان کی صنعت ایلو سازی کو ترقی دے جا سکتی ہے۔ بہترین قسم کے کارٹوس، گولیاں، بم، توپیں اور دوسری جھٹنے والی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں۔ جن کے بغیر ہندوستان کبھی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اس خود غرض دنیا میں اپنا ٹھکانہ اور اپنے حقوق کی حفاظت کر سکتا ہے۔

۱۲۔ جھگلات کی پیداوار :- ہندوستان کی جنس بہادرت ہالیہ اور کشمیر کے جھگلوں میں خارجہ جاری ہے۔ حالانکہ ان خفاک لوڑنا ریک جھگلات کے ہر ذرے اور ہر ٹکے سے بہترین نعمتیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ بہترین لکڑی جو نہ صرف صنعت میں کام آ سکتی ہیں بلکہ انکو کشید کر کے تنوں، الکوہل، $Acetic\ Acid$ اور $Acetone$ وغیرہ جیسے مفید مخل $Sal\ vents$ تیار کئے جا سکتے ہیں جکی کہ موجودہ صنعت میں بہت ضرورت ہوتی ہے۔ لاکھوں قسم کے پل پل پڑ پڑاتے ہیں اور انھیں جھگلات میں سڑا رکھ جاتے ہیں حالانکہ ان کو آسانی سے محفوظ کیا جا سکتا ہے اور ان سے مختلف قسم کے وہ تیزاب حاصل کئے جا سکتے ہیں جو لاکھوں دوسرے خرق کر کے یورپ سے منگائے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں کتنے پھول روزانہ کھلتے اور بیکار جاتے ہیں ان کی ساری خوشبو وہ تمام رنگ خاک میں مل جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جھگلات کی پیداوار سو گوند، پیرا فین اور لاکھ و فیرا بھی کثیر مقدار میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ زراعت :- ہندوستانی زراعت غالباً سب سے زیادہ تناس کی مدد کی محتاج ہے اسکی سرسبز کھیتوں اور سونا اگنے والی زمینوں کی قوت پیداوار روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اور اگر یہ رفتار تیز نہ کی رہی تو ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد شمالی ہند کی سرسبز وادیاں ہمارے غلامانہ اور علوم تناس کی کمی کی وجہ سے بخر اور ویران علاقوں میں تبدیل ہو جائیں۔ ان زمینوں کی مائل اگر تحقیق جستجو کی جائے تو مختلف کیما دی کھادوں کے ذریعہ انکی قوت پیداوار میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ زراعت کے سلسلہ میں چھوٹی اشیا حاصل ہوتی ہیں انکا بہترین استعمال

جانتا ہے۔ اور ہندوستان کے حالات اور زمینوں کے مطابق زراعت کے نئے نئے طریقے دریافت کئے جاسکتے ہیں جن سے ہمارے کھیتوں کی پیداوار امریکہ اور روس کی طرح کئی گنی بڑھ سکتی ہے۔ اور زراعت میں بہت سی سہولتیں بھی پیدا کی جاسکتی ہیں۔

۴۔ بجلی کی قوت :- ہندوستان میں قوت محرکہ کے پیدا کرنے کے لئے ٹکڑی اور کونے کی کوئی کمی نہیں اس کے علاوہ سینکڑوں آبشار ہیں جن سے ۴ لاکھ اسپیکھالت سے بھی زیادہ بجلی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان سے صرف ایک لاکھ اسپیکھالت کی بجلی حاصل کی جاتی ہے اور قدرت کی یہ نعمت بالکل بیکار اور ضائع ہو رہی ہے۔

۱۵۔ ہر سال ہندوستان کے لاکھوں غریب اور غس کسان۔ دریاؤں کے سیلاب، ٹو، دھوپ، ند، اذیمبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انکی گاڑھی کھائی اور جان سے زیادہ عزیز کھیتیاں موسم کی بددلیلیں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ طوفان اور سیلاب کی ان آفتوں سے کسان کی مختلف تجربہ گاہیں اور موسم وغیرہ کا مطالعہ کرنے والے شعبے قائم کر کے پہلے سے بچنے کی تدابیر اور ان سے تحفظ کا مناسب انتظام کیا جاسکتا ہے جیسا کہ آج امریکہ اور دوسرے مالک کسان کی ان خدمات سے فائدہ اٹھا کر پہنے جان والی کی حفاظت کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا صنعتوں کا حال آپ لوگوں نے سنا اور سننے سے زیادہ انکی ابتری کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا۔ اسی صنعتی پستی اور علم کسان سے فائدہ نہ اٹھانے کی ذمہ داری تمام تر گورنٹ پر ہے۔ لیکن فوجداری سے شکوہ کیا۔ ہم کو انہوں سے شکایت کرنا چاہئے جنہوں نے کسان کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اب تک اس کو ناقابل التفات سمجھتے رہے۔ لیکن جن لوگوں نے کسان کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہ زیادہ شکایت ہے اس لئے کہ انہوں نے ایک مفید علم حاصل کرنے کے باوجود اس سے لکھ کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ انہوں نے کسان کی تعلیم کو محض تفریح اور ڈگری حاصل کرنے کا مقصد بنایا تھا جس وقت علم سے جس کے مطالعے اور جس کے تجربات میں انہوں نے اپنا بہترین وقت صرف کیا۔ صرف اتنا فائدہ اٹھایا کہ آج سرکاری دفاتر میں کلرک اور محرموں کے اعلیٰ اور قابل قدر اہلیں انجمن

وے رہے ہیں ! اسکے علاوہ ہندوستانی کے نام نہاد ناجی ریسرچ اسٹیٹوٹ سب سے ذیلہ قابل مذمت ہیں جو ہندوستان کی کوئی قابل قدر خدمت انجام نہیں دے رہے ہیں اور جن کے ہوا پتہ ہندوستان کے لئے گراں اور جن کا وجود معترناہت ہو رہا ہے۔

غرض کہ ہندوستان کی قدرتی پیداوار اور انکی ناقدری کی داستان بہت طویل ہے جس کے ذکر کے لئے دفا ترور کار میں۔ اب انکار و نارو نے اور افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں رہا وقت اس امر کی ضرورت ہے کہ اپنے ترقی کے جذبے اور قوت عمل سے کام لیں اور دنیا پر اچھی حیثیت اور اہمیت بنادیں۔ بہکو چاہئے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر کو علوم و تناس کی مستحکم بنیادوں پر اٹھائیں اور جس طرح دنیا کی دوسری قوموں نے ان سے فائدہ اٹھا کر عروج حاصل کیا ہے انہیں کی طرح ہم بھی ترقی کی راہ میں گامزن ہو جائیں۔ اور اپنے مقصد کے حصول میں ہر ممکن کوشش صرف کریں۔

(جامعہ، اگست ۱۹۳۸ء)

«اخلاق الرحمن صاحب قدوائی» پٹی۔ لے۔ جامد

مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری

«اخلاق الرحمن صاحب قدوائی نے ایک طویل مقالہ اردو ادب میں تنقید نگاری اور مولانا عبدالحق کے مزاں سے ترتیب دیا تھا یہ مضمون اسی طویل مقالے کا دوسرا جزو ہے» (ہیرما)

مولانا عبدالحق جس متعدی، انہماک اور فلسفے سے اردو زبان و ادب کی خدمت کر رہے ہیں اس کی مثال ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو زبان و ادب کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا ہے۔ اردو کی خدمت کا جذبہ ان کے دل و دماغ میں اس قدر رچ گیا ہے کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اسی کی خدمت کے لئے زندہ ہیں اور یہی ان کا اور سنا بچہ و ناسہ۔ ورنہ اس پیری کے زمانے میں جبکہ لوگ عرف عبادت الہی میں مشغول ہو جاتے ہیں کوئی وجہ تھی کہ سر تپا جوش اور قوت عمل کا مجسمہ ہوتے ہی تو یہ ہے کہ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اسی طرح ان کو اپنے اس مشوق مجازی (اردو) سے بھی محبت بڑھتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ان کی علمی و ملی سرگرمیوں میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مولانا اگر ایک طرف زبان و ادب میں اصلاح اور اس کے ذخیرے میں اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی تنقیدی و تحقیقی تحریروں سے اس کی خدمت کر رہے ہیں تو دوسری طرف مخالفین اردو سے بھی نبرہ آزمایں جو اردو کی جگہ ہندی کو ہندوستان کی مشترک زبان بنانا چاہتے ہیں۔ جہاں اردو کی بقا و تحفظ کے لئے مخالفین کو منہ توڑ جواب دے رہے ہیں وہاں اردو کے تمام خدمت گاروں کی فوج منظم کر لے کے لئے ہندوستان بیسے وسیع ملک کے چھپ چھپ کی ناک چھان رہے ہیں اور اپنی سلسل اور آہٹک کو مشغول سے تمام ملک کا اردو زبان کے مسئلہ میں اتحاد و ہم آواز کرنے میں مشغول ہیں۔ چنانچہ ان کی ٹنگ دو دو اور گری کو دیکھ کر سرورجنی ناپیدو لے کھاتا۔

«مولوی عبدالحق کی کوشش ہے کہ تمام دنیا کی زبان اردو ہو جائے»

بظاہر یہ بالکل سچ ہے لیکن ہندوستان کی مددگ اس میں حقیقت کی جھلک ضرور موجود ہے اور شاید اسی لئے یہ شعور قوی ہے کہ اردو اور ہندو جلد ہی مترادف الفاظ ہیں۔

جہاں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے مولانا کے یہ علمی دینی کارنامے ہماری تاریخ ادب میں غیر خانی قدر و منزلت کے تھے ہیں وہاں مولانا کی وہادوی خدمت بھی جو انہوں نے اس کے مسیار ادب کو بلند کرنے اور اسے زمانے کی دستبرد سے بچانے کے لئے انجام دیں ہمیشہ ہمارے رہنمائی ہیں۔

مولانا جلد ہی نے اعلیٰ تنقید نگاری میں اس لئے قدم نہیں رکھا تھا کہ وہ ایک دین اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے بلکہ ان کی دور میں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس وقت اردو زبان کو سب سے زیادہ تنقید کی ضرورت ہے۔ عاکلی و فلی نے جس کی داغ بیل ڈالی تھی اسے تکمیل تک پہنچانے کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس بارگراں اور ڈیل ترین فرض کو اپنے ذمہ لیا۔ مولانا کی احساس طبیعت نے جب محسوس کیا کہ ہماری زبان و ادب کے موجودہ دور ارتقا میں گرو و پیش کے رجحانات اور زبان کے تخلیقی امکانات سے متاثر ہو کر اہل قلم اہل خیال کے لئے نئی نئی راہیں تلاش کر رہے ہیں اور ادب اردو کو طرح طرح کے افکار و خیالات سے مالا مال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انہوں نے ضروری تھا کہ ایسی حالتیں رطب دیاں جن و قبح اہل نقل میں اتیا کر کے لئے تنقیدہ اور ذمہ دارانہ تنقید کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے ادیب اس دشوار گزار منزل میں صحیح راہ چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیں اور سطحی چیزوں کو قابل قدر چیزوں پر ترجیح نہ دینے لگیں۔ مولانا نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس وقت جبکہ زبان و ادب کی ترقی کے لئے تمام قوتوں اور قوتوں اور تمام صوبوں کی متحدہ کوشش اور ان کے اتحاد و یکجا گنت کی ضرورت ہے کہیں بے جا اختلافات نہ پیدا ہو جائیں اور ہمارے ادب کی ترقی کا یہ بہترین موقع ان کے بھینٹ نہ چلے جاکے۔ انہوں نے ہمارے ادب کو بالکل صحیح محاکمہ تنقید نگاری ہی اردو ادب کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے چنانچہ مولانا نے اپنی جولانی طبع کو اسی میدان کے لئے مخصوص کر لیا۔ ہمارے اس خیال کی تائید بالواسطہ طور پر مولانا جلد ہی خود اپنے انڈین اور ٹیل کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اس طرح کرتے ہیں۔

تہذیب کی ابتدا مولوی مالی نے کی اور اب اس فن پر متحدہ کلمے دے پھا ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔
 حال کے انقلابات اور تغیرات سے ہمارا ادب بھی متاثر ہوا ہے اور اس میں طرح طرح کی
 جدتیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے مانچنے کے لئے پہلے اصول کام میں آ سکتے ان ہی چیزوں
 کے پرکھنے کے لئے ہیں نئے اصولوں سے کام لینا پڑے گا۔

(خطبات عبدالحق صفحہ ۴۱)

حق تو یہ ہے کہ اس دور تغیر و تبدل اور ادب اردو کی ترقی کے اس نازک دقت میں مولانا کی
 تنقیدوں نے ان تمام خطرات کے مقابلہ میں سپر کا کام دیا اور ہماری زبان کو دست برد سے بچا کر ترقی کی
 صیح راہ پر گامزن کر دیا۔ علاوہ ازیں مولانا کی تنقیدوں نے جہاں ہمارے ادبی معیار کو بلند کرنے میں مدد
 دی وہاں وہ مولانا جیسی قابل شخصیت اور پختہ کار صاحب قلم کے ہاتھ میں اگر تہذیب ہمارے ادب کی جان اور
 اس کی ایک اعلیٰ صفت ہو گئی اور مولانا عبدالحق اس اقلیم کے بلا شرکت غیرے مشہنہ شاہ ہو گئے۔ ایسے
 نازک وقت میں یہ رہبری ضرورتاً بخیر حیثیت اختیار کر لے گی۔

مولانا کی ادبی اور تہذیبی زندگی کی ابتدا مولانا عبدالحق علی گڑھ کالج کے ان ہونہار فرزندوں میں سے ہیں جن
 پر یہ ادارہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ اگرچہ بی۔ اے میں آپ کے مضامین میں فلسفہ اور تاریخ تھے لیکن اردو
 زبان و ادب سے آپ کو ابتدا ہی کو ذوق تھا چنانچہ آپ چھٹیوں میں گھر جانے کے بجائے سرسید
 کے ساتھ علمی اور ادبی مشاغل میں مصروف رہتے تھے جب مولانا مالی علی گڑھ تشریف لائے تو ان سے
 بھی پوری طرح استفادہ حاصل کیا اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آپ کے دل میں اردو زبان و ادب کی
 خدمت کا شوق سرسید نے پیدا کیا اور تجلیت و تحسین اور تنقید نگاری کا وہ جذبہ جس نے مولانا کو اس مروج
 و کمال تک پہنچایا مالی کی مجلس کو مشغول کا نتیجہ ہے۔ اس بیان کی تائید مولانا مالی کے خط سے ہوتی
 ہے جس میں انھوں نے مولانا عبدالحق کے اس ارادے پر مسرت ظاہر کی تھی جب انھوں نے ایک
 خط میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ جدید اردو لٹریچر کے ناموران پر تنقید لکھنا چاہتے ہیں چنانچہ مولانا مالی لکھنؤ
 ”اس پر ضرور لکھئے کہ اردو لٹریچر میں درحقیقت اب تک کوئی نمونہ پورچین کو نہیں کامروا نہیں۔“
 (مکتب مالک صفحہ ۴۲)

اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں مآلی اور سرسید کی خدمات اردو کے سلسلے میں اس عظیم الشان کارنامے کو بھی شامل کرنا پڑے گا کہ انہوں نے مولانا جلیل حق جیسا اردو کا محسن ادیب اور نقاد پیدا کیا۔

ہمارے خیال محض قیاس آرائی پر نہیں بلکہ واقعات پر مبنی ہے چنانچہ دورانِ تعلیم میں مولانا کے جذبہ خدمت میں ڈوبے ہوئے مضامین اور زبان و ادب کی ترقی کے متعلق ”تہذیب الاخلاق“ اور ”علیگز“ میگزین میں شائع ہوتے رہے۔ پھر مفتاح میں جبکہ آپ ابھی طالب علم ہی تھے صرف پن پکی کے کتب خانہ کی تلاش میں ملی لکڑ سے اور نگ آباد تک کا سفر کیا۔ علاوہ ازیں مولانا کا مذاق ان کے خیالات اور اسلوب بیان پر مولانا مآلی کا اثر اور مآلی سے ان کی غیر معمولی حقیقت و نیا زندگی جو ان کے تمام مضامین میں نمایاں اور متناصبے ہمارے خیال کے تین ثبوت واضح شواہد ہیں۔

۱۸۹۷ء میں جب مولانا نے بی۔ اے کی سند حاصل کی تو اورنگ آباد میں انسپکٹر آف اسکولز مقرر ہوئے۔ ایک تو آپ کا ذوق علمی اور پھر حیدر آباد کی پرسکون اور ملی فضا ان دنوں نے آپ کو اپنے ان ارادوں اور منصوبوں کو جن کا اخبار ”سب علی“ کے زمانہ میں کرتے تھے اور جن کا مدد و بیان مآلی اور سرسید کے اثر سے کیا تھا سب علی جابر پینا نے کا موقع ملا۔ مولانا نے ملازمت کے دو سال بعد ہی ۱۸۹۹ء میں رسالہ ”آفر“ جاری کیا۔ اسی سے آپ کی تنقید نگاری کی ابتدا ہوتی ہے اس رسالے کے جہاں اور بہت سے ادبی مقاصد تھے اور ان پر ملک کے بلند پایہ ادیب خامہ فرسائی کرتے تھے وہاں اس کا ایک اہم مقصد تنقید نگاری بھی تھا جسے خود مولانا لکھتے تھے چنانچہ شیخ چاند مرحوم لکھتے ہیں:-

”اردو چونکہ اس وقت قہر کمائیوں کی سرمد سے بھل کر ملی میدان میں قدم رکھ رہی تھی اس لئے اس کی دیکھ بھال اور رہنمائی کے لئے تنقید بھی رسالہ ”آفر“ کا مقصد قرار دیا گیا اور غالباً یہ پہلا اردو رسالہ ہے جس نے کلاموں پر تنقید کرنے کو اپنا فرض قرار دیا۔“

(رسالہ نورس، علیہ حق نمبر)

سربانچ سال تک اردو زبان و ادب کی خدمت اور تنقیدی کام انجام دیتا رہا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔ سووی صاحب صرف شوق علمی اور مطالعہ کتب کے لئے زندہ ہیں اور ہم اس لئے آپ نے

افسر کے ہند ہونے بعد بھی علی اور ادلی شامل کو جاری رکھا۔ اس زمانے میں اردو زبان کے بہت سے نایاب نئے معجم لکے اور ادب کے قدیم ترین ماخذوں کی تلاش و جستجو میں مصروف ہو گئے انہیں نہایت ہی محنت اور جانکاحی سے معجم کرتے اسی کے ساتھ مترجم بھی لکھتے تھے جن میں سے بعض نہایت ہی مبسوط اور طویل ہیں متعدد سے درحقیقت کتاب اور مصنف پر بہترین تنقید ہوتے تھے مولانا کے مقدموں کی اہمیت اسی وجہ سے زیادہ ہے ورنہ اردو زبان میں مقدمہ نگاری قدیم اور عام ہے کبھی کبھی کتاب کے آخر میں قدیم الفاظ کی فرہنگ بھی تیار کر کے شامل کرتے تھے غرض کہ آپ کے یہ ادبی کارنامے جو ایک طرف بہت ہی تحقیقی اور علمی ہوتے تھے تو دوسری طرف آپ کی تنقیدیں انہیں چارچاند لگا دیتی تھیں جس سے نہ صرف ان کی قدر و منزلت بڑھ جاتی تھی بلکہ ادب کا میار بھی ان تنقیدوں کی بدولت بلند ہو رہا تھا۔

اس وقت جبکہ ہمارے ادیب ہا کسی منزل مقصود کے پہنچ رہے تھے اور ہا کسی متعدد نہایت کے اپنی تحقیقی قوتوں کو بیکار اور کومکملی شاعری بے ربط اور بے مقصد ترنگاری میں ضائع کر رہے تھے۔ ان کی توجہ مولانا کے اچھوتے اور بلند پایہ کام کی طرف ہوئی اور نہایت قوم نے سلاسل میں آپ کی تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں میں اپنی زبان اور ادب کی صحیح ترقی کا راز مضمر سمجھ کر انجمن ترقی اردو کو جو کہ آل انڈیا مٹرن ایکویشنل کانفرنس کا ایک عمومی شعبہ تھی مولانا کے سپرد کر دیا۔ اس کے تعلق شیخ چاند مہوم لکھتے ہیں:- مولوی صاحب کا۔

”ذرائع تعلیم سے لے کر ۱۹۱۲ء تک جو زمانہ گزر رہا ہے اس میں آپ نے نہایت بلند پایہ مضامین لکھے۔ اعلیٰ درجہ کی کتابوں پر نہایت ناقدانہ اور مبرمانہ مضامین لکھے۔ اردو ادب میں مغربی طرز کا تنقیدی عنصر داخل کرنے کی کوشش کی اور چند ہی دنوں میں اپنی خصوصیت تنقیدی قابلیت، ادبی ذوق اور علمی شغف سے قدیم و جدید طرز کے مالموں اور جوبوں اور انشاء پر دانوں کو قائل کر دیا اور بہت جلد شہرت اور ناموری حاصل کر لی اور غالباً اسی وجہ ہے کہ آپ ۱۹۱۳ء میں انجمن ترقی اردو کے اعزازی ممبر منتخب ہو گئے۔“

ارسالہ فورس۔ جلد پنی نمبر

حق تو یہ ہے کہ مولانا عبدالحق کی ادبی زندگی کا مطالعہ زبان و ادب کی ترقی اور ثقافت کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کا ایک بین ثبوت اور روشن دلیل ہے۔ نقاد کی حیثیت سے آپ نے اپنی شخصیت اور مرتبہ کو جس طرح دوسروں کی نظروں میں بلند کیا۔ زبان میں جس طرح ترقی کی اور اس کے ادب میں جو اضافہ کیا اور اس کے معیار کو مقناہی کیا۔ یہ سب ایسی کامیابیاں ہیں جو ایک ناقد کو ادیب سے ممتاز کرتی ہیں۔ انہیں صلاحیتوں کی بنا پر زبان و ادب کو ترقی دینے کا مہم اٹھان بیڑا آپ نے اٹھا۔ اگر ایک طرف انہیں ترقی اور دو کے ذریعہ اردو زبان کو منظم طریقے پر ترقی دینے کی کوشش کی تو دوسری طرف دارالترجمہ حیدرآباد کے ناظم کی حیثیت سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ نقاد زبان کی استعداد ادب کی وسعت اور جدید خیالات پھیلانے کی خدمت بھی کس طرح انجام دے سکتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اردو زبان کی ترقی میں مولانا عبدالحق اور انہیں ترقی اور دو نے جو کوششیں کیں انہیں جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے تمام کام مولوی صاحب کی سرگرمی کا نتیجہ ہیں اور اس کی موجودہ ترقی ان کی مسلسل اور انتہک کوششوں کی رہین منت ہے۔

اردو زبان کے تنقیدی کارناموں میں انہیں ترقی اردو کے ترجمان رسالہ "اردو" کو بھی مولانا کی طرح غیر زانی شہرت حاصل ہے۔ مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ صرف نئی کتابیں اور ان کے ساتھ مقدمے شائع کر دینے سے تنقید نگاری کا پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ بلکہ ہماری زبان میں جس قدر بھی کتابیں شائع ہوں ان کو بھی ادب کا معیار بلند کرنے کے لئے تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ اور زبان کی اصلاح اور معیار مقرر کرنے کے لئے ایک ایسے ادبی رسالہ کی ضرورت ہے جو صرف اردو ادب کے متعلق ہو اور جس کا مقصد تنقیدی یعنی زبان و ادب کی خوبیوں کا معیار تمام کرنا اور اس معیار پر پرانے اور نئے کھنے واہوں کی کتابوں کو پرکھنا ہو چنانچہ اردو کے پہلے پرچہ جنوری ۱۹۳۷ء میں آناز کے عنوان کے تحت مولانا لکھے ہیں :-

”تنقید جو ادب کی جان اور ذوقِ سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے ہاں ابتدائی مرحلے میں ہے اسے صحیح رنگ میں دکھانا بہت بڑا فرض ہے اس کے بغیر ادب کی

خدمت ادا ہوئی ممکن نہیں۔»

مولانا نے اردو کے ذریعہ اب اپنے میدان تنقید کو بہت وسیع کر لیا ہے اور قلم اردو پر چلا گئے ہیں۔ اس رسالہ میں مولوی صاحب نے اردو زبان کی جدید مطبوعات پر تبصرے لکھنا شروع کئے جس سے اردو کتابوں کا میاں بہت بلند ہو گیا۔ اور صنف تنقید کو بھی صحیح رنگ میں دکھا کر کمال عروض و محکم پہنچا دیا۔ چنانچہ شیخ چاند مرحوم رسالہ اردو کی تنقید نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:-

«افر کے مقاصد میں تنقید بھی ایک مقصد تھا۔ مولوی صاحب کا وہ قدیم خیال اور پختہ ہو گیا اور اردو میں اس کے لئے ایک حصہ وقت کر دیا ہے۔ اس سے قبل اردو زبان میں تنقید کا عنصر اس قدر کمزور تھا کہ وہ کسی شمارا و کسی لحاظ کے لائق نہیں۔ اردو نے اس خصوص میں بڑی قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں آئندہ تنقیدی ترقی اس کی ممنون رہے گی۔» (نورس، جلد ثانی نمبر ص ۳۳۳)

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ رسالہ اردو کی تنقید میں زیادہ تر مولانا عبدالحق صاحب کے قلم کا نتیجہ ہوتی تھی اس لئے مذکورہ بالا بیان میں اردو کی تنقید نگاری کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ فی الحقیقت مولوی صاحب کی تنقیدوں کے متعلق ہے۔ ڈاکٹر سید ماجد حسین صاحب فرماتے ہیں:-

«رسالہ اردو کے تنقیدی مضامین اس قدر بہترین ہیں کہ اردو زبان کی دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال ملنی محال ہے۔ ان مضامین کے علاوہ رسالے نے تنقید و معبر کا ایک نئے باب کھولا ہے جس میں نئی کتابوں اور رسالوں پر اور کبھی کبھی علمی انجمنوں کے جلسوں اور ملی اداروں پر ملاحظہ اور محققانہ تنقید کی باقی ہے۔ نو سال کے عرصے میں اکثر تبصرے ایسے نکلے ہیں جو بجائے خود ادبی نکات اور معلومات کے مخزن ہیں۔»

ان میں سے زیادہ تر عبدالحق صاحب اور کتر دوسرے نقادوں کے لکھے ہوئے ہیں مولوی صاحب کا کمال یہ ہے کہ تنقید کے اعلیٰ اور پاکیزہ میاں کو بھی قائم رکھتے ہیں

علیہ یہ مضمون لکھنے میں شائع ہوا تھا۔

اور بندیوں اور زنجیروں کی بہت افزائی میں بھی دریغ نہیں کرتے موصوف کی تبصرہ
 بھاری پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ ان کی تنقید دہانے
 ملک میں یہ مقبولیت اور وقعت حاصل کی ہے کہ لوگ انہیں مولاناؤں کی طرح شوق
 سے پڑھتے ہیں اور شرعی عدالت کے فیصلہ کی طرح ادب سے تسلیم کرتے ہیں۔“

(نورس جلد ہفتم نمبر ۱۲)

اگرچہ اب اردو زبان و ادب کی آرتی کے سلسلے میں مولانا کے مثل شامل ہیں روز افزوں اضافہ
 ہو رہا ہے اور ان کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جاتا ہے لیکن اب بھی مولانا تنقید کو ادب کی جان اور
 ذوقِ سلیم کی روح رواں سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر تنقید کو صحیح رنگ میں نہ دکھایا گیا تب بے راہروی
 سے بچنا مشکل ہو گا۔ اس لئے اگر ایک طرف وہ اردو کی بقا و قیام کے لئے ہندی کے دعویداروں
 سے دستِ درگزیان ہیں اور اس کو ملک کے طول و عرض میں پھیلانے کے لئے شب و روز نہ سناڑ
 میں بٹھتے ہیں تو دوسری طرف اس کے باوجود اب بھی آپ کی زندگی کا اہم ترین مقصد تنقید نگاری ہے جس
 کے ذریعہ آپ اردو زبان کی استعداد اور خیالات میں وسعت پیدا کر رہے ہیں اور اس کے معیار کو روز
 بروز بلند کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر یہ لکھا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ تنقید نگاری آپ کی زندگی کا ہر
 اور ایمان جو گئی ہے جس سے آپ کبھی ہدائیں ہو سکتے۔

مولانا عبدالحق کے تنقیدی کارنامے | قبل اس کے کہ مولانا عبدالحق کی تنقید نگاری کی خوبیوں سے بحث
 کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کارناموں کا ایک مختصر سا جائزہ لے لیا جائے تاکہ ان کی
 تنقیدات کی نوعیت اور ان کی قسموں سے واقفیت ہو جائے۔

مولانا عبدالحق کے ادبی شامل کا بڑا حصہ تحقیق و تجسس اور تنقید نگاری میں گذر رہا ہے۔ اسی لئے
 آپ کی تقریباً تمام ادبی خدمات تاریخ و تنقید اور نقد و نظر پر مشتمل ہیں۔ یہ آپ کا بہت بڑا کمال ہے کہ
 ابتدا میں جن فرائض کو اپنے ذمے لیا تھا ان کے علاوہ کسی دوسری چیز کے لئے تلمذ نہیں اٹھایا۔ اس
 سے جان آپ کو اپنے مقرر کردہ مقصد سے بچا لگاؤ اور جذبہ خدمت میں غلوں میں ثابت ہوتا ہے

وہاں مولوی، دولہا و نچرتگی، ارادہ کا بھی ثبوت ملتا ہے مولوی صاحب نے اپنی چالیس سالہ ادبی و علمی زندگی میں منکر ادیب اور صاحب قلم ہوتے ہوئے بھی ان تمام ارادوں، حوصلوں اور محرکات کو جو انسانی طبیعت کو شاعر و دانشور بنائیں، انہیں نگار و مصنف بننے کے لئے اکٹاتے ہیں دل و دماغ میں بالکل جگہ نہ دی یا یہاں ہی شکل کا م ہے جیسے نفس کشی جو ہر شخص کے لئے ممکن نہیں نفس کشی صرف وہی شخصیتیں کر سکتی ہیں جو کسی سچے نصب العین کے لئے اپنی زندگی کو تہ تیغ دیں اور ان کا رہنا، سنا اور مرنا، جیسا سب اسی بلند مقصد کے لئے ہو چنانچہ مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ملی کارناموں اور تحریروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے جس کا ہر صفحہ اور ہر ورق اپنے مقرر کردہ جادو راہ سے الگ نہیں۔ اس کا ہر لفظ و ہر جملہ تحقیق و تفتیش اور مسح تنقید کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔

مولانا کے ادبی کارناموں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ تصانیف، مضامین اور مقالے خطبات تنقیدات اور مقدموں پر مشتمل نظر آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا مفصل ذکر حسب ذیل ہے۔
(۱) تصانیف: حضرت و نخواستہ روداد و تقوا مدارود، مولانا عبدالحق کی دو اہم تصانیف ہیں جن کا بظاہر مولانا کی تنقید نگاری سے کوئی تعلق نہیں لیکن ان کی نوعیت پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان تصانیف کے پیش نظر بھی اصول تنقید تھے اور مولانا نے وسیع النظرا ادیب اور بلند پایہ نقاد کی حیثیت سے ان تصانیف میں کمال پیدا کر دیا ہے۔ صرف و نخواستہ روداد و تقوا مدارود کے مسائل پر یہ کتابیں مسلم الثبوت ہیں۔ مولانا نے ایک نقاد کی حیثیت سے ضروری سمجھا کہ جس زبان کی اصلاح کی جائے اور جس پر تنقید کی جائے اس کے متعلق مسلمہ اصول بھی ہونے چاہئیں اسی لئے آپ نے برہمی محنت اور جانکاہی سے ان کتابوں کی تصنیف کے فرائض انجام دیئے۔

(۲) مضامین: مولانا کی تصانیف کو چھوڑ کر ان کے تمام مضامین خواہ وہ سیرت سے متعلق ہوں یا تاریخ سے وہ کسی منظرہ تنقید کی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس لئے مولانا کے علمی اور ادبی مضامین کو ان کے تنقیدی کارناموں سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان تنقیدیوں

کا تعلق اگر کچھ کسی کتاب سے نہیں ہوتا مگر وہ لوگوں کی سیرت ان کے کلام اور ان کے کارناموں پر ایک ناقدانہ بحث ہوتی ہے۔ آپ کے بہترین مضامین کا مجموعہ چند ہجرت کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں زیادہ تر ان شاعروں، ادیبوں اور قوی لیڈروں کے حالات ہیں جو آپ کے ہمعصر تھے اور ان میں سے اکثر سے آپ کا قلمی اور جگری تعلق تھا۔ اس کے مطالعہ سے مولانا کی سماجی اور قدرت بیان پورا پورا ثبوت ملتا ہے اور چوہدری کی مشہور کتاب (my contemporary) یاد آ جاتی ہے اس کتاب چند ہجرتی مضامین کی تعداد کل چوڑھ ہے جن میں سے خاص خاص مولوی چغان علی، مولوی محمد رفیع مرزا، سید علی گلرانی، حسن الملک، مولانا محمد علی، اور مولانا حالی ہیں اور ان سب میں گزشتہ سیرت کا لعل نور خاں ہے جو کہ غوثی زبان اور جوہر قلم کے اعتبار سے بہت ہی لاجواب ہے۔ بعینہ تمام مضامین جاں ان بزرگ ہستیوں کا صحیح ترین خاکہ ہیں ہاں ان میں ان کے ادبی کارناموں کا کلام اور زبان پر بھی تنقید کی گئی ہے اور اس لحاظ سے آپ کے مضامین دوسری سیرتوں سے جو کہ ان بزرگ ہستیوں کے متعلق تھے، گئے ہیں بہت ہی بلند پایہ اور مسلم الثبوت ہیں۔

اب مقالے اور آپ کے علمی مقالے بھی متعلق تعنیفات ہیں جو کہ تحقیقی اور تنقیدی لحاظ سے مستطابان ہیں اس حیثیت سے یہ مقالے اردو ادب میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان مقالوں میں آپ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ انتہائی صحیح اور مسلم ہیں۔

اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام لکھ کر آپ نے ہماری تاریخ ادب کی ایک گمشدہ کڑی کا پتہ چلا ہے دوسرا اہم مقالہ جو تحقیق و تنقید کے لحاظ سے بہت اہم ہے، موٹلی زبان پر فارسی کا اثر کے نام سے شائع ہوا ہے یہ وسعت نظر اور عالمانہ تنقید کا بہترین نمونہ ہے۔

مجموع دہلی کا قلم بھی آپ کی نمائندگی ہی مرکزہ آراء مقالہ ہے جس میں مولانا نے اس کالج کی اردو زبان و ادب کی ترقی میں اہمیت اور اس کی کوششوں کو خوب سراہا ہے اور اس کے کارناموں پر تنقیدی بحث کی ہے ان مقالوں کے علاوہ آپ نے کئی معنفین، شعرا اور ان کی تعنیفات کے متعلق بہت ہی اہم اور مرکزہ آراء مقالے لکھے ہیں جن میں سے قدیم اردو اور دوسرے مقالے بہت ہی

قابل قدر ہیں اور ان کی وجہ سے دکن کے اکثر ادیبوں کو قدیمی دکنی ادب سے دلچسپی ہو گئی ہے اور ان پر کام کیا۔

۳) خطبات - مولانا جلد بلق کے ادبی کارناموں میں خطبات کو بھی کافی اہمیت حاصل ہے یہ نہ صرف اس لئے قابل قدر ہیں کہ علمی اور ادبی جملوں میں پڑھ کر مقبول ہوئے بلکہ اس لئے بھی کہ زبان و ادب کی خوبیوں سے ملو ہیں مگر یہ خطبات تنقیدی رنگ سے الگ ہٹ کر گلے گلے ہیں اور انہیں ایسا ہونا بھی چاہئے لیکن اس قسم کے خطبات کو بھی ماہر فن اور سلسلہ نقاد کی تنقید نگاری کا جزو سمجھنا چاہئے اس لئے کہ نقاد کے کلام و بیان میں بھی ناقدانہ شان پائی جاتی ہے۔ ان میں وہ جہاں زبان و ادب کی خامیوں اور خوبیوں کا محاکمہ کرتا ہے وہاں اصلاحی اور عملی تجاویز بھی سامعین کے سامنے رکھتا ہے جو کہ نقاد کا فرض ہے۔ اس لئے کسی نقاد کا اس مرتبہ پر پہونچ جانا کہ وہ مسلم اقلیت ہو جائے اور بڑی بڑی محفلوں اور مجلسوں میں صدارت اور صلاح و شعور کے لئے طلب کیا جائے اس کے کمال تنقید کی دلیل سمجھنا چاہئے چنانچہ مولانا کی تنقیدوں نے جس وقت سے اردو اداں حلقہ میں بہت مقبولیت حاصل کی ہے اور نقاد کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کو ملک میں تسلیم کیا گیا ہے اس وقت سے مختلف زبان و ادب کے جملوں میں مولانا جلد بلق منہ صدارت کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں چنانچہ آپ کے دس خطبات کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس میں سے ہر خطبہ پڑھنے کے قابل ہے اور یہ تمام خطبات مولوی صاحب کی عام مقبولیت کی دلیل ہیں ان خطبات میں انجمن حمایت اسلام، انجمن ترقی پسند مصنفین، ہمارا اردو کانفرنس، ہندوستانی اکیڈمی اور انڈین اوپنٹیل کانفرنس کے خطبات بہت ہی پر مشن ہیں۔

۴) تنقیدات - یہی تنقیدات مولوی صاحب کے ادبی کارناموں کا بہت ہی اہم جزو ہیں کتابوں کے تبصروں میں مصنف اور کتاب کے ہر پہلو پر مفصل بحث ہوتی ہے جس کی بنیاد انصاف پر ہوتی ہے ان میں تنقید کی شان بھی پائی جاتی ہے۔ مولانا کی تنقیدی تحقیراتی واقعات اور کبھی کبھی ظرافت آمیز جملوں سے ملو جوتی ہیں تنقید کیا ہوتی ہے کتاب کا پتہ پڑتا ہے جس میں اصل کتاب کے پڑھنے سے زیادہ

لطف آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سادگی زبان اور زور بیان سے بھی آراستہ و پیراستہ ہوتی ہیں۔ اس لئے لوگ انھیں صرف ادبی سلوات کے لئے ہی نہیں بلکہ دلچسپی اور زبان کی چاشنی کے لئے بھی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ سالوں میں آپ کی تنقیدات کے دو مختصر مجموعے، تنقیدات و بلند حق کے نام سے شائع ہو کر مقبول عالم ہوئے ہیں آپ کی مشورۂ تنقیدوں میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

سرگزشت الفاظ، بہت ہی دلچسپ تنقید ہے جس میں الفاظ کی تاریخی سرگزشت اور ان کی اصل و معانی کی تبدیلی پر یوں اٹھانے جہاں مصنف کی کوششوں کی داد دی ہے۔ وہاں چند الفاظ کی منہمکنہ تشریح کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور خامیوں کی خود تصحیح کی ہے۔

مکاتیب امیر مینائی، پر نہایت منفعتانہ اور بے لاگ تبصرہ ہے۔ مشہور شاعر کے محاسن و معائب کو بلا روک ٹوک بیان کیا گیا ہے۔

اصلاح سخن، پر مولانا کی تنقید و دوسری تنقیدوں سے مختلف نوعیت کی ہے جہاں مصنف کی شوخی کی داد دی گئی ہے وہاں ان کی اضافی غلطی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ انداز بہت ہی ظرافت آمیز اور دلچسپ ہے۔

دقیقان شوق، کا تبصرہ بھی بہت ہی باکمال ہے حضرت شوق صیہ مستند زبان داں اور علم الثبوت استاد کی شاعری کی خامیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ زبان دانی کی غلطیاں بھی پیش کی گئی ہیں۔ ان کے کلام کا مختصر انتخاب اور ان کی شاعری پر تبصرہ بھی ہے۔

اردو لطیف، پر تبصرہ بھی انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کا انداز تنقید بھی جدا ہے۔ مولانا کی وسعت نظر اور تاریخ و زبان پر عبور اور واقفیت کا بہترین نمونہ ہے۔ نہایت ہی دلچسپ غلطیاں شائبہ پیش کی گئی ہیں۔ اگرچہ فاش غلطیوں کی فہرست بہت لمبی چوڑی ہے جس کی کہ کتاب یقیناً مستحق تھی لیکن پھر محراب دلجو میں کسی قسم کی سختی کا شائبہ نہیں پایا جاتا ہے اور ان خامیوں کے باوجود اتار میں مصنف کی کوششوں کو سراہا گیا ہے۔

غرض کہ مولانا کے مختلف تبصرے انداز تنقید کے لحاظ سے مختلف اور بہت ہی دلچسپ ہیں جنکے

پڑنے سے صرف صحیح تنقید نگاری کا رنگ ہی سامنے نہیں آتا بلکہ زبان کا لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور ادبی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مولانا کی تنقیدوں کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ انھیں چڑھ کر کتاب کا باطل صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے اور کتاب کا پورا سا سہ آجاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا کی تنقیدوں کے وہ دنوں مجھے غمزدہ اور ناکافی ہیں اس لئے تمام تنقیدات کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ مقدمات ہمدردی و عطف صاحب، مقدمہ باز مشہور ہیں اور ہونا بھی چاہئے۔ مگر باز میں ذمہ کا پہلو حذف کرنے کے بعد، کیونکہ مولانا جیسا مفکر اور ادیب جس کی زندگی کا مقصد ہی عالمانہ اور تنقید ہی مقصد لکھنا ہوا اور جن کے تحقیقی و تنقیدی مقصد میں طبیعت، زبان اور اعلیٰ معیار کی وجہ سے حار و دہا میں مشہور ہیں۔ اگر وہ نہ مقدمہ باز لکھائیں گے تو کون؟ مقدمہ نگاری تنقید نگاری ہی کی ایک جھلک ہے لیکن اس سے بلند تر اس کا لکھنا اس سے زیادہ مشکل اور کٹھن ہے۔ مقدمہ نگاری کے لئے زیادہ طبیعت اور صلاحیت کی ضرورت ہے۔ تنقید صرف معیار پر کھنے کی کوئی شے ہے۔ لیکن مقدمہ کتاب کی حد سے بیکل کر موضوع بحث، مصنف اور خود کتاب پر تنقید ہوتی ہے۔ مولانا عبدالحق کے مقدمے نہایت ہی مختصراً اور مبصر ہوتے ہیں اور ان میں تحقیقی رنگ بھی شامل ہوتا ہے، اپنی نوعیت اور سیارے اعتبار سے مولانا کے مقدمے دنیا کی انتہائی ترقی یافتہ زبانوں کے بہتر سے بہتر مقاموں کے مقابلے میں پیش کئے جاسکتے ہیں مولانا کا تجربہ ملی اور ان کی وسعت نظر جہاں ان کے مقدموں کو زیورِ علم سے آراستہ دیراستہ کرتی ہے وہاں ان کی قدرت زبان اور اسلوب بیان زیوراتِ علم کو جلا دیتے ہیں جیسا کہ ان مقدمات کو پڑھنے سے اگر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے تو طبیعت کو سرور بھی حاصل ہوتا ہے مولانا کے مقدمے اکثر دہشتر صورتوں میں اصل کتاب سے بڑھ چڑھ کر ملتے ہیں اور جس کتاب کے ساتھ شائع ہوتے ہیں اسے چار چاند لگا دیتے ہیں۔ مولانا کے مقدمات کتاب کے پڑنے میں بہت ہی مفید ثابت ہوتے ہیں اور کتاب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے اور موضوع کتاب کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتے ہیں مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر موضوع پر مقدمے لکھ سکتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ سب بلند پایہ ہوتے ہیں لیکن زبان و ادب کے مسائل میں ان کی رائے قطعی اور ان کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔

مذہب، سائنس، فلسفہ، تاریخ، زبان و ادب اور سماجی مسائل کے متعلق کتابوں پر ان کے مقدمات بہت بلند پایہ ہیں۔ مقدمات کی تعداد انتہائی سے اوپر ہے جن میں سے چند کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے تاکہ ان کے مقدموں کی نوعیت اور طرز مقدمہ نگاری کا ایک خاکہ ذہن میں قائم ہو جائے۔

مقدمہ، محرکہ مذہب و سائنس، ڈاکٹر ڈیریر کی کتاب مذہب و سائنس، پر نہایت ہی عالمانہ مقدمہ ہے بلکہ اس کتاب کے مقابلہ میں اس مقدمے کو ایک مستقل تصنیف سمجھنا چاہئے جس میں مذہب کی حقیقت اس کی اہمیت اور سائنس پر نہایت ہی فلسفیانہ و منطقی بحثیں کی گئی ہیں۔ نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ وجود باری تعالیٰ اور مذہب کی ضرورت کو ثابت کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ آپ کے دوسرے مقدموں سے اس حیثیت سے مختلف ہے کہ اس میں تمام تر علمی بحث ہے جو کہ زبان اور خیالات کی خوبیوں کی وجہ سے بہت ہی دلچسپ ہوا پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مقدمہ، حیات النذیر، دوسرے مقدموں سے مختلف نہیں بلکہ آپ کے خاص رنگ میں ہے جس میں مولانا نذیر احمد کے حالات زندگی پر بہت اچھی و صحیح بحث کی گئی ہے۔ ابتدائے مقدمہ میں آپ نے ان لوگوں کا جو کہ تاریخی شخصیتوں کی سیرت لکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے دور کی شخصیتوں کے حالات زندگی لکھتے ہیں۔ دونوں کے فرائض اور مشکلات کا محاکمہ کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا نذیر احمد کی زندگی کو جس سبق آموز انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی قابلیت اور علمی صلاحیتوں کو جس قدر سراہا ہے۔ اس کی توقع بہت کم لوگوں سے کی جاسکتی ہے۔ آخر میں اماتہ الاسلامہ کے مسئلہ پر بلا خوف و خطر پوری وضاحت اور ذور بیان کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مقدمہ، تمدن ہندو میں سید علی ہجواری کے حالات زندگی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ظہنہ کئے ہیں۔ اس کے بعد تمدن ہند پر نہایت ہی فاضلانہ طور پر تنقید کی ہے اس میں جہاں ایک ادیب اور عالم کی حیثیت سے بے لاگ تنقید کی ہے وہاں انجی تاریخ دانی کے جوہر بھی خوب دکھائے ہیں۔ مقدمہ، ذکر میرا میں جس قدر بہتر طریقہ پر اور جتنے صحیح حالات موجود ہیں کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتے تیر ماہ کے متعلق تمام غلط فہمیوں کا بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔ تیر ماہ صاحب اور نثار اہل

کارشہ اور ان کے باہم تعلقات پر اپنی تحقیقات کے نتائج پیش کئے ہیں۔
 مقدمہ انتہاب کلام تہذیب و تمدن صاحب کے معرکہ آراء عقیدوں میں سے ایک ہے اس میں جہاں
 تہذیب کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں وہاں ان کے کلام پر بہت ہی بلند پایہ اور دقیق تبصرہ بھی ہے۔
 اگرچہ ششہ تکمیل ہے۔

مقدمہ خطوط مطہرہ بیگم اپنی نوعیت کا بالکل جدا مقدمہ ہے کیا بہ اعتبار طرز بیان اور کیا
 بہ اعتبار مقدمہ نگاری۔ اس میں اصل رنگ کو چھوڑ کر طنز آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ مولانا شبلی کے وہ
 خطوط جو انھوں نے مطہرہ بیگم کو لکھے تھے ان کے ذریعہ ان کی زبان کی خوبیوں پر روشنی ڈالی
 گئی ہے اور ان کے کیر کڑکی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ اگرچہ دلچسپ ہے اور پڑھنے
 سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں مولانا اپنے انصاف اور سنجیدگی کو قائم نہ رکھ سکے۔

مولانا کے میں قدر بھی مقدمے میں سبکدوشی نہ کی حیثیت سے اہم اور معرکہ آرا ہیں۔ اس لئے
 پیشکش ہے کہ کس کو کس پر ترجیح دی جائے۔ ابھی ابھی ہم صرف چند مختلف النوع مقدموں کا ذکر
 ان کی مقدمہ نگاری کے انداز کو سمجھنے کے لئے کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مقدمہ، باغ و بہار، مقدمہ
 سب رسی، مقدمہ شغری خواب و خیال، "نہر قی" اور مقدمہ دریائے لطافت بہت ہی بلند پایہ
 (باقی آئندہ)

اور قابل قدر ہیں۔

شیعہ سنی

تاجدار شہ نے شیعہ اور سنیوں کو باہم متحد کرنے کی جو کوشش کی تھی اس کا فخر تذکرہ معارف
 اپریل ۱۹۳۲ء کے مضمون خلافت میں آج سے پندرہ سال پہلے گند چکا ہے۔ اب سلمان
 (کلکتہ) کے گلاشتہ عید نبی میں ایک مفلس مضمون جاری قلم ہوا ہے، اس کوشش میں علامہ عباسی
 سوریہ کی خدمت بھی بہت نمایاں تھی، اور معروف نے اس پر ایک رسالہ لکھا تھا تحریر فرمایا
 تھا جس کے بعض حصے اس مضمون میں نقل کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوا کہ اگر کتب اسباب کی
 بنیاد پر کوشش ناتمام رہی اب آج تمام مسلمانوں کے لئے یہ قابلِ غور مسئلہ ہے کہ اب جب اسلام
 کے سیاسی حالات میں غمِ اشدّی تفریق پیدا ہو چکا ہے، ارسنیت اور طبعیت ترکی اور ایرانی
 مسلمانوں کے تعمیری اجزاء باقی نہیں رہے، ان ہی مفرز ماصول کے طائر پر ذہنیت کے دریا
 کی آبِ حیات کی دفاتِ قرب نہیں ہو سکتیں، خصوصاً اس حالت میں کہ سلطان ابن سعود نے
 حوزہ کربلا سے چار مصلوں کی بدعت بھی منادی ہے۔

متممہ دفعات کے بعد جب ۱۳۳۰ھ میں تاجدار شہ وادیِ محال میں داخل ہوا تو اہل حق و
 ایمان کا تاج اس کے سامنے پیش کیا، لیکن اس نے تاج کے قبول کرنے سے اس وقت تک کئے
 انکار کر دیا جب تک شیعہ اور اہل سنت کا اختلاف دور نہ ہو جائے، تاہم سنیوں میں ہے کہ اس

ایرانی سرداروں سے حسب ذیل گفتگو کی۔

نبی کریم صلیم کی وفات کے بعد آپ کے چار صحابہ خلافت پر مامور ہوئے، اس واقعہ کو خاندانِ روم (ترکی) ترکستان اور دوسرے ملک نے تسلیم کر لیا ہے، قدیم زمانہ میں ایران کا بھی یہی عقیدہ تھا، پھر شاہِ ہخامنش صغوی نے ملکی اسباب کی بنا پر اسے ترک کر دیا، اگر اہل ایران چاہتے ہیں کہ میں بادشاہی قبول کروں، اور وہ خود اپنی اصلاحات کے نبی خورشید میں، تو ضروری ہے کہ وہ اہلِ دیہات کا عقیدہ اختیار کریں، جو ہمارے آبا و اجداد کو مسک تھا، چونکہ امام جعفر صادق کو جو جیسے نبی کی اولاد میں ہیں، تمام مسلمان امام تسلیم کرتے ہیں، نیز چونکہ اہل ایران انکے مسک واقف ہیں، لہذا چاہئے کہ امام موصوف کے مسک کو اپنا مذہب بنالیں،

لوگوں نے یہ شرط منظور کی، اور ایک مہتر تیار کر کے اس پر اپنی ہر تین ثبت کر دیں، اس کے بعد نادر شاہ نے تاج قبول کر لیا، اور اس واقعہ کی اطلاعات امیر المومنین سلطانِ ترکی کی خدمت میں بھیجی تاکہ دولت عثمانیہ اور حکومتِ ایران کے اختلافات دور ہو جائیں، اور دوستانہ تعلقات پھر قائم ہو جائیں، نادر شاہ نے دربارِ خلافت میں جو مراسلہ بھیجا، ان میں مندرجہ ذیل امور کی درخواست بھی کی:-

۱۔ چونکہ اہل ایران ان عقائد سے تائب ہو گئے ہیں، جو اب تک بنائے مخالفت تھے اس لئے امید ہے کہ امیر المومنین اور علمائے دولت عثمانیہ جعفری مذہب کو اسلام کا پانچواں مذہب تسلیم کریں گے،

۲۔ حرمِ کعبہ میں چار مصلوں کے علاوہ ایک پانچویں مصلے یعنی جعفری مصلے کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ ہمارے آدمی اپنے ایام کے پیچھے نماز ادا کر سکیں،

۳۔ ایرانی زائرین کو ایک ایرانی میراج کی قافہ سالاری میں کہ مغلہ جانے کی اجازت دینا اور عثمانی محال اس قافے کے لئے ویسی ہی سہولتیں ہم پہنچائیں جیسی تھراور شام وغیرہ کے قافلوں

کو پہنچائی جاتی ہیں،

- ۴۔ جنگ کے قیدیوں کو جو دونوں حکومتوں میں ہیں، آزاد سمجھا جائے، اور انھیں غلام نہ بنائے جائے۔
۵۔ دونوں حکومتیں اپنے مستقل سفیر ایک دوسرے کے دارالسلطنت میں تعین رکھیں تاکہ باہمی

معاملات بہ جن و خوبی طے ہوتے رہیں،

چونکہ باب عالی میں مذکور بالا امور وفات پے اثر ہے، اسے جب ۱۱۹۱ ہجری میں تاجدارِ نبوت گیا، تناس نے سلطان سے ان مطالبات کی منظوری حاصل کرنے کی ایک بار اور کوشش کی جس نے اپنی سلطنت کے تمام بڑے بڑے علماء اور سربراہان کو دشمنوں کو دعوت دی، کہ ایک مجلس منعقد کر کے اس دشمن کی تجدید و تصدیق کریں، چنانچہ احمد پاشا والی بغداد کو بھی لکھا گیا کہ وہ ایک ایسا عالم روانہ کرے جو دنیاویات کا فاضل ہو تاکہ ثنات کی حیثیت سے فریقین کے اختلافات دور کر کے ان کو باہم ملا سکے، احمد پاشا نے اس خدمت کے لئے علامہ عبد اللہ سودی کو منتخب کیا، جو اپنے وقت میں بغداد کے سب سے بڑے فاضل تھے،

یہ مجلس کامیاب ہوئی، معاہدہ عثمان از سر نو مستحکم کیا گیا، تاجدارِ شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر کو ایران کے تمام حصوں میں مجلس کے فیصلہ کا اعلان کرنے اور خلفائے اربعہ کے نام تمام ایران میں جمعہ کے خطبے میں داخل کرانے کے لئے روانہ کیا، اس نے مجلس کی روئے اور بار خلافت میں مستطیع بنجی، اور اپنے مطالبات کی منظوری کے لئے پھر استدعا کی، ترکیخ الاسلام اور سلطان محمود خان پہلے دو مطالبات پر راضی نہیں ہوئے، یعنی جزیری مذہب کو تسلیم کرنا، اور کعبہ میں ایک پانچواں مصلی قائم کرنا، تاجدارِ شاہ نے بھی سادگی دشواری دیکھ کر نیا بندہ نہیں دیا، اور چوتھین مطالبات کی منظوری پر قناعت کر لی اس لئے سرحدی میں بالا و خوار سلطنت عثمانیہ اور حکومتِ اہمان کے درمیان ایک صلح عریض ہو گئی،

قادر محمد احمد کو یہی سنے ایک رسالہ الطبع القاطعہ فی اتفاق الامم الاسلامیہ کے عنوان سے لکھا ہے جس میں انھوں نے ہندو سے سخت تنبیہ کے سفر اور اس مجلس کے حالات بیان کئے ہیں۔
 بسن اقتباسات درج ذیل میں:-

میں دور ان سفر میں فریقین کے اعلیٰ و اعلیٰ کے سوچنے اور حرب کرنے نیز جو اعتراضات پیش کئے جاسکتے تھے، ان کے جوابات تیار کرنے میں تمام تر تنہا رہا، یہ انہماک اور اعتراضات کے جوابات معلوم کرنے اور شبہات کے دور کرنے کی کوشش اس وقت تک جاری رہی، جب تک میں نے اپنے ذہن میں سو سے زیادہ اعلیٰ سوالات اور ہر سوال کے ایک دو یا تین جواب اس شبہ کی مناسبت سے جو اس کے متعلق پیدا ہو سکتا تھا، مرتب نہ کر لیا، ان باتوں کا انرجی پر اتنا پڑا کہ میں بیمار ہو گیا۔

اس کے بعد علامہ موصوف نادر شاہ کی طاقت کا حال بیان کرتے ہیں:-

میں نے اپنے سامنے ایک دراز قد آدمی کو دیکھا جب کہ انکی نشست سے اذازہ ہو سکتا تھا اس کے سر پر قندسہ کے مثل جو ابل ابران پہنتے ہیں، ایک بلند چوکور ٹیپوٹی اس پر ایک عاتقہ تھا جو موتیوں، لعل، میرے اور دوسرے قیمتی جواہرات سے آراستہ تھا، گلے میں موتیوں اور لعل کا ایک ہار تھا، بازو و لہر بازو بندھے، جن پر موتی، میرے اور لعل ٹکے ہوئے تھے، اس کے چہرے سے بوڑھا چہرے کی علامتیں ظاہر تھیں، سامنے کے دانت گر گئے تھے، عمر تقریباً اسی سال تھی، دوا دھی میں نیل کا خضاب تھا، ہنسی میں شل دو کمانوں کے تھے، انکیں کسی قدر بھری لیکن خوبصورت تھیں، چہرہ بحیثیت بھری خوشنما تھا، ہون ہی میری نظر اس پر پڑی، میرے دل سے تمام ہول زائل ہو گیا، اور انکی طرف سے جو خوف تھا، وہ بجاتا رہا، وہ پہلے کی طرح مجھ سے ترکمانی زبان میں مخاطب ہوا، پوچھا کہ احمد خان کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ غیریت ہے، پھر اس نے پوچھا کیا تم جانتے ہو؟

کہ میں نے ٹھکریوں بلایا ہے؟ میں نے کہا نہیں! تب اُس نے کہا میری ملکیت میں دوسرے
 میں یعنی ترکستان اور افغانستان کے لوگ جو ایرانیوں کو کا فر کہتے ہیں، اور مذہب میں کفر میرے
 نزدیک ایک نفرت انگیز چیز ہے،

ایسا نہ ہونا چاہئے، کہ میری حکومت کے اندر بعض جماعتیں بعض دوسری جماعتوں کو کہیں
 ب میں تمہیں اپنا وکیل مقرر کرتے ہوں، اور تم سے کہتا ہوں کہ تمام زندہ کا استیصال کر دو، اور
 ان تینوں گروہوں کے درمیان جو منہ بہ منہ میری طرف سے اس کے گواہ رہو، جو کچھ تم سنو اور
 دیکھو، اسکی اطلاع مجھے دو، نیز احمد خاں کو بھی اس سے مطلع کرو، پھر اس نے مجھے نصیحت ہونے
 کی اجازت دی، اور حکم دیا کہ میرا قیام اعتماد الدولہ کے مکان پر ہو، اور بعد نماز ظہر تک ملا باشی
 سے ملاقات کروں، میں حضور شاہ سے بڑی خوشی اور مسرت کی حالت میں نکلا، کیونکہ شاہی
 کی خدمت مجھے عطا کی گئی تھی،

جب میں ملا باشی کی خدمت میں پہنچا تو وہ محل کر میرے استقبال کے لئے آیا وہ ایک چھوٹے
 قد کا آدمی ہے، گندی رنگ، جھٹے سے جو نشان کپنی پر پڑا گیا ہے، وہ سر کے درمیان میں پہنچا
 ہے، میں گھوڑے سے اتر پڑا، اس نے مجھے تعظیم دی، اور تخت پر بٹھایا، اور خود ایک شاگرد کی
 طرح میرے سامنے بیٹھ، پھر ہمارے درمیان گفتگو شروع ہوئی، اور اس کے بعد مذہبی مباحثہ
 کی تفصیلات ہیں)

"شاہ کو اس بحث کی اطلاع بالکل صحیح صحیح دے دی گئی، اُس نے ملاے ایران
 ملاے افغانستان اور ملاے ماوراء النہر کو حکم دیا، کہ جمع ہو کر بدعت و زندہ کے ختم کرنے کا
 فیصلہ کریں، پھر سے کہا کہ تم میرے نمایندہ کی حیثیت کو انکو دیکھتے رہو، اور زیر بحث مسائل پر جو اقراء نہ کرنا
 درمیان مرقب جو اس کے گواہ رہو،

جلسہ کے روز جمعہ بہت تھا حضرت علیؑ کے روضہ کے چچے ایران کے شہر ملایم جمع ہوئے ان میں
 مفتی اردلان کے سوا اور کوئی نہ تھا، میں نے کاغذ اور قلم و دوات گھڑوائی، اور جو لوگ ان میں سے
 زیادہ اہم تھے، ان کے نام لکھ لئے..... اس کے بعد افغان علماء آئے، میں نے ان کے
 نام بھی لکھ لئے..... تھوڑی دیر کے بعد علماء ماوراءالنہر آئے، چکی تھوڑی دیر بعد اساتذہ علمی.....
 میں نے ان کے نام بھی لکھ لئے، جب مجلس باقاعدہ طور پر چلنے لگی، تو غالباً شیخ نے بھرا علم (یہ لقب
 علامہ ہادی خواجہ کا تھا، جو علماء ماوراءالنہر میں سے زیادہ ممتاز تھے) کو مخاطب کر کے پوچھا، کیا آپ
 اس شخص کو جانتے ہیں؟ یعنی مجھے، انھوں نے جواب دیا، اگر نہیں، تب غالباً شیخ نے کہا: یہ شیخ عبداللہ
 آفندی ہیں، جو جتنی فرقہ کے اکابر علماء میں ہیں، انہیں وزیر احمد پاشا نے شاہ کی دعوت پر بھیجا ہے، تاکہ
 اس جلسہ میں ثنائی کی حیثیت سے موجود رہیں، یہ شاہ کے وکیل ہیں، لہذا اگر ہمارے درمیان کسی
 بات پر اتفاق ہوگا، تو وہ ہم سب کی طرف سے اوس کے گواہ بن گئے، اب بتائیے
 آپ کن باتوں کی وجہ سے ہم پر کفر کا الزام لگتے ہیں، تاکہ ہم شیخ عبداللہ کی موجودگی میں ان
 بازا جائیں، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ ابوحنیفہ کے مسلک کی رو سے بھی ہم کافر نہیں ہیں، وہ اپنی کتاب
 جامع الاصول میں لکھتے ہیں، کہ اسلام پانچ فرقوں کو تسلیم کرتا ہے، اور انھوں نے امامیہ فرقہ
 کے پانچویں مذہب ہونے کا اقرار کیا ہے، صاحب المواعظ بھی امامیہ فرقہ کو اسلامی فرقوں میں
 شمار کرتے ہیں، ابوحنیفہؒ اپنی فقہ الاکبر میں لکھتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو اور وہ سید جس کا نام
 میں اس وقت بھول رہا ہوں، انھوں نے ہدایۃ الفقہ یعنی کی شرح میں لکھا ہے، کہ یہ صحیح ہے کہ
 امامیہ فرقہ اسلامی فرقوں میں سے ایک ہے، لیکن جب آپ کے علماء متاخرین آئے، تو
 انھوں نے جھوٹا فہرست شروع کیا، اور اسی طرح ہمارے علماء متاخرین آپ لوگوں کو کافر
 کہنے لگے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ نہ آپ کافر ہیں نہ ہم، بہر حال وہ بتائیں بتائیے، جو آپ کے علماء متاخرین

نے بیان کی ہیں، اور جن کی بنا پر آپ لوگوں نے میں کو فرمایا ہے، تاکہ ہم انہیں ترک کر دیں،

بادی خواہ بحرِ اعظم۔ آپ کا فریضہ اپنے کو زمین پر تبرا کہتے ہیں،

ملا باشی۔ ہم زمین پر تبرا کہن چھوڑتے ہیں،

بحرِ اعظم۔ آپ کا فریضہ اس لئے کہ صحابہ کو گمراہ اور کافر بناتے ہیں،

ملا باشی۔ تمام صحابہ عادل تھے۔

بحرِ اعظم۔ آپ حضرات ابو بکر و عمر پر حضرت علیؓ کی توفیق دیتے ہیں، آپ کہتے ہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علیؓ کو ملنی چاہئے تھی،

ملا باشی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر لوگ تھے، ان کے بعد عمرؓ، تب عثمانؓ، پھر

علیؓ بن ابی طالب، اور ان کا منصب خلافت پر مامور ہونا ان کی طبیعت کی ترتیب کے مطابق تھا

بحرِ اعظم۔ جب صورت حال یہ ہے تو آپ مسلمان ہیں، ہمارا نفع نقصان آپ کا نفع

نقصان ہے،

سب لوگوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ ملائے، اور ایک دوسرے کو مبارک باد دی،

یمنون گروہوں نے جسہ کی کاڑوائی اور اپنے فیصلہ کی جگہ سے تصدیق کرائی، ۲۲ سوال پھاڑیں

کے روز قریب مغرب ہلہ برفات ہوا،

دوسرے روز نادر شاہ کے حکم سے یہ مجلس پھر منعقد ہوئی، اور شاہی مفتی آقا حسین نے نادر شاہ کا فرائض

پڑھ کر سنایا، وہ قرون یہ تھا،

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دم سے نبیوں کو بھیجا مقرر فرمایا، وہ کیلے بعد دیگرے نبیوں

کو بھیجا، ہا، یہاں تک کہ سب سے آخر ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے، جب

آپ کا انتقال ہوا، تو چونکہ آپ نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری تھے، اس لئے آپ کے صحابہ نے

آپ کی بانی کے لئے اپنے میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دانشمند شخص ابو بکر صدیقؓ بن ابی قحافہ کو منتخب کیا، انھوں نے حج جو کہ بالاتفاق حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کا فیصلہ کیا، اور سب نے مل کر ان کی اطاعت اور وفاداری کا حلف لیا، ان میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، انھوں نے بھی خدا و رعبت اور بغیر کسی جبر یا دباؤ کے یہ حلف لیا، اس طرح بیعت اور خلافت کی تصدیق ہوئی اور صحابہ کا اتفاق آرا اس مقدمہ کا قطعی ثبوت تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی تعریف فرمائی ہے، کہ جبیکہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا جب کہ انھوں نے درخت کے نیچے تمہاری اطاعت کا حلف لیا یہ صحابہ تھے اویں سات سو تھے، اور حضرت صدیقؓ کی بیعت کے وقت سب موجود تھے، نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی کبیرہ روی کر دے گا ہدایت پاؤ گے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلافت کیلئے اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا، اور تمام صحابہ نے ان کے سامنے بیعت کی، جس میں حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے، اس طرح حضرت عمرؓ کی بیعت صحابہ کے متفق علیہ فیصلہ کے مطابق بھی تھی، اور خود فیصلہ کی ہدایت کے مطابق بھی، حضرت عمرؓ نے خلافت کا مسئلہ چارویسوں کی ایک مجلس کے سپرد کر دیا، جس میں ایک حضرت علیؓ بن ابی طالب بھی تھے، مجلس نے حضرت عثمانؓ بن عفانؓ پر اتفاق کیا، جب وہ اپنے گھر میں شہید کئے گئے، اور اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے، تو خلافت کا ہمدہ معطل رہا، پھر صحابہ نے اس روز سہ پہر کو حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت پر اتفاق کیا، یہ چاروں حضرات نہ ایک ساتھ ایک مقام پر اور ایک وقت میں تھے، لیکن ان کے درمیان کبھی کوئی لڑائی جھگڑایا جھگڑا نہیں ہوئی، ہر خلافت اس کے وہ ایک دو مہرے کا استدار اعلیٰ اور مع سرانگی کرتے تھے، اگر جب حضرت علیؓ نے یمن کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ وہ دو مہرے کا استدار اور مدلول دہناتھے، وہ حق پر مذہب رہے، اور حق پر مہرے، اسی طرح جب حضرت ابو بکرؓ غلط ہوئے تو انھوں نے فرمایا، کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہو، اب کہ علیؓ تمہارے درمیان ہیں؟

اہل ایران تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان حضرات کی فضیلت اور جانشینی کی ترتیب وحی تھی، جو بیان کی گئی، اب اگر تم میں سے کوئی شخص ان پر تبرکے کا، یا ان کی عیب جوئی کرے گا، تو اس کی دولت اُس کے بال بچے، اس کے اعزہ و اقربا اور اس کا خون شاہ کے لئے جائز ہو جائے گا، اور اسی لوگوں پر اللہ تعالیٰ اُس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی، جب تم نے ۳۳ھ میں وادی منہاں میں میری وفاداری کا طعن لیا تھا، تو میں نے یہ خیرات تم پر پہنچے ہی حامد کر دی تھی، کہ تبریک قلم موقوف کر دیا جائے گا، چنانچہ اب میں اسکو بند کرتا ہوں، آئندہ اگر کوئی صحابہ پر تبرکے لگائے تو میں اسے قتل کر دوں گا، اس کے بال بچوں کو قید اور اسکی جائیداد کو ضبط کر لوں گا، زمانہ قدیم میں مملکت ایران یا ان ممالک میں جو ایرانی علاقوں کے اطراف میں تھے، ان شرمناک بد مذہبیوں کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی، ان کا رواج بد ذات شاہ اسماعیل صفوی کے مہم میں ہوا، اور اُس کے جانشین اُسی کے نقش قدم پر چلتے رہے، یہاں تک کہ تبراتی کرتا گیا، بدعت و زندہ قبروں میں پھیل گیا، اور خنہ و سیت جو گئے، یہ ۳۳ھ ہجری میں ہوا، ان نفرت انگیز باتوں کو شائع ہوئے ہیں۔
 برس گذر چکے ہیں.....“

شاہی فرمان کے نیچے اسی کاغذ پر ایک اقرار نامہ اہل ایران کی طرف سے درج تھا کہ یہ تمام باتیں ہم لوگوں کو قبول ہے کہ صحابہ پر تبرکے کا اصل موقوف کر دیا جائے، ہم ان کی فضیلت اور ترتیب عنایت کو جیسا کہ اس دستاویز میں مذکور ہے تسلیم کرتے ہیں، ہم میں سے جو شخص تبرکے یا ان صحابہوں کے خلاف کچھ زبان سے نکالے اُس پر خدا کی لعنت، اس کے فرشتوں کی لعنت اور تمام نفع انسانی کی لعنت ہو، اور ہم لوگوں پر نامور شاہ کا غضب نازل ہوا اور ہماری جائیدادوں خون اور بال بچے اس کے لئے جائز ہو جائیں،

ایرانوں نے اس اقرار نامہ پر اپنی ہر س لگائی، اس کے نیچے تخت، کہ بلا حیات اور

خودزم کے لوگوں کی طرف سے بھی ایک اقرار نامہ تھا، اس کا مضمون بھی وہی تھا جو اہل ایران کے اقرار نامہ کا، پھر اسکے نیچے افغانوں کی طرف سے حسب ذیل اقرار نامہ تھا :-
 جب تک اہل ایران مسابہ کے پابند رہیں گے، اور اس کی خلافت ورزی نہ کریں گے اس وقت تک وہ اسلامی فرقوں میں شمار ہوں گے، اور ان کا نفع نقصان مسلمانوں کا نفع نقصان سمجھا جائے گا،

ان لوگوں نے بھی اپنے اقرار نامہ پر اپنی مہریں ثبت کیں، اس کے علاوہ خلاصہ ماوراءالنہر کی طرف سے ایک اقرار نامہ تھا جس کا مضمون افغانوں کے اقرار نامہ کے مثل تھا، انہوں نے بھی اپنی مہریں لگائیں، تب میں نے دشاوینکے سرے پر اپنی یہ شہادت درج کی :-
 میں اس مسابہ کی تصدیق کرتا ہوں، جس پر تینوں جماعتوں نے اتفاق کیا ہے، اور اس پر پابند رہنے کا وعدہ کیا ہے، نیز اس امر کی کہ انہوں نے اپنے اس اقرار نامہ کا مجھے گواہ بنایا ہے ؟

نادر شاہ نے علامہ سوید سی کو بلا کر ان کا شکریہ ادا کیا، اور مجلس کی کامیابی پر نہایت مسرت ظاہر کی، دوسرے روز جمعہ کو اسکے حکم سے کوئٹہ کی مسجد میں غفا سے ار بعد کے نام خطبہ میں بالترتیب پڑھے گئے، ماوراء سلطان محمود خاں شہانی اور اس کے بعد نادر شاہ کے لئے دعا کی گئی، انہذا جعفری طریقہ کے مطابق ادا ہوئی، پھر علامہ موصوف کو بعد ازاں پاس جانے کی اجازت ملی، اور ان کے ساتھ مسابہ مذکور اور اس خطبہ کی ایک نقل بھی روانہ کی گئی،

برصغیر

علمائے معقولات اور انکی تصنیفات

عبد السلام خاں



مسلمانوں کے علوم کی ابتدائی چار صدیاں

مسلمانان اور یونانی فکر

مسلمانوں کے اپنے اصلی علوم و فنون تو قرآن و حدیث اور زیادہ سے زیادہ ان کے مہادی و متعلقات تک محدود تھے۔ اموی عہد میں رومی فتوحات اور پھر نو مسلموں سے تعلقات نے انہیں یونانی فکر سے آشنا کیا۔ یونانی فکر سے ان کا یہ تعارف پہلے پہل براہ راست نہ تھا کیوں کہ ابھی یونانی کتبوں کے حرم شروع نہیں ہوئے تھے بلکہ ایسے لوگوں سے جو یونانی لفظ سے حرم کے ذریعے یا براہ راست واقف تھے میل جول اور ان سے علمی گفتگووں کا نتیجہ تھا۔ اس عہد میں اموی عہد ان کا غبارادہ خالد بن یزید (متوفی ۸۵ء) نظر آتا ہے جس نے موسیٰ بن نويس (Morienus) رومی کی شاگردی اختیار کی اور خاص طور سے علم کیمیا میں مہارت پیدا کی۔ یہ موسیٰ بن نويس مدرسہ اسکندریہ سے تعلق رکھتا تھا جو اس زمانے میں یونانی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ عرب دنیا کی بارہوی کے واسطے سے یونانی طب، کیمیا اور نجوم سے واقف ہوئی۔ اواخر اموی عہد میں یونانی فکر کے اثرات اسلامی عقائد پر بحث و تحقیق اور تفسیر و تشریح میں ظاہر ہونے لگے تھے۔

عرب عہد میں یونانی فکر سے تراجم

عہد عباسی خلافت میں ترقی کا دور شروع ہوا اور عرب براہ راست یونانی فکر سے آشنا ہوا۔ ابھی خلافت عباسیہ کی اجڑا ہی تھی کہ علی بن منصور (۱۳۶-۱۵۸ء) کے زمانے میں اس کے حکم سے ارسطو کے متعدد رسائل کا ترجمہ اصل یونانی سے ہو چکا تھا۔ ان جرودی مساب سے قطع نظر ترقی حقیقی زمانہ مشہور علم دوست عباسی علی بن الماسون (۱۹۸-۲۱۸ء) کے عہد خلافت میں شروع ہوا۔ قزوینی ہی عرصے میں عربی میں ارسطو کی کتبوں کے بڑے حصے کے ترجمے ہو گئے۔ ارسطو کے نو فلاطونی شارحین کی اہم شرحوں کے ترجمے بھی عربی میں آ گئے۔ ارسطو کے بعض مکالموں سے ترجمے کیے جا چکے تھے۔ ان ترقی کی ہی بدولت مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کی بنیاد پڑی اور مسئلہ فلسفہ کے سلسلے کا آغاز ہوا۔

مسلمانان میں یونانی فلسفہ کا آغاز

اس سلسلے کا پہلا اہم اور عربی النسل فلسفی یعقوب بن اسحاق کھدی (متوفی قریب ۹۰ء) تھا۔ ابو نصر محمد بن طرہان لاری (متوفی ۳۳۹ء) اس کے بعد ابو علی حسین بن عبد اللہ ابن ۳۳ (متوفی ۴۲۸ء) ابن سینا کے بعد سے اس کے شاگردوں اور شاگردوں کے نگاہ کا دور شروع ہوا

تا ہے۔ یہی سلسلہ ہے جو مسلمانوں کی یونانی خصوصاً ارسطاطالیسی اور نولاطونی فکر کا علاحدہ رہا۔ ان مسلم فلاسفہ کی بدولت یونانی عقلیت نے مسلم فکر کو ہمہ گیر انداز میں متاثر کیا، عقاید و کلام، تفسیر، اصول فقہ اور فقہ وغیرہ وہ علوم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے جو بنیادی طور پر فاضلین اسلامی تھے حتیٰ کہ صرف و محو تک بھی اس تاثر سے نہیں بچیں۔ علوم کے مناخ یونان کے لکری مناخ میں مدغم ہو گئے۔ یونانی فکر منطوق و فلسفہ، الہیات، ریاضیات اور طبیعیات تک محدود نہیں رہی اور علوم عقلیہ دائرہ حاکم طور سے علاحدہ کلام بلکہ اصول فقہ تک پھیل گیا۔

اعتزالی کلام تو شروع سے ہی یونانی فکر کا مرہون منت تھا۔ محقق طوسی (المصیر الدین محمد بن عبد الطوسی متوفی ۶۷۲ھ) نے علم کلام کی اپنی مشہور کتاب تجرید الکلام میں علم کلام کو فلسفے سے مخلوط کیا۔ بیضاوی (ناصر الدین عبداللہ بن علی بیضاوی المتوفی ۷۶۸ھ) نے اصول فقہ میں فلسفیانہ فکر شامل کی۔

برصغیر ہندوپاک میں فاضل منطوق و فلسفہ کے علاوہ کلام و عقائد اسی مخلوط صورت میں آئے۔ اس طرح کہ ان کے مسائل، مباحث اور مناخ لغو و حقیق فاضل عقلی نہ رہے۔ چنانچہ ان کو بھی فلسفے اور عقلی علوم میں ہی شمار کرنا چاہیے، خصوصاً کلام کو جس کی بنیاد ہی مسلمانوں میں فلسفہ یونان ہی درآمد سے پڑی لیکن ان سب پر تفصیلی گفتگو کرنا، ان کا تجزیہ کر کے ان کے عقلی اور فلسفیانہ عناصر اور مناخ کی نشاندہی کرنا اور ہمصرہ کرنا اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں پھر مقالے کے حدود موضوع سے بھی خارج ہے، یہ صرف برصغیر کے علمائے عقلیین کی گویا فہرست ہے اور اس میں بھی استقصا نہیں، ساتھ ساتھ اگر دریافت ہو سکی ہیں تو علوم عقلیہ میں ان کی تصنیفات بھی ذکر کر دی گئی ہیں، لیکن ان سب کی موجودگی کا سچہ چلانا بہت دشوار ہے۔

چوتھی صدی

برصغیر میں فلسفہ یونان کا داخلہ

برصغیر میں فلسفہ کب آیا، یقین سے کہہ نہیں کہا جاسکتا، تاہم اس قیاس کی معقول وجہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں جہاں فلسفہ داخل ہو چکا تھا۔ چوتھی صدی میں جہاں قرمطی تحریک پہنچ چکی تھی اور یہ معلوم ہے کہ اس کی تعلیمات میں یونانی فلسفے کی بنیادی اہمیت ہے اس لیے یہ کہنا غیر معقول نہیں کہ قرمطی تعلیمات کے ضمن میں یا اس کی پشت پر فلسفے کی تعلیم کا آغاز چوتھی صدی سے ہی ہو چکا تھا لیکن چونکہ یہ تحریک اپنی جگہ عقلیہ تھی اس لیے اس کے متبعین میں

لفظے کی درس و تدریس بھی اگر قحی تو ظاہر ہے قحی چنانچہ اس جہد میں لفظ کی کتابیں لکھی گئی ہوں گی اور لفظ کا لکھی گئی ہوں گی تو غالباً مذہبی رنگ میں ہوں گی اور بہت رازدارانہ ہوں گی۔ غالباً بھی وجہ ہے کہ ہماری عقلی تاریخ ان کے ذکر سے خالی ہے۔ ہاں اس کے شواہد ہیں کہ پانچویں صدی میں برصغیر مسلمانوں کے یونانی لفظ سے آشنا ہو چکا تھا۔

پانچویں صدی

یونانی منطق و لفظ کا عملاً فاضل جس سے ہم برصغیر میں روشناس ہوتے ہیں ابو یوسف بن محمد بن احمد البیرونی (المتوفی ۴۴۰ھ) ہے۔ بیرونی ہیئت نجوم اور علم ہندسہ میں فضل و کمال کا حامل تھا یہی لیکن یونانی حکمت و لفظ میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ شیخ بوعلی سینا سے اس کے سوالات اور شیخ کے جوابات فلسفیانہ قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

۱۔ بیرونی غالباً عملاً فاضل تھا جس نے ایک طرف ہندو علماء کو یونانی فکر اور اس کے اسالیب سے روشناس کیا، اور دوسری طرف ہندوؤں کے علوم و فنون، ان کی معاشرت اور ان کے انداز فکر سے اپنی گراں بہاد تصانیف کے ذریعے مسلمان علماء کو آشنا کیا۔

چھٹی صدی ہجری

۲۔ جمال لاسنہ یوسف بن محمد درہمدی چھٹی صدی کا مشہور فاضل ہے۔ یہ شاہان غزنویہ کا درباری اسیر تھا اور منطق و لفظ میں مہارت اور ان سے شغف کی بنا پر جمال لاسنہ کہلاتا تھا۔

ساتویں صدی

۳۔ نجم الدین عبدالعزیز بن محمد دہشتی ساتویں صدی کے ہیئت اہم علماء میں شمار ہوتے تھے، امام رازی (قرائین محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کے شاگرد تھے، علوم حکمیہ میں اپنے جہد کے نامور عالم تھے، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۳۱ - ۱۶۸۶) ہر ملنے ملا جملہ کے بعد ان کے جہاں حاضر ہوتا اور ان کی صحبت سے مستفید ہوتا تھا اور دلی میں ان کے وجود کو فہمیت جانتا تھا۔

ہندستان میں علوم عقلیہ برصغیر میں علوم عقلی کے ان عامل حال نوابو علماء اور ان کے مخصوص مکاتذہ کے جہد کی ابتداء سے قطع نظر ابھی تک عقلی اور عقلی علوم کا عام پرمچا نہیں شروع ہوا تھا صحیح معنی میں عقلی علوم کا دور مشہور ایرانی فاضل قطب الدین محمد بن محمد رازی علم ہندسہ (متوفی ۶۶۶ھ) کے شاگردوں اور ان کے مکاتذہ سے شروع ہوتا ہے۔ قطب الدین رازی سے احتساب رکھنے والوں کے سلسلے کی ابتدا

آٹھویں صدی

۳۔ جلال الدین رومی آٹھویں صدی کے مشاہیر ہیں اور قطب الدین رازی کے براہ راست شاگرد ہیں۔ فیروز شاہ تغلق (۵۶۱-۵۹۹) نے دہلی میں اپنے مدرسے فیروزیا کو انہیں کے سپرد کیا تھا۔ وہ یہاں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس تو دیتے ہی تھے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فنون کا درس بھی ان سے متعلق تھا۔ قطب الدین رازی سے تلمذ کی بنا پر ان دیگر علوم میں علوم حکمیہ کو یقیناً شامل سمجھنا چاہیے۔

۵۔ سعد الدین منطقی دہلوی۔ اسی عہد کے فضلا میں سے تھے اور منطق سے خاص تعلق کی وجہ سے منطقی کہلاتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے معربین میں تھے اور اس کی طرف سے صاحب علم و نفاذ تھے فیروز شاہ کے بعد اس کے پوتے غیاث الدین تغلق (۶۱۱-۶۲۵) کے دربار میں انہیں تقریباً حاصل رہا۔ اس کے بیٹے محمد شاہ تغلق (۶۲۵-۶۵۲) سے تو ان کے علمی مذاکرے ہی رہتے تھے۔

۶۔ صدر الشریف نجم سرحدی۔ اسی عہد کے اہم علمائے حکمت و فلسفہ میں سے تھے اور علم نجوم سے خصوصی شغف کی بنا پر نجم گویا ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔

۷۔ عبدالعزیز دہلوی۔ اسی زمانے کے مشہور فاضل تھے اور علوم حکمیہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، فیروز شاہ کے عہد سے انہوں نے علم نجوم کی ایک سنسکرت کتاب کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ یہ ترجمہ علی گڑھ کے حبیب علی ذخیرے میں محفوظ ہے۔

۸۔ سعد الدین دہلوی بھی آٹھویں صدی کے مشہور فضلا میں تھے، منطق و فلسفہ میں کامل مہارت تھی۔ محمد شاہ بن غیاث الدین تغلق انکا شاگرد تھا۔

۹۔ حکیم علیم الدین شیرازی بھی اس عہد کے مشہور فضلا میں تھے علوم حکمیہ کے ماہرین اور دہلی کے اصحاب درس میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ محمد شاہ تغلق ان سے علمی مذاکرے کرتا تھا۔

۱۰۔ معین الدین مراٹھی۔ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دہلی کے مدرسے میں ان کے درس کی شہرت تھی، اس وقت کے علماء میں کون تھا جو ان کے حلقہ تلمذ سے باہر تھا، فقہ، اصول اور معانی و بیان میں مہارت کے ساتھ ساتھ منطق و کلام بھی ان کے خصوصی مضمون تھے۔

۱۱۔ حکیم نصیر الدین شیرازی۔ اس صدی کے مشہور فاضل اور حکمت و منطق میں ماہر تھے علاوہ الدین حسن بھٹی (۳۸۱-۴۵۹) کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

نویں صدی

۱۲۔ حکیم شہداء الدین بن قطب لمٹانی۔ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ سے جرجان میں منطق و حکمت اور دوسرے فنون حاصل کیے۔ علوم حکمیہ میں ان کا فضل و کمال مسلم تھا۔ لمٹان میں رہے اور درس و تعلیم مشغلہ رہا۔

۱۳۔ محمد بن علی ہمدانی (متوفی ۱۸۰۹)۔ اپنے زمانے کے مشہور فاضل تھے، منطق میں شمسہ کی شرح اور ایک رسالہ جو علوم کشفیہ اور فنون حکمیہ دونوں پر مشتمل ہے، ان کی تصنیف ہیں۔

۱۴۔ حکیم حسن بن علی گیلانی۔ متوفی ۸۰۹ء۔ منطق و حکمت اور دوسرے علوم عقلیہ میں کمال حاصل تھا۔ سلطان فیروز شاہ بن داؤد بہمنی (۸۱۰ء - ۸۲۵ء) کے مصاحب تھے۔ سلطان کے حکم سے دوسرے علمائے ہند کی مدد سے بالائکات میں رصد گاہ کی تعمیر شروع کی تھی لیکن ان کی موت نے جلدی کی اور رصد گاہ کی تعمیر تکمیل نہ ہو سکی۔

۱۵۔ فتح اللہ لمٹانی۔ شہاء الدین لمٹانی اور موسیٰ جعبری شاعر و سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ء کے شاگرد ہیں۔ دہلی میں تحصیل کی اور جعبری سے اجازت حاصل کی۔

۱۶۔ فضل اللہ بن فیض اللہ شیرازی۔ طاء الدین حسن بہمنی کے امرا میں تھے، علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے۔ دہشت، ہند۔ اور دوسرے فنون حکمت میں خصوصی پائے رکھتے تھے، نویں صدی کی سمیری دہائی میں ولایت پائی۔

۱۷۔ حکیم الحکماء فضل اللہ مندوی۔ تمام فنون حکمیہ میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ محمود شاہ غلی (۸۳۹ء - ۸۷۳ء) نے مندو کے سرکاری شہنشاہ کا افسر اعلیٰ بنا کر حکیم الحکماء کا خطاب دیا۔

۱۸۔ فیروز شاہ بہمنی سلطان دکن۔ علوم حکمیہ میں اپنے دور کے تمام ناما سے لائق تھا۔ سلطنت کی مصروفیت کے باوجود بچتے میں تین دن درس کے لیے مخصوص تھے۔ اگر دن میں فرصت ملتی تو رات کو چھاتا۔ فنون کی بڑی اور اہم کتابیں زیر دررس رہتی۔ ۸۲۵ء میں انتقال ہوا اور ۲۵ سال سات مہینے حکومت کی۔

۱۹۔ لطف اللہ سہواری۔ منطق و حکمت میں امتیازی درجہ تھا فیروز شاہ بہمنی نے امیر تیمور (۷۷۱ء - ۸۰۷ء) کے دربار میں ان کو وکیل السلطنت کی حیثیت سے بھیجا تھا۔

پروفیسر میں عبدعلیہ [کسی مام گورنر بن کر رہی] دسویں صدی علم عقلیہ کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں منطق میں صرف تفسیر اور کلام میں شرح مصنف عام درس کے نصاب میں شامل تھیں۔ منطق و فلسفہ اور کلام کی اعلیٰ اور دقیق کتابیں عمومی نصاب درس میں اسی صدی سے شامل ہونا شروع ہوئیں محقق دوانی متوفی ۹۱۸ھ، مرزا جان متوفی ۹۹۳ھ، عبد اللہ بخاری متوفی ۹۸۱ھ وغیرہ متأخرین علمائے ایران کی کتابیں اسی عہد میں ہندستان پہنچیں اور عام درسیات اور عام کتب مطالعہ میں داخل ہوئیں اور آہستہ آہستہ خود ہندستان علم عقلیہ کا مستقل اور منفرد مرکز بن گیا۔ اب بخاری علما ایرانی علما کے براہ راست تلمذ کے محتاج نہ رہے۔ بھی وہ صدی ہے جہاں سے ہندستان میں عبد اللہ بخاری، مرزا جان محقق دوانی وغیرہ ایرانی علما کے گامزنہ کے شاگردوں اور ان سے انتساب رکھنے والوں کا دور شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ ہندستان کے علوم عقلیہ کے اساتذہ کا ان ہی سے سلسلہ متاخرین علمائے ایران تک خصوصاً محقق دوانی تک پہنچتا ہے۔ اسی صدی سے علوم عقلیہ میں دقیق بحثیں اور موضوعات نیاں شروع ہوئی ہیں اور علوم عقلیہ کا مرکز نقل پورب کی طرف منتقل ہونے لگتا ہے

۲۰۔ ابو اللیث محمد بن عبد الرزاق گیانی - علوم حکمیہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اصلی وطن گیلان تھا وہیں نشوونما پائی اور اپنے والد اور دوسرے علمائے تحصیل علوم کی - طہماسپ شاہ صفوی (۹۳۰ - ۹۸۳) کے عہد ۹۶۴ھ میں ہندستان آئے اور اگبر (۹۶۳ - ۱۰۱۳ھ) کے دربار میں مقرر بن گئے۔ اکبر کے گمراہ ہونے میں (ن) کو بھی عاصد اصل تھا۔ ۹۹۷ھ میں حسن ابدال میں انتقال ہوا۔

۲۱۔ ابو الفضل استرابادی - قاضی جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی مشہور بہ طاہر جلال و محقق دوانی کے شاگرد تھے اور علوم حکمیہ میں اپنی جگہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، ہندستان آکر گجرات میں اقامت اختیار کی۔ ان کا درس اس عہد کا مشہور اور مستند درس تھا۔ چنانچہ ان کے درس سے کثیر علما نے فیض حاصل کیا۔

۲۲۔ احمد بن نصر اللہ سدھی - مشہور ایرانی لاصل، حبیب اللہ بن عبد اللہ معروف بہ مرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے، لاسنہ کے مختلف مذاہب و مسالک پر نظر تھی، چنانچہ انہوں نے لاسنہ کا تذکرہ بھی لکھا تھا جس میں ان کے مذاہب پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

۲۳۔ اسماعیل عرب دہلوی - دہلی کے مشہور اصحاب درس میں شمار کیے جاتے تھے، شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور بعد کے اکثر مشہور علما انہیں کے حلقہ درس کے خوش چہیں رہے تمام فنون حکمیہ،

ہست ، محدث ، طب و غیرہ میں ان کے درس کی فہرت تھی ، دہلی کے مدرسہ ہمایونی میں جس کو شہنشاہ ہمایون (۹۳۴ - ۹۶۳) نے قائم کیا تھا - درس دیتے تھے اور کثیر المدرس شمار ہوتے تھے - دہلی میں اپنے گھر میں چاروں کے ہاتھوں شہید ہوئے -

۲۳ - ابو داؤد بن احمد سلطان - درس منطق و فلسفہ کے نامور اساتذہ میں تھے - پر داد اکمال الدین نے براہ راست میر سید شریف سے تحصیل علوم کی تھی -

۲۵ - سید جلال الدین حسینی - علوم و فنیہ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی مہارت رکھتے تھے - منطق و فلسفہ کی تحصیل کے لیے دہلی میں منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ عبداللہ طلیعی ملتانی کے درس میں شامل ہو کر علوم حکمیہ کی تکمیل کی دہلی سے آگے آئے اور شیخ رفیع الدین صفوی شیرازی مشہور محدث کی خدمت میں رہ کر ان کے محدث کے درس میں شریک ہوئے اور فراغت کے بعد اپنے وطن بدایوں میں اپنا سلسلہ درس جاری کیا جو تا حیات قائم رہا - بعد کے اکثر مقامی اور غیر مقامی اکابر نے ان کے حلقہ درس سے فیض اٹھایا ہے -

۲۶ - جمال الدین شیرازی - اپنے وطن ایران میں علامہ دوانی کی شاگردی اختیار کی - اسامیل صفوی (۹۰۶ - ۹۳۰) کے ایران پر تسلط پانے کے بعد جہاں اور بہت سے علمائے ہجرت کی یہ بھی ہندوستان آگئے شیخ رفیع الدین شیرازی محدث کی صحبت میں رہے پھر گجرات چلے گئے دہلی سے آگے آئے اور یہیں رہ پڑے - علامہ دوانی کے حاشیہ قدیمہ پر ان کا بھی حاشیہ ہے - دسویں صدی کی آخری دہائی میں انتقال ہوا -

۲۷ - رفیع الدین بن مرشد الدین حسینی صفوی شیرازی - علامہ دوانی کے شاگردوں میں تھے ، علوم عقلیہ کی علامہ دوانی سے تکمیل کرنے کے بعد حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا ، علامہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ سے محدث پڑی اور ان کی خدمت میں بہت دنوں رہے ، سلطان سکندر لودی (۸۹۳ - ۹۲۳) کے زمانے میں ہندوستان آئے اور آگرہ میں سکونت اختیار کی - ہندوستان کے اکابر علم اور متمدن علما میں گئے جاتے تھے - سلطان سکندر لودی بہت عزت کرتا تھا اور حضرت علیا سے مخاطب کرتا تھا - علم حدیث کی تصنیف اور اس کے درس کی وجہ سے محدث گویا نام کا جز بن گیا - ۹۵۳ھ میں آگرہ میں ہی وفات پائی -

۲۸ - سلطان شاہی بیگ بن ذوالنون ارغون قندھاری - صاحب علم و قلم اور اپنے مہد میں علوم

عقلیہ اور نقلیہ کے فاضل تھے۔ والد کے بعد قندھار کے عمت پر بیٹھے اور ایک زمانے تک مستقل حکومت کی۔ باپ نے قندھار پر قبضہ کیا تو سداہ آکر اس پر قابض ہو کے سلطنت کی۔ سلطنت کی معرکہ جوتوں کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی غافل نہیں رہے منطق میں شرح مطالع پر حاشیہ لکھا نحو میں ابن حاجب متوفی ۶۳۶ھ کے کافیہ کی شرح کی۔ فرائض میں میر سید شریف کی شرح سراپا پر اور دوسرے مختلف فنون کی کتابوں پر حواشی لکھے ۳ شعبان ۹۲۸ھ میں ولایت پائی۔ بیکر میں دفن ہوئے پھر نکوت کہ معظمہ لے جایا گیا اور جنت معنی میں دفن کیا گیا۔

۲۹۔ شمس الدین احمد سلطان پوری۔ شیخ الہ داد سلطان پوری کے بھائی ہیں۔ اور بھائی کی طرح منطق و فلسفہ میں بڑا پایہ رکھتے تھے اور علوم عقلیہ کے مشہور اساتذہ تھے۔

۳۰۔ حکیم الملک شمس الدین۔ شاہ محمد شاہ آبادی وغیرہ مشہور علما سے تحصیل علوم کی، فقہ و اصول فہمی مہارت کے ساتھ منطق اور دوسرے فنون حکمیہ میں اپنے معاصرین میں ان جیسا کوئی نہ تھا، مختلف علوم و فنون کا درس دیتے تھے اور اوقات درس کا اہتمام لکھتے تھے کہ کہیں آتے جاتے نہ تھے کہ درس مانع نہ ہو جائے۔ ہندت شریف الطبع تھے۔ کرم و سخا گویا فطرت تھی۔ طلباء کو اپنے ساتھ لکھا کھلاتے تھے۔ تنہا کبھی نہیں کھاتے تھے۔ دہلی آئے تو بڑی عزت اور احترام سے دیکھے گئے حتیٰ کہ اکبر (۹۶۳-۱۰۱۳) نے اپنے معالجین میں شامل کر لیا، بادشاہ اور دیگر علما میں ان کی بات کا وزن تھا اور یہ بھی حاجت مندوں کی حاجت روائی اور سفارش میں بخل نہیں کرتے تھے۔ شاہی مصاحبت میں علما سے آگئے اور اکبر ان سے متاثر ہونے لگا اور اپنی موعظت اور بحث کا اثر نہیں دیکھا تو شاہی صحبت سے کراہ کٹی اختیار کر لی اور ۸۸-۹۸۹ھ میں حجاز ہجرت کر گئے اور ولایت پائی۔

۳۱۔ طاہر بن رضی اسماعیل عبیدی حمدانی۔ عراقی عجم کی مشیخت حمدانی تھی جب طاہر اس حمدانی منصب پر فائز ہوا تو مستعدین کی بہت بڑی جماعت اپنے گرد جمع کر لی۔ شاہ ایران اسماعیل بن حیدر صلوی کو ان کے گرد مستعدین کی اتنی بڑی جماعت دیکھ کر بدظنی ہوئی۔ تو انہوں نے اس مشیخت سے علحدگی اختیار کر لی اور شاہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ کچھ دنوں ان کے پاس رہے پھر کاشان میں صدر ایسی خدمت سپرد ہوئی کچھ مدت دبا رہے اور وہاں بھی اچھے عاصی مستعدین پیدا کر لیے۔ ساتھ ساتھ پرانے مستعدین بھی جمع ہونے لگے اسماعیل کو اس اجتماع سے پھر وحشت ہونے لگی۔ ادھر کچھ لوگوں نے الاملا کا الزام لگایا شروع کر دیا، چنانچہ اسماعیل نے ان کے قتل کا حکم دے دیا یہ گرفتاری سے

خطے ہی ہندوستان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور جہانپور میں اقامت اختیار کر لی۔ بادشاہ کو ان کے علم و فضل کی اطلاع ہوئی تو احمد نگر بلا لیا اور ملتے میں دو دن قیام میں ان کے درس مقرر کروائے، ان کے درس میں وہاں کے علاوہ فضلاء بیٹھنے لگے کبھی کبھی خود بادشاہ بھی حاضری دیتے۔ اس اثناء میں برہان نظام شاہ (۱۳-۹۶۱) دہلی احمد نگر وکالا کا لڑکا عبداللہ اور سخت پیر ہوا زینت کی اسید جاتی رہی۔ طاہر نے اس سے یہ عہد لے کر کہ لڑکا پیدہ ہو گیا تو وہ جنھوں اور عیدین کے خطبوں میں ائمہ اہل عشری کے ناموں کا اضافہ کرادیا اور شبی مسلک کی اپنے مقبوضات میں ترویج کر دیا۔ بادشاہ نے یہ عہد کر لیا لڑکا شلایاب ہو گیا تو طاہر نے اسے شیعیت کی، اس کے تولد اور تہرا کی متعلقین کی۔ پتا چپ نظام نے مع اپنے حامدان اور خدمت گاروں کے شیعیت اختیار کر لی۔ ۹۵۶ھ میں احمد نگر میں انتقال ہوا۔ اور احمد نگر میں دفن ہوئے اور بعد کو ان کا مکتبہ کربلا لے جایا گیا اور دفن کر دیا گیا علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ علوم غریبہ، جہر رمل وغیرہ میں بھی یدِ طولی رکھتے تھے کلام و عقاید فقہ وغیرہ فنون میں ان کی تصانیف ہیں کام میں باب حادی عشر، فقہ امامیہ میں جملہ کی شرحیں تفسیر بیضاوی، اشارات و محکمات، شفا، تجسّی، مطول اور گلشن راز پر حواشی لکھے۔ محمد شاہی کی شرح کی پانچ نام کا رسالہ دستے میں پانچ میں بیٹھے بیٹھے لکھا ان سب پر شاعری مستزاد تھی۔

۳۲۔ میرک عبدالہق بن محمود سہروردی سندھی۔ علوم حکمیہ منطق و فلسفہ، دینیت و حدیث وغیرہ علوم میں غیر معمولی دستگاہ تھی۔ اقلیدسی شکلوں کے علاوہ ہندسی شکلیں اختراع کی تھیں۔ اپنے زمانے کے کثیر الدرس استاد میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۸۳ھ میں وفات پائی۔

۳۳۔ عبدالخالق گیلانی علوم حکمیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ فاضل مرزا جان اور امیر فتح اللہ شیرازی کے پائے کے فاضل تھے قاضی محمود اور اس عہد کے بڑے لوگ ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ مشہور فاضل عبداللہ بڑوی کے شاگرد تھے قدح تار ۹۷۲ھ میں سندھ میں بمکر میں آئے وہاں سے ٹھٹھ میں آکر سکونت اختیار کر لی اور درس میں معروف ہو گئے آخر میں دکن آ گئے تھے۔

۳۴۔ قاضی عبدالکامیل احمد جانی۔ صاحب ہدایہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ کی اولاد میں اولاد کے شاگردوں میں تھے۔ اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے، اکبر نے انہیں قاضی بنادیا۔ شرح مواہف اور شرح مطالع اور ان کے حواشی کا درس بہت مشہور تھا۔ اور ضرب المثل کے طور پر حوالہ دیا جاتا تھا۔

۳۵۔ وزیر کبیر، مسعود علی، آصف خان، آغا کاظم عبدالعزیز بن محمد گیلانی۔ علوم شرعیہ میں بہت بڑا درجہ رکھنے کے ساتھ مطلق ولایت میں بڑا پایہ تھا اور ان علوم میں سید محمد شمس الدین استرآبادی سے تلمذ تھا جو علقہ دوانی کے ارشد کاغذہ میں سے تھے ہجرت کے باوجود بہادر شاہ نیکوئی (۱۰۳۳ھ) کے وزیر اعظم تھے۔ اہل بیت کے لباس میں درویشی فرما کر تھے ۱۱۱ھ میں شہید ہوئے۔

۳۶۔ شیخ عبداللہ دوس بن اسماعیل رودوسی گیلوی ہندوستان کے مشہور مشائخ میں ہیں۔ تصوف و کلام میں تصنیفات ہیں شرح مصانف جو کلام میں ہندوستان کی درسی کتاب تھی اس پر ان کے حواشی تھے، تصوف میں حروف الحروف کی بہت مفصل شرح لکھی ہے۔ ان کے علاوہ تصوف میں متعدد کتابیں ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۹۳۲ھ میں گنگوہ میں ولایت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

۳۷۔ ملک العبد عبداللہ بن الہ داد تلمیذی ملتان دیوبند۔ ہندوستان کے مشہور اصحاب درس اساتذہ میں شمار تھا۔ علمائے ہند کا سلسلہ اساتذہ ان تک پہنچتا ہے۔ مطلق ولایت کی تحصیل کے لیے عراق حرم میں عبداللہ ہندی کی شاگردی اختیار کی اور مدت تک ان کی صحبت میں رہے اور ان کے اکابر کاغذہ میں گئے جاتے تھے۔ ہندوستان میں یہ خطے فطرس ہیں جنہوں نے ایران کے متأخرین علوم عقلیہ کی کتابوں کو ملک میں رواج دیا اور بہت توفیق و تحقیق سے ان کا درس دیا۔ سلطان سکندر لودھی (۸۹۳-۹۲۳) کا خاص طور سے ان کی بہت عزت اور ان کا احترام کرتا تھا۔ ملاقات کے لیے خود آتا تھا ملک العلماء کا خطاب اسی نے دیا تھا۔ ۹۳۲ھ میں ولایت پائی۔

۳۸۔ عضد الملک امیر فتح اللہ بن فخر اللہ شبلی شیرازی۔ ایران کے علوم عقلیہ کے مشہور فضلاء جمال الدین محمود کمال الدین خروانی، میر غیاث الدین منصور متوفی ۹۳۸ھ سے تلمذ ہے اور ایک زمانے تک ان اساتذہ کی سمجھوتوں سے مستفید ہوئے، غیر معمولی شہرت حاصل کی علوم عقلیہ میں اپنے زمانے کی واحد شخصیت شمار ہوتے تھے۔ ہندوستان میں علی عادل شاہ (۶۵-۹۸۸) کی طلب پر آئے اور بڑی حُرمت و منزلت سے رہے۔ علی عادل شاہ کے قتل کے بعد آگرہ آگئے۔ اکبر نے بھی بڑے اعزاز سے رکھا کھلے صدر ہایا پھر دیوانی وزارت میں تقرر کیا۔ کھلے امیر الملک پھر مستند الدولہ اور آخر میں عضد الملک کے خطاطوں سے نوازا۔ علوم عقلیہ میں مہارت کے ساتھ ساتھ علوم غریبہ، نیر نبات و طلاسم میں بھی ان کی نظیر نہ تھی۔ تحقیق دوانی صدر الدین شیرازی متوفی ۹۰۲ھ غیاث الدین منصور لاضل مرزا جان و غیرہ متأخرین حکماء مسلمین کی کتابوں سے اہل ہند کو روشناس کیا اور درسیات

میں ان کو مقبول بنایا۔ اکثر مسلم لاسلہ بعد کا سلسلہ تلمذ ان کے توسط سے ہی متاخرین اہل ایمان تک پہنچا ہے۔ ان کی تصنیفات میں فارسی میں قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ علامہ دوانی کی شرح چندیب کا تعلق بھی لکھا اور اس پر حاشیہ لکھا۔ ۹۹۳ھ میں ولایت پائی۔ کشمیر کے رستے میں کوہ سلیمان پر دفن کیا گیا۔

۳۹۔ کریم الدین ٹھٹھوی، سدھی۔ لغت نحو، فقہ، اصول فقہ اور منطق و فلسفہ کے نامور علما میں شمار تھا۔ درس ولایت میں اوقات صرف ہوتے تھے۔

۴۰۔ محمد بن حسن علی احمد نوری۔ علمائے منطق و فلسفہ میں اعتباری درجہ رکھتے تھے۔ قاضی میر حسین بن معین الدین ہندی موتی ۸۹۰ھ کی شرح ہدایہ ائمہ پر سلطان حسین نظام شاہ (۹۱۱ھ) کے عہد میں حاشیہ لکھا تھا۔

۴۱۔ علامہ الدین محمد بن اکمل الدین حسین لاری سنبل۔ عراق اصلی وطن تھا۔ علامہ دوانی کے شاگرد ہیں۔ منطق و حکمت خاص مضنون تھے۔ علی قلی شیبانی مقتول ۹۷۴ھ کے استاد تھے۔ کچھ دنوں بجنور میں رہے پھر آگرہ آگئے جہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی چون کہ مدرسے کی عمارت گھاس پھوس کے چھجروں پر قائم تھی لوگوں نے مدرسہ خس سے اس کی تاریخ لٹائی ہے۔ مغل بادشاہ اکبر نے سنبل میں جاگیر میں زمین دی تھی چنانچہ سنبل میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے

۴۲۔ جمال الدین محمد بن زین الدین عربی۔ شیراز اصلی وطن تھا، وہیں کے اساتذہ سے علوم فنون کی تحصیل کی۔ اس کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ علوم حکمیہ میں خاصی دستگاہ تھی، ہندوستان آکر ابوالفیض مبارک ناگوری موتی ۱۰۰۴ھ کی مصاحبت میں کچھ مدت تک رہا پھر ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی موتی ۹۹۷ھ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ ابوالفتح کی سفارش سے جان جاناں عبدالرحیم خاں بن بیرم خاں موتی ۱۰۳۶ھ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ۹۹۹ھ میں لاہور میں ولایت پائی اور نجف اشرف میں اس کی ہڈیاں دفن کر دی گئیں۔ فلس نامقہ کی بحث پر اس کا بہت عمدہ رسالہ ہے۔

۴۳۔ عماد الدین محمد بن محمود الطائری۔ خراسان کے گاؤں طارم میں پیدا ہوئے علامہ دوانی اور دیگر علما سے تحصیل علم کی۔ ہندوستان میں آکر گجرات میں سکونت اختیار کی۔ ہمدان اپنے مسکن پر ہی درس و تدریس شروع کر دی۔ گجرات کے بڑے بڑے علما نے ان کے حامن تلمذ میں تربیت پائی۔ چنانچہ اپنے عہد میں گجرات کی علمی ریاست کے جہاں مسد فلسفے بکھے جاتے تھے، ہمدان شاہ گجراتی (۳۲۱-۹۴۳)

کے عہد میں ۹۳۱ء میں ولادت پائی۔

۳۳۔ سید کاظم الدین گنج شہر لاری گجراتی۔ علوم حکمیہ میں پختہ زمانے کے نمایاں حکما میں شمار تھا۔ اپنے والد سے علوم فنون کی تحصیل کی اور اپنے زمانے کے کائنات جات تھے، پوری زندگی درس تدریس میں گزار دی، اُن کے دامن تلمذ میں بڑے بڑے علمائے حریت پائی۔

۳۵۔ قاضی محمد بخاری جو بخاری۔ منطق و حکمت میں اپنے وقت کے نامور فاضل تھے۔ ایرانی علمائے تحصیل علم کی۔ مرزا جان شیرازی کے شاگردوں میں تھے، اکبر کے دربار میں بہت دنوں بارہاب بیٹے۔ پھر جون پور کے قاضی، جلیبیہ کے ہنالت متعصب شیعہ تھے۔ ۹۹۸ء میں اکبر کے خلاف باغیوں کی مخالفت کے الزام میں قید و بند کے ساتھ اکبر نے گرفتار کرا کے دلی طلب کیا۔ رستے میں دریا کے بھا میں کھینچ ڈوب گئی یا ڈوب دی گئی اور اس حادثہ میں ہلاک ہوئے۔

۳۶۔ محمد سعید ترکستانی۔ منطق و فلسفہ میں وحید العصر تھے، کچھ کتابیں احمد جود سے پڑھیں اور کچھ محمد سرخ سے کچھ دنوں عصام الدین ابراہیم بن محمد بن عرب شاہ اسطرائیلی متوفی ۹۳۵ء کی شاگردی اختیار کی۔ ۹۶۰ء میں ہندوستان آئے اکبر کی تھرو دانوں نے پھر جہاں سے جانے نہ دیا۔ طلبہ جوق در جوق ان کے درس میں جانے لگے اور درس و افلاک میں عمر بھر معروف رہ کر ۹۷۰ء میں ولادت پائی۔

۳۷۔ سید مرتضیٰ شریانی۔ میر سید شریف جرجانی کے پوتوں میں اور مذہباً شیعہ تھے۔ منطق و حکمت دریا ضی میں بے طولی حاصل تھا جانچ ان میں نواور عصر میں شمار کیے جاتے تھے اور ان میں ان کے درس کی شہرت تھی۔ ۹۷۲ء میں دلی میں ولادت پائی۔

۳۸۔ مصطفیٰ الدین لاری۔ فنون حکمیہ میں یکماتے عصر تھے درس و تدریس میں ایک مدت گزار دی بعد کا سلطان، مرزا شاہ حسین (۹۲۸ - ۹۶۲) ان کا شاگرد تھا۔ ۹۶۰ء میں مکہ معظمہ ہجرت کر کے چلے گئے ان کی تصنیفات میں تفسیر بیضاوی پر حواشی اور شمائل ترمذی پر بسطہ شرح کے ساتھ لاری میں منطق پر بھی رسالہ ہے۔

۳۹۔ نجم الدین کسری۔ علوم حکمیہ کے نامور فضلا میں شمار تھا۔ ہندوستان میں آنے پر احمد نگر میں سکونت اختیار کی اور وہاں کے سلاطین و امرا کی بخششوں اور انعاموں سے فیضیاب ہوتے رہے اور آرام و راحت سے زندگی بسر کی۔ ۹۹۷ء میں قتل ہوئے۔

۵۰۔ نصیر الدین کشمیری نابینا۔ ہندو کشی نابینا تھے منطق و فلسفہ اور کلام میں نگاہ عصر تھے۔ کشمیر

میں محدثی رہاست ان پر غم قہمی - پوری زندگی درس و تلامذہ میں گزار دی - بڑے بڑے فضلاء ان کے درس سے لگے - ۹۳۶ھ میں ولایت پائی - شہیت کی طرف میلان تھا -

۵۱ - نور الدین بن سلطان ہروی، سلیطہ دلی - فنون ریاضیہ میں مہارت کے ساتھ منطق و حکمت میں ید طولی تھا - خراسان کے جام نائی قصبہ میں پیدا ہوئے، مشہد میں لکھو نما ہوا - ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آئے ہمایوں نے قدر دانی کی اور اس کے مصاحبین میں شامل ہو گئے - ہمایوں نے ان سے بعض فنون میں استفادہ کیا، علم اسطرلاب انھوں نے ہمایوں سے حاصل کیا - دربار کے حواصی گرد ہل تک اور وہاں سے دوسرے شہروں میں ایک خبر لکھنا سو بہل کے رقبے میں نکالی تھی - جس سے لوگوں نے ایک زمانے تک لامذہ اٹھایا - سرحد سے متعلق علاقے میں سلیطہ دن گاؤں ان کے محنت تھا، جس کی وجہ سے سلیطہ دلی کہلائے، اکبر کے عہد میں ۹۹۳ھ میں ولایت پائی -

۵۲ - وجیہ الدین بن نصر اللہ طوی گجراتی - ہندوستان کے سب سے بڑے استاد میں شمار کیے جاتے تھے - معاصرین میں اکثر تصانیف اور قوت درس میں ان کی نظیر نہ تھی - اپنے زمانے کے استاد سے تعلیم حاصل کی اور آخر میں عماد الدین محمد طبری کی شاگردی اختیار کی اور منطق و حکمت کے علاوہ دوسرے علوم آئینہ و عالیہ کی ان سے تکمیل کی اور پوری توجہ صرف کی چنانچہ اپنے استاد کی زندگی میں ہی اکابر علماء میں شمار ہونے لگا - مونا جونا جونا اور حوامی انداز میں زندگی گزار دی - امرا اور اہل دولت سے ہمیشہ اجتناب رہا - عمر میں ایک دو مرتبہ ایسے لوگوں کے جہاں کبھی جانے کا اتفاق بھی ہوا تو جبریہ - نذرانوں و میرہ سے جو حاصل ہوتا وہ بھی طلبہ پر خرچ ہوتا - درس و تعلیم اور تصنیف و تالیف میں عمر بسر کر دی - نحو، فقہ، اصول حدیث و غیرہ کے علاوہ فنون عقلیہ میں تحقیق طوی متوفی ۶۷۲ھ کی قمریہ کی - اصفہانی (فلس الدین محمد بن عبدالرحمان اصفہانی متوفی ۷۳۶ھ) کی شرح پر حاشیہ، توضیح شرح تنقیح الاصول از صدرا الشریعہ عبداللہ بن مسعود محبوبی متوفی ۷۳۶ھ کے حاشیہ تلویح از علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی پر حاشیہ، اصول الیروسی از فخر الاسلام علی بن محمد بدودی متوفی ۸۲۸ھ پر حاشیہ، عقائد لسنی از نجم الدین ابو طحس عمر بن لسنی متوفی ۸۳۷ھ کی تفتازانی کی شرح پر حاشیہ، قاصی عضد الدین عبدالرحمان بن احمد بلی متوفی ۸۵۶ھ کی عقائد مضدہ پر حاشیہ، ردائی کے حاشیہ ہمدرد پر حاشیہ، ابلی کی مواقف الکلام کی میر سید شریف کی شرح پر حاشیہ، معاصدا الطالبین فی علم اصول الدین از تفتازانی کی معصف کی اپنی شرح پر حاشیہ، حکمت العین از نجم

الدرین ابو الحسن علی بن محمد کلابی متوفی ۶۷۵ھ کی فہم الدین محمد بن مبارک شاہ کی شرح پر حاشیہ، کلابی کی فہم کی قلم الدین محمد رازی حنفی متوفی ۷۶۶ھ کی شرح، تحریر القوادح السلطانیہ پر حاشیہ، ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ ۹۹۸ھ ولادت پائی۔

۵۳۔ شیخ اللہ بن عطاء اللہ، شاہ میر شیرازی گجراتی۔ اپنے ہمد کے بڑے علما میں تھے۔ اور میر صدر الدین محمد شیرازی متوفی در حدود ۹۳۰ھ صاحب اسرار اربعہ متوفی ۱۰۵۹ھ نے ہی فی البیان ساقیوں میں تھے اور انہیں کے اساتذہ سے ان کے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی۔ ۸۹۸ھ میں گجرات آئے اور وہیں سکونت اختیار کی اور دس کا سلسلہ شروع کر دیا، دور دور سے طلبہ پہنچنے لگے۔ دست و ضبط کے علاوہ فنون عقلیہ میں مواقف کی شرح، لوامع البرہان فی فہم القرآن، تفسیرانی کی جہیز الملتحق والکلام کی شرح اور فہم کی شرحوں (الابنا قطبی و صحبہ) پر محاکمہ ان کی تصنیفات ہیں۔

۵۴۔ یونس بن ابی یونس سرحدی، سلمی۔ علوم حکمیہ کے نامور علما میں شمار ہوتے تھے۔ ۹۵۱ھ میں ولادت پائی۔

گیارہویں صدی

ہندستان میں علوم عقلیہ کی گرم بھاری کی ابتدا تو ہو ہی چکی تھی، مسافرین حکمائے ایران کی کتابیں آپکی تھیں اور ہندستان درسگاہوں میں مبادلہ تھیں، لیکن محققین و مدقین سے فکر کی حریت و اصالت کی اچھا گیارہویں صدی میں ہوئی، عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ اسی ہمد کے ہیں۔ ۵۵۔ ابوالفتح ملتانی۔ فقہ و اصول اور عربیت کے نامور اور فنون حکمیہ کے معروف علما میں شمار ہوتے تھے اور ان میں ان کی مہارت مسلمہ تھی۔ شاہ جہاں کے ہمد کے اصحاب درس میں ان کا شمار تھا۔

۵۶۔ ابوالفضل بن مبارک ناگوری۔ ذہانت و فطانت میں یکتا کے روزگار تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں مصارف علوم سے فراغت حاصل کر لی تھی اور اب پوری توجہ علوم حکمیہ پر تھی چنانچہ ان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ تھری پانچ سال درس و تعلیم میں گزارے۔ ان کی شہرت سن کر اکبر نے ان کو طلب کیا اور اپنے مقربین میں ان کو شامل کر لیا اور آخر وزارت عظمیٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔ اکبر کے اتحاد میں ان کو خاص و مل تھا۔ ۱۰۱۱ھ میں دکن سے لوٹے میں جاکر (۱۰۱۳-۱۰۳۶) کے حکم سے اکبر

کے مہر میں قتل کر دیے گئے۔

۵۷۔ احمد بن سلیمان بکراتی۔ اصلاً گرد تھے والد بوسان آئے اور بکرات میں حکومت اختیار کر لی۔
عام درسیات کا مضمون محد شریف بکراتی سے حاصل کیے اور فنون عقلیہ کی تکمیل مامودی بکراتی سے کی
فنون حکمیہ کی اشاعت ان سے ہی ہوئی۔ درس و تلامذہ میں ساری عمر صرف کر دی۔ مختلف فنون میں
تصنیفات ہیں۔ ۱۰۹۶ھ میں ولایت پائی۔ فیض القدس کے نام سے علم کلام میں ان کی مطبوعہ کتاب

۵۸۔ قاضی الداد صدیقی بنگرامی۔ اپنے زمانے کے معروف فاضل تھے۔ مولود علی بگرامی قحطیہ

پور کے عبدالرحمان بن علاء الدین عباسی متوفی ۹۷۶ھ کے پاس رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور
بنگرام میں لہذا درس جاری کیا۔ کچھ دن بگرام کے قاضی بھی رہے۔ چندیب السطیع پر ان کے حواشی
تھے۔

۵۹۔ عبدالہادی بن خورشید الاسلام صدیقی جو پوری۔ منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ ملاحضہ
جو پوری کے شاگرد تھے۔ استاد کی ولایت کے بعد مسعود دوس سنہالی، مانگیر (۱۰۶۸-۱۱۸۸) نے آٹھ نو
سو کی سالانہ آمدنی کا ایک گاؤں صلحت کیا۔ فن مناظرہ میں شریلیہ کی شرح الاداب الباقیہ لکھی۔ پھر
استاذ کے حکم سے ایک دوسری شرح الامساک الباقیہ لکھی جو رشیدیہ پبلیشیں ہیں۔ ۱۲ جلوس مطابق
۱۰۸۲ھ میں ولایت پائی۔

۶۰۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی۔ ہندوستان کے کھلے بزرگ ہیں جنہوں نے ملک میں
علم حدیث کو رواج دیا اور درس و تصنیفات سے اس کی اشاعت کی۔ جہالت کم سنی میں اپنے
والد متوفی ۹۹۰ھ اور دہلی کے دیگر اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی پھر کہ مطہر ماکرج و زیارات سے
مشرف ہوئے اور حرمین کے فیہر حدیث سے کتب حدیث پڑھیں اور عام و خاص اجلا میں حاصل
کیں۔ پھر ہندوستان آکر خدمت حدیث میں معروف ہوئے۔ مختلف علوم و فنون میں کثرت سے
تصنیفات ہیں۔ منطق میں فہمیہ کا اقتضاد کیا فہمیہ کی شرح بھی لکھی لیکن مکمل نہیں ہوئی۔ الہیات
میں رسالہ فی بحث الوجود لکھا۔ ۱۰۵۲ھ میں ولایت پائی۔

۶۱۔ عبد الکیم بن فہم الدین سیالکوٹی۔ ہندوستان کے جہالت مشہور اور نامور فاضل ہیں،
ذکاوت، استحضار وقت نظر اور لغز و محقق میں بے نظیر تھے۔ شاہ جہاں (۳۶۱-۱۱۰۹۸) نے انہیں دو

ہر چاندی میں تلوایا اور کئی گاؤں جاگیریں لیے جانا جو غرض عشق کے ساتھ تصنیف و تالیف اور دوس و
 سمدر میں عمر بسر کی فتح کامل الدین بن موسیٰ کشمیری سے دو جہانگیری کی۔ قریب قریب
 ساٹھ سال تک دوس رہا۔ چنانچہ کثرت دوس میں ان کے ہمد میں ان کا کئی جہانگیران
 کے فضل و کمال کا گرویدہ تھا اور ہر محفل میں ان سے حضور کرتا تھا۔ ساتھ ساتھ کئی کئی کسی
 کی ہوا وہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۸ جرح الاول ۱۰۶۷ء کو دلات پائی اور سیاکوٹ میں مدفون ہوئے۔ تفسیر
 میں بیضاوی ہے۔ اصول فقہ میں تلوح کے مقدمات اربع ہے۔ محافل دیہان میں تفتاری کی معلول ہے۔
 علم کلام میں میر سید شریف کی شرح موافق ہے۔ تفتاری اور دواتی کی علاوہ حنفیہ کی شرحوں پر اور
 شرح علاوہ تفتاری کے شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۶۰ھ کے حاشیہ ہے۔ منطق میں قطبی
 اور اس کے حاشیہ میر سید شریف پر اور شرح مطلع پر حکمت و فلسفہ میں شرح حکمت العین اور عابدی کی
 شرح ہدایہ اہلکۃ پر انھوں میں ابن حاجب متوفی ۶۳۶ھ کے کافی کی عبدالرحمان جانی متوفی ۸۹۸ھ کی
 شرح فوائد ضیائیہ پر اور عبدالغفور لاری متوفی ۹۱۲ھ کے حاشیہ پر حاشی لکھے۔ صرف میں احمد بن
 علی کی حراج الارواح پر حاشیہ لکھا۔ ان کے علاوہ ان کے دوسرے حواشی اور رسائل ہیں۔ علم
 واجب تعالیٰ پر الدرر النخعی فی اثبات علم الواجب ان کا مشہور رسالہ ہے۔

۶۲۔ عبدالرحمان بن ابوالفضل ناگوری علوم حکمیہ میں نامور فاضل تھے علوم حکمیہ میں اپنے باپ
 ابوالفضل بن مبارک ناگوری کے شاگرد ہیں عمر بھر حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر رہے جہانگیر نے افضل
 حاکم کا خطاب دیا، صوبہ بہار کا حاکم بنایا اور گورکھپور جاگیر میں رہا۔ ۱۰۲۲ء میں انتقال ۱۰۲۷ء

۶۳۔ قاضی عبدالرحیم بن عبدالرشید بہاری، مراد آبادی۔ اپنے زمانے کے مشہور علما میں ہیں۔
 عبدالحکیم سیاکوٹی سے قریب قریب نو سال ان کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم کی مراد آباد کے قاضی کے
 عہدے پر فائز ہوئے اور ایک زمانے تک وہیں دوس رہا۔

۶۴۔ عبدالرزاق کشمیری منطق و فلسفہ اور کلام کے سرآمد اور علما میں تھے، شاہجہاں کے عہد میں
 ہندوستان آئے، شاہجہاں نے انہیں کابل میں درس دینے کی خدمت سپرد کی، چنانچہ بہت زمانے تک
 درس دیتے رہے قریب الدین رازی کی محاکمات کی تردید لکھ رہے تھے، کئی راتیں مسلسل جاگتے، اس
 سے دماغ قفل ہو گیا۔ اس دماغی اختلال میں حلقوم پر پتھری پھیری، شاگردوں نے یہ حال دیکھا تو فوراً
 کس کر بندھ دیا اور علاج شروع کر دیا، خدا نے شفا دی، انہوں نے خدمت دوس سے استعفاء دیر یا

اور تکسیر چلے آئے اور سکونت اختیار کر لی شرح تجرید پر حواشی لکھتے تھے۔

۶۵۔ مفتی عبدالسلام بن دو سعید کرمانی دیوبند اپنے زمانے کے غیر معمولی ذہین لوگوں میں شمار تھا اور علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں میں فضل و کمال رکھتے تھے۔ قصبہ دیوہ مولہ و غلا تھا، شہر کے استادہ سے تعلیم پوری کر لی تو لاہور ہجاکر مفتی عبدالسلام لاہوری کی صحبت میں ان سے علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کی اور وہیں ایک مدت تک درس دیا۔ پھر شاہ جہاں کے لشکر کے مفتی مقرر ہو گئے ایک زمانے تک یہ خدمت انجام دی، پھر اس سے سبکدوش ہو کر لاہور کی سکونت لے لی۔ حاشیہ خیالیہ شرح صحائف ہد تکسیر بیضاوی پر، ہدایہ وغیرہ پر حواشی لکھے اور جہناب المنطق کی شرح لکھی۔ ۱۰۳۶ھ تک زندہ تھے۔

۶۶۔ مفتی عبدالسلام لاہوری۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے۔ فنون حکمیہ فتح اللہ شیرازی سے حاصل کیے اور لاہور میں تقریباً پچاس سال تک درس دیا، بڑے بڑے علماء ان کے درس سے نکلے۔ ایک زمانے تک لشکر کے مفتی بھی رہے پھر اس خدمت سے سبکدوش ہو کر درس و الاداء میں زندگی گزار دی۔ ۱۰۳۶ھ میں ۸۰ یا ۹۰ سال کی عمر میں انتقال ہوا، تفسیر بیضاوی پر ان کا حاشیہ ہے۔

۶۷۔ عبدالعزیز بن عبدالرشید اکبر آبادی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی پھر درس و الاداء میں معروف ہو گئے، فتاویٰ حاکم عالمگیری متوفی ۱۰۶۶ھ نے ۱۰۸۰ھ میں حاشیہ اور رنگ زنب کی خدمت میں پیش کیا۔ چنانچہ اس نے انہیں منصب عطا کیا، علم کلام میں ان کا فارسی رسالہ کشف الغطاء ہے۔ ۱۰۸۸ھ میں انتقال ہوا۔

۶۸۔ علی بن حسین نقشبندی۔ بہر کے ٹکینے کھودنے میں ماہر تھے، ان کے ٹکینے عراقی غراسان وغیرہ مختلف ممالک میں جاتے تھے۔ اسی لیے نقشبندی کے لقب سے مشہور تھے نقشبندی تو ان کا پیشہ تھا جس نے ان کے علمی کمالات کو چھپا لیا ورنہ وہ اپنے زمانے کے فضلاء میں تھے۔ حکمت طبعی اور ریاضت میں یہ طوفی حاصل تھا۔ ۱۰۶۹ھ میں ولادت پائی۔

۶۹۔ محب اللہ بن مہرزا لکھنوی الد آبادی۔ اکابر مطالع جیشیہ میں تھے۔ مفتی عبدالسلام لاہوری سے تحصیل علم کی۔ محمد میر بن قاضی سائیں متوفی ۱۰۴۵ھ اور سید اللہ علی لاہوری مشہور وزیر متوفی ۱۰۶۶ھ ان کے ہم سبق تھے۔ سید اللہ علی وزارت پر لاگو ہوئے تو انہوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بلایا۔ میاں میر نے تو اپنے زہد کی وجہ سے آنے سے انکار کر دیا، محب اللہ چلے گئے۔ ان کو سید اللہ علی

نے عالم بنا کر اللہ آباد دعا کر دیا۔ پھر ان پر بھی زحمت کا طلبہ ہوا تو یہ سب چھوڑ کر گھوہ میں شیخ ابو سعید گھوہی متوفی ۱۰۳۹ھ کے چلتی سلسلے میں مرید ہو گئے اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ خود بھی شیخ سلسلہ ہو گئے۔ اللہ آباد میں جہاں کے کولے سکونت اختیار کر لی، بہت دن فقر وفاقہ میں گزارے، آئندہ آئندہ قبول عام ہوا۔ تقریباً بیس سال رفق و بدلت میں مشغول رہ کر ۱۰۸۵ھ میں ولایت پائی، ان کے معاصرین میں لوگ مختلف الزامات تھے۔ کسی نے زندقہ کا الزام لگایا کسی نے داخل باطلہ کہا، بہر حال وہ وحدت الوجود کے تحت حامیوں میں تھے اور ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ کے کلام کی تعبیر اپنے موقف سے کرتے تھے معطلات میں فصوص الحکم کی شرح، الکتاب المبین، تسویہ اور اس کی شرح وغیرہ رسائل و کتب ہیں۔

۷۰۔ قاضی محمد اسلم ہروی۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی، محمد لا ضل لاہوری اور غلام لاہوری کے شاگرد تھے۔ جہانگیر نے جیلے کاہل کا قاضی پھر قاضی لشکر بنایا۔ شاہجہاں کی امامت پر مقرر ہوئے اور ایک ہزاری منصب عطا کیا۔ کئی مرتبہ چاندی سے تو لے گئے۔ ۱۰۹۱ھ میں ولایت پائی۔

۷۱۔ محمود بن محمد عمری جو چوہدری۔ ہندستان کے نامور اور مشہور فاضل تھے، ان کے معاصرین میں علوم حکمیہ اور فنون ادبیہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اپنے دادا شاہ محمد کی آغوش حریت میں پرورش پائی اور انہیں سے درسیات کی تحصیل کی اور پھر استاد اعلیٰ محمد افضل بن محمد حمزہ عثمانی جو چوہدری متوفی ۱۰۶۲ھ سے تکمیل کی اور ان کی محبت اختیار کر لی۔ منطق و حکمت ایسا خصوصی مضمون قرار دیا، ابھی سترہ سال کی عمر تھی کہ ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل کر لیا، ذکاوت، فطانت ذہن کی روانی اور حلا و استحصال میں اپنے تمام معاصرین میں بڑھ گئے ان کے تذکرہ نگاروں کا یہ فیصلہ تھا کہ ہندستان بھر میں فنون حکمیہ اور ادبیہ میں ان جیسا پیدا نہیں ہوا۔ ہندستان میں رصد گاہ بنانے کا منصوبہ لے کر اکبر آباد گئے کہ شاہجہاں کو اس کی تعمیر پر آمادہ کریں لیکن وزارت نے بلا حاد کو کثرت مصارف کی بنا پر حیدرہ ہونے دیا۔ ۱۰۶۲ھ میں اسکاڑی زندگی میں انتقال ہو گیا اسکاڑ کو ان کی موت کا حقائق ہوا کہ پانچ دن تک چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی، جہاں تک کہ اسی حق میں انتقال ہو گیا۔ النفس الباقیہ ان کی حکمت میں بہت مشہور کتاب ہے جس کی تکمیل کی موت نے بہت مدد دی۔ میرے ہند کو ملت تک حکمت کے اعلیٰ درس میں شامل تھی۔ قاضی محمد الدین ابلی کی معانی و بیان میں مشہور کتب العلماء الغیہ کی تراجم کے نام سے شرح کی جو

بعض مدارس کی درسیات میں شامل ہے۔ اسی شرح پر ان کے حواشی بھی ہیں۔ شیخ محب اللہ الدربادی کی کتاب تسبیح کی تردید میں مرزا لایمان کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے رسائل بھی ہیں۔

۶۲۔ شہید ثالث قاضی نور اللہ بن خلیف گستری۔ مشہور شیخ عالم ہیں۔ ایمان کا مہر کسٹر مولد و علماء ہے۔ مشہد میں تعلیم حاصل کی، ہندوستان آکر لکھنؤ اللع بن عبدالرزاق گیلانی متوفی ۹۹۷ھ کی سلاطین سے اکبر نے لاہور کی قضا کا عہدہ دیا جس پر جہانگیر کے عہد تک فائز رہے۔ جہاں بقیے کی زندگی گزار رہے تھے اور معاملات کے فیصلے شیعی مذہب کے موافق کرتے تھے اور جہاں چہ تھا کہ اکثر ارباب کی رائے پر قوت دلیل کی بنا پر بغیر کسی خاص مقام کے مسلک کی پابندی کے فیصلے کرتے ہیں۔ عہد اہل السنۃ والجماعت کی حمید و تہنیت میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے۔ بعض علماء اہل السنۃ والجماعت کو کسی نہ کسی طرح ان کی مجالس المؤمنین باضہ آجی اور انہوں نے اس کو جہانگیر کے سامنے پیش کر دیا۔ جہانگیر اسے دیکھ کر غصے میں پھریا اور حکم دیا کہ ہمارا دارورے لگائے جائیں درے لگتے ہی موت ہو گئی۔ یہ ۱۰۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ علوم عقلیہ میں شرح تجرید کی الہیات پر، دوائی کے قدیم اور شرح جہند الکلام پر دو مائشیں تفسیر بیضاوی پر، قطبی بھڑی اور محمود چشتی متوفی ۷۱۸ھ کی تفسیر فی الہ کی قاضی زادہ موسیٰ بن محمد متوفی ۸۴۰ھ کی شرح پر حواشی ہیں۔

۶۳۔ مفتی وجیہ الدین بن عیسیٰ گروپاموی، گویا مولد و علماء ہے اپنے دادا جعفر بن نظام الدین عثمانی متوفی ۱۱۰۳ھ اور دوسرے علماء درسیات کی تکمیل کی، فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف میں بھی شریک رہے۔ اپنے عہد کے کثیر الدرس علماء میں شمار تھا۔ غیالی اور معطل پر ان کے حواشی ہیں ۱۰۸۳ھ میں ولادت پائی۔

۶۴۔ خانوادہ محمد گمراتی۔ منطق و حکمت کے نامور اساتذہ میں سے تھے، گجرات میں ان کے درس کی شہرت تھی۔

۶۵۔ بیوقوف بن حسن کشمیری۔ اپنے عہد کے بڑے اساتذہ میں شمار تھا، تفسیر الدین الغنی متوفی ۹۳۶ھ سے درسیات کی تکمیل کی، سر قند، بغداد اور حرمین کے شیوخ و محدثین سے استفادہ کیا، کثیر اگر درس والادہ میں مصروف ہو گئے۔ تصنیفات میں طوطی پر حاشیہ ہے۔ ۱۰۰۳ھ میں ولادت پائی۔

۶۶۔ لاہور میں بیوقوف بن علی لاہوری۔ لاہور مولد و علماء ہے، فقہ، حدیث اور فنون حکمیہ میں بڑے

طوبی تھا شعبان کے فطر میں میر محل تھے۔ مدرسہ شعبانی میں اسکا علمی رشتہ۔ حسب الکام کی شرح، بیضاوی وغیرہ پر حواشی لکھے۔ مانگیر نے عدالتوں کا ناظر مقرر کر دیا تھا۔ ۱۱۸۸ھ میں ولایت پائی۔

بارہویں صدی

بارہویں صدی، گیارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے حب اللہ بہاری، میر زاہد اور قاضی مبارک اسی عہد کے مشاہیر ہیں جن کا عہد گیارہویں اور بارہویں صدی پر محیط ہے۔

۷۷۰ھ۔ ملا احمد دلاویچ رامپوری۔ سرحد پار سے لاہور آئے اور وہاں سے تکمیل درس کے لیے مولانا برکت اللہ آبادی اور ملا محمد اعلم سدیلی کے شاگرد ہوئے۔ درسیات کی تکمیل کے بعد کچھ دنوں خوش گویا اور مستقلاً رامپور گئے۔ منطق و فلسفہ کے نامی استاذ تھے۔ علمائے رامپور کا سلسلہ عموماً انہیں پر شتمی ہوتا ہے بارہویں صدی کے اواخر میں ولایت ہوئی۔ ان کے اصناف میں مولوی اسحاق النبی عاں متوفی ۹۸۸ھ صاحب رفع التصادع ہدی خیر العباد بن اشفاق النبی عاں اور تبیل النبی عاں بن اشفاق النبی عاں اور ان کی بہنیں عالیہ بیگم مرحومہ دباجرہ بیگم زوجہ امیر علی عاں عرشی مرحوم اور میری بیوی سدا بیگم ہیں۔

۷۸۰ھ۔ افضل بن امین راجدرووی۔ مشہور مشائخ میں سے تھے، ارکات کا قصبہ راجدرووی مولد و مشاء تھا۔ مولانا روم متوفی ۶۷۲ھ کی شتوی معنوی، ابن عربی کی فصوص الحکم، عراقی متوفی ۶۸۸ھ کی لسانات اور جانی کی لوائے کا درس دیتے رہے، انکی تصنیفات میں عقائد و کلام کی امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کی طرف منسوب کتاب فقہ اکبر کی شرح اور بحث و جود پر رسالہ ہے۔ ۱۱۹۳ھ میں ولایت پائی۔

۷۹۰ھ۔ امان اللہ بن نور اللہ بہاری۔ اصول و کلام کے مشہور فضلاء میں تھے، بنارس میں پیدا ہوئے اور لغوی ما پائی، قرآن مجید حفظ کیا، درسیات کی تحصیل کے لیے سڑکیا اور شیخ محمد سادہ دیوگامی متوفی ۹۰۵ھ اور مولانا قطب الدین غمیس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ وغیرہ علمائے درسیات کی تکمیل کی۔ عہد مانگیر میں گھٹوکی صدارت سپرد ہوئی ملا حب اللہ بہاری اسی زمانے میں لکھنؤ کے قاضی تھے چنانچہ دونوں میں کافی بحثیں چلیں، تصنیفات میں اصول میں مفسر اور اسی کی شرح محکم، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ، طوط پر حواشی، دوائی کے ترجمہ پر اور ان کی شرح عقائد پر، شرح مواقف پر، محمد رشید بن محمد مصطفیٰ عثمینی متوفی ۱۰۸۳ھ کے معاصرۃ الرشیدیہ پر حواشی، حادث دہری کے باب میں میر محمد

۸۵۔ حمد اللہ بن شکر اللہ صدیقی مدنی - مدنی مولد و شفا ہے۔ جسک احتیاد کر لیا تھا، کمال الدین خجندی اور نظام الدین بہاؤی سے درسیات کی تکمیل کی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور استاد ہیں۔ تھے اور ان علوم میں ان کی ریاست مسلمہ تھی۔ صاحب ادب و دانش و علم ہیں۔ مولد و شفا ہے۔ نے (۱۱۵۲-۱۱۵۹) کی سفارش پر احمد شاہ متوفی ۱۱۷۳ء فضل اللہ کا خطاب دیا اور کئی لوگوں جاگیر کے طور پر عینیت کئے چنانچہ مدنیہ میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کیا، شمس بادشاہ پر حواشی، صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بہ ملا صدرا متوفی ۱۰۱۹ء کی شرح حدائق الفکر پر حواشی، حب اللہ بہاری کی سلم العلوم کی شرح اور اصول میں بہاء الدین محمد بن حسین عاملی متوفی ۱۰۳۱ء کی زبدۃ الاصول کی شرح ان کی تصنیفات ہیں۔ ۱۱۹۰ء میں دہلی میں ولادت پائی۔

۸۶۔ رفیع الدین بن نیم کرد (نیک مراد یا نیک مرد) دہلوی - فنون حکمیہ کے اپنے ہند کے مشہور اور نامور فاضل۔ میں تھے۔ شیخ محمد طلیح بن محمد عظیم لاہوری ثم الدہلوی متوفی ۱۱۰۹ء سے تکمیل علوم کی نگہبنا بدہ سال درس و الادب میں گزارے ان کی معطلات میں ابو نصر محمد بن الدارابی کی فصوص کی شرح کشف الغوص، شیخ الاثران شہاب الدین ابو الفتح عی بن حبش موقوف ۵۸۷ء کی الواح کی شرح اور ہر مس ابراہیم کی طرف و منسوب تاریخ اہلیا پر لاری سے عربی ترجمے کے بعد حواشی ہیں۔

۸۷۔ عبدالعلی بن علی عظیم جوہوری - جوہور مولد و شفا ہے مسلک شیعہ تھے سید محمد عسکری متوفی ۱۱۹۰ء سے تحصیل علوم کی اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر منطق و فلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ ۱۱۹۰ء میں انتقال ہوا۔

۸۸۔ عبدالغنی بن مفتی درویش محمد عثمانی بدایونی - علوم حکمیہ کے مشہور فاضل۔ میں تھے، بدایوں مولد و شفا تھا۔ درس و الادب میں زندگی گزاری۔ قطبیہ کے حاشیہ میرزا بد پر اور دوانی کے شرح چمنہب کے حاشیہ میرزا بد پر حواشی لکھے۔

۸۹۔ غلام عی بن نجم الدین بدہوی بہاری - منطق و فلسفہ میں اہل کمال علماء میں شمار تھا، منطق میں مدرسہ منصورہ میں باب اللہ جوہوری سے درسیات کی تکمیل کی لکھنؤ میں کچھ زمانے تک درس و الادب میں مشغول رہے پھر سب چھوڑ کر دہلی جا کر مرزا مظہر جان جاناں متوفی شہید ۱۱۹۵ء کے مرید ہو گئے اور پانچ سال تک ان کی صحبت میں رہے اور ملافت پاکر لکھنؤ میں رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ میرزا بد رسالہ پر لوا، ابتدا کے نام سے ہزلیت و قہقہہ حاشیہ لکھا۔ اس کے علاوہ ان کی

تصنیفات میں حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر حماد ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ کے رسالہ حکاکہ کی ترویج میں کمرہ الحلق لکھا۔ ۱۱۸۰ھ میں لکھنؤ میں ولایت پائی اور وہیں وفات ہوئے۔

۹۰۔ قاضی فتح اللہ قنوی - قنوج کے قاضی تھے۔ درسیات شیخ علی اصغر متوفی ۱۱۳۰ھ سے پڑھیں۔ معقولات میں سیرزادہ کی روانی کی شرح تہذیب کے حاشیہ پر حاشیہ ہے، بارہویں صدی کے حدود میں انتقال

۱۹۲

۹۱۔ فرخ شاہ بن محمد سعید، مجددی سربھدی - اپنے والد محمد سعید بن شیخ احمد سربھدی متوفی ۱۰۷۰ھ کے درسیات کی تکمیل کی علوم معادلہ میں کمال حاصل تھا، خصوصاً فقہ، حدیث اور تصوف میں، قوی الحافظ اور زبرد فہم اور تہذیب تھے۔ درس والادہ طلاب میں زندگی گزار دی خیالی کے حاشیہ پر مجدد الکیم کے حاشیہ پر حاشیہ لکھے۔ ۱۱۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

۹۲۔ قطب الدین بن مجدد الکیم السہاوی - معقولات و معقولات میں نمایاں حیثیت تھی۔ لکھنؤ کے سہالی قصبہ میں پیدا ہوئے اور لغو پائی۔ طادانیال چدراسی اور مجدد القادر لکھنوی متوفی ۱۰۷۶ھ وغیرہ علماء سے درسیات کی تکمیل کی، درس والادہ مشط تھا صرف منگل اور جمعہ مسقط تھے اور تصنیف و تالیف کے لیے مخصوص تھے، ہندیت مابعد و مرتاض تھے، صائم اللہ اور قائم اللیل، روزانہ قہر میں ایک ختم قرآن کر لیتے، تصنیفات میں شرح مواقف اور عامہ پر حاشیہ، تلویح پر شرح حکمہ العین پر، شرح عقائد مضد پر، مطول پر حاشیہ تھے۔ جن کا بڑا حصہ ان کی فہدات کے موقع پر مناجع ہو گیا۔ اور عامہ کے حاشیہ کا کچھ حصہ باقی رہ گیا۔ ۱۱۰۳ھ میں زمین کے ٹھکڑے میں ان کا گھر بار لٹ گیا اور اذواء عامہ ان سمیت قتل ہوئے۔ معاملہ ٹھنڈا ہوا تو محمد سعید ان کے صاحبزادے دکن میں خاتمیر سے لے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ خاتمیر نے لکھنؤ میں ایک مٹری تہر کا محل جو اسپتال تک چنچا تھا مصلحت کر دیا اور پورا عمارت اس میں بس گیا اور فرنگی محل کہلایا۔

۹۳۔ قاضی قیام الدین دہرودی - علوم حکمیہ میں مشہور تھے، ماہرے میں پیدا ہوئے اور وہیں پورش پائی درسیات کی تکمیل قطب الدین غیس آبادی متوفی ۱۱۳۱ھ وغیرہ علماء کی، ماہرے کی قضا ان کے سپرد ہوئی۔ محب اللہ چہاروی کی سلم العلوم کی مفصل شرح لکھی۔

۹۴۔ کمال الدین بن دولت قہروری - قطب الدین سہاوی کے عم زادوں میں تھے فہر مولا

خلفہ۔ نظام الدین سہاوی سے درسیات کی تکمیل کی اور ایک نکتہ تک ان کی توحید میں رہے اور نظام الدین کے تمام شاگردوں میں ان کے علمی مرتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔ اس کی زندگی میں ہی مسعودی پر پہنچ گئے۔ اور ان کا ہر علم میں شمار کرتے گئے۔ کلام اور دیگر فنون حکیمہ ان کے خاص معنوں تھے۔ ہدایت ذہن اور ذکی تھے۔ مصطلحات میں، کبریت احمر، اقبال، عبدالوہاب بن احمد شحرانی متوفی ۷۶۳ھ کی اکبریت الاحمری علوم الشیخ الاکبر، فتوحات مکیہ کے انتخاب انواع الانوار المقدسیہ کا اخصاص کی شرح اور العروۃ الوثقی وغیرہ حواشی ہیں۔ ۱۱۰۵ھ میں انتقال ہوا۔

۹۵۔ قاضی مہدک بن محمد دائم گہاسوی۔ اپنی ذہانت و فطانت میں مشہور تھے۔ طبیعت نکتہ رس قوی۔ وقتِ لطف میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ گہاسو میں لٹو دیا پائی۔ اجماعی تعلیم قاضی بدرالدین گہاسوی سے حاصل کی اور شیخ صفی اللہ خیر آبادی متوفی ۱۱۰۵ھ سے تکمیل کی دلی جاکر بحث و تحقیق اور ملی انہماک جاری رہا جہاں تک کہ اپنے زمانے کے یکتا مانے گئے دلی میں درس و افتادہ کی مجلس قائم کی اور طویل مدت تک وہیں درس دیتے رہے۔ تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح اور زاد ثلاث (میرزا ہد رسالہ، میرزا ہد ثلاث اور میرزا ہد امور عامہ شرح مواقف) پر حواشی ہیں۔ ۱۱۶۲ھ میں اپنے وطن گہاسو میں ولادت پائی اور وہیں دادا کے مدرسے میں دفون ہوئے۔

۹۶۔ قاضی محمد اللہ بن عبدالغفور بہاری۔ ذکاوت و فطانت میں شہرہ آفاق تھے۔ بہار کے قصبہ کرا میں پیدا ہوئے اور وہیں لٹو دیا پائی۔ ملک خاندان سے تعلق تھا۔ کچھ درسیات قطب الدین سہاوی سے پڑھے اور زیادہ ترکی تکمیل قطب الدین شمس آبادی متوفی ۱۱۲۱ھ سے کی دکن شاہی لشکر میں پہنچے تو تاشکیر نے لکھنؤ کی قضا کے لیے نامزد کر دیا، پھر حیدرآباد بلا کر قضا سے سبکدوش کر کے اپنے پوتے رفیع الدین بن شاہ عالم متوفی ۱۱۳۲ھ کا معلم مقرر کر دیا، شاہ عالم کابل کا حاکم ہوا تو اپنے لڑکے رفیع اللہ کے ساتھ انہیں بھی کابل لے گیا۔ اور جب بادشاہ ہوا تو انہیں صدارت عظمیٰ کے عہدے پر مقرر کیا اور فاضل عاں کے خطاب سے نوازا۔ سلم العلوم، منطق میں، مسلم الطہوت، اصول فقہ میں، دلائل اللہ فی بحث الجز، الاوی لاجتہادی، فلسفہ میں ان کی مشہور اور مجدد تصنیفات میں سے ہیں، رسالہ فی المظاہرات العات اور ایک دوسرا رسالہ اس بیان میں کہ حنفی مسلک شافعی مسلک کی نسبت سے رائے و قیاس سے زیادہ بعید ہے، ان کی تصنیف ہے۔ ۱۱۱۹ھ میں ولادت پائی۔

۹۷۔ محمد اعلم بن محمد شاکر سدیلوی۔ منطق و فلسفہ میں اپنے عہد کے نمایاں ترین فضلا میں تھے۔

سولہ مولود و غلام تھا۔ کمال الدین فچھوری سے حملہ تھا میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ محمد اعلم کے توسط سے ان کا سلسلہ تلمذ بحر العلوم مولانا مہدی علی تک پہنچتا ہے۔ روایت جو ان کو اپنے اساتذہ سے پہنچی ہے اس کے خلا ہونے کی وجہ نہیں، ہو سکتا ہے کہ ملا اعلم مدنی نے کمال الدین کے ساتھ ساتھ بحر العلوم سے بھی فیض انصاف ہوا۔ ملا محمد اعلم نے درس سے فراغت اور مطالعہ کتب اور بحث و تحقیق و تدقیق سے مطلق و فلسفہ کی تکمیل کے بعد تحصیل معاش کے لیے دہلی کا سفر کیا اور کافی جدہد کی لیکن ملاس ہو کر واپس آگئے اور عدا پر توکل کر کے خیر آباد میں درس شروع کر دیا اور ایک زمانے تک وہاں رہے اور پھر مدینہ آگئے اور گھر میں بیکو ہو کر بیٹھ گئے اور سلسلہ درس شروع کر دیا اور اسی میں عمر گزار دی۔ ان کے مشہور اور صاحب درس شاگردوں میں ان کے بھائی مفتی عبدالواہد خیر آبادی متوفی ۱۲۱۶ھ ہیں۔ ملا محمد اعلم نے آخر عمر میں اپنی بہت سی تصنیفات کو خود حلف کر دیا اور صرف وہی رہ گئیں جو لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تھیں۔ مثلاً صدر الک شرح ہدایہ اشعر ہا حاشیہ، فہم الدین محمد بن محمد سیاسی کے دائرۃ الاصول کا حاشیہ یا بحث فکلیک پر رسالہ اور رسالہ؛ قسط الطیب و خط الطیب - ۱۱۹۸ھ میں مدینہ میں ولادت پائی۔

۹۸۔ مفتی محمد اکبر بن محمد شریف دہلوی۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کے نمایاں حکما میں تھے۔ احمد آباد گجرات میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ اور افتاء کی مصروفیتوں کے باوجود درس و التلامذہ جاری تھا، میرزا بد حاشیہ شرح مواقف پر حاشیہ ان کی تصنیف ہے۔

۹۹۔ محمد امین کشمیری کشمیر کے اکابر علما میں شمار ہوتے تھے۔ قاضی ابوالاسم کشمیری اور ان کے والد جمال الدین کشمیری سے درسیات کی تکمیل کی اور پھر مسند درس پر بیٹھ گئے اور درس و التلامذہ میں زندگی گزار دی درسیات پر حواشی لکھے۔ ۱۱۰۹ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔

۱۰۰۔ محمد باقر بن محمد علی دہلوی۔ سنہ شعبہ تھے۔ دادا مدینہ منورہ سے ہجرا پر آئے اور ہمیں رہ چڑے تحصیل علم کے بعد حاشیہ کے حضور میں پہنچ گئے اور ایک بڑے منصب پر فائز ہوئے اور ایک مدت تک خدمات جلیلہ انجام دیتے رہے اور کمر ب چوڑ کر اور رنگ آباد میں گوشہ نشین ہو گئے۔ علم کلام میں شیخی اصول پنجگانہ پر تفہیم المرام یا روشۃ الانوار کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ ۱۱۲۸ھ میں اورنگ آباد میں ولادت پائی۔

۱۰۱۔ محمد برکت بن عبدالرحمان الہ آبادی۔ بڑے پائے کے علما میں شمار ہے۔ کمال الدین فچھوری

سے درسیات کی تکمیل کی فنون حکمیہ میں اپنے زمانے میں پکا کجے پہنچنے کے خصوصاً مباحثی میں۔
دوسرے علاوہ طلبہ میں ساری زندگی گزار دی اور بڑے بڑے علما ان کے فنی دوس سے نکلے۔ دہائی
کی شرح نظام الصمدیہ پر حاشیہ لکھا۔ میرزا پور رسالہ اور میرزا ہادی مورخہ پر بھی حواشی ہیں۔

۱۰۲۔ قاضی محمد چلہ جو پوری۔ اپنے عہد کے اکابر علما میں سے تھے۔ جو پور مولد و مضافہ۔ چلہ
مضافی علما سے پڑھا اور دہلی جا کر کراچ محمد دہلوی متوفی ۱۱۵۵ھ سے تکمیل کی مقول و مقول میں
معاصرین میں بڑے پائے کے علما میں تھے، علما بحث احاطہ میں انہیں ہی آگے رکھتے تھے
نادر شاہ (۱۱۳۹-۱۱۵۹ھ) نے انہیں مستعدی کے خطاب سے نوازا اور محمد شاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱) نے
جو پور کی قضا کا عہدہ عہدہ کیا۔ چنانچہ جو پور اگر تاحیات اس عہدے پر فائز رہے۔ محل مرکب
واسطی کی تکمیل میں ان کا رسالہ ہے۔

۱۰۳۔ محمد حسن بن غلام مصطفیٰ انصاری سہالوی رامپوری۔ ذکاوت، حلقہ نکتہ رسی اور استحضار میں
اقتداری درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ کا فرنگی محل مولد مضافہ تھا، کچھ درسیات اپنے ماموں کمال الدین جو پوری
سے اور زیادہ تر اپنے والد کے چچا نظام الدین سہالوی سے پڑھے اور تکمیل کی اور فرنگی محل میں دوس
شروع کر دیا جو بیس سال جاری رہا۔ شیخ سنی تھے میں لکھنؤ چھوڑنا پڑا شہباز پور گئے اور وہاں سے
نواب خاں بن نجیب الدولہ متوفی ۱۲۰۰ھ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے مدرسے میں درسی
خدمات انجام دینے لگے۔ نواب خاں بن نجیب الدولہ کی حکومت کے زوال کے بعد مستقل طور پر رامپور میں
سکونت اختیار کر لی۔ نواب فیض اللہ خاں (۱۱۸۸-۱۲۰۸) نے بڑی قدر منزلت سے اپنے مدرسے
(بعد کا مدرسہ عالیہ) کی مدرسہ کی خدمات سپرد کر دیں، ان کی تصنیفات میں سلم العلوم کی شرح خاص طور پر
مشہور ہے اور درسی مکتب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ قاضی محمد بن علی کی مسلم اقبوت کی سہادی
الاحکام تک شرح لکھی ماصدرا کی ہدایہ الفکر پر، شمس بزم پر اور زواید ثلاثہ پر حواشی لکھے۔ معارج
العلوم کے نام سے منطق میں رسالہ لکھا، اور طبعیات کے بحث، مائیم الاحکام پر غایۃ العلوم کے
نام سے رسالہ لکھا۔ ۱۱۹۹ھ میں وفات پائی اور رامپور میں محلہ مدرسہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی
رامپوری بیوی کے بطن سے ان کے اطفال رامپور میں موجود ہیں لیکن ان کا علم سے کوئی تعلق نہیں

۱۰۴۔ محمد حسین بن علی اللہ پوری۔ پور کے اکابر علما میں سے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ شیخ
محمد زبیدی پوری متوفی ۱۰۸۸ھ سے تحصیل علم کی۔ مگر گئے تو عالمگیر نے پور میں محمود گداں

قاضی شہاب الدین گوپاسوی متوفی چھٹے اہد ۱۱۲۰ھ سے پڑھیں اور پھر لڑکی شہزادی اعجاز کرلی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور پھر درس والادہ میں زندگی گزار دی۔

۱۰۹۔ محمد صالح خیر آبادی - خیر آباد مولد تھا تھا۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں شمار تھا۔ قاضی عبدالرحیم مراد آبادی سے تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں جہتنب الکلام کی شرح ہے۔ ۱۱۳۷ھ میں دہلی میں ولادت پائی اور اپنے وطن خیر آبادی میں دفن ہوئے۔

۱۱۰۔ محمد طاہر بن محمد بی عیسیٰ الہ آبادی - ملقب جلال اللہ آبادی سے تکمیل درسیات کی اور پھر درس والادہ میں مصروف ہو گئے۔ خط و استحضار اور ذہانت میں مجاہد روزگار تھے۔ تصنیفات میں بیضاوی پر حواشی ہیں۔ ابن عربی کی فصوص کی شرح اور متعدد کتابیں ہیں۔ ۱۱۴۳ھ میں متوفی ہوئے۔

سال کی عمر میں ولادت پائی۔

۱۱۱۔ محمد عظیم بن کلام اللہ لاروی گوپاسوی، ملانوی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا۔ گوپاسو مولد و ملکا تھا۔ منطق و فلسفہ میں قطب الدین گوپاسوی متوفی ۱۱۶۰ھ اور محمد عرض خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ درس والادہ مشغول تھا۔ اپنے پیچھے بہت سی تصانیف چھوڑیں جن میں سے سلم العلوم کی شرح، ملا صدرا کی شرح ہدایۃ الفکر، حواشی اور زوائد ثلاثہ پر حواشی ہیں۔

۱۱۲۔ محمد علی جوہروری و حاکم مولد و ملکا تھا، اچھائی تعلیم دہاں کے اساتذہ سے حاصل کی پھر دہلی میں وہاں کے اساتذہ سے تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ منطق میں کئی کتابیں لکھیں جن میں مشہور ترین سلم العلوم کی شرح معراج المہیوم ہے۔

۱۱۳۔ محمد عرض خیر آبادی منطق و حکمت کے نمایاں علماء میں تھے۔ خیر آبادی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ گوپاسو میں وہاں کے اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی اور وہیں سکونت اختیار کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ متعدد درسی کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔

۱۱۴۔ محمد قائم بن شاد امیر الہ آبادی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور اساتذہ میں سے تھے۔ قطب الدین رازی کی شرح تفسیر کے تحت تکمیل کی تشریح پر رسالہ ہے۔ اس رسالہ کے حاشیہ میں مصنف نے اپنی دوسری تصنیفات کو بیان کیا ہے جن میں جہتنب کے حاشیہ کی شرح ہے۔ قضایا منطقیہ کے مابین فہم ہیں۔ شرح چغنی پر حواشی ہیں میرزا ملا جلال اور میرزا امیر عامہ پر، دوانی کی شرح عقائد پر اور مسند ائمہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں۔

محمد اعظم کے قتل کے بعد شاہ عالم (۱۱۸۸-۱۱۹۳) کے مقبرین میں شامل ہو گئے اس نے علوی خاں کا خطاب دیا اور مصاحب بنالیا برادر اعلیٰ مراتب پر لاکو ہوئے سب پر محمد شاہ کے مقبرین میں شامل ہو گئے۔ اس نے معتز الملک کا خطاب اور عین ہزاری کا منصب دیا۔ ان کی طب، ہیئت، ہندسہ میں کثیر تصانیف ہیں، مگر میں ہیڈی کی شرح ہدایہ الکفر پر حاشیہ ہے۔ ۱۱۹۰ء میں دہلی میں وفات پائی۔

۱۲۱ - محمد رامپوری - محمد برکت اللہ بادی کے شاگرد تھے، علوم حکمیہ میں بہت نمایاں شخصیت تھی رامپور میں نواب فیض اللہ خاں کے عہد میں ان کے درس کی شہرت تھی۔ ایک مدت تک فرخ آباد میں رہے تھے، پھر رام پور آ گئے۔ اور عیس انتہال ہوا۔

۱۲۳ - قاضی سہری ترمذی سہاوی - قصب پھانی مولد و مطلق تھا۔ مختلف شہروں میں تحصیل علم کی۔ آخر میں قصب الدین قس آبادی کے پاس آ گئے اور ان کی خدمت میں تکمیل کی۔ اور فرخ آباد میں قاضی مقرر ہو گئے۔ سلم العلوم کی شرح اور رمیسر زاد رسالہ پر حواشی لکھے۔

۱۲۴ - نظام الدین بن قصب الدین سہاوی - علمائے ہند کے تمام سلیطے علوم عقلیہ میں ان پر متفق ہوتے ہیں۔ عہدہ میں پگڈنڈی روزگار تھے۔ منطق و حکمت اور اصول و کام میں اپنے عہد میں فرو تھے سہالی میں پیدا ہوئے۔ قصب الدین سہالی کے قتل اور کربلا لٹ جانے کے بعد حاشیہ نے لکھنؤ کا فرنگی محل ان کو اور ان کے حیدران کو حیدت کیا تو لکھنؤ کے فرنگی محل میں آباد ہو گئے۔ اکثر درسیات ماضی لکھی جاسکی سے پڑے۔ پھر ہندس جاکر ایمان اللہ بادی کے شاگرد ہوئے پچیس سال کی عمر میں لایع تحصیل ہو گئے اور دس شروح کر دیا۔ اطراف الکاف سے طلبہ کا جہوم ہو گیا۔ ان کا درس پورے ملک میں مقبول ہو گیا اور دس لکھائی کے نام سے شہرت پائی۔ کثیر تصانیف انکی یادگار ہیں۔ ان کے نمونہ مسلم اجوت کی دو شریں طول اور طویل ہیں، مفید الاصول کی شرح، صدر کی شرح ہدایہ الکفر پر حاشیہ، قس بارز پر حاشیہ، دوائی کی شرح عقائد مضد پر حاشیہ دوائی کے حاشیہ قدسہ پر حاشیہ وغیرہ شروح و حواشی ہیں۔ ۱۲۶۱ء میں وفات پائی۔

۱۲۵ - نعمت اللہ بن محمد زاد بنگالی - بنگرام مولد مطلق ہے۔ کچھ درسیات اپنے چچا عہد اہلادی ستونی ۱۲۳۳ء سے پڑے۔ پھر سہالی جاکر قصب الدین سہاوی کے شاگرد ہوئے اور ان سے تکمیل کی اور اپنے بہترین درس و حافظہ میں مشغول ہو گئے علوم حکمیہ میں مہارت میں بے نظیر تھے۔ ۱۲۴۴ء میں وفات پائی۔

۱۲۶۔ نور الدین محمد بن علی احمد آبادی۔ بھارت کے مشہور اسکالر ہیں۔ درسیات مولانا احمد بن سلیمان گجراتی اور فرید الدین احمد آبادی متوفی ۱۰۹۰ھ سے بڑے۔ اپنے زمانے کے ممتاز علماء میں تھے۔ شیخ الاسلام عاں اکرم الدین گجراتی ان کے شاگرد نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے سے ان کے لیے مدرسہ بدلت بخش تعمیر کیا اور طلبہ و فیرہ کے مصارف کے لیے مزید وقف قائم کیا۔ انکے مصنفات میں تفسیر بیضاوی پر حاشیہ ہے، قدیمہ پر الحاشیہ القومہ کے نام سے حاشیہ ہے۔ شرح مواقد و حاشیہ ہندیب المنطق کی شرح ہے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد کم و بیش لڑھ سو تک پہنچی ہے۔ ۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ اپنے مدرسے کے محصل دفن ہوئے۔

۱۲۷۔ نور اللہ معروف بہ نور بالملک۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے۔ کچھ کتابیں مہارستہ کشمیری سے بڑھیں پھر دہلی جا کر حسام الدین محمد، قاضی مسعود عاں (الانبا قاضی گھنٹاوا) اور قاضی مہارک کی خدمت میں رہ کر مکمل کی، خیالی پر حاشیہ لکھا اور دوسری تصنیفیں کیں ۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا۔

۱۲۸۔ امام قطب الدین احمد شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی۔ اللہ کی لافوں میں سے ایک لفظی تھے نہ صرف اپنے ہم معرود کے لیے بلکہ مسعود میں اور متاخرین سب کے لیے۔ ۱۴ شوال ۱۱۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ظاہری و باطنی علوم و معارف کی آغوش میں تربیت پائی۔ ۲۵ سال کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ، صرف و نحو، معانی و بیان اور منطق و حکمت و فیرہ کی درسیات سے فارغ ہوئے اور سب میں مجتہدانہ بصیرت حاصل کی۔ ۱۱۴۳ھ میں عربین کی زہدیت کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ اور مدینہ کے اکابر محدثین سے کتب حدیث کی سماعت و قرأت کی اور اہل علم میں حاصل کر کے ۱۱۴۵ھ میں بھارت لوٹے اور ساری زندگی خدمت حدیث اور تدریس و تصنیف میں بسر کردی۔ اللہ نے ان کے سلسلہ سند کو بے برکت اور وسعت دی کہ برصغیر و بھارت و پاکستان کا واحد سلسلہ ہو گیا۔ عہد کی آخری تاریخ ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف کا تنوع، کثرت، جہد اور الامت ان کی معرفت اور بصیرت کی روشن دلیل ہیں۔ کلام و عقائد میں حسن العقیدہ اور بدور ہلاک کہیں۔

۱۲۹۔ دیاج الدین بن قطب الدین لاروقی گوجرانوی۔ گوجرانو میں پیدا ہوئے اور دہلی لکھنؤ میں اپنے والد سے کتب و رسم کی تکمیل کیا پھر مدریس میں مشغول ہو گئے۔ منطق و فلسفہ میں اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

تیسری صدی بھی بارہویں صدی کا ہی تسلسل ہے۔ فقہ تحقیق الافاضالت لکھ کے لکھ سے ملتی
سعد اللہ رامپوری مولانا فضل افغانی بھڑاوی مولانا نور الاسلام رامپوری وغیرہ اس صدی کے نمایاں بزرگ ہیں۔

۱۳۰ - ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بکرجی - اپنے عہد کے بڑے علما میں شمار تھا۔ ابتدائی کتابیں اپنے
والد اور دیگر علمائے پڑھیں پھر رامپور آکر مولانا نور الاسلام، مفتی شرف الدین اور حیدر علی ٹوٹکی کی
شاگردی اختیار کی۔ دہلی میں مفتی صدر الدین دہلوی متوفی ۱۲۸۵ھ سے پڑھا اور وطن آکر درس والاہ
میں معروف ہو گئے۔ اور اٹھارہ سال مدرسہ خالیہ میں درس دیا قطبی پران کے حواشی ہیں ۱۲۸۶ھ میں انکا انتقال ہوا۔

۱۳۱ - مفتی ابراہیم بن عمر بخاری - علوم حکمیہ کے نانی فاضل ہیں تھے۔ بخاریس میں نظر فرما ہوا، اپنے
والد عمر بن موٹ بخاری متوفی ۱۲۲۵ھ اور محمد لائق شاگرد بحر العلوم فرنگی علی سے تحصیل حی پھر
درس والاہ میں مشغول ہو گئے۔ شاہان اودھ سے قریب پیدا کیا اور مفتی مقرر ہو گئے۔ یو علی سیاحی
اشارات پران کے حواشی ہیں - ۱۲۵۳ھ میں لکھنؤ میں ولادت پائی۔

۱۳۲ - ابو الحسن بن قاضی شاکر منطقی عظیم آبادی بنانی علما میں شمار ہوتے تھے۔ منطق میں امام کا
درجہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد میں انہیں کو علی ریاست حاصل تھی۔ ایک سو تیس سال سے زیادہ عمر پائی اور
درس والاہ میں عمر گزار دی - ۱۲۹۳ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۳ - احمد بن محمد سعید رامپوری فقہ و اصول کے مشہور ہیں تھے۔ درس و تدریس عمر بھر کا پیشہ تھا
مجلد دیگر تصانیف میں تھنڈانی کی جہتہب المنطق کی شہرت رامپور میں ولادت پائی۔

۱۳۴ - احمد علی بن غلام حسین عباسی چڑیا کوٹی - فقہ و اصول کے نانی علما میں تھے۔ اپنے وطن میں
غلام علی متوفی ۱۲۸۴ھ سے پڑھا رامپور آکر قاری نسیم رامپوری متوفی ۱۲۱۴ھ سے قرأت سیکھی۔ ریاضی
میں غلام جیلانی رفعت رامپوری شاگرد بحر العلوم متوفی ۱۲۳۴ھ و میرہ کے شاگرد ہیں۔ قال اقول شرح
ایضاً خوبی کا حاشیہ لکھا۔ سلم العلوم کی شرح بھی کی تھی لیکن پوری نہیں ہوئی۔ ۱۲۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۳۵ - احمد الدین بن نور حیات گجوی - حدیث و فقہ کے نانی علما میں تھے۔ کتب و نسخہ اپنے بھائی محی
الدین اور دوسرے علما سے پڑھیں۔ شاہ اسحاق صاحب دہلوی متوفی ۱۲۶۲ھ سے حدیث میں مدد ملی
پھر پنجاب میں درس والاہ میں عمر گزار دی - ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں خیالی بیک کی حاشیہ تھا۔

۱۳۶ - احمدی بن وحید الحق پھولاروی - پھولاروی مولود مظہر تھا - اپنے والد وحید الحق متوفی ۱۲۰۰ یا ۱۲۰۱ھ سے فنون درسیہ کی تکمیل کی اور مسعودیہ میں پڑھ گئے - پورب کی ریاست علی کی تاجداری ان کے عہد میں انکے ہی پاس تھی - ان کے مصنوعات میں سیر زاہد و جلال اور سیر زاہد امور عامہ پر ، شمس بلاض پر ، ماصدرا کی شرح ہدایہ القہر پر حاشیہ ہیں شتاہ بالنگر پر ایک رسالہ ہے ۱۲۵۲ھ میں وفات پائی -

۱۳۷ - انہار الحق بن احمد عبد الحق الصمدی لکھنوی - فنون حکمیہ نے نامی علما میں تھے - بحر العلوم کے شاہجہاں پور جانے کے بعد احمد حسین فرنگی علی اور ملاحسن کی شاگردی اختیار کی پھر شاہجہاں پور جاکر بحر العلوم سے تکمیل کی اور حافظ الملک حافظ رحمت علی الشہید ۱۱۸۸ھ کے مدرسے میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں ان کی شہادت کے بعد لکھنؤ گئے اور درس شروع کر دیا - بحر العلوم ہند گئے تو رائے بریلی میں شیخ عدل متوفی ۱۱۹۲ھ کی مخالفا میں شیخ عدل کے اصحاب کے پاس تھے - بحر العلوم کے داماد تھے چنانچہ وہ ہمارے گئے - اور صدر الدین بہاری کے مدرسے میں درس دیتے گئے - بحر العلوم کے مدراس جانے کے بعد یہ لکھنؤ گئے اور ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا -

۱۳۸ - اسد اللہ بھٹائی - بھٹاب کے مشاہیر علما میں تھے - مولانا برکت اللہ الہ آبادی کے شاگرد تھے بھٹاب میں ہی ان کا درس تھا ، نملہ دیگر تصانیف کے حوالہ کی شرح سلم پر حاشیہ ہے اور علم واجب پر مستقل رسالہ ہے -

۱۳۹ - شاہ اسماعیل بن شاہ عبد الفتی دہلوی - ذکاہ ، فطانت ، شہادت میں یگانہ روزگار تھے ، شیخ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ متوفی ۱۲۳۰ھ کی آغوش حریت میں بڑے بچے اور ان سے اور پنے چچوں شیخ رفیع الدین دہلوی اور شیخ عبد العزیز سے تحصیل علم کی اور سید احمد شہید ۱۲۴۶ھ کی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے اور پاکستان کے ہلاکوٹ میں ۱۲۴۶ھ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے - نملہ دیگر تصانیف کے امکان لغیر و المستغیر لغیر پر رسالہ ہے - ایک رسالہ منطق میں لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ شکل رابع اعلیٰ پر ہیپات میں سے ہے اور شکل اولیٰ سب شکلوں میں اعلیٰ ہے

۱۴۰ - مفتی اسماعیل بن مفتی وجیہ الدین مراد آبادی معروف بہ لدنی - فنون حکمیہ کے مشاہیر فضلاء میں سے تھے - ملکہ لکھنؤ سے علوم کی تکمیل کی ، لکھنؤ کے عدل و قضا کے ایک زمانے تک حاکم رہے پھر نصیر الدین حیدر شاہ اودھ (۱۲۴۳ - ۱۲۵۳ھ) نے بعض سلفی خدمات کے لیے

انگلستان کے ایک سرکاری مس اف سے نکاح کر لیا اور ایک زمانے کے بعد وطن کو واپس ہوئے لوگوں نے اعتدال عقیدہ کا بھی اصرار کیا ہے۔ تصانیف میں شرح چندی اور ہندی پر حواشی ہیں۔ کج اللغات کی تصنیف میں بھی ان کا خاصا حصہ رہا ہے۔

۱۳۱۔ ابو طالب معروف بہ حافظ شیرازی راہپوری۔ راہپور کے بعض نکات کے قول کے مطابق یہ ملاحسن کے باندی کے بطن سے چنے تھے بچپن میں چٹک سے آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ ملاحسن کے ہجرت نامور شاگردوں میں سے تھے نابینائی کی حالت میں تکمیل فنون کی۔ اور درس دینا شروع کر دیا۔ بعد کے اکابر کے اساتذہ۔ علم و ذکا میں اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور طالب محفل کرتے تھے، منطق و حکمت ان کا خصوصی مضمون تھا۔ ۱۲۷۵ھ میں راہپور میں ولادت پائی۔

۱۳۲۔ امام الدین بن شیخ الاسلام کاندھلوی۔ اپنے زمانے کے یگانہ ادیب میں تھے۔ کاندھلہ مولد تھا تھا، اپنے بھائی مفتی الہی بخش متوفی ۱۲۳۵ھ سے تحصیل کی اور دہلی جا کر شاہ عبدالعزیز سے سدا حدت حاصل کی۔ علوم حکمیہ میں نادرہ روزگار تھے متعدد کتب حکمت پر حواشی لکھے۔ جوانی میں ولادت پائی

۱۳۳۔ امیر حسن بن لیاقت علی ہسوانی۔ فضل و کمال میں مشہور علما میں عہد تھا۔ کچے کتابیں عبداللطیف کو ملی، متوفی ۱۲۷۳ھ سے اور کچے قاضی طہیر الدین قنوی سے پڑھیں، تکمیل مفتی سدا اللہ راہپوری، شیخ قراب علی لکھنوی اور سراج احمد سنہلی سے کی۔ حدیث سید نذیر حسین دہلوی المتوفی ۱۳۲۰ھ سے حاصل کی کچے زمانے اپنے وطن میں درس دیا پھر مراد آباد کے مدرسہ امدادیہ میں پڑھانے لگے۔ خیر مسمولی حافظ تھا ہجرت فتح بدرگ تھے۔ ۱۲۹۱ھ میں علیگڑھ میں ولادت پائی۔ منہ و دیگر

تصانیف شیخ کی خلا کے طبعیات پر حواشی ہیں۔

۱۳۴۔ امین اللہ بن سلیم اللہ الہادی عظیم آبادی۔ پورب کے مشہور میں تھے، منطق و حکمت میں یدِ طریق حاصل تھا۔ نگر جسہ میں پیدا ہوئے۔ اہرائی درسیات اپنے والد سلیم اللہ متوفی ۱۱۹۱ھ سے پڑھیں پھر الہ آباد جا کر محمد قائم الہ آبادی سے منطق و فلسفہ کی تحصیل کی۔ دہلی میں شاہ ولی اللہ اور

شاہ عبدالعزیز سے جدت کی سہولی اور پھر دوسرے عالمی کنگز میں صدر ایسی خدمات انجام دیں۔ میرزاہد رسالہ، میرزاہد امور عامہ اور مسلم الثبوت پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں کنگز میں وفات پائی۔ ۱۳۵ھ - امین اللہ بن محمد اکبر السعدی لکھنؤی - لکھنؤ مولد تھا۔ درسیات اپنے چچا مفتی محمد اصغر متونی ۱۲۵۵ھ اور اپنے ناما مفتی محمود اللہ سے پڑھے۔ نملہ دیگر تصانیف لکھنؤی کی جہتہب المطلق کے ضابطہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۵۳ھ میں انتقال ۱۰۶۔

۱۳۶ھ - اولاد حسین شکوہ آبادی - شیخ عالم تھے، علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید حسین بن سید دلدار علی متونی ۱۲۷۳ھ کے شاگرد تھے اور ان کی صحبت سے ایک زمانے تک فائدہ اٹھایا تھا، چچا فخر فقہ، اصول وغیرہ فنون میں اپنے رفقا سے بڑھ گئے۔ امور عامہ، اعراض ذمہ اور ان کی تعریفات میں النور المربوہ، لکھی۔ ۱۲۶۲ھ میں انتقال ۱۰۶۔

۱۳۷ھ - اولاد احمد بن آل احمد سہوانی - مظاہر علماء میں شمار تھا، سہوان مولد تھا تھا، رامپور میں مفتی شرف الدین کی شاگردی اختیار کی پھر لکھنؤ میں شیخ حباب علی اور اسماعیل لدھی سے تکمیل کی اور پچیس قرآن مجید حلق کیا اور درس والدہ میں معروف ہو گئے، ان کی تصنیفات میں ضابطہ جہتہب کی شرح ہے جو اپنے بھائی سراج احمد متونی ۱۲۷۹ھ کے لیے لکھی تھی پچاس سال کی عمر میں ۱۲۸۱ھ میں وفات پائی۔

۱۳۸ھ - باب اللہ جوہوری - محمد اللہ سہیلی کے شاگرد تھے، ذہانت اور وقت لفظ محاصرین میں مسلم تھی - درس دھرمی کا اچھا طلبہ تھا - مستقل تصانیف شرح یا حاشیے کی صورت میں تو نہیں چھوڑیں کچھ متفرق حواشی لکھے ہیں جو مولانا فضل مام شیر آبادی متونی ۱۲۳۳ھ کی نظر میں خوب ہیں - درس دھرمی مشغلہ رہا۔

۱۳۹ھ - بہان الدین بن سر فرید علی اعظمی دہلی - مظاہر علماء میں شمار تھا، مفتی عبدالسلام دہلی کے اصحاب میں تھے، درہ مولد تھا اپنے چچا ذوالفقار علی دہلی سے تحصیل فہم کی - پھر چچا کے ساتھ رائے بریلی شیخ محمد عدل سے بیعت کی اور درس والدہ کا سلسلہ شروع کر دیا - شرح جہتہب بخدی کا حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

۱۴۰ھ - بشیر احمد بن کاظم علی لکھنؤی - مطلق و فلسفہ کے نمایاں علماء ہیں تھے - بشیر آباد مولد تھا تھا - اپنے وطن میں تحصیل علم کی پھر لکھنؤ چلا شیخ حباب علی وغیرہ علماء سے تکمیل کی اور درس دہا

شروع ہوا۔ حافظہ بہت قوی تھا زود فہم تھے۔ ۱۲۸۶ء میں انتقال ہوا۔

۱۵۱۔ قاضی بشیر الدین بن کریم الدین عثمانی قنوی۔ اپنے زمانے کے سفیر میں شمار تھا۔ تفضل حسین رائے بریلوی، اپنے والد، محمد حسن بریلوی، مفتی شرف الدین لاہوری کے بھانجے محمد علی شیخ اللہ داد راہپوری وغیرہ سے تحصیل مقام کی۔ پھر ٹونک میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں، مراد آباد دہلی، علیگڑھ اور کانپور میں بھی درس دیا۔ بھوپال میں قاضی سہبہ احمد کے صاحبزادے ان کے درس سے مستفید ہوئے۔ حوالہ کی شرح سلم پر، میرزا بدایوں عامہ پر ان کے حاشیے ہیں۔ مسلم الثبوت کی شرح کشف الیسیم ان کی مشہور تصنیف ہے۔ بھوپال میں ۱۲۹۶ء میں ولادت پائی۔

۱۵۲۔ مفتی تاج الدین بن غیاث الدین مدرسی مشہور خطاط تھے، شیخ تراب علی لکھنوی عباسی، شیخ حسن علی جونپوری وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی۔ پالم کوٹے میں مفتی سہبہ، پھر بس دوسرے فہروں میں مفتی مقرر ہوئے۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

۱۵۳۔ تراب علی بن شجاعت علی، امرہ ہوی لکھنوی۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے نمایاں علما میں تھے۔ لکھو مولد و خطاط ہے۔ مولانا محمود حسینی متوفی ۱۲۲۹ھ وغیرہ علماء سے اجماعی درسیات پڑھے اور مفتی اسماعیل لدنی اور مفتی ظہور اللہ سے تکمیل کی اور پھر درس و تدریس پر ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ ان کے مصنفات میں قاضی کی شرح سلم پر تعلیق مرضی کے نام سے حاشیہ اور التعلیق الاحسن کے نام سے طاحسن کی شرح سلم پر حاشیہ، حمد اللہ کی شرح پر حاشیہ، طاصدرا کی شرح ہدایہ القلم پر حاشیہ اور غلام جی کے میرزا بدایوں سالے پر النفس الضعیف لالائۃ الدینی کے نام سے حاشیہ اور اس کا مکملہ مکملہ العلنی للواء الہدی وغیرہ ہیں۔ ۱۲۸۱ھ میں محمد آباد میں ولادت پائی۔

۱۵۴۔ تراب علی بن نصر اللہ عباسی خیر آبادی۔ خیر آباد مولد و خطاط تھا، شیخ احمد علی، غلام امام رضوی اور سید عبدالواحد خیر آبادی متوفی ۱۲۱۶ھ سے تحصیل کی۔ نکلنے میں ساداتی خدمات کی وجہ سے ایمان کا سطر کیا، پھر مدراس میں مدرسہ کی خدمات انجام دیں، وہاں سے راج و زیارات کے لیے حرمین کا سفر کیا لوہے میں پیدا ہوئے اور سرنگا پنچم میں ۱۲۳۱ھ میں ولادت پائی۔ منطق میں در مظلم کے نام سے کتاب لکھی۔ کتاب کی تصنیف پر مدراس کے حاکم نے سات ہزار روپے انعام میں دئے۔

۱۵۵۔ نواب تفضل حسین بن اسد اللہ لاہوری لکھنوی۔ فنون ریاضیہ میں اپنے عہد کے یگانہ روزگار تھے۔ سیالکوٹ مولد تھا، دہلی میں محمد وجیہ دہلوی، محمد علی بن خیر اللہ مہندس سے فنون حکمیہ و ریاضیہ کی تحصیل کی۔ لکھو میں طاحسن کی شاگردی اختیار کی اور وہیں درس شروع کیا۔ نواب شجاع الدولہ نے اپنے لڑکے سعادت علی خاں (۱۲۱۲ - ۱۲۲۸) کا تالیف مقرر کر دیا اور ان کے ساتھ

کہتے رہے۔ بخاری میں ان سے علمی اختیار کر کے کھڑے میں گورنر جنرل کی مصاحبت میں رہے اور وہیں انگریزی لاطینی سیکھی۔ آصف الاولہ (۱۱۸۸-۱۱۹۲) کی کھٹے میں سفارتی خدمات انجام دیں۔ پھر اس کے وزیر رہے۔ سعادت علی خاں نے ان کو کھٹو سے ہٹانے کے لیے کھڑے بھیج دیا اور سند سعادت نہیں بھیجی، وہیں بیمار ہو گئے اور نزاری باغ تک پہنچتے پہنچتے ۱۲۱۵ھ میں انتقال ہو گیا۔ کثرت درس اور وفور علم میں نادورہ روزگار تھے۔ ساتھ ساتھ مہمات حکومت کی ادائی اور تصنیف و محشیہ مستزاد۔ کتب درسیہ پر حلیے لکھے جو فنون حکمیہ میں ان کے بحر کی دلیل ہیں۔

۱۵۶- حکیم، علما، اللہ بن فیض اللہ مہدائی۔ علوم حکمیہ کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے اور درس و تدریس مشغلہ تمام مدت تک علیگزادہ رہے پھر فرخ آباد آ گئے۔ ۱۲۰۱ھ میں فرخ آباد میں ولادت پائی۔ ۱۵۷- جان علی عظیم آبادی۔ اپنے وطن کے مشاہیر علما میں تھے۔ منطق و حکمت میں یدِ طولی تھا۔ ساری زندگی درس و ولادہ میں گذاردی۔ ۱۲۷۶ھ میں گیا میں انتقال ہوا۔

۱۵۸- جلال الدین بن کمال الدین نابیا۔ بچپن میں آنکھیں جاتی رہی تھیں، اسی حال میں علما، رامپور سے درسیات کی تکمیل، تمام مصادر فنون میں کامل تھے۔ خصوصاً علوم حکمیہ میں بڑی شہرت لکھتے تھے۔ درس و ولادہ ان کی زندگی تھی۔ ۱۲۴۰ھ تک حیات تھے۔

۱۵۹- جمال الدین لکڑوی عظیم آبادی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا اپنے وطن میں اچھائی درسیات پڑھے پھر الہ آباد میں مولانا برکت الہ آبادی سے تکمیل کی اور بہت مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ وہاں سے وطن آکر مدریس میں مشغول ہو گئے۔ ہنالت کالغ، پاکپڑ اور دین دار تھے۔ ۱۲۰۱ھ تک حیات تھے۔

۱۶۰- جواد سابط لطفی بن ابراہیم سابط، سابطی۔ مشہور لوگوں میں شمار تھا، عرب سے آئے اور ہندوستان جہاں سیاحت کرتے پھرے اور ہر جگہ نیا مذہب بناتے۔ بخاری میں سنی، ذہاکہ میں شیعہ، کھڑے میں مرید اس کے بعد پھر مسلمان ہو گئے۔ گویا مسکرمگی پیٹھ بنا لیا تھا، ان کی تصنیفات میں مقدمۃ العلوم کے نام سے منطق کی بھی کتاب ہے۔

۱۶۱- حامد بن عصمت اللہ لاہوری۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی، ہر گم میں پیدا ہوئے اپنے والد اور غلام نبی ہر گمی، فضل امام خیر آبادی اور ولی اللہ کھٹو سے تحصیل کی پھر لاہور میں درس شروع کروا اور سیکڑوں طالبین نے ان سے استفادہ کیا۔ ۱۲۴۱ھ میں لاہور میں انتقال ہوا۔

۱۶۰ھ میں شاہجہاں پوری علوم حکمیہ میں اپنے ہمد کے مشہور فاضل تھے۔ بکرا العلوم جس زمانے میں شاہجہاں پور تھے دہلی ان سے تحصیل کی تھی۔

۱۶۳ھ مرزا حسن علی بن مرزا علی شیخی گھنوی مخاطب بہ میک الدولہ بہادر۔ لکھنؤ مولد و مضاف تھا۔ اپنے ہمد کے علماء سے تحصیل کی، شاہی کترب نے دینی و دہانت مجاہد اخلاقی کیا، علوم حکمیہ میں مامور لوگوں میں تھے، غلوکلات و مطبوعات کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ لیکن چھپکی ولایت کے بعد پورا ذخیرہ برباد ہو گیا۔ ۱۶۷۵ھ میں لکھنؤ میں ولایت پائی۔

۱۶۳ھ حسن علی بن نواز علی انصاری مایل جو پوری۔ جو پور کے مائل قصبے میں پیدا ہوئے۔ مدرس محمد عمر ہمدی و غیرہ سے تحصیل کی۔ فنون ریاضیہ کے ماہرین میں گنے جاتے تھے۔ کچھ زمانے کلکتہ میں درس دیا پھر مدراس کے انگریزی مدرسے میں درس ہوئے پھر افغان کی خدمت متعلق ہو گئی اور آخر تک اسی میں مصروف رہے۔ طبیعیات و الہیات میں جمہورۃ الفکر کے نام سے کتاب لکھی۔

۱۶۵۸ھ میں انتقال ہوا۔

۱۶۵ھ حسین علی چھوری۔ اپنے ہمد کے مشاہیر میں تھے، شیخ سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے کاپور میں اور پھر رامپور میں مفتی سعد اللہ سے تحصیل علوم کی، صدرا کی شرح ہدایت الفکر پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۸۳ھ میں ولایت پائی۔

۱۶۶ھ حسین علی اجمہادی بریلی۔ سمان علی عاں متوفی ۱۲۶۳ھ کے چچا زادوں میں تھے۔ جو اجمہادی شیخوں کے مشہور متکلم تھے۔ میرزا بدر سالہ پر ان کا حاشیہ ہے۔ ۱۲۴۰ھ کے کچھ سالوں کے بعد ولایت پائی۔

۱۶۷ھ حنیف الدین دستوری۔ اجمہادی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی پھر دہلی میں شاہ محمد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی سے بڑھا، شیخ غلام علی دہلوی متوفی ۱۲۴۰ھ سے کسب فیض کیا اور لکھنؤ میں شیخ انوار الحق انصاری متوفی ۱۲۳۶ھ اور ان کے صاحبزادے نور الحق متوفی ۱۲۳۸ھ کی شاگردی اختیار کی پھر جہل پور میں صدر امین ہوئے پھر دہلی آ گئے اور جہاں درس شروع کیا بعد کو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں کچھ دنوں درس رہے پھر بھاگلپور کے قاضی ہو گئے۔ اور ایک زمانے تک عظیم آباد میں رہے۔ ۱۲۷۹ھ میں انتقال ہوا سلم العلوم کی شرح منویر السلم اور عقائد نسفی کی شرح توحیح العقائد ان کی یادگار ہیں

۱۶۸ھ حمید علی بن محمد اللہ سہیلی۔ مشاہیر علماء میں سے تھے۔ سہیلیہ مولد مضاف تھا۔ اپنے والد اور

قاضی احمد علی سوہیلوی متوفی ۱۳۳۱ھ اور باب اعظم جو پوری سے درسیات پڑھے اور درس اللہ کی مجلس سنبھالی۔ ۱۳۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ مصنفات میں دارالکلی شرح مسلم کا مکملہ اور ان کی شرح پر حاشیہ اور میرزا بدر سالہ اور میرزا ملا جلال پر حاشیہ ہیں۔

۱۶۹۔ حیدر بن حسین الصادری لکھنوی۔ لکھو مولد تھا تھا۔ اپنے والد کا حسین الصادری لکھنوی سے کسب علم کیا اور مسودہ دس پر بیچ دیئے۔ نواب سادات علی خاں (۱۳۲۹-۱۳۳۱) عین دسے روز سب مقرر کیا، نواب سادات علی خاں کے بعد مذہبی حقائق کے سچے میں لکھو چھوڑ کر گئے۔ پھر کہ معتمد جاکر سیدوسف اہل یعنی اور عمر بن عبداللہ سول کی سے حدیث پڑھی۔ دسے منورہ جاکر شیخ عبداللطیف جمیلی کی اور محمد مابہ سوہی متوفی ۱۳۵۰ھ سے حدیث کی اجازت لی۔ اچانے سفر میں قرآن مجید یاد کر لیا تھا کہ معتمد جاکر مسجد حرام میں تراویح میں سنا۔ داپسی میں ان کا جہاز غرق ہو گیا اور سب سامان اور کتابیں جو ساتھ لے رہے تھے غرق ہو گئیں۔ یہ سن گئے دوسرے جہاز سے بھی آئے اور وہیں شخص الامراء حیدر آبادی متوفی ۱۳۹۳ھ سے ملاقات ہو گئی وہ حیدر آباد لے آئے نظام حیدر آباد نے ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔ ۱۳۵۶ھ میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔ مطلق میں ایک رسالہ اور متعدد کتابوں پر حاشیہ لکھے۔

۱۷۰۔ حیدر علی بن عیسیٰ علی ٹونگی۔ دلی مولد و علا تھا تھاک سنی میں رامپور آگئے شیخ غلام جیلانی رامپوری متوفی ۱۳۳۳ھ اور عبدالرحمان کوستانی رامپوری سے اجمالی کتابیں پڑھیں، کچھ دنوں رسم علی جو پوری سے پڑھا اور لکھو جاکر طابین کے شاگرد ہوئے۔ پھر دلی میں شیخ رفیع الدین دہلوی اور ان کے بھائی شیخ عبدالعزیز دہلوی سے حدیث حاصل کی۔ حکیم شریف خاں دہلوی سے طب پڑھی، ہندت ذکی تھے کتاب سنت اور اختلاف فقہاء کے باہر اور علوم حکمیہ میں بے پایاں سمجھتے تھے، رامپور میں نکاح کیا اور وہاں رہ پڑے اور کچھ دنوں قیام کے بعد ٹونک آگئے نواب وزیر الدولہ (۱۳۵۰-۱۳۸۱) نے جہات ریاست ان کے سپرد کر دیں اور درس واللہ میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۶۳ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۱۷۱۔ غلام احمد بن حیدر الصادری لکھنوی۔ لکھو مولد و علا تھا اپنے چچا معین الدین متوفی ۱۳۵۰ھ سے تحصیل کی اور سند فروع لی۔ ۱۳۶۱ھ میں انتقال ہوا، بہت سے رسائل و حاشیہ یادگار ہیں، مطلق میں غلام حسن کی شرح مسلم پر بھی حاشیہ ہے۔

۱۶۳ - سید ولید علی بن محمد مبین نصیر آبادی - فقیہ معاصرین کے عالم ہیں جنہوں نے اجتہاد کا دعویٰ کیا اور محدث و محدثین کی فلاح کا کام کیا۔ الہ آباد جا کر اکثر درسی کتابیں شیخ غلام حسین دکنی الہ آبادی سے اور مدنیہ میں حیدر علی بن عبداللہ مدنی اور باب اللہ جوہوری سے پڑھیں۔ پھر عراق جا کر باقر محمد بہائی متوفی قریب ۱۲۰۸ھ و علی محمد طباطبائی متوفی ۱۲۱۰ھ سے اور حدیث کی کتابیں مہدی بن ابی قاسم تہرستانی سے پڑھیں۔ مہدی بن مرتضیٰ طباطبائی بمعنی کے سطور میں ساتھ رہے اور ان سے فیضیاب ہوئے پھر مشہد میں مہدی بن ہدایت اللہ موسوی اصفہانی کے ساتھ رہے اور ان سے اجازت اجتہاد حاصل کر کے وطن آکر کچھ دنوں نصیر آباد رہے پھر لکھنؤ گئے اور آخر تک وہیں عرصت و احترام سے رہے۔ ۱۲۳۵ھ میں انتقال ہوا۔ ان کی کثیر چھوٹی بڑی تصانیف ہیں۔ ان میں کلام میں عماد الاسلام، پانچ ہلدوں میں ہے۔ اصول فقہ میں فقیہ الافکار، خیرازی کی شرح ہدایہ اھل بیت پر اداسل عمر میں لکھا ہوا حاشیہ ہے۔

۱۷۴۰ء - حکیم دکناتہ بن اسحاق اکبر آبادی - علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اکبر آباد مولو و غلام ہے۔ اساتذہ مصر سے علوم کی تحصیل کی دولت ماؤ سعدا حمادہ گوالیار (۱۲۰۸-۱۱۴۳) سے تقرب ہو، اس نے لعل طیب حاص مقرر کیا اہلب میں قرباؤین دکانی ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اکبر آباد میں ۱۲۰۹ء میں انتقال ہوا۔

۱۵۔ حکیم ذوالفقار علی بن عبدالغنی دھاکوی، فنون حکمیہ میں اپنے ہمدرکی نمایاں شخصیت تھی۔
۱۶۔ سید رستم علی بن سید اسماعیل رامپوری۔ اکثر کتابیں مولوی نور عالم رامپوری اور مولوی امام بخش رامپوری سے پڑھیں، معقولات کی تکمیل بحر العلم وغیرہ علما سے کی، ہندوت متی اور مرتاس بدوگ تھے، درس ۱۰ ملازمین میں عمر گزاردی۔ طلبہ کو انفرادی طور سے پڑھاتے تھے۔ ۱۷۳۰ء میں ولایت پائی۔ تصانیف میں حاشیہ بر سیرت زبیر رسول اور اس حاشیہ پر حواشی مع تقاریر صحیح ہیں، اسماعیل لدینی

سے مباحثہ ہے۔ رسالہ فی بیان بعض المغالطات الدائرة علی شکل الاول واجوبہا اور صدر اپر حاشیہ ہے۔

۱۷۷۔ رضی الدین بن فرحت اللہ اعظموی الہ آبادی۔ منطق و حکمت میں نمایاں لوگوں میں تھے۔ الہ آباد مولد مضاف تھا۔ اپنے چچا مولانا برکت الہ آبادی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے اور الہ آباد میں ہی درس و الاداء کے لیے بیٹھ گئے۔

۱۷۸۔ رفیع الدین بن شیخ ولی اللہ دہلوی۔ مشہور محدث و متکلم ہیں۔ اپنے زمانے کے یگانہ علما میں تھے۔ دہلی مولد و مضاف ہے۔ اپنے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہے۔ شاہ عبدالعزیز کی آنکھیں جاتی رہیں تو ان کی مجلس میں نیابت کی۔ ہر طرف سے طلبہ آنے لگے اور بعد از استعداد مستفید ہوئے۔ ان کی تصنیفات میں اسرار الحجبہ، رسالہ فی اثبات شق القمر، رسالہ فی برہان التنازع، رسالہ فی المنطق، رسالہ فی الاموالعات اور میرزا ہد رسالہ پر حاشیہ ہے، ۱۲۳۳ھ میں ولادت پائی۔

۱۷۹۔ سعادت علی بن سعادت علی جوہوری۔ جوہور کے مشاہیر علما میں تھے، درسیات میں تحفہرات مولانا قدرت علی رودلوی، احمد اللہ انامی اور احمد اللہ چنیا کوٹی سے پڑھیں اور مطولات شاہ اسماعیل دہلوی اور شیخ عبدالحق بذعانوی متوفی ۱۲۴۳ھ سے پڑھیں پھر مجلس درس میں بیٹھ گئے۔ اسلام کے نام سے منطق میں ایک رسالہ تصنیف کیا۔ ۱۲۷۴ھ کے بعد کہ معمر میں ولادت پائی۔

۱۸۰۔ سدید الدین بن رشید الدین دہلوی رامپوری۔ منطق و حکمت کے ماہرین میں شمار تھا، دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی۔ کچھ درسیات اپنے والد رشید الدین متوفی ۱۲۴۳ھ سے اور زیادہ مولانا مخلوک علی نانوتوی سے پڑھے اور درس و الاداء میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں نواب کلب علی خاں والی رامپور (۱۲۸۲-۱۱۳۰۴) نے بلا کر مفتی عدالت کر دیا اور رام پور پروردہ پڑے۔

۱۸۱۔ سدید الدین بن طاہر شہباز پوری۔ علوم میں نمایاں درجہ تھا۔ شہباز پور مولد مضاف تھا۔ شہباز الدولہ (۱۱۶۷-۱۱۸۸) نے بلا کر سعادت علی خاں (۱۲۱۳-۱۱۲۹) کی تعلیم پر مقرر کر دیا۔ جہالت دہلی اور ہر تھے۔

۱۸۲۔ سراج الدین مجنوری لکھنوی۔ منطق و حکمت کے نمایاں علما میں تھے، مولانا فضل حق شیرآبادی اور مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ وغیرہ علما سے درسیات پڑھیں اور ایک مدت تک لکھنوی میں

درس دیا۔ تصنیفات میں امکان لغیر اور اقل لغیر پر رسالہ ہے جس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے رسالے اقل لغیر کی تردید کی ہے۔

۱۸۳۱ء - مفتی مسیح اللہ بن نظام الدین مراد آبادی رامپوری - جامعیت میں لکھ کر دوڑ گئے تھے۔ مغل رامپور میں وہاں کے علما سے تحصیلات کا درس لیا۔ نجیب آباد جاکر عبدالرحمان کوسستانی سے پڑھا۔ دہلی جاکر مولانا شیر محمد قدح جہادی متوفی ۱۱۷۵ھ، محمد حیات لدھی سے، منطلق صدیق الدین متوفی ۱۲۸۵ھ سے لکھنؤ کے اساتذہ میں مولانا اشرف متوفی ۱۱۷۲ھ، مفتی اسماعیل، مرزا حسن علی متوفی ۱۲۵۵ھ اور مفتی لہور اللہ سے تکمیل درس کی اور مدرسہ سلطانپور میں اسٹوڈنٹ مقرر ہو گئے پھر ناظر تالیفات ہوئے اور انیس سال اسی خدمت پر رہے۔ اہد حیا کے قلمیے میں لکھوئے فرار ہو کر رامپور آئے اور رامپور میں مفتی عدالت مقرر ہوئے۔ اور آخر حیات تک لاکھ رہے۔ آخر کا واقعہ ہے کہ نواب کلب خاں نے بلا کر ایک مقدمے کے بارے میں مولانا کی عدالت میں تھا ایک فریق کے حق میں واقعہ پر روشنی ڈالی اور اس فریق کے حق میں فیصلہ دینے کا اشارہ کیا۔ مولانا نے کہا مقدمے کا مرافعہ تو آپ کے ہی پاس آئیگا۔ نواب صاحب نے چاہا کہ فیصلہ مفتی صاحب ہی کریں۔ کافی دیر دوڑ ہوئی حتیٰ کہ مولانا نے کہا کہ اہدیت دیکھئے کہ میں لکھ دوں کہ سرکار کا اس میں یہ فیصلہ ہے۔ نواب صاحب مدافض ہو کر اٹھ گئے، مولانا چلے آئے اور دوسرے دن سے عدالت میں جانا چھوڑ دیا۔ مگر پرتو طلبہ کو درس دیتے ہی تھے اٹھائے درس میں لایا کا دورہ ہوا اور دو مہینہ دن میں ۱۲۹۳ھ میں ولایت ہوئی۔ میرے والد مرحوم حافظ عبدالغفار خاں متوفی ۱۹۴۲ء فرماتے تھے کہ دوسرے دن نواب صاحب تعزیت کے لیے آئے تو میرے سامنے انہوں نے کہا کہ مولانا بہت جلدیم سے رخصت ہو گئے ہیں تو انہیں منانے کے لیے آئے والا تھا، مولانا کی قریب قریب ہر فن میں کھائے ہیں۔ منجملہ ان کے قلمی کے شعبے کی شرح ہے۔ جہتہب المنطق کے ضابطے کی شرح، حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ، رسالہ فی تحقیق علم الواجب، وغیرہ ہیں۔

۱۸۳۲ء - مفتی سلطان حسن بن احمد حسن عثمانی بریلی - منطق و حکمت میں نمایاں شخصیت تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علما سے درسیات پڑھے، مغل مفتی اور پھر حرقی کرتے کرتے گورکھ پور کے صدرا مین مقرر ہوئے۔ عدالتی اور افتائی معروضات کے ساتھ ساتھ تدریس و تعلیم کا مشغلہ برابر جاری رہا تھا۔ تصنیفات میں فایز الضرب فی ضابطہ الجہتہب ہے جس میں مفتی

سجادہ راہپوری، عبدالکیم کھنوی فرنگی علی وغیرہ کی گرفت کی ہے۔ ان کے علاوہ اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی کے دلائل میں کچھ رسائل ہیں۔ ۱۳۹۸ھ میں انتقال ۱۸۶۱ھ۔

۱۸۵۰ھ - شرف الدین بن ہادی بھٹواری - اپنے ماموں محمد حسین بھٹواری متوفی ۱۳۷۸ھ سے تحصیل کی چناب منطق پر ان کی مفصل شرح ہے۔ ۱۳۸۹ھ میں انتقال ۱۸۶۱ھ۔

۱۸۶۱ھ - مفتی شرف الدین راہپوری - منہاج کے رہنے والے تھے۔ راہپور میں طالعہ دینی کے خصوصی شاگرد تھے۔ انہیں نے اپنی لڑکی سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ اکثر اساتذہ کا سلسلہ تلمذ ان تک پہنچتا ہے۔ مدرسہ والدہ میں ریاست حاصل تھی کتب درسیہ کے شروع و حواشی حلقہ تھے۔ تصانیف میں سراج المیزان منطق میں ہے۔ سلم کی لکھ و لاہور تک شرح کی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے رسائل و فتاویٰ ہیں۔ ۱۳۶۴ھ میں وفات پائی۔

۱۸۷۰ھ - حکیم شریف بن اکمل دہلوی - دہلی مولد تھا۔ اپنے کثرت دوس میں دہلی میں خاص شہرت رکھتے تھے، علوم حکمیہ اور طب کے مشہور فاضل میں شمار تھا، طبی شروع و حواشی کے علاوہ عمائد کی شرح سلم پر بھی حافیہ ہے۔ ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ دہلی کے شریف عالمی اطباء کے سلسلے کے مورث اعلیٰ بھی تھے۔

۱۸۸۰ھ - حکیم شمس الدین علیا حیدر آبادی - اصل ملک جہاں پور کے تھے وہی مولدو تھا۔ ہے۔ بحر العلوم سے درسیات ہندے اور ان کی ہرابی میں چھدا کا سطر کیا اور ان کے ساتھ میں مدداس گئے اور وہیں حکیم احمدانہ سے طب کی تحصیل کی اور ان کے پاس کچھ مدت گزار کے حیدرآباد چلے گئے۔ اور پھر دہلال متوفی ۱۳۶۱ھ کے پاس رہے پھر سکندر جاد (۱۳۱۸-۱۱۴۴) کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے معتبر الملک کا خطاب دیکر ہزار روپیہ مقرر کر دیا۔ یہ علوم حکمیہ کے ماہر اور طب میں حفاقت کا درجہ رکھتے تھے۔ ۱۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

۱۸۹۰ھ - شمس الدین بن امیر الدین دہلوی، حیدرآبادی - معقولات و مشقولات دونوں میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ دکنی میں پیدا ہوئے لیکن میں ہی حیدرآباد آ گئے۔ وہیں قرآن تلا کیا اور وہیں کے علما سے درسیات ہندے اور عمائد کی تعلیم میں مشغول ہو گئے اور کثرت سے کتابیں لکھیں۔ ۱۳۳۸ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

۱۹۰۰ھ - شہاب الدین عمری گواہوسی - قاضی مہدک کے اصناف میں تھے، منطق و لفظ ان کا خاص

مضمون تھا۔ مدراس مولد و خطا تھا۔ بحرالعلوم اور ان کے بیٹے عبدالرب متوفی ۱۲۴۲ھ سے درسیات کی تحصیل کی اور مدراس میں ہی مدرسہ میں مشغول ہو گئے۔ ۱۳۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۱۔ حکیم صادق علی عاں بن حکیم شریف عاں دہلوی۔ دہلی مولد و خطا تھا اپنے باپ کی صحبت سے عاں طور پر مستفید ہوئے۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ مجلس درس پر بیٹھے تو معافی اور غیر معافی طلبہ کا ان کے گرد جھوم ہو گیا۔ ۱۲۶۳ھ میں دہلی میں ولادت پائی۔

۱۹۲۔ صادق علی بن فرزند علی، پھرتوی غازی پوری۔ پھرتی ضلع غازی پور مولد و خطا تھا۔ رائے بریلی میں مولانا طاہر بن غلام جیلانی رائے بریلی تو فی ۱۲۷۸ھ کی خدمت میں رہ کر کتب درسیہ پر میں۔ پھر لکھنؤ جا کر وہاں کے استاد سے فیض اٹھایا، ہندت فہم تھے علامت اچھا تھا ساتھ ساتھ تیز فہم بھی تھے۔ فیملی کی شرح ہذاچہ افسردہ وغیرہ درسیات پر ان کے حواشی ہیں۔ ۱۳۶۲ھ میں انتقال ہوا۔

۱۹۳۔ سید محمد بن محمد خٹک مدراسی۔ حافظ قرآن تھے جبر کا بحرالعلوم سے ایک دو سبق پڑھے پھر جعفر حسین مدراسی سے اور اپنے والد محمد خٹک متوفی ۱۲۳۸ھ سے پڑھیں۔ مسلم اثبوت میر زہاد مورعہ وغیرہ علامہ الدین لکھنوی متوفی ۱۲۴۲ھ سے پڑھیں۔ خطے ناگور کی صدر امینی پیر افتا اور پھر مجدد قضا پر مستکن ہوئے۔ مدراس میں اسلامی حکومت کے اختتام پر انگریزی حکام نے دینی پر رخصت کیا تو درس والادہ میں مشغول ہو گئے ان کی کثیر تصانیف میں سے میرزا ہادامورعہ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں ولادت پائی۔

۱۹۴۔ لہور علی بن حیدر علی الصاری لکھنوی۔ فقہ و اصول کے نمایاں علما میں تھے۔ درسیات اپنے والد حیدر علی، مفتی لہور اللہ لکھنوی وغیرہ سے پڑھیں۔ جوانی میں قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔ بہت دنوں تک لکھنؤ میں درس دیا، حیدر آباد گئے اور بڑی قدر و منزلت ہوئی چنانچہ وہیں رہ پڑے۔ مختلف دیگر تصانیف کے قاضی مبارک کی شرح سلم کے خطبہ کی شرح بھی ہے۔ ۱۲۷۵ھ میں حیدر آباد میں انتقال ہوا۔

۱۹۵۔ مفتی لہور اللہ بن محمد ولی الصاری لکھنوی۔ لکھنؤ کے اکابر علما میں تھے۔ اپنے والد محمد ولی اور چچا ملا حسن سے درسیات کی تکمیل کی اور درس والادہ میں مشغول ہو گئے۔ پیر افتا کی خدمت سپرد ہو گئی۔ تصانیف میں میرزا ہادامورعہ اور میرزا ہادامجلال اور میرزا ہادامورعہ پر اور ملا محمود جو پوری کی

دوسرے میادہ اور خمس بلاغ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۵۶ھ میں ولادت پائی۔

۱۶۶۔ عالم علی بن کلمات علی لکھنوی، رامپوری، مراد آبادی۔ مشہور محدث ہیں رامپور کے محدثین کا سلسلہ روایت انہیں پر ختم ہوتا ہے۔ نگلیہ مولد و خطا ہے۔ رامپور اگر مفتی شرف الدین اور طاہر خفرا ان متوفی ۱۲۶۰ھ سے درسیات پڑھیں دہلی جاکر مولانا ملکوک علی مانوتوی سے پڑھا۔ طب میں حکیم نعم اللہ کے شاگرد ہوئے۔ شاہ اسماعیل صاحب متوفی ۱۲۶۲ھ سے روایت حدیث کی مدد لی اور طب و حدیث پر پوری طرح توجہ دی۔ رامپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ مراد آبادی جامع مسجد کی امامت کے لیے قاضی عباس حسین متوفی ۱۳۰۵ھ رئیس مراد آباد نے اباب کلب علی خاں سے مولانا کو مراد آباد بھجھنے کی درخواست کی۔ نواب صاحب نے انہیں مراد آباد روانہ کر دیا، منجملہ دیگر تصانیف کے جہتہب المنطق کے ضابطے کی ہندت مفصل شرح ہے۔ ۱۲۹۵ھ میں مراد آباد میں ولادت پائی۔ میرے والد مرحوم ان سے بیعت تھے بیعت کی مدد میرے پاس محفوظ ہے۔

۱۹۷۔ عبداللطیف بن کریم اللہ صدیقی قاری پوری، بخاری۔ اپنے والد اور دیگر علما سے درسیات پڑھیں ان کا منطق میں فارسی کا ایک مضمون ہے۔ ۱۲۷۴ھ میں بخاری میں ولادت پائی۔

۱۹۸۔ عبدالہاسط بن رستم علی صدیقی قنوجی۔ قنوج مولد و خطا تھا، اپنے والد (متوفی ۱۱۷۸ھ) کی صحبت میں مدت تک رہ کر تحصیل کی اپنے زمانے کے اساتذہ لاساتذہ تھے، طلبہ ان کی خدمت میں دور دور سے آتے اور فیضیاب ہوتے۔ ان کی تصانیف میں سے سلم العلوم کی آخر شرطیات تک اور جہتہب المنطق کی شرحیں ہیں۔ ۱۲۲۳ھ میں ولادت پائی۔

۱۹۹۔ عبدالحکیم بن عبدالرب انصاری لکھنوی۔ مولانا بحر العلوم کے پوتے تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے کچھ درسیات مولانا محمد دائم سے پڑھیں پھر نورالحق متوفی (۱۱۸۰ھ) کی صحبت اختیار کی ان سے تکمیل کی اور مسند درس پر بیٹھ گئے۔ درس کے ساتھ طلبہ کی امداد کرتے تھے۔ شرح سلم عبداللہ پر اور میرزاہد ملاجلال پر اور العروۃ الوثقیٰ پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۶ھ میں ولادت پائی۔

۲۰۰۔ عبدالحکیم بن کرامت حسین شہپوری۔ منطق، کلام اور اصول و فقہ میں یدِ طولی حاصل تھا۔ ۱۲۹۵ھ میں ولادت پائی۔

۲۰۱۔ عبدالحکیم بن امین اللہ انصاری لکھنوی مظاہر علماء میں سے تھے، صرف خود والد سے حاصل کیے پھر اپنے چچا مفتی یوسف اور اپنے ماموں مفتی نعمت اللہ متوفی (۱۲۹۹ھ) کی صحبت لے لی اور ان سے

تکسیر کی اور تھوڑے دنوں میں طبرستان اور ہمدان (موتی ۱۲۵۵) سے بھی پڑھا۔ پانچواں سال تک سدری صہبات انہام دیں۔ لکھو اگر جو پور کے مدرسہ امامیہ میں نو سال رہے وہاں سے آکر حیدرآباد گئے اور وہاں کے دارالعلوم میں درس رہے، چرواہیں قاضی مقرر ہو گئے۔ منطق و کلام ان کے خاص مضامین تھے، ان کی تصانیف میں سے میرزا بدرسالے پر تحقیقات الرضیہ ملا محمد حسن کی شرح پر سلم پر القول الاسلام کے نام سے بحر العلوم کے حواشی میرزا بدرسالے پر کشف المکرم کے نام سے حواشی ہیں۔ حل المسائل کے نام سے دوامی کی شرح معارف پر حاشیہ ہے، قطبی کے مخططات پر ایضاحات ہے، کشف الاحیاء شرح سلم محمد اللہ کا حاشیہ ہے۔ شاہدہ حیدر کی البیان العجیب کے نام سے شرح ہے۔ اقسام حکمت کی تفسیر میں کاشف الظلمہ، منطق میں ایک رسالہ العرفان کے نام سے ہے۔ محب اللہ آبادی کی تفسیر کی التخلیہ کے نام سے شرح ہے۔ ۱۲۸۵ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی۔

۲۰۲۔ عبدالرحمن خاں بن عبداللہ خاں، میراہی راجپوری۔ منطق و حکمت میں نمایاں حیثیت تھی۔ ہنلیت بکھٹ اور کٹر آنری تھے، علم ظاہر کے ساتھ صاحب باطن بھی تھے۔ ۱۲۳۲ھ میں راجپور میں انتقال ہوا۔

۲۰۳۔ عبدالرحیم بن مصباح علی گورکھپوری۔ علوم حکمیہ میں اپنے زمانے کی نمایاں شخصیت تھے۔ دہلی میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں سے تحصیل علم کی، کلکتہ جاکر انگریزی زبان حاصل کی۔ لوگ انہیں اللہ و زندگی سے شوق کرتے تھے۔ معطیات میں سے سورج کے وسط عالم سکون کے اہمات میں ایک رسالہ، الانوار الشرقیہ فی الاسرار المنطقیہ اور التالیفات التحفیلیہ انی رسالہ الاسرار المنطقیہ ہیں۔

۲۰۴۔ عبدالرزاق اخٹانی راجپوری منطق و حکمت میں نمایاں درجہ رکھتے تھے تدریس و تعلیم شغف تھا۔

۲۰۵۔ عبدالصمد بن عبدالرب پٹاوری اپنے ہمد کے ہنلیت نہیں لوگوں میں تھے منطق و اصول میں خاص درجہ تھانواب صدیق حسن خاں (موتی ۱۳۰۶ھ) نے اپنی تالیفات کی تصحیح کے لیے رکھ لیا تھا، تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں بمبھال میں انتقال ہوا۔

۲۰۶۔ عبدالصمد بن کرامت علی امرودی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں حیثیت تھی۔ سید غلام نبی راجپوری اور جلال الدین راجپوری (قلمی سید جلال الدین نابھ) سے تحصیل علم کی۔ دہلی میں جاکر

حکیم امام الدین دہلوی سے طب پڑھی راجہ صاحب جہا لادائر غالباً مدن سنگھ (۱۸۳۵-۱۸۳۸ء) کے ملازمین میں داخل ہو گئے اور کچھ دنوں وہاں رہے پھر مہاراجہ اودے پور (غالباً بمبیم سنگھ متوفی ۱۲۹۱ھ) کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے۔

۲۰۷۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی - ہندوستان کے اکابر محدثین و متکلمین میں تھے اور یگانہ روزگار علما میں شمار تھا۔ دہلی مولد، مشا و مدفن ہے، اپنے والد سے تحصیل علم اور ان کی ولایت کے بعد اپنے والد کے اجلہ تلامذہ، شیخ نور اللہ بڑھانوی، خواجہ محمد امین کشمیری سے اور تکمیل محمد عاشق پمپلی سے کی جنہوں نے تقریباً ۱۱۸۷ھ میں ولایت پائی۔ مسیقی سمیت تمام معارف علوم عقلیہ و نقلیہ میں درجہ کمال حاصل تھا۔ ہندوستان میں حدیث کے تمام مردج سلسلے انہیں کے واسطے سے شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ متعدد علوم و فنون میں ہنر مند محققانہ تصانیف میں علوم میں زواید ملت پر اور صدراے شیرازی کی شرح ہداۃ العکبر پر اور ملاکوچ (حسام الدین علی بن طلیل متوفی ۸۴۳ھ) کے حاشیہ پر حاشی ہیں۔ ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں ولایت پائی۔

۲۰۸۔ عبدالعزیز بن احمد پری ہاری لمٹانی۔ اکابر علما میں شمار تھا۔ کثیر التصانیف تھے۔ شرح عقاید نسفی کی شرح نبرز ان کی مشہور تصنیف ہے۔ منطق میں لاسا غوجی پر حاشیہ ہے، جوانی میں انتقال ہوا۔

۲۰۹۔ ملک العلماء بحر العلوم عبداللطیف بن نظام الدین انصاری لکھنؤی یگانہ روزگار تھے فقہ و اصول میں رئیس مہند منطق و حکمت میں امام کا درجہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ مولد و مشا تھا۔ اپنے والد ملا نظام الدین سہاوی سے تحصیل تمام کی۔ مطالعہ کا بچپن سے شوق تھا قدامت کی کتابوں پر خصوصی نظر تھی۔ محقق و مدقق عادت بن گئی تھی ایک زمانے تک لکھنؤ میں درس دیا۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر تعویذ کی توڑ پھوڑ کی بنا پر ان کے طلبہ اور شیعی حضرات میں تصادم ہو گیا۔ یہ قصہ اگرچہ مصالحت پر ختم ہو گیا لیکن شیعی ان کو خطیہ طور سے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ پھیرے بھائی بھتیجیوں نے انہیں لکھنؤ چھوڑ دینے پر مجبور کیا، چنانچہ شاہجہاں پور گئے۔ حافظ رحمت علی شہید ۱۲۷۳ھ نے ہنر مند تعلیم و اکرام سے ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ شاہجہاں پور کے قلعہ میں مقیم ہو کر مدرسہ و تصنیف میں معروف ہو گئے۔ حافظ رحمت علی کی شہادت کے بعد رامپور گئے۔ نواب فیض اللہ علی بانی رامپور ۱۲۶۳-۱۲۰۸ھ نے قدر منزلت سے استقبال کیا اور دس کے لیے مدرسہ قائم کیا۔ (بعد کو مدرسہ عالیہ سے موسوم ہوا اور مدرسہ کے مشعل ہو چکنے کے بعد بھی یہ محلہ مدرسہ محلہ کے نام سے آج تک مشہور ہے)۔ مولانا

قہب قہب ہار سیل راہپور میں مقیم رہے۔ طلبہ کی اتنی کثرت ہوئی کہ مولانا نے محسوس کیا کہ ان کے وظائف کا بھروسہ ریاست کے لیے درشوار ہوگا۔ چنانچہ اپنے پیچھے ملاحین کو کو بلا کر لہذا قائم مقام کر کے صدرالدین بردوانی کی دعوت پر خود چلے گئے۔ انگریز حکام نے فیض اللہ خاں سے انگلیٹا کر مولانا کو چار بیج دیا جائے۔ انگریز حکام کے اشارے پر صدرالدین گورنر کے فشی نے وہاں مدرسے کی بنیاد ڈالی تھی۔ چنانچہ فیض اللہ خاں نے بھی اُن سے راہپور قیام کرنے پر اصرار نہیں کیا اور یہ ظاہر ہے کہ نواب فیض اللہ خاں کے لیے چار سو پانچ سو روپیہ کا ہانا جو بردوان میں صدرالدین بردوانی کی طرف سے دیا گیا۔ ایسا بارہ تھا کہ جس کو وہ اٹھا نہیں سکتے تھے۔ لیکن انگریز حکام کی اپنی خاص مصلحتیں تھیں اور نواب صاحبان کے سامنے مجبور تھے۔ بہار میں صدرالدین سے زیادہ بھادڑ نہ ہوا، مدراس کے نواب والاچا محمد علی خاں گویا موسیٰ (۱۱۶۵-۱۱۸۳) نے مدراس آنے کی دعوت دی اور آنے پر اپنے عویذ و اقرب اور بیٹوں کو استقبال کے لیے بھیجا۔ اور محل کے دروازے پر خود پانگی کو کاندھا دیکر اندر اور درس کے لیے عالی شان مدرسہ بنایا۔ مولانا وہیں مدرسے میں تصنیف میں مصروف ہو گئے۔ اسلامی حکومت کے حاتمے پر انگریزی حکومت نے بھی وظائف جاری رکھے۔ مولانا کی تصانیف تکثیر ہیں مثلاً ان کے مسلم کی مع مہیات شرح ہے۔ میرزاہد رسالہ اور میرزاہد ملاحال کے حواشی ہیں۔ میرزاہد امور عامہ پر تین حاشیے ہیں۔ الہیات میں عمالہ نافذ مع مہیات، پر حاشیہ ہے۔ مسلم اثبات کی شرح فوارخ الرعوت ابن ہمام (متوفی ۸۶۱) کی تحریر الاصول کی شرح کا جو ان کے والد نے کی تھی مکمل ہے۔ فارسی میں تنویر المنار منار کی شرح ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں تو حید وجودی پر بھی ایک رسالہ ہے۔ ۱۲۳۵ھ میں ولات پائی اور مدراس میں والاچا بی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔ متاخرین علمائے راہپور کا سلسلہ بھی ان پر فشی ہوتا ہے۔

۲۱۰۔ قاضی علی بن احمد گویا بوی معروف بہ قاضی ارتضائ علی خاں مدراسی۔ گویا سٹو میں پیدا ہوئے۔ تحفہات اپنے والد (توفی ۱۲۳۳) سے پڑھے، لکھو جاکر وہاں کے استاد سے پڑھا۔ سولہ میں مولوی حیدر علی بن محمد اللہ سے منطق و حکمت اور کلام کی تحصیل کی بلگرام میں حدیث کا درس دیا پھر گویا سٹو ہجر مدراس چلے گئے۔ اور وہاں مدرسے میں مشغول ہو گئے پھر ملحق اور اس کے بعد چوڑ کھے قاضی ہو گئے بعد کہ مدراس کے بڑے قاضی بنادیے گئے۔ تیرہ سال اس عہدے پر رہ کر ج کو گئے اور فسطے میں حدیدہ میں ۱۲۴۰ھ میں ولات پائی مثلاً دیگر تصانیف کے صدرا پر حاشیہ ہے، میرزاہد

علامہ جلال اور سید محمد اسحاق صاحب پر حواشی ہیں۔

۲۱۱۔ علی بن محمد بن علی رضا قزوینی الرازی۔ محمد علی الرازی سے تحصیل علم کی اور تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ تصانیف میں سیر قطبی پر حاشیہ، میرزا ہد رسالہ پر حاشیہ اور بیڈی پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۳۹ھ میں وفات ہوئی۔

۲۱۲۔ مرزا علی شریف بن محمد رضا لکھنوی۔ سید ولد علی شریفی بچہ سے تحصیل کی۔ منطق پر حکمت اور کلام و طب میں مہارت پیدا کی۔ علم کلام کی متعدد کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۲۳۱ھ میں لکھنؤ میں وفات ہوئی۔

۲۱۳۔ علی ضامن بن احمد علی نوہروی۔ قاری پور کے قصبہ نوہرہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لیے محمد علیم فرنگی علی اور حجاب علی امرودہوی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی جس پر بلاذ پر حاشیہ لکھا۔ ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

۲۱۴۔ علیم الدین بن فیض الدین قنوی علوم عربیہ میں نمایاں درجہ تھا عبدالواسطہ قنوی سے درسیات پڑھے۔ تصنیفات میں منطق پر متعدد رسالے ہیں۔

۲۱۵۔ محمد الدین لکھنوی۔ منطق و حکمت میں نمایاں درجہ تھا۔ کچھ درسیات بحر العلوم سے پڑھیں اور کچھ ملاحسن فرنگی علی سے، منطق و حکمت میں نوادہ زمانہ تھے تصنیفات میں حکمت کے بعض مسائل میں مقدمہ و شہرتی بعض مسائل فکر اور بحث علم میں الشرح الکامل و مقولات عشیرین ایک رسالہ ہے، بخدی کی شرح تہذیب پر حاشیہ ہے ان کے علاوہ درسیات پر حواشی اور شروح ہیں۔

۲۱۶۔ عماد علی بدایونی۔ علوم حکمیہ کے ماہر تھے بدایوں میں مولد و عطا تھا، مختلف اساتذہ سے درسیات پڑھے۔ آخر میں بحر العلوم کی شاہ جہانپور میں شاگردی اختیار کی اور درس افادہ میں مشغول ہو گئے۔

۲۱۷۔ غلام حیدر بن قطب الدین عباسی الرازی۔ علوم حکمیہ کے نمایاں افراد میں تھے۔ چچا محمد اعلیٰ (متوفی ۱۲۸۶ھ) کی آغوش تربیت میں پرورش پائی، روح البیاض الموی (متوفی ۱۲۵۲ھ) وغیرہ سے تکمیل درسیات کی اور علوم حکمیہ میں مہارت پیدا کی پھر مدرسہ میں مشغول ہو گئے۔ ۱۲۶۸ھ میں وفات پائی۔

۲۱۸۔ غلام مصطفیٰ بزدوانی۔ فنون حکمت میں ماہر تھے۔ بحر العلوم دوسرے اساتذہ سے تکمیل درس کی امامہ میں مفتی رہے وہاں سے بنگال کے بیرجم میں مبادلہ ہو گیا۔

۲۱۹۔ غلام نبی بکرامی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے بکرام مولد عطا تھا۔ کمال الدین خجوردی وغیرہ علماء سے درسیات کی تکمیل کی پھر فرخ آباد گئے اور بخشی رحمت خاں کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ ۱۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

۲۲۱۔ غلام نبی خلیفہ پوری۔ منطق و حکمت کے نامی ساتھ میں تھے راہپور میں بحر العلوم اور با حسن کی شاگردی اختیار کی اور ایک زمانے تک ان کی خدمت میں رہے۔ سدریس مشفق تھا۔ منطق میں متعدد تصانیف ہیں۔ میرزا بدرسالار پر ان کے حواشی ہیں۔

۲۲۲۔ حکیم فتح اللہ بن شمس اللہ دہلوی علوم حکمیہ میں نمایاں فاضل تھے۔ دہلی مولد و مغل تھا اور دہلی کے علماء سے درسیات پڑھے اور درس میں مشغول ہو گئے۔

۲۲۳۔ فضل امام بن محمد ارشد عمری ہرگامی، خیر آبادی منطق و حکمت میں امانت کا درجہ رکھتے تھے خیر آباد مولد و مغل تھا۔ عبدالواحد خیر آبادی (متوفی ۱۲۱۶ھ) سے درسیات کی تکمیل کی اور منطق و حکمت پر ساری توجہ مرکوز کردی اور درس میں معروف ہو گئے۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی جاری رہا۔ انگریزی ملازمت سے واپس لیا۔ تصنیفات میں ان کی سب سے مشہور کتاب مرقات ہے۔ شفاء شیخ کی تفسیر کی۔ میرزا بدرسالار اور میرزا بدیع اللہ جلال پر حواشی ہیں۔ ۱۲۴۳ھ میں وفات پائی۔

۲۲۴۔ فضل حق بن فضل امام خیر آبادی۔ فنون حکمیہ میں بگائے روزگار تھے۔ اپنے والد سے درسیات پڑھے، چار مہینے میں قرآن مجید یاد کر لیا۔ علم خلاف و بدل، منطق و حکمت، علوم عربیہ و لغت میں اپنے معاصرین پر بہت حاصل کریں۔ طلبہ اقطار و اصحاب سے ان کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ رئیسانہ انداز تھا اور انہیں جیسی پوشش پہنچنے کیلئے، رفس و سرود کی مجلسوں میں بے محابا شریک ہوتے تھے۔ دہلی میں دیوان العلماء میں صدر تھے۔ ۱۲۵۰ھ کی بغاوت کے الزام میں سید فضل حق راہپوری کی اسی شرکت کی بنا پر گرفتار ہو گئے اور جراثیم سلین میں حکم برائت کے پہنچنے سے چھلے ہی ۱۲۵۸ھ میں وفات ہو گئی۔ مصنفات میں حکمت الہیہ میں الجنس الغالی، فی شرح احوال العالی، ہدیہ سعیدہ حکمت طبعی میں الروض الجود فی حقیقۃ الوجود، والد کی تفسیر الشفاء پر حاشیہ ملا باقر داماد کی الافاق المسہین پر حاشیہ، قاضی مہارک کی شرح سلم پر حاشیہ سادہ فی تحقیق العلم والمعلوم، رسالہ فی تحقیق الاجسام، رسالہ فی تحقیق النکی الطبی، رسالہ فی تفکیک المایات، رسالہ فی اختصار النظیر وغیرہ مصنفات ہیں۔

۲۲۵۔ فضل رسول بن عبدالحمید بدایونی۔ درسیات کی بعض کتابیں اپنے دادا عبدالحمید (متوفی ۱۲۳۵ھ) سے پڑھیں پھر لکھنؤ جاکر نورالحق الصمدی (متوفی ۱۲۳۸ھ) سے تکمیل کی دہلیور میں حکیم بھر علی موہانی سے طب پڑھی کچھ دنوں وہاں مقیم رہے پھر بدایوں آ گئے وہاں سے بدایوں جاکر مطلب شروع کر دیا۔ وہاں سے آکر حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں حدیث کی سہولی پھر دوسری بار حج کو گئے وہاں

حکومت میں پہلے پھر مدرسہ میں سے معروف ہو گئے۔ کلام و اصول میں اتنی ہی درجہ رکھتے تھے۔ شاہانِ اودھ میں عامی قدر منزلت تھی۔ احمد علی شاہ (۱۲۵۸-۱۲۶۲) نے سلطان العلماء کا خطاب دیا تھا اور افتاء کی خدمت ان کے سپرد کی تھی۔ ان کی تصنیفات میں سے حمد اللہ کی شرح سلم پر حواشی ہیں۔ ۱۲۸۴ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۰۔ محمد احسن بن محمد صادق خوشابی، پشاور میں معروف ہے حافظ دراز منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے۔ قاضی مبارک کی شرح سلم پر حواشی ان کی تصنیفات میں سے ۱۲۶۳ھ میں انتقال ہوا۔
 ۲۳۱۔ محمد ارشد بن عبدالغنی حاکم صبح الملک معروف ہے شغنائی حاکم۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے دہلی وطن تھا، احمد شاہ درانی (۱۷۲۳-۱۷۴۳) کے دہلی حملہ کے زمانے میں فیض آباد آ گئے اور شجاع الدولہ نے ہندت عرت و احترام سے انہیں باقیوں ساتھ لیا۔ ۱۲۴۳ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی۔
 ۲۳۲۔ محمد اسلم ہندوی علوم حکمیہ کے نامور علما میں شمار تھا۔ اپنے عہد کے علما سے بوزکر العلوم سے تحصیل مقام کی اور ان کی خدمت میں ایک زمانے تک رہے۔ ابو علی قوشچی (متوفی ۸۹۰ھ) کی الملبی فی العلمائہ حکیہ کی تحفہ کی ہے۔

۲۳۳۔ محمد حسن بن علی ابو الحسن بریلوی، معقولات و معقولات کے نامی علما میں شمار تھا۔ منطق شرف الدین راجپوری اور دیگر علما سے تحصیل کی تصنیفات میں ملاحسن کی معارج العلوم کی مفصل شرح ہے۔ فائز الکلام فی حقیقۃ الصور معدا لکسا والامام وغیرہ ہیں۔

۲۳۴۔ محمد حسین بن محمد علی بزازکری علوم حکمیہ کے نامور عالم تھے شیراز میں پیدا ہوئے وہاں کے علما سے تحصیل کی۔ والد حیدر آباد میں تھے ان کے بلانے پہ، لیکن ان کی ولایت کے بعد حیدر آباد چلے گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے۔ ۱۲۸۹ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۵۔ محمد علی بن خواص راجپوری فنونِ لکیر میں ماہر تھے امور عامہ، مایع الاجسام کی بحثیں، میرزاہد کے حواشی اور سلم العلوم کی شرح کے گویا حافظ تھے۔ ۱۲۱۳ھ تک حیات تھے۔

۲۳۶۔ محمد حسین بن ملامین لکھنؤی۔ لکھنؤ مولد و نشا تھا، اپنے بڑے بھائی ملا حیدر اور چچا زاد بھائی ولی اللہ اور مفتی ظہور اللہ سے تحصیل کی پھر مدرسہ میں مشغول ہو گئے۔ ہر جہت کو والد کے بھانے و خط و تذکرہ کرتے، متعدد کتب درسیہ پر حواشی ہیں۔ صدرا پر بھی حاشیہ ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں وفات ہوئی۔

۲۳۷۔ مکی الدین بن عبدالقادر بدایونی۔ اپنے والد سے تحصیل کی۔ معضلات میں میرزاہد رسالہ پر

حاشیہ ہے۔ ۱۲۷۰ھ میں ولادت ہوئی۔

۲۳۸۔ مملوک علی ابن احمد علی نانوتوی، دہلی کے مشہور اساتذہ میں سے تھے، نانوتہ مولد و مضاف تھا، کچھ دنوں اپنے خلیع سہارنپور کے اساتذہ سے پڑھا پھر دہلی جا کر رشید الدین موتوی ۱۲۴۳ھ کے شاگرد ہوئے اور ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ دہلی سے پڑھا، فقہ و اصول اور عربیہ میں مہارت کے ساتھ منطق و حکمت میں بھی غیر معمولی درجہ تھا، مدرسہ دارالبقا میں ان کا درس مشہور تھا۔ اسی مدرسے میں عمر گزاری اور ہزار ہا طلبہ ان کے درس سے فائدہ ہوئے۔ ۱۲۶۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۳۹۔ نجف علی نوہروی۔ غازی پور کے قصبے نوہرہ میں پیدا ہوئے، اکابر علمائے شیعہ میں شمار ہوتے تھے لکھنؤ میں فرنگی محل کے اساتذہ سے فنون کی تکمیل کی، فقہ سید دلدار علی شیبی مجتہد سے حاصل کی۔ تصنیفات میں رسالہ شفاء بالنگریز پر حاشیہ اور میرزا ہد ملاجلال پر حاشیہ ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں ولادت پائی۔

۲۴۰۔ حکیم، نصر اللہ بن شہا، اللہ دہلوی، پنت، مدلسہ، منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا، شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالغفار اور شاہ رفیع الدین سے تحصیل کی، طب حکیم شریف عاں سے پڑھی اور دہلی میں تدریس شروع کر دی۔ ۱۲۷۱ھ میں موجود تھے۔

۲۴۱۔ نظام الدین بن مہدی علی، دہلوی۔ فنون حکمت میں عاں شہرت قبی ان کی متعدد تصنیفات ہیں جن میں رسالہ فی العلوم الطبیعیہ ہے اور منطق میں بھی ایک رسالہ ہے۔

۲۴۲۔ مفتی نظام الدین بن نور اہدی دہلوی۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں تھے۔ تفضل حسین کشمیری سے درسیات پڑھے پھر افتاء کی خدمت پر مامور ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے مدارس کی صدرا مینی تک پہنچ گئے ۱۲۱۱ھ تک حیات تھے۔

۲۴۳۔ نسیم الدین بن فصیح الدین قنوی۔ معقول و معقول کے نامی علما میں تھے۔ عبدالباہق قنوی سے تحصیل علم کی ان کی تصنیفات میں سلم کی تصدیقات کی شرح اور صدرا پر حاشیہ ہے۔

۲۴۴۔ نسیم اللہ بن حبیب اللہ الصمدی لکھنوی۔ لکھنؤ مولد و مضاف ہے، اپنے بڑے بھائی ولی اللہ الصمدی سے تحصیل کی ۱۲۸۲ھ میں ولادت پائی۔

۲۴۵۔ نسیم اللہ بن غلام قطب الدین بہرائچی۔ قصرات اساتذہ فہر سے پڑھے، لکھنؤ مسین محمد طیل سے شہد جاں پور میں امام بخش سے اور بریلی میں شہاب الدین علی پور پھر لکھنؤ جا کر محمد علی

اصداری کو لاہم پکڑ لیا اور معقولات و منقولات کی درسیات کی تکمیل کی۔ دہلی میں حاجی احمد شاہ گرد شاہ ولی اللہ سے سادہ حدیث حاصل کی اور متکلمین و تذکیر میں معروف ہو گئے۔ ان کے مصنفات میں میرزا نادر رسالہ اور میرزا نادر ملاحظہ کے حواشی ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں ولایت پائی۔

۲۳۶۔ ملحقہ نور احمد بن لغز محمد سہوائی۔ سہوان مولد و خطا تھا۔ تحصیل علم کے لیے مراد آباد رامپور اور لکھنؤ کا سفر کیا اور معاصر علماء سے خصوصاً بحر العلوم سے درسیات کی تکمیل کی اور سہوان کی خدمت افتابہ ہوئی۔ قاضی مہدک کی شرح مسلم پر شمس باز رفیعہ افغانی لکھے۔ ۱۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

۲۳۷۔ نور الاسلام بن سلام اللہ رامپوری شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے اصناف میں تھے، رامپور مولد و خطا تھا۔ بحر العلوم سے جب وہ رامپور میں تھے اور ملاحسن اور دیگر اساتذہ رامپور سے درسیات پڑھے، ہیئت، مہدہ اور حساب میں بے نظیر تھے۔ ان کی تصانیف میں رسالہ فی مابین المکان معصومۃ ۱۲۷۴ھ اور رسالہ فی الزمان، قاضی مہدک کی شرح مسلم پر حاشیہ اور میرزا نادر رسالہ پر حاشیہ ہے، شہاد باقر پر تفصیلی حاشیہ ہے، رسالہ اصطلاح لاری میں لکھ کر نواب نصر اللہ خان متوفی ۱۳۲۵ھ کے نام مضمون کیا تھا۔ رامپور میں انتقال ہوا اور مزار بغدادی صاحب میں مدفون ہوئے۔

۲۳۸۔ نور الحسن بن ابوالحسن کاندھلوی۔ مشہور علماء میں سے تھے۔ کاندھلہ مولد و خطا تھا، کچھ زمانے تک والد متوفی ۱۳۶۹ھ سے پڑھا اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی صحبت میں رہ کر علوم حکمیہ کی تحصیل کی اور مہارت حاصل کی۔ حلیم، متواضع اور خوش گفتار تھے۔ ۱۹۵۸ھ میں ولایت پائی۔ ان کے درس سے اکابر علمائے فراغت حاصل کی ہے۔

۲۳۹۔ نور عالم رامپوری۔ افغانی الاصل تھے، فنون حکمیہ کے نای علماء میں تھے، درس و تعلیم میں عمر گزار دی۔ بیہیڈی پر حاشیہ ہے۔

۲۴۰۔ نور احمد بن قمر الدین اورنگ آبادی۔ اپنے والد سے علوم درسیہ پڑھے اور قرآن حفظ کیا۔ والد کے ساتھ حج و زیارت سے فراغت حاصل کی اور سدری عمر درس و الازہ میں بسر کر دی۔ والد کے رسالے مظہر النور فی بحث الوجود کی شرح کی تشکیل مابین میں رسالہ لکھا، یو ارباق النور کے نام سے شرح مظہر النور پر حاشیہ لکھا، قاضی عبداللہ بن ابی بریاد کی صورت میں رسالہ لکھا، ایک رسالہ فی ما اور علی السیرۃ الزاہد کے نام سے لکھا۔ ان کے علاوہ متعدد رسائل لکھے۔ ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۰۲ھ میں وفات پائی۔

۲۴۱۔ نیلا احمد بن رحمت علی بریلی۔ اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے۔ سرحد میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی میں

دہلی آئے اور شیخ فرید الدین متوفی ۱۱۹۹ھ کی آغوش میں تربیت پائی اور علم و طریقت کی تعلیم حاصل کی اور پھر بریلی گئے۔ اور مستقل سکونت اختیار کرنی اور قبول عام حاصل کیا۔ علوم حکمیہ میں ماہر تھے خصوصاً فنون ریاضی میں۔ ۱۲۵۰ھ میں بریلی میں وفات پائی۔

۲۵۲- ملقب تاجد علی بن ابراہیم بخاری۔ منطق و حکمت کے نامی علما میں شمار تھا۔ لکھنو مولد و مضاف تھا۔ اپنے والد اور دوسرے علما سے تحصیل علم کی اور لکھنو کی انگریزی سلاطت میں منصب افتا پر فائز ہوئے اور پانچ سال تک کام کیا۔ پھر بتیائے رئیس نے ملازم رکھ لیا۔ شہادہ شیخ، الافق السہین اور دوانی کے حواشی قدیم و جدیدہ کی تدریس میں یگانہ مصرعے، ہزار ہا شاگردوں نے ان کے دامن تعلیم میں فراغت حاصل کی چھبرے میں ۱۲۷۶ھ میں وفات پائی۔

۲۵۳- وجیہ الدین دہلوی۔ منطق و حکمت میں فہرت قہی ملا لکھام الدین سہاوی سے تحصیل کی اور دہلی میں تدریسی خدمت سپرد ہوئی اور بہت سے لوگوں نے ان سے فیض اٹھایا۔ ہنالت ذکی اور زود فہم تھے۔

۲۵۴- وحید الحق بن وجیہ الحق پھلواروی۔ اکابر اساتذہ میں شمار تھا۔ پھلواروی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی کچھ درسیات والد متوفی ۱۱۵۰ھ سے اور زیادہ اپنے ماموں مبین جعفری متوفی ۱۲۳۲ھ سے پڑھیں اور پھر تدریس و تعلیم شروع کر دی بھرعات اور مشقیات سے سخت پرہیز تھا۔ انگریزوں کے ملازم کے جہاں کاکھانا نہیں کھاتے تھے۔ قوالی سے اجراء پرہیز تھا، لیکن جب حالت کا قلب ہوا سننے لگے۔ تصنیفات میں سے تفسیر بیضاوی پر حواشی ہیں ۱۲۰۰ھ یا ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

۲۵۵- ملقب یوسف بن اصغر انصاری لکھنوی۔ مشہور علمائے لکھنوی میں تھے، ملقب محمد اصغر انصاری متوفی ۱۲۵۵ھ ملقب ظہور اللہ اور ملقب نور اللہ متوفی ۱۲۹۱ھ سے درسیات کی تکمیل کی۔ والد کے بعد ان کے بجائے ملقب کے عہدے پر تقرر ہو گیا۔ پھر اسکو چھوڑ کر کچھ دنوں گھر پر رہے پھر جو پور کے مدرسہ امامیہ میں استاد ہو گئے۔ ۱۲۸۶ھ میں حج و زیارت کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ گئے اور آخر شوال میں مدینہ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں قاضی کی شرح سلم پر اور ملاحسن کی شرح سلم پر فہم بدھ پر حواشی ہیں۔ ملاحسن کے فہم بدھ کے حاشیے کا تکرار بھی لکھا، شہادہ شیخ کی طبیعات پر تفسیر بیضاوی پر بھی حواشی لکھے۔

چودھویں صدی

تیرہویں صدی میں معقولات کی گرم بلداری میں جس طرح اساتذہ فرنگی محل خصوصاً بحر العلوم، طاحسن اور ان کے گاخذہ و محققین کو دحل بہلہے۔ اسی طرح چودھویں صدی میں یہ تسلسل خیرآبادی فائدان اور ان کے گاخذہ اور محققین سے جاری رہا چودھویں صدی کے نصف اول سے کچھ زیادہ پر محیط ہے۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی شمس العلماء مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا ہدایت اللہ عاں رامپوری، مولانا فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹونکی وغیرہ فضل اسی صدی کے نصف اول اور اس کے بعد کے لوگ ہیں۔ اس سلسلے میں رامپور کے مدرسہ عالیہ مرحوم کو خصوصی دحل بہلہے۔ مولانا فضل حق رامپوری مدرسہ عالیہ کے صدر نقشینوں میں آخری علمائے معقولات ہیں۔ ان کے بعد سے معقولات کا نمونا اور مدرسہ عالیہ کی عقلیت پندی کا خصوصاً زوال ہو گیا اور اس تیزی سے ہوا کہ پندرہویں صدی شروع ہوتے ہوتے معقولات کے چرچے بھی ختم ہو گئے۔ اس زوال میں دارالعلوم دیوبند ندوۃ العلماء اور ان مدارس سے متاثر درس گاہوں کو بھی دحل ہے جنہوں نے علوم عقلیہ سے طلبہ کے ذہنوں کو پھیرنے میں خاصا حصہ لیا۔ طلبہ کی سہولت پندی و دحل و مذکور خطبات و انکسائیں عقلیات کی عدم الادیت پھر ان کا اشکال و دقت ایسے اسباب ہوئے جنہوں نے زوال کو تیز کر دیا اور علمائے عقلیات کے جانشین تیار نہیں ہو سکے۔ اب یہ حالت ہے کہ ہندستان و پاکستان کے پورے برصغیر میں نظریں ڈھونڈ سکتی ہیں اور بے مرام واپس آجاتی ہیں۔ اگر دو چار بوڑھے کہیں ہوں تو چراغ عمری ہیں اور گنتی کے دنوں کے مہمان۔ حالات کا جائزہ بتاتا ہے کہ شاید یہ زوال دائمی ہے اور ان علوم کے ابھرنے کی کوئی توقع نہیں ہے۔ کاش کچھ ایسے جوان اور ذہین و دقت پند علمائے انکسائیں اور کم از کم، ہندستان کے متاخرین علمائے عقلیات کی فکری اور اصیل کاوشوں کو نئے انداز سے جمع کرنے کا بار اپنے کندھوں پر لیں۔

چودھویں صدی کے علمائے عقلیات، تیرہویں صدی کا تسلسل ہے، اسی میں عبدالحق خیرآبادی، فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹونکی جیسے حضرات ہیں جن میں اصالت فکر کے نمونے مل جاتے ہیں یہی وہ صدی ہے جو علمائے عقلیات کے خلتے اور قدیم عقلیت کے کلی زوال کی صدی ہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور جو ۱۷۷۳ء سے ہی جو اس کے قیام کی تاریخ ہے علوم عقلیہ کی تدریس میں ایتھیری درجہ رکھتا تھا۔ اپنے صدر نقشینوں میں علوم عقلیہ میں مہارت کی شرط سے

درست بردار ہو چکا تھا اور عام اساتذہ بھی علی لیاقت سے عادی تھے۔ چنانچہ اس پر بھی احوال شریف ہو گیا اور اب محض نام کے لیے اگرچہ باقی ہے لیکن درس و تعلیم ختم ہو چکا۔ طلبہ کی حاضری قسم ہو گئی۔ اساتذہ تقریباً وقت گزاری کرتے ہیں۔ علم سے سبوں تک تعلق ہے۔

۲۵۶۔ ابوالحسن بن بندہ حسن لکھنوی۔ مولانا ولد ار علی کے پر پوتے تھے۔ ہندت ذکی اور ذہین، لکھنوی مولد و منشا تھا، اپنے والد سید بندہ حسن متوفی ۱۲۹۳ھ، علی نقی، سید حسین متوفی ۱۲۶۳ھ اور کمال الدین موبانی سے تحصیل کی، ہندت کبیر الدرس تھے، فنون حکمیہ میں بھی اچھی لیاقت تھی۔ مقالات عامہ اور وہ پر ان کے خواہی ہیں۔ ۱۳۰۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۵۷۔ احمد امین بن عبداللہ افغانی رامپوری۔ نوشہرہ ضلع کے ولئی علاقے کے باشندے تھے۔ اچھائی کتابیں وطن میں پڑھیں۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں تحصیل کی۔ مولانا فضل حق رامپوری سے منطق و حکمت اور کلام کے اعلیٰ درسیات پڑھے ہندت جامع اساتذہ تھے، کثرت درس میں شہرت تھی کوئی وقت درس سے غالی نہ تھا۔ میرے مرحوم بھائی اور اساتذہ مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم نے مولانا سے گھر پر تفسیر، بیضاوی پڑھنے کے لیے وقت مانگا تو فرمایا کہ میرے پاس سوائے تہجد کے کوئی وقت نہیں۔ چنانچہ بھائی صاحب مرحوم تہجد کے وقت ان کی خدمت میں جا کر درس لیتے۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں درجہ دوم کے اساتذہ تھے اور درس نظامی کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے، منطق و حکمت اور کلام میں یدِ طولی تھا، سیکڑوں شاگرد تھے۔ آخر میں مولین برما ملے گئے۔ افتائی خدمت تھی ہر سال رامپور میں اہل و عیال میں آتے، ایک رسالہ لکھا تھا جو اشکال الہی کی تحقیق پر مشتمل تھا اور اس میں ہر شکل کی مثال قرآنی آیات سے فراہم کی تھی جو طبع ہو چکا تھا، لیکن اب نایاب ہے۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۹۳۸ء میں مولین میں ولات پائی۔ دو لڑکے چھوڑے مولانا محمد یوسف متوفی ۱۸ فروری ۱۹۸۶ء جو مدرسہ عالیہ کے اساتذہ تھے۔ دوسرے محمد اسحاق جو حیات ہیں، عربی تعلیم سے بے بہرہ۔

۲۵۸۔ احمد حسن خانلوی، کانپور بخالد گورداس پور مولد و منشا تھا۔ طلب علم کے لیے علیگڑھ میں مفتی لطف اللہ علیگڑھی متوفی ۱۳۳۳ھ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے پاس رہ کر درسیات سے فراغت حاصل کی۔ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں کچھ مدت تک درس دیا پھر کانپور کے مدرسہ فیض عام میں ایک زمانے تک پڑھایا اور وہیں نکاح کر کے رہ چکے۔ ہندت کبیر الدرس تھے، پندرہ سبق پڑھاتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں ولات پائی۔ تصنیفات میں، حمد اللہ کی شرح مسلم، ہندت مفصل حاشیہ ہے

احکام کتب و اختراجات کتب میں الگ رسالہ ہے۔

۲۵۹۔ اسحاق حائے ولد حافظ اکبر حائے۔ اصل وطن خانیور تھا۔ غدر کے بعد رامپور گئے۔ مولانا بدلت اللہ حائے سے اجماعی کتابیں پڑھیں، مولانا نور اللہی سے منطق و حکمت کی تکمیل کی۔ دہلی جاکر سید نذیر حسین محدث متوفی ۱۳۲۰ھ سے سند حدیث لی منطق و حکمت اور ریاضی کے نامور فضلا میں تھے۔ آخر میں دہلی پہنچے لگے تھے۔

۲۶۰۔ اسد الحق بن عبدالحق خیر آبادی رامپوری۔ رامپور مولد و مضاف تھا۔ والد سے درسیات کی تکمیل کی۔ اجماعی کتابوں کے علاوہ سب کتابیں والد سے پڑھیں، جہلوت ذہین اور زود فہم تھے، منطق و حکمت خاص مضمون تھا۔ مولانا عبدالعزیز اپنے والد کے شاگرد سے ابن حاجب کا کافہ پڑھتے تھے معارف فطین کی بحث تھی مولانا نے ان کے اساذ کو بدلت کی اس بحث میں مکشافی و لم اطلب قلیل من المسائل لیس منہ "کو چھوڑ دینا کیوں کہ اس کا مطلب اسد الحق سے ذاتی مطالعے میں نہیں نکل سیکے گا تو اس کو خیال ہوگا کہ اس کی قوت مطالعہ ناقص اور کمزور ہے۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ کافے کا پڑھنے والا اسکو اپنے مطالعے میں نکال ہی نہیں سکتا اور جو چیز مطالعے میں نہ نکل سکے اس کا پڑھنا اور پڑھانا دونوں غیر مفید ہیں۔ اسد الحق، مولانا عبدالحق کے رامپور جانے کے بعد مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس تھے۔ لیکن عین جوانی میں ۱۳۱۸ھ میں بیٹے کی وبا میں رامپور میں انتقال ہو گیا اور میاں خواجہ احمد صاحب متوفی ۱۳۵۳ھ کے باغ میں دفن ہوئے۔

۲۶۱۔ اعجاز احمد بن عبدالہادی حسوانی۔ درسی کتابیں حکیم محمود عالم حسوانی سے پڑھیں اور بہت دنوں ان کی خدمت میں رہے پھر بمبھال جاکر محمد بطیر حسوانی متوفی ۱۳۲۳ھ اور قاضی عبدالحق کابلی بمبھالی سے درسیات کی تکمیل کی اور حسوانی گئے۔ وہاں اہلوی میں درس کے ساتھ مطب بھی شروع کر دیا۔ ہدایوں کے مدرسے میں عربی فلاری کے اساذ مقرر ہوئے۔ آخر میں فیض آباد کے کالج میں نائب پرنسپل ہوئے۔ اور پنشن لے کر وطن آگئے اور مطالعہ کتب و تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ میں انتقال ہوا۔ منجد دیگر تصانیف فلاری کی فصوص الحکم کی شرح رشحات الحکم کے نام سے لکھی۔

۲۶۲۔ فہام اللہ بن انعام اللہ انصاری لکھنوی۔ اکابر علمائے لکھنو میں تھے۔ لکھنو مولد و مضاف تھا۔ مختصرات عبدالباقی لکھنوی متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے پھر مولانا عبدالحق کی خدمت میں بہت دنوں رہ کر تکمیل کی اور مدراس کے ولیر کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ وہاں سے دکن میں گجرات کے مدرسے

میں مقرر ہو گئے۔ منجملہ دیگر تصنیفات کے شرح معانی لسانی اور اس کے حاشیہ فیالی پر اور قطبی پر حاشیہ لکھے۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۳۔ المی فیئ فیض آبادی۔ ذہانت و قوتِ حطّ اور ذہن کی روحانی میں عام طور سے شہرت تھی فیض آباد مولد و مختصا، لکھنو جاکر مولانا انور علی لکھنوی متوفی ۱۳۰۳ھ اور دوسرے اساتذہ سے تحصیلِ حرام کی اور لکھنو میں ہی ایک زمانے تک مدرسہ میں خدمات انجام دیں۔ جمہور میں نواب صدیق حسن خاں متوفی ۱۳۰۶ھ نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے رکھ لیا اور کچھ دنوں بعد جمہور کے مدارس کی لطافت پر تکرر ہو گیا۔ ۱۳۰۶ھ میں مکہ معظمہ میں ولایت پائی۔ ان کی تصنیفات میں شرح مراقۃ لاری میں، حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ اور شرح جہنم بخودی پر مفصل حاشیہ اور بعض دوسری درسیات پر حواشی ہیں، جو سب کے سب مطبوعہ ہیں۔ منطق کی کتابوں کی منطقی تحریک ان کی ہی استخراج تھی۔

۲۶۴۔ سید میر علی بن معظم علی علی آبادی، لکھنوی۔ ہندوستان کے مظہر میں تھے اچھا مکتبی تعلیم حاصل کی اور عربی کے قصرات عبداللہ آروی و حیدر علی مہاجر سے پڑھیں۔ پھر قاضی بطیر الدین عثمانی قنوجی کی خدمت میں رہ کر درسیات کی تکمیل کی اور اصول، کلام، منطق و فلسفہ وغیرہ علوم حاصل کیے۔ سید نذیر حسین سے حدیث اور حکیم عبداللہ خاں متوفی ۱۳۱۶ھ سے طب پڑھی۔ لکھنو میں جمادی کر کے کتابوں کی تصحیح و محشیہ پر مطبع نو لکھنور میں کچھ دنوں ملازم رہے پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل نے مدرسہ عالیہ میں تکرر کر دیا، لیکن سال دو سال بعد ہی مدعوۃ العلماء کے مدرسے میں صدر مدرس بنادے گئے۔ دو تین سال بعد ۱۳۲۷ھ میں ولایت پائی۔ مصنفات میں توضیح و تلویح پر ہندت اسوۃ حاشیہ بھی ہے۔

۲۶۵۔ انوار اللہ بن جماع الدین قندھاری حیدر آبادی۔ دکن کے نامدوں کے قصبہ قندھار میں پیدا ہوئے، حطّ قرآن کے بعد اپنے وطنی اساتذہ سے قصرات پڑھیں۔ لکھنو جاکر عبداللہ انصاری سے اور ان کے بیٹے عبداللہ کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی عبداللہ معنی سے تفسیر کا درس لیا۔ اکثر علوم و فنون میں ماہر تھے۔ کچھ دنوں حکومت کی ملازمت کی پھر حج کے لیے سفر کیا وہیں شیخ احمد اللہ مہاجر کی متوفی ۱۳۱۷ھ سے بیعت کی۔ دکن میں واپسی کے بعد محبوب علی خاں نظام دکن (۱۱۳۰/۱۱۳۲ھ - ۱۸۸۳/۱۱۳۲ھ) کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ خان بہادر کا خطاب ملا۔ پھر میر عثمان علی خاں (۱۹۱۱ء - ۱۹۳۸ء) کی تعلیم پر

نامور ہوئے۔ میر عثمان علی خاں نے دکن پر سخت فطینی کے بعد صدارت اور احتساب کے محکمے سپرد کیے پھر درزیرادکاف بنائے گئے اور فضیلت جنگ عطا ہو گیا۔ بعد کو فہرادرگان کی تعلیم بھی مصلحت ہو گئی۔ علوم عقلیہ میں ینگہ مصر تھے۔ اور درس والاہ اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ حیدرآباد میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی۔ تالیفات اور نشر و اشاعت کتب کے لیے اشاعت العلوم کے نام سے ایک مجلس کی تاسیس کی۔ ۱۳۳۶ھ میں ولایت پائی۔ ان کی مصنفات میں سے کتاب العقل کافی مشہور ہے۔ جو فلسفہ جدید و قدیم کی جامعیت کے ساتھ جدید علم کلام ہے۔

۲۶۶۔ حکیم برکات احمد بن دائم علی ٹوکی۔ منطق و فلسفہ کے فضلا میں شمار ہوتے تھے، اجماعی کتابیں اپنے والد اور محمد حسن خاں عسکری متوفی ۱۳۱۵ھ سے پڑھیں۔ پھر رامپور آکر صاحبزادہ محمد علی خاں معروف بہ چمن صاحب تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے جہاں قیام کر کے عبدالحق خیر آبادی سے معقولات کی تکمیل کی اور کئی سال ان کی خدمت میں گزارے پھر کئی سال دہلی میں رہ کر حکیم غلام مصطفیٰ خاں متوفی ۱۳۴۰ھ سے طب حاصل کی بمبھال میں مولانا ایوب بھٹائی متوفی ۱۳۱۵ھ سے حدیث پڑھی ٹونک آکر سرکاری شفاخانہ کے افسر الاطباء ہو گئے۔ درس و تعلیم ان کا حقیقی مشغلہ رہا، اطراف و اصداد کے طلبہ پہنچتے گئے۔ منطق و فلسفہ کے مسئلہ اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ مولانا عبدالوہاب بہاری استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ رامپور آئے اور نواب حامد علی خاں (۱۳۰۶ھ - ۱۳۴۹ھ) کو قصیدہ پیش کیا۔ مولانا نے میرزا بد رسالہ پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ لکھا تھا جس میں مولانا خیر آبادی پر اعتراضات تھے۔ صاحبزادہ چمن صاحب چاہتے تھے کہ ان کو رامپور میں علمی رک بہنچائی جائے۔ وہ مولانا فضل حق رامپوری کے پاس آئے اور کہا کہ تمہیں نواب صاحب کے سامنے صحیفہ شیطانیہ والے عبدالوہاب سے مناظرہ کرنا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کا تعلق مجھ سے خوردانہ بزرگانہ ہے نہ میں ان سے مناظرے کے لیے تیار ہوں اور نہ وہ ہونگے۔ وہ مجھ سے ملنے آئے تھے تو میں نے ان کے اعتراضات کا جواب دیدیا تھا اور انہوں نے میرے جوابات تسلیم کر لیے ہیں اور یہ کہہ گئے ہیں کہ یہ اعتراضات میں نے جہارے لیے نہیں کئے ہیں۔ صاحبزادے صاحب نے مجبوراً حکیم برکات احمد صاحب کو بلالیا اور نواب حامد علی خاں کے سامنے مناظرہ ٹھہر گیا۔ نواب صاحب نے مولانا فضل حق صاحب کو بلا کر فیصلے کے لیے منظر کے طور پر مجلس میں پہنچنے کا حکم دیا۔ مولانا عبدالوہاب حضرت مولانا کے پاس آئے اور کہا کہ برکات احمد اپنے شاگرد مولوی معین الدین (بحیری) کو لائے ہیں اور

میرے ساتھ کوئی شاگرد نہیں آپ اپنے کسی شاگرد کو میرے ساتھ کر دیتے کہ اگر معین الدین بحث شروع کر دیں تو وہ جواب دیں۔ ہاں اگر برکات احمد نے گفتگو شروع کی تو میں بیٹ لوں گا۔ چنانچہ مولانا نے اپنے صاحبزادے استاذی مولانا افضل الحق مرحوم متوفی ۱۳۷۵ھ اور استاذی وافی السعظم مولانا عبدالوہاب خاں کو ساتھ کر دیا۔ گفتگو مولانا برکات احمد اور مولانا عبدالوہاب بہاری نے شروع کی حکیم برکات احمد صاحب کا ابھرائی سوال یہ تھا کہ قضیہ، منطقین کے نزدیک معقولات ثانیہ میں سے ہے کہ جن کا ظرف عروض ذہن ہے جبکہ قضیہ شخصہ جس کا موضوع جزئی اور شخصی ہوتا ہے اور خارجی وجود رکھتا ہے اس کا منطقی عند خارجی ہوتا ہے۔ تو اس کو قضیہ کیسے عارض ہوگا۔ مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب الہی پیر رہے ہیں اور جواب بن نہیں پڑتا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا۔ بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع المنطقی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سلسلے دنوں کی بات رہ گئی پھر ان دونوں حضرات نے الگ الگ اگر مسیحا شکر پر ادا کیا۔ حکیم صاحب کو منطق و فلسفہ میں غیر معمولی تو غل تھا۔ ان کی تصنیفات میں القول الضابط فی تحقیق الوجود المرابط، امام الکلام فی تحقیق الأجسام اور کلام و فلسفہ کی بعض کتابوں پر حواشی ہیں۔ ۱۳۴۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۷۔ پھول کاٹلی۔ منطق و فلسفہ کے مشہور لوگوں میں تھے سیدہ افغانستن کا علاقہ آزاد وطن تھا۔ طلب علم میں ہندوستان آئے۔ ملحق لطف اللہ علی گڑھی اور دیگر اسمذہ سے تحصیل علم کی۔ رامپور آکر ہتھان عابدان میں قلعہ کیا اور کچھ دنوں غالباً انوار العلوم میں درس دیا۔ ٹونک میں مدرسہ حلیلیہ میں بہت دنوں پڑھایا۔ حکیم برکات احمد سے اختلاف کے باعث نواب صاحب ٹونک نے خارج البلد کر دیا تو دہلی آ گئے اور مدرسہ نعمانیہ میں آخر عمر تک درس دیا۔ ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔

۲۶۸۔ حلیطہ اللہ بن دین علی ہمدانی۔ اعظم گڑھ کا قصبہ ہمدوہ مولد و شفا تھا۔ غازی پور جا کر عبداللہ غازی پوری و غیرہ سے پڑھا، وہاں سے لکھنؤ آئے اور مولانا عبدالحی کا دامن پکڑ لیا۔ اور ان کے پاس فراغت پائی اور کاکوری کے سرکاری مدرسے میں ملازم ہو گئے۔ وہاں سے ان کے استاذ عبدالحی نے اپنے داماد یوسف بن قاسم متوفی ۱۳۳۳ھ کی تعلیم کے لیے لکھنؤ بلا لیا، لکھنؤ میں ایک زمانے تک درس دیا پھر رامپور

اور مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس پر تقرر ہو گیا۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی پر نپل تھے اور سوائے اپنے متحسین کے کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے علاوہ ان میں مولانا عبدالحق سے انہیں شدید علمی اختلافات تھے، رامپور کے احباب نے انہیں متعدد بار مشورہ دیا کہ مولانا خیر آبادی کے جہاں کبھی کبھی حاضری دیدیا کریں۔ لیکن وہ کبھی ان کی مجلس بلکہ دربار میں نہیں گئے اور یہ کہ کر مشورہ کو مسترد کر دیتے کہ مجھ سے اپنے اساتذہ کو گالیاں سننی نہیں چاہیگی اور میں جواب دے نہیں سکوں گا اس لیے بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤں۔ مولانا عبدالحق مولانا عبدالحق کے شاگرد کو مدرسہ کا صدر مدرس کیسے برداشت کرتے، انہوں نے خسرو باغ علی کو شعی میں (جس میں اب رضا ڈگری کالج ہے) جہاں نواب حامد علی عاں اس زمانے میں قیام پذیر تھے، مدرسہ عالیہ کے بڑے اساتذہ کا ان کے حضور میں امتحان رکھ دیا۔ مولانا عطیہ اللہ کی باری آئی تو خیر آبادی نے ان سے سوال کیا کہ فرد معشر کا کیا مفہوم ہے، مولانا نے تشریح کی تو سوال کیا کہ فرد معشر کا ثبوت و انتفاء کس طرح ہوتا ہے، مولانا نے جواب دیا کہ کسی ایک فرد سے موجود ہوتا ہے اور ایک ہی فرد کے انتفاء سے منقہ ہو جاتا ہے۔ خیر آبادی نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر اور ایک خدمت گار کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اس خدمت گار کی موت سے انسان فنا ہو جاتا ہے حالانکہ فرد معشر بمعنی مفہوم فردیت منصف بہ کئی مثلاً جسم تا، و حیوان تا یعنی کوئی سا جسم کوئی سا حیوان اور کوئی سا انسان، بلا تخصیص و تعین کے ثبوت کے لیے کسی ایک کا وہ کوئی بھی ہو ثبوت کافی ہوتا ہے، اور انتفاء کے لیے جمیع کا انتفاء ضروری ہوتا ہے۔ پھر خیر آبادی نے بھی جان بوجھ کر مغالطے سے کام لیا۔ نواب صاحب نے کہا نکالو اس کو چنانچہ مولانا مدرسہ عالیہ سے الگ کر دیے گئے۔ مدرسہ عالیہ سے الگ ہو کر ندوے کے دارالعلوم میں صدر مدرس ہو گئے اور بہت دنوں وہاں درس دیا، وہاں سے ڈھاکہ گئے اور وہاں کے مدرسہ عالیہ میں اساتذہ مقرر ہو گئے۔ حکومت نے فہمس العلماء کا خطاب دیا۔ وہاں سے پنشن لے کر رخصت ہوئے۔ اور راج کے بعد پھر ندوۃ العلماء کے صدر مدرس ہو گئے اور ۱۳۴۸ھ میں اس سے سبکدوش ہو گئے۔ ۱۳۶۲ھ میں ولایت پائی۔ مولانا کو معقولات و مقولات میں یتوئی حاصل تھا اور علم ہیئت تو ان کا مرغوب فن تھا، چنانچہ مدرسہ عالیہ کے حساب میں مولانا نے شروع سے درجہ اول تک ریاضیات کا اضافہ کر دیا مولانا کا تفریح شرح تفریح پر اوسط حاشیہ بھی ہے۔

۲۹۹- حمید الدین بن رحمت اللہ ہزاروی۔ معقولات و مقولات میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ بانسہرہ

ضلع ہزارہ مولد و خطا تھا۔ ابراہمی کتابیں وطنی اساتذہ سے پڑھیں۔ رامپور آکر منطق و حکمت اور کلام، اساتذہ رامپور سے حاصل کیے اور مولانا فضل حق رامپوری سے تکمیل کی، بریلی میں صدر لپی خدمات انجام دیں ذکی تھے طبیعت میں جولانی تھی فنون ادیبہ سے بھی کافی معاہدت تھی۔

۲۷۰۔ سید حیدر علی رضوی شیخی پختہ۔ انہوں نے اپنے والد اور مولانا تراقب علی لکھنوی سے درسیات پڑھے، شیخی اصول اور مسلم اثبوت احمد علی محمد آبادی، متوفی ۱۲۹۵ھ سے پڑھے۔ ادبیات کی تحصیل مفتی عباس تیسری لکھنوی متوفی ۱۳۰۶ھ سے کی۔ پٹنہ میں امام جمعہ و جماعت رہے۔ لکھنؤ کے مدرسہ ایماہیہ میں رضا کارانہ درس دیتے تھے، ہندت کا لیل، مفتی اور عبادت گزرا تھے، معقولات و معقولات دونوں میں نمایاں تھے، مصطلحات میں سے صدرا پہ، محمد اللہ اور ملاحسن کی تفسیر کی شرحوں پر حواشی ہیں ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۱۔ قاضی دوست محمد بن امیر کابلی ٹوٹکی۔ کامل مولد و خطا تھا، وطنی اساتذہ سے ابراہمی کتابیں پڑھیں لکھنؤ آکر مفتی نعمت اللہ الصاری متوفی ۱۲۹۹ھ سے فنون ریاضیہ اور دیگر علوم کی تحصیل کی اور بہت دنوں تک ان کے پاس رہے۔ مراد آباد میں سید عالم علی لکھنوی سے حدیث کی سہلی۔ اکبر آباد میں اساتذہ ہو گئے اور بہت دنوں پڑھایا۔ ٹونک میں چاکر عقد کیا اور قاضی مقرر کر دے گئے، علوم حکمیہ میں جید فاضل تھے تخریج ہدایہ الکفر (قابلاً ہیڈی) پر بھی حاشیہ لکھا ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں ٹونک میں انتقال ہوا۔

۲۷۲۔ سراج الحق بن فیض احمد عثمانی بدایونی۔ مشہور فضلاء میں تھے کچھ کتابیں والد سے پڑھیں اور کچھ اپنے ماموں نور احمد بدایونی، متوفی ۱۳۰۲ھ سے۔ مصطلحات میں حکمت طبعیہ میں سراج الکفر اور میزان منطق کی شرح اور الامم حصص عمر بن محمد لسنی متوفی ۱۲۷۰ھ کی مصنف کی شرح شفاء از شرف الدین اسماعیل بن امامہ شیبانی پر حاشیہ ہے۔

۲۷۳۔ قس العلاء سہلوت حسین بن رحمت علی بہاری۔ کٹھا مولد و خطا ہے، کچھ دنوں اپنے وطن بہار میں پڑھا پھر جون پور میں مفتی یوسف لکھنوی فرنگی علی سے تکمیل کی اور آٹھ میں دس سال درس

دیا۔ پھر حج و زیارت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اسٹاڈنٹ تھے۔ حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ میرزا بدر شاہ پر حاشیہ اور رسالہ فی المبالغ الاخراج ان کی تصنیفات میں سے ہیں طویل عمر پائی۔

قربب قربب ایک سو دو سال کی عمر میں ۱۳۶۰ھ میں ولادت پائی۔
۲۷۴۔ شعلی بن حبیب اللہ نعمانی بدولی، اعظم نگارہ کے قصبے، بدول میں پیدا ہوئے، اچھائی عربی کی کتابیں لاروق چربا کوئی متوفی ۱۲۲۷ھ سے پڑھ کر ان سے منطق و حکمت پڑھی اور بہت دنوں تک ان سے فیض اٹھایا، پھر رامپور میں آکر مولانا ارشاد حسین مجددی متوفی ۱۳۱۱ھ سے فقہ و اصول حاصل کیے، مولانا فیض الحسن بہار پوری متوفی ۱۳۰۲ھ سے ادب عربی حاصل کیا۔ اس زمانے میں اپنے اساتذہ مولانا ارشاد حسین کے زیر اثر مجدد حنفی تھے اور زبانی طور پر فقہ و آخر تک قائم رہا۔ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم متوفی ۱۳۷۳ھ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنی مجلس میں وہ حدیثیں مسکرا کر فرماتے کہ دیکھیے میں مجدد حنفی اور میرے یہ شاگرد غیر مقلد۔ لیکن علی نگارہ کے مدرسہ العلوم میں جا کر مغربی اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ اساتذوں اور سرسید متوفی ۱۳۱۵ھ اور ان کے ساتھیوں کے زیر اثر یہ فقہ دینا رہا تھا اور انھیں اپنا ہو گیا تھا۔ ممالک اسلامیہ کا سفر کیا سلطان عبدالحمید شاہ دوم (۱۲۹۳ھ - ۱۸۷۶ھ - ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ھ) متوفی ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ھ نے مفت، چوتھے درجے کا انعام دیا، بدستانی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب عنایت کیا، مدرسہ العلوم سے حیدر آباد آگئے اور علوم و فنون کی نظارت حوالے ہوئی۔ پانچ سال وہاں رہے اور سورہ یہ ماہوار پنشن پر کھڑے ہوئے۔ آٹھ سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کی سربراہی کی ۱۳۲۳ھ میں پاس رکھی ہوئی بدوق چل جانے سے چھوٹے چھوٹے پانڈوں پر پڑے جسے کاٹنا پڑا۔ علامہ قوی الحافظ، ذکی، وسیع النظر، باریک بین، قوی الحج، کثیر الملاحظہ اور بااثر تھے۔ کثرت سے تصانیف ہیں۔ معتمد و کلام پر ہنر مند و فنی نظر تھی چنانچہ علم کلام کی تدریس اور کلام ان کی ہنر مند اہم کتابیں ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں ولادت پائی۔

۲۷۵۔ ضیاء الدین بن محمد بخش بستوی دہلوی۔ اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ دہلی کے قصبے ابھی کے رہنے والے تھے۔ مولانا مملوک علی، مفتی عبداللہ بن متوفی ۱۲۸۵ھ، حکیم احمد علی وغیرہ علمائے محض علم کی، دہلی کے مدرسے میں درس رہے، پھر انگریزی حکومت کی طرف سے کسی مناصب میں نامزد نہ ہوئے۔ خان بہادر کے ساتھ شمس العلماء کا خطاب پایا اور پنشن لی۔ ایک اردو

رسالہ طبعیات میں یادگار ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں انتقال ہوا۔

۲۷۶۔ ظہور الحسن بن نیاز اللہ رامپوری۔ گیارہویں پشت پر رفیع الدین سرہدی پر سلسلہ نسب شیخ احمد سرہدی متوفی ۱۰۳۲ھ سے مل جاتا ہے۔ والد سے لاری پڑھی۔ صرف و نحو کی اچھائی کتابیں مولانا امداد حسین مجددی رامپوری متوفی ۱۳۱۷ھ سے پڑھیں معقولات کی اچھائی کتابیں عبدالحق ریاضی داں رامپوری اور نورالقی رامپوری سے پڑھیں۔ دنیات مولوی ارغاد حسین سے پڑھی اور کچھ مفتی سعد اللہ مراد آبادی رامپوری سے عہدالمع فیہ آبادی سے معقولات کی آخری کتابیں پڑھیں اور بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہے۔ مدرسہ عالیہ میں درس ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں اساتذہ مدرسہ کو نواب حامد علی خاں کے سامنے ان کا امتحان لینے کے لیے پیش کیا گیا۔ جو در حقیقت مولانا حلیہ اللہ کو مدرسہ سے الگ کرنے کے لیے تھا۔ اساتذی مولانا معز اللہ خان صاحب متوفی ۱۳۶۱ھ اساتذہ درجہ دوم مجھ سے فرماتے تھے کہ میں موجود تھا ظہور احمد فیہ آبادی عبارت پڑھتے تھے اور اساتذہ کتاب سامنے رکھے بغیر تقریر کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے حمد اللہ کے اچھائی کسی موقع کی عبارت پڑھی، عبارت پوری نہیں ہوئی تھی پڑھا شروع ہی کی تھی کہ مولانا نے تقریر شروع کر دی اور پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کی۔ کسی نے کہا کہ یہ موقع تو متواتر مولانا کے زیر درس رہتا ہے چنانچہ ادا فرما کر عبارت پڑھنی شروع کی گئی مولانا نے پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ تقریر شروع کر دی، فرق اتنا تھا کہ سکون سے پوری عبارت سنی اور پھر تقریر کی۔ ۱۳۰۳ھ میں مولانا راندیر چلے گئے اور مولانا فضل حق ان کی جگہ صدر مدرس اور پرنسپل بنادیتے گئے۔ نواب صاحب نے کسی بات پر ناراض ہو کر مولانا فضل حق کو الگ کر دیا اور مولانا کلکتہ مدرسہ عالیہ میں چلے گئے تو مولانا ظہور الحسن صاحب کو بلا کر پھر صدر مدرس بنادیا گیا۔ کچھ دنوں بعد پھر مولانا فضل حق کو نواب صاحب نے طلب کیا۔ مولانا نہیں چاہتے تھے کہ آئیں، لیکن ان کے اعزہ و اقارب نے انہیں رہاست کے خوف کی وجہ سے آنے پر مجبور کر دیا اور آنے کے بعد ان کو پھر صدر مدرس اور پرنسپل کر دیا گیا اور مولانا ظہور الحسن صاحب کو ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی بنا کر مدرسہ عالیہ کی پرنسپل کی تنخواہ پر بھیج دیا۔ تصانیف میں الافق المبین کا حاشیہ، حاضی مبارک کی شرح حمد اللہ کا حاشیہ، میرزا ہد رسالہ کا حاشیہ، حمد اللہ کی شرح سلم کا حاشیہ حکمت العین کی شرح شفاء بالکفر کی حشر اور مبسوط شرحیں ہیں۔ لیکن سوائے میرزا ہد رسالہ کے حاشیہ کے کوئی حاشیہ اور شرح مکمل نہ ہو سکی۔ ۱۳۴۲ھ کو

راپور میں ولایت پائی۔ مولانا آنحضرت کے علم غیب بتایا جانے لگا اور بعض جمعرات کو بھی جانو چلتے تھے۔ اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی متوفی ۱۳۳۰ھ کے بہت سی باتوں میں موافق تھے۔

۲۶۷۔ عبدالباری بن سراج احمد سوسانی۔ مولانا امیر احمد سوسانی سے تحصیل کی اور ان کی خدمت میں بہت زمانے تک استفادہ کیا۔ ہنلت ذکی، زود فہم، قوی الحافظ تھے۔ بحث و مناظرہ ان کی عادت ہو گئی تھی۔ آریوں اور صیانیوں سے مناظرے کرتے تھے۔ درسیات پر حواشی کے علاوہ صیانیوں کی تردید میں موسط کتاب ہے، الامداد الی السناد کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۳۳۲ھ میں بھوپال میں وفات پائی۔

۲۶۸۔ عبدالباری بن عبدالوہاب الصاری لکھنوی۔ لکھنؤ مولانا و خطا تھا، عبدالباقی الصاری متوفی ۱۳۴۳ھ سے اکثر درسیات پڑھے اور کچھ مین القضاء سے۔ ۱۳۲۲ھ میں حج و زیارت سے فراغت پائی اور اسی اثنا میں حدیث میں وہاں کے اکابر محدثین سے اجازتیں حاصل کیں۔ آگے درس شروع کر دیا۔ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ کی تاسیس کے بعد اس میں درس دینے لگے آخر عمر میں قرآن و حدیث کا درس واحد مشغلہ رہ گیا تھا۔ مگر پرمولائے روم کی شہنشاہی پڑھا کرتے تھے، ملی انجمنوں تعلیمی جمہودیوں اور عوامی خدمات اور مسلمانوں کے عام معاملات سے زیادہ تعلق رہتا تھا اور عاصا وقت سفر اور جلسوں میں گزرتا، تحریک خلافت کے قائدین میں سے تھے۔ مولانا محمد علی متوفی ۱۹۳۱ھ، شوکت علی متوفی ۱۹۳۸ھ نے بیعت کی تھی۔ اور ان کا مکان سیاسی جلسوں اور ملی قائدین کا مرکز بن گیا تھا، ۱۳۴۳ھ میں ولایت پائی کتب درسیہ پر حواشی کے علاوہ پست جدید و قدیم پر ایک رسالہ ہے، مہم المکتوت کے نام سے مسلم الثبوت کی شرح ہے ان کے علاوہ فتاویٰ اور دوسرے رسائل ہیں۔

۲۶۹۔ عبدالحق بن فضل حق خیر آبادی۔ منطق و حکمت کے بے بدل ماضی تھے۔ انداز اور مزاج عالمانہ سے کہیں زیادہ رئیسانہ تھا۔ لباس بھی اس زمانہ کے رؤسا کا نہ بن ہوا تھا۔ پان کثرت سے کھاتے تھے۔ ہنلت ذہین اور تیز فہم، قوی الحافظ اور باوقار شخصیت تھی۔ میرے لڑپن اور جوانی میں ان کے لطائف و طرائف علمائے زبان پر تھے۔ غیر معمولی فضول خرچ تھے۔ سود کے بغیر گزار نہیں ہوتی تھی۔ پاکی رہن کر دیتے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ پاکی مگر میں مجبوس ہوتی اب آتا جانا بند ہو جاتا تھا تا وہ قحط نواب کلب علی خاں قرضہ ادا نہیں کر دیتے اور اگر ادا نہ کر دیتے تو تاخیر ہوتی تو راپور

چھوٹنے کی تعمیر کرتے اور نواب قرض ادا کرتے۔ میرے استاد مولانا فضل حق رامپوری نے ایک بار ان کے رامپور چھوٹنے کا واقعہ بیان کیا کہ قرض بہت ہو گیا تھا نواب صاحب تک خبریں نہ تھیں، لیکن وہ توجہ نہیں کر رہے تھے، رامپور چھوڑ کر جانے کا ارادہ بھی معلوم ہو گیا تھا، لیکن نواب صاحب نے اثر نہیں لیا۔ استاذی مرحوم اس واقعے کو مولانا ارفاد حسین مجددی کی علم نوازی اور ان کی غیر معمولی شرافت نفس کی مثال میں پیش کرتے تھے۔ چنانچہ استاذی مرحوم نے فرمایا کہ ہادیہ کے مولانا شیر آبادی، مولانا ارفاد حسین کے مصطفیٰ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور اپنی درسی مجلسوں میں کوئی موقع ان پر طعن و طنز کا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے علم و کلمہ پر بھی اور ان کی مشقت اور تودرغ پر بھی ان کے شاگردوں اور علما کو لطمہ پہنچتے تھے اور یہ سب کچھ ان تک پہنچتا تھا، چنانچہ مولانا شیر آبادی نے جب رامپور چھوٹنے کا ارادہ کر لیا تو رخصتی ملاقات کے لیے ان کے چاہنے والے اور کہا کہ میں رامپور سے جا رہا ہوں اور رخصتی ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ مولانا نے کہا: ارے کیوں؟ مولانا نے اپنے اوپر قرضے کا بار اور نواب صاحب کی بے توجہی کو بیان کیا۔ مولانا نے رامپور رہنے پر اصرار کیا۔ شیر آبادی نے اپنی معذوری بیان کی اور رخصت ہو کر گئے۔ نواب صاحب مولانا ارفاد حسین صاحب سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے اور ان کی بات نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا طلاف وقت فوری طور پر نواب صاحب کے پاس پہنچے، نواب صاحب نے مولانا کی فوری آمد کی وجہ دریافت کی۔ مولانا نے کہا کہ مولانا شیر آبادی رامپور سے جا رہے ہیں۔ سرکار نے کہا حضرت بس جانے دیجئے میں کہاں تک ان کے قرضے ادا کرتا رہوں، مولانا نے فرمایا کہ وہ رامپور کی آمد ہیں، ان کا رامپور سے جانا رامپور کی آمد کا جانا ہے۔ چنانچہ نواب صاحب نے ان کا قرض ادا کیا۔ مولانا بہت خود بہد تھے اور سوائے اپنے محسبین کے کسی کو درخور اہتمام نہیں سمجھتے تھے بلکہ تنہیک سے بھی نہیں چمکتے تھے۔ استاذی مولانا معزاللہ صاحب مرحوم نے جو ان کے شاگرد بھی تھے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک روز صبح صبح مولانا کی خدمت میں پہنچا تو مجھ سے فرماتے گئے کہ تم نے کچھ سنا، میں نے کہا کیا، فرماتے گئے کہ رامپور کے سب مولوی مرگئے ہیں، میں نے کہا نہیں حضرت ایسا تو نہیں میں کبھی سے اس کے مصطفیٰ کچھ نہیں سنا، فرماتے گئے کہ ابھی کچھ دیر ہوئی ایک صاحب مجھ سے مسئلہ دریافت کرنے آئے تھے اگر رامپور میں کوئی مولوی بھی زندہ ہوتا تو مجھ سے مسئلہ پوچھنے کیوں آتے۔ مولانا کے اس طرح کے لطیفے اور واقعات بہت سے ہیں۔ ہر حال مولانا نے سولہ سال کی عمر میں درسیات کی تکمیل شروع

سے آخر تک اپنے والد سے کی۔ چند سال والد کے ساتھ سہارنپور رہے پھر اور رہے اور محمد بن ریاست میں ٹھہر ہوئے۔ اور میں ہی تھے کہ نذر ہو گیا۔ آپ دلی آ گئے اور والد کا لے ہائی بھیج دئے گئے۔ دلی سے شیر آباد چلے آئے وہاں سے لوٹ گئے دو سال وہاں رہے۔ وہاں سے کلکتہ مدرسہ عالیہ میں منتقل ہو گیا، لیکن ان کی ملاک حجازی بلکہ تنک حجازی نے انہیں کہیں جہین سے نہیں بیٹھنے دیا، اپنی وضع کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، خود پندی اور رعیتانہ مزاج کہ کلکتہ چند سال سے زیادہ نہیں رہ سکے اور حرکت تعلق کر دیا۔ نواب کلب علی خاں نے رامپور بلالیا اور وہ عزت و ملذذ داری کی اور ان کی تنک حجازیاں اٹھائیں کہ ہمیں رہ پڑے، رامپور کے مدرسہ عالیہ میں پرنسپل کرنے کے علاوہ حاکم مضافہ بھی کر دیا۔ دو سو مہینہ بابائے کے علاوہ ہر سال ان کے قرض کی ادائی کے لیے دو تین ہزار روپے سالانہ عطیت کر دیتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۸۱ھ سے ۱۳۰۳ھ تک رامپور میں رہے۔ طلبہ کا جوم رسا تھا۔ طلبہ درس کے مشغول تصنیف کے کافز ملتے ہیں لکھتے بھی جاتے ہیں، درس کی تقریر بھی ہو رہی ہے۔ احباب سے باتیں بھی ہو رہی ہیں ایک ایک مہینہ درس نہیں ہوتا، طلبہ ان کے احباب سے سفارشیں کراتے جب درس کے لیے طلب کرتے اور کسی شاگرد کو غیر حاضر پاتے اس کا داخلہ بند کر دیتے، وہ باہر پڑ جاتا، سفارشیں کراتا، مولانا کو رحم آجاتا تو بلا لیتے۔ آنے والے طلبہ عموماً فراغت یافتہ ہوتے تھے اور ان کی تقریر سے استفادہ کرتے۔ تقریر ہنریت سلیبی اور مالہ و ماعلیہ پر حاوی ہوتی، حتی الامکان سہل الفاظ استعمال کرتے، مولانا کے دولفظ خاص طور سے اساتذہ سے سنے ہیں۔ قیسل کو گستاخ جانا اور دور کو ہیر بھیر کہتے تھے۔ اس ملاک حجازی اور رعیتانہ دماغ داری کے ساتھ غریب پرور، اہلکار پیشہ تھے، حسن صورت کے ساتھ پودار شخصیت تھی، اسلامی حیات کے ساتھ خوش عقیدہ اور بزرگان دین اور مشائخ سے لگاؤ تھا۔ نواب کلب علی خاں کے انتقال کے بعد شیر آباد چلے گئے۔ جنرل اعظم الدین خاں شہید ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء ریاست کے دارالہمام نے بے طلب آٹھ مہینے کی رخصت منظور کر لی لیکن مولانا نہیں آئے حیدر آباد چلے گئے، ریاست نے ہمت اعزاز سے رکھا، دو سو مہینہ بطور منصب مقرر کر دیا، لیکن رامپور جہیں نذر داری اور اہل بیت کہاں وہاں سے بھی چلے آئے۔ نواب حامد علی خاں برسر اچھار آچکے تھے، انہوں نے قدیم اعزاز کے ساتھ بلالیا اور منطق و فلسفہ کے دو چار سبق بھی پڑھے پھر ہر علی شاہ گولڑی کے مشورے سے۔ تو نے کے شیخ اٹھ بخش متوفی ۱۹۰۱ء سے بیعت تھی انگریزی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا تھا۔ رامپور کے قیام کے زمانے میں امراض جگر میں مبتلا ہوئے۔ وطن

گئے اور ۱۳۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ مولانا کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا تقریر کرتے تقریر کو عبارت کتاب سے چسپاں کرنا مولانا کا طریق درس نہ تھا۔ تصنیف میں اگر کسی کتاب سے نقل کرنا ہوتا تو اس کتاب پر نشان لگاتے، اس کا نقل کرنا کام کی ذمہ داری سمجھتا، چنانچہ بعض اوقات غلطیاں راہ پاچاتیں اور بغیر اصل کی طرف رجوع کیے ان کا حل کرنا دشوار ہو جاتا، مولانا کی تصنیفات میں ہذاچہ الحکمہ کی شرح، غلام بخاری، میرزا ہادی رسالہ کا حاشیہ، میرزا ہادی امور عامہ پر حاشیہ، حمد اللہ کی شرح سلم پر حاشیہ، قاضی کی شرح سلم پر حاشیہ اور مسلم الثبوت کی شرح ہیں۔ کافہ کی شرح جو حقیقہ میر سید شریف کی لاری کی تخریب ہے۔ مولانا نے اپنے بیٹے اسحاق کے لیے لکھی تھی تاکہ کافہ اور شرح ملا جائی کے درمیان حلقہ کا کام دے۔

۲۸۰۔ قاضی عبدالحق بن محمد معلم کابلی۔ کابل مولد و مضاف تھا، اجماعی کتابیں وطنی علماء سے پڑھ کر کلکتہ میں عبدالحق خیر آبادی سے الافق المسبین کے کچھ اسباق پڑھے، پھر جوہور بخشنے، راہپور آئے اور مولانا عبدالحق ریاضی داں راہپوری سے الافق المسبین اور شیخ کی شفا پڑھی۔ تحصیل عزم کرنے کے بعد راج و زیارت سے فارغ ہوئے اور اسیثناء میں شام و عراق کے شہروں کی سیاحت بھی کر ڈالی اور بھوپال جا کر فتح اللہ نائب مطلق بھوپال سے فنون ریاضیہ پڑھے۔ نائب مطلق نے اپنی لڑکی سے عقد کر دیا اور مدرسہ شاہجہانیہ میں اساتذہ ہو گئے اور بہت دنوں تک تدریس خدمت انجام دیتے رہے۔ شیخ فتح اللہ کے انتقال کے بعد ان کی جگہ نائب مطلق ہو گئے، پھر مطلق ہوئے اور پھر قاضی اور ۱۳۲۱ھ اپنی سال وفات تک قاضی رہے۔ منطق و فلسفہ اور کلام کے ماہر تھے، قاضی مبارک کی شرح سلم پر حاشیہ القول المسلم کے نام سے لکھا، قاضی مبارک کے میرزا ہادی امور عامہ کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا تو شیخ شرح تلویح پر حاشیہ لکھا، شفاء بالقریر پر بھی رسالہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر رسائل بھی ہیں۔ طامون میں انتقال ہوا۔

۲۸۱۔ عبدالحق بن عبدالحلیم لکھنوی فرنگی مہلی۔ اپنے ہمد کے یگانہ جامع الطنون اور اذکیائے رول لکھتے، حفظ قرآن کے بعد اپنے والد سے علوم و فنون اول سے آخر تک پڑھے، کچھ پست کی کتابیں اپنے والد کے ماموں مطلق نعمت اللہ متوفی ۱۲۹۲ھ سے پڑھیں۔ سترہ سال کی عمر میں فراغت پائی۔ ایک زمانہ تک حیدرآباد میں تدریس خدمت انجام دیں۔ حیدرآباد سے ڈھائی سو روپے کے بلا خدمت و وظیفہ پہلے آئے اور لکھنؤ میں عمر بسر دروس، تصنیف اور وعظ میں مشغول ہو گئے۔ کسی فن یا کسی مسئلہ میں ان کے

سلئے علماء میں بحث چھڑاتی تو یہ خاموشی سے سنتے رہتے اور کسی طرح کی مداخلت نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ جب لوگ ان کی طرف رجوع ہو کر ان کی رائے دریافت کرتے تو ایسی بات کہتے جس کو سب قبول کر لیتے۔ اگرچہ حنفی مسلک رکھتے تھے لیکن منصوبہ نہ تھے۔ اگر علاف مسلک کوئی قوی دلیل ہوتی تو اس پر عمل کرتے اور اسے علاف تکلیف نہیں جانتے تھے۔ علوم عقلیہ میں بھی ان کا بھرنا قابل انکار تھا۔ غلام بخاری کے حاشیہ پر مولانا خیر آبادی کی غلطی کی لغادہی پر مولانا خیر آبادی ان سے مبالغہ ہو گئے اور بخاری درسی مجلسوں میں طعن و تشنیع کرتے، لیکن مناظرے کے لیے میدان نہ ہونے کہ کہیں عہدائی ہے نہ سمجھ لیں کہ وہ بھی قابل اہتمام ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں کو وفیات کے سلسلے کی غلطیوں پر متنبہ کیا تھا اور آپس میں بے مزگیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔ بحرالعلوم اگرچہ بحرالعلوم ہیں، لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے فرنگی محل علماء میں مولانا عہدائی کا مرتبہ کسی سے کم نہیں ہے۔ تقریباً تمام فنون میں مولانا کا قابل قدر اور بے نظیر تصانیف ہیں۔ منجملہ ان کی کچھ تصنیفات کے غلام بخاری بڑا بڑا رسالہ پر ہدایت الوری الی سوا، اہدی، مصباح الدینی اور علم اہدی ان کے حواشی ہیں۔ ان کے علاوہ ملاحظاں پر اصطلاح الجیب کے نام سے حاشیہ ہے۔ جمہول المطلق کی بحث میں حل الملقن نام کا رسالہ ہے، عدم تنہا کے ابطال میں برائین پر الکلام المعین کے نام سے ایک رسالہ ہے، مثلاً بالفکر پر سیرا لیسر رسالہ ہے۔ سطح عرض شعیرہ پر الامدادہ الخیرہ ہے۔ کمال الدین کے حاشیہ ملاحظہ پر دفع الکلال عن طلاب تعلیقات الکمال ہے، شرح مواقف کے حواشی پر المستوف ہے۔ شرح ہماکل کے حواشی زاہد پر تعلیق المماثل ہے۔ بدیع السیران کی شرح ہے۔ آخری چار کتابیں تکمیل نہیں پاسکیں۔ قطبی سے متعلق الکلام الوہبی ہے۔ ۱۳۰۴ء میں جبکہ عمر اسیالیس سال سے متجاوز نہیں ہوئی تھی، وفات پائی۔

۲۸۲۔ مہدار حمان بن محمد قلاوی پوری۔ اپنے مہد کے مشہور فاضل تھے۔ مہد اللہ بن مہدار حمید قلاوی پوری کے بھائی تھے۔ خط قرآن کے بعد عربی کی کچھ کتابیں کچھ دنوں مہد اللہ لکھنؤ سے پڑھیں اور اپنے ماموں مہد اللہ سے تمام دیہات پڑھے بعد کو قلاوی پور کے مدرسہ چشمہ رحمت میں اساتذہ ہو گئے اور کچھ زمانے تک درس دیا اور اسے چھوڑ کر بطور خود بلا مہارت درس دینا شروع کر دیا۔ بخاری کی شرح جنسب کی اردو میں مہندت منوط شرح لکھی ہے۔

۲۸۳۔ مہدار حمان بن حلت اللہ بخنوری امدادی۔ بمبئی میں پیدا ہوئے۔ کد معطرہ میں قرآن مجید

حفظ کیا۔ اپنے والد اور دیگر اساتذہ مکہ سے تحصیل کی۔ مراد آباد کی شاہی مسجد کے مدرسے میں مدرسہ میں خدمات انجام دیں۔ پھر بمبئی چلے گئے اور کو بیچہ کے مدرسے میں درس ہو گئے۔ پھر امرہ کے مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد میں شیخ الحدیث ہو گئے۔ کچھ دنوں کو ڈھائی کے جامعہ اسلامیہ میں بھی پڑھایا۔ مختلف تصنیفات تفسیر، بیضاوی کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں امرہ میں انتقال ہوا اور جامع مسجد امرہ میں دفن ہوئے۔

۲۸۴۔ عبدالعزیز اعظمی، رامپوری۔ اٹھارہ ضلع بہار پور مولد تھا۔ وطن اور اس کے قرب و جوار کے علماء سے تحصیل کی۔ پھر مولانا عبدالحق خیر آبادی کے حلقہ نگاہ میں داخل ہو گئے، اور تقریباً سال تک ان کے درسوں میں شرکت کی۔ چنانچہ مولانا کی اکثر تقریریں ان کے الفاظ اور ان کے ہاتھوں کے اشاروں کے ساتھ محفوظ تھیں، منطق لفظ اور کلام ہی ان کا خاص موضوع تھا۔ آخر زمانے میں دسویں اور دہم میں ملتے تھے۔ وضو کے لیے بیسیوں لوٹے اور فصل کے لیے بیسیوں گھوڑے درکار ہوتے۔ استاذی مولانا منور علی صاحب محدث رامپوری المستوفی ۱۳۵۱ھ نے فرمایا کہ میرے استاذ تھے اور میں ان کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز میں نے عرض کیا کہ ذرا میرا وضو ملاحظہ فرمائیے۔ اگر کہیں کوئی غلطی ہو تو بتائیے چنانچہ میں نے ایک لونا پانی کا ٹیکر وضو کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ ہر عضو پہ پانی بہایا اور برابر پوچھتا رہا کہ کہیں غلطی تو نہیں رہی۔ مولانا بہت خور سے ملاحظہ فرماتے رہے۔ اور کہتے رہے کہ ٹھیک وصل گیا۔ میرے خارج ہونے کے بعد خود وضو کے لیے بیٹھے اور ہاتھ دھونے میں ہی ایک لونا بہا رہا جب میں کہنا کہ وصل گیا اور کہیں غلطی نہیں رہی تو انگلی سے بتاتے کہ یہ رہ گئی، یہ رہ گئی، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہوتا، آخر دہی نہیں نکھیں لوٹے وضو میں صرف کر دیے۔ مولانا اسراف خیر آبادی کے انتقال ۱۳۱۸ھ کے بعد حاد علی خاں نے طلب کر کے مدرسہ عالیہ کا صدر درس کر دیا اور خود بھی حاضر ہو گئے۔ گھیر سیف الدین خاں میں ادنیٰ مسجد کے قریب مکان تھا۔ رامپور کے بہت سے علماء ان کے حاضر ہو گئے۔ غالباً ۱۳۳۸ھ میں رامپور میں انتقال ہوا اور محلے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

۲۸۵۔ عبداللطیف بن قاضی علی الرحمن رامپوری ٹوکی۔ رامپور مولد و عطا تھا۔ اپنے والد سے تحصیل علم اہل ان کے ساتھ ٹونک آئے اور ٹونک میں رہ پڑے علوم حکمیہ میں خاص اور فنیوں درجہ تھا۔ درس و الادارہ مشغلہ تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں ٹونک میں ولادت پائی۔

۲۸۶۔ عبدالحی علی ریاضی داں ولد یوسف علی رامپوری۔ محلہ راج ڈوارہ میں رہتے تھے۔ منطق و حکمت و میں مہارت کے علاوہ فنون ریاضیہ میں بے بدل تھے، مدرسہ عالیہ رامپور کے صدر مدرس تھے۔ مولانا محمد رضا علی بریلی، ریاضی میں انہیں کے شاگرد تھے۔ ابھار مولانا حیدر علی ٹوکی مفتی ۱۲۷۲ھ سے استفادہ کیا۔ پھر مفتی شرف الدین رامپوری۔ ملا عبدالرحیم علی تیراہی مفتی ۱۲۳۴ھ اور اخوند زادہ رفیع اللہ علی سوادی مفتی ۱۲۸۲ھ سے تکمیل کی نواب یوسف علی علی (۱۲۷۱ھ)۔ ۱۲۸۱ھ) نے بھی پڑھا تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی نواب یوسف علی علی کی تعلیم کے لیے رامپور آئے تو ان سے بہ حرکت مولوی نور اللہ دوانی کا قہر پڑھا ۱۳۰۳ھ میں رامپور میں ولادت پائی اور راج ڈوارے میں مولوی غلام جیلانی مفتی ۱۲۳۴ھ کے مکتب میں دفن ہوئے۔

۲۸۷۔ عبد الغفور رمضانپوری۔ رمضانپور مونگیر مولد ہے۔ کچھ دنوں مولوی اسماعیل رمضانپوری اور محمد احسن گیلانوی سے پڑھا پھر لکھنؤ میں مولانا عبدالحی سے تحصیل کی۔ مصنفات میں شرح جہنم بزدی کا حاشیہ بھی ہے۔

۲۸۸۔ عبد الغفور بن محمد ادریس سلٹی۔ بنگال کے مشہور علما میں تھے مولوی رمضان اللہ سے تحصیل کی پھر درس میں مشغول ہوئے۔ مصنفات میں فقہ اکبر کی شرح الدارالابرار، فوائد قادریہ، عقائد نسفی کی شرح وغیرہ ہیں۔

۲۸۹۔ عبد الکریم بن عبدالرزاق ہزاروی۔ معقولات و مقولات دونوں میں نمایاں شخصیت تھے، ضلع ہزارہ کے لیبر کوٹ میں پیدا ہوئے اچھائی صرف و نحو نور عالم ہزاروی سے پڑھے ہیں۔ دہلی ہندس فقہ و حدیث وغیرہ پڑھیں۔ رامپور جا کر عبدالحق خیر آبادی سے پڑھا اور رامپور میں ہی درس دینا شروع کر دیا، پھر شاہ جہانپور میں درس ہو کر چلے گئے۔ وہاں حیدر آباد میں مدرسہ مجوسیہ میں درس ہوئے۔ وہاں سے لکھنؤ میں دارالعلوم اہل سنت ہوئے۔ حرکت زمین کے ابطال میں ایک رسالہ ان کے مصنفات میں سے ہے۔ تحصیل سال کی عمر میں ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

۲۹۰۔ عبد اللہ بن آل احمد بنگرانی۔ بنگرام میں پیدا ہوئے، مولانا سلامت اللہ بدایونی مفتی ۱۲۸۱ھ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی نور الحسن کاندھلوی وغیرہ علما سے تحصیل کی۔ مصنفات میں ہدیہ سعیدیہ کا حاشیہ مختصر طبع ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں ولادت پائی۔

۲۹۱۔ مفتی عبداللہ بن صابر علی ٹوکی۔ مفتی لطف اللہ علی گڑھی وغیرہ علما سے تحصیل کی۔ دہلی میں

درسہ جمدار ب میں ایک زمانے تک استلاسہ ہے۔ وہاں سے لاہور کے اور بھٹل کالج میں تقرر ہو گیا۔ وہاں سے آکر دارالعلوم لکھنؤ میں ملازم ہو گئے۔ پھر درسہ عالیہ کلکتہ میں تقرر ہو گیا۔ وہاں کچھ ہی دن کام کیا کہ فوج کا دورہ ہوا چنانچہ بمبہل میں اپنے لڑکے انوار الحق کے پاس آ گئے اور وہیں ۱۳۳۹ھ میں انتقال ہوا۔ تصنیفات میں جمدار کی شرح سلم پر ماحیہ ہے۔ اشعار کذاب واجب میں مجازہ الراکب



۴۔

۲۹۲۔ جمدار بن جمدار جم غلامی پوری۔ متواہم غزوہ میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن کے بعد غلامی پڑ گئے اور رحمت اللہ لکھنؤی متوفی ۱۳۰۵ھ اور ان کے بڑے بھائی مفتی نعمت اللہ غلامی علی متوفی ۱۲۹۹ھ سے پڑھا۔ پھر جو پور ہا کر درسہ امامیہ میں مفتی یوسف بن محمد اصغر وغیرہ سے تحصیل کیا۔ حج کے بعد غلامی پور دیادواں، آرا میں درس واقفا میں مشغول ہو گئے پھر اہل دہلی کے اصرار دہلی میں حدیث کا درس دیا پھر لکھنؤ آ گئے اور ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ میں ولایت پائی مصنفات میں ایک منطق کا رسالہ بھی ہے۔

۲۹۳۔ عبدالواسع بن یوسف علی انصاری۔ منطق و حکمت کے نمایاں علما میں تھے بمبہل مولد و ما تھا۔ قاضی عبدالحق کابلی سے منطق و حکمت و کلام کی تحصیل کی۔ فنون ادبیہ اور فقہ و حدیث دیگہ علمائے حاصل کئے حیدرآباد میں کچھ دارالعلوم میں پھر ممبئیہ یونیورسٹی میں مدرسہ اسلامیات انہما دیں۔ مصنفات میں جمدار کی شرح سلم پر حواشی اور قدیم و جدید پست اور قدیم و جدید منطق میں اردو کتابیں ہیں۔

۲۹۴۔ عبدالوہاب حاکم بن حافظ عبدالغفار حاکم رامپوری ریاست رامپور میں پیدا ہوئے۔ مولانا گلاب حاکم پانی پتی متوفی ۱۹۳۸ء سے عربی کی اچھائی کتابیں پڑھیں۔ درسہ عالیہ رامپور میں تحصیل علم کی۔ مولانا غلام محمد ملتانی سے فنی طور پر پڑھا اور ان کے ملتان چلے جانے کے بعد ملتان گئے۔ سال ہجران کے پاس رہ کر پڑھا۔ وہاں سے آنے کے بعد درسہ عالیہ میں داخلہ لیا اور فراغت پائی منطق و حکمت کی اعلیٰ درجیات مولانا فضل حق رامپوری سے پڑھیں اور ان فنون میں خاص طور امتیازی درجہ پیدا کیا۔ عبدالوہاب بہاری اور حکیم برکات احمد ٹونچی کے مناظرے کے موقع عبدالوہاب بہاری کے شاعر کی حیثیت میں مناظرے کی مجلس میں شرکت کی۔ مولانا منور علی محدث رامپوری متوفی ۱۳۵۱ھ سے حدیث کی سنوٹی اور رامپور کے مدرسہ مطلق العلوم میں درس دیا وہاں سے

ماہی فضل الحق راجپوری نے اہل آباد مدرسہ محمدیہ اہلحدیہ میں بیچ دیا وہاں دو سال دینی تعلیمات اہم دیں راجپور اگر حاجی نظام حضرت راجپوری متوفی ۱۳۵۰ھ کے وقف سے مصطفیٰ عربی و ہدایت میں تعلیم دی اس کے بعد مدرسہ جامعہ الخلاف کی بنیاد رکھی اور مرض موت تک اپنے مدرسے میں رضا اللہ علیہ تعلیم دیتے رہے۔ درمیان میں ریاست کے خلاف ذمہ دار آئینی حکومت کی تحریک کی قیادت کی، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آخر میں مطلق و لکھنؤ سے تعلق چھوڑ کر حدیث کی طرف متوجہ ہو گئے۔ فہر اور بیرون کے ہزاروں طلبہ ان کے شاگرد ہیں۔ راجپور کے عوام اور حکومت راجپور میں اپنے زمانے میں غیر معمولی اثر تھا۔ ہندوستان کی قومی حکومت بھی ان کا بہت لحاظ کرتی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں بلارہا میں چند دنوں کے لئے رہ کر دہلی کو بلایا گیا۔ فیصلی لکھنؤ کی داستان، حالات و اہمات مرزا اور فقیر اللہ بن علی لکھنوی میں ان کی یاد نگاہیں۔

۲۹۵- عبدالوہاب بن احسان علی سرحدوی، بہاری۔ اپنے عہد کے مشہور فضلا میں تھے بہار کا قصبہ سرحدہ مولہ و مظا تھا۔ ایک زمانے تک وطنی اساتذہ سے پڑھا آخر میں لکھنؤ میں مولانا عبدالغنی لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔ کانپور اور حیدرآباد دکن میں ایک زمانے تک درس دیا۔ پھر مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اساتذہ مقرر ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں میرزا بدرساہ پر حنفیہ فکریہ کے نام سے حاشیہ ہے، ہدایہ الفکر کی شرح ہے۔ دونوں میں عبدالغنی خیر آبادی پر تعلقات ہیں۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔

۲۹۶- حمید اللہ بن امین الدین چشتی میدنی پوری۔ چشتی، میدنی پور، بنگال میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تحصیل علم کے بعد ہوگی کانٹا میں اساتذہ ہو گئے۔ وہاں سے ڈھاکہ یونیورسٹی میں منتقل ہو گئے۔ عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، کئی زبانیں جانتے تھے، بنگلہ ماوری زبان تھی۔ مصنفات میں طراز اللہ ربانی، سیر اللہ اسلمہ، الکبائر، تشہید اللہ ربانی فی حقیقہ حرکت الارض و وجود اللہ و غیرہ کتابیں ہیں۔ ۱۳۰۳ھ میں ڈھاکہ میں انتقال فرمایا۔

۲۹۷- علی اکبر مصطفیٰ خردانی، شہابی، حیدرآبادی۔ متعدد تصنیفات ہیں ایک اللکوک المورود فی المسائل المطالبہ مع الاجوبہ الخافہ ہے جو ۱۳۱۰ھ میں لکھی تھی۔

۲۹۸- علی عباس بن امام چرنکونی۔ ضلع اعظم گڑھ کے چرنکوت میں پیدا ہوئے، کچھ دنوں احمد علی چرنکونی متوفی ۱۲۷۲ھ سے اور پھر ملا الحسن مطلق سے تحصیل کی، ذہانت، حافظ اور قوی الغلبہ میں

محاصرین میں مبتلا تھے، کھلے حیدرآباد دکن گئے اور ناکام آنے پر بھوپال گئے وہاں پڑھائی ہوئی۔ وہاں سے شجاع الدولہ ممتاز الملک حراب علی خاں متوفی ۱۲۳۵ھ / ۱۸۸۳ء کی دعوت پر پھر حیدرآباد پہنچے اور حکومت آصفیہ کی خلافت میں شامل ہو گئے اور باطن لے کر آئے۔ ان کی تصنیفات میں منطق میں نبراس اللغات ہے۔ ۱۲۵۲ھ میں جرنیا کوٹ میں انتقال ہوا۔

۲۹۹۔ علی محمد بن محبوب بن سید ولد علی لکھنوی۔ اکابر علمائے شیعہ میں تھے۔ اپنے ہمد کے لکھنوی اساتذہ سے تحصیل کی عراق سے سدا جہاد حاصل کی۔ وطن آکر مدت تک مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ دوسری بار حج و زیارت مشاہد سے فراغت کے بعد جو پور آ گئے اور بہت قبول حاصل کیا۔ مصنفات میں منطق میں تصدیق الصدوق ہے۔ ۱۳۱۲ھ میں لکھنوی میں ولادت پائی اور دادا کے امام بارے میں دفن ہوئے۔

۳۰۰۔ عماد الدین خاں بن نظام الدین خاں رامپوری۔ اساتذہ رامپور سید میر علی متوفی ۱۲۹۰ھ، علقی سعد اللہ میاں حسن شاہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۱۲ھ مولوی نور الاسلام رامپوری، عبدالحی خاں ریاضی داں وغیرہ علماء سے تحصیل علم کی رڑکی اجمیر تک کالج سے انگریزی کی سند، ریاست اندور میں اعلیٰ ہمدوں پر ممتاز رہے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں رامپور میں انتقال ہوا۔ منجملہ دیگر تصانیف فارسی میں ایک رسالہ الہیات پر بھی ہے۔

۳۰۱۔ عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدرآبادی، لکھنوی حیدرآباد دکن مولد و منشا تھا، کچھ زمانے تک وہیں پڑھا پھر لکھنوی آ گئے اور گاہۃ مولانا عبدالحی سے پڑھ کر مولانا عبدالحی کی شاگردی اختیار کی اور ان سے ہی درسیات کی تکمیل کی، اور علوم حکمیہ میں کمال حاصل کیا۔ کچھ زمانے تک لکھنوی میں درس دیا پھر سورت چلے گئے۔ وہاں سے آکر فرنگی محل کے پل پر اپنے اساتذہ مولانا عبدالحی کے مکان میں قیام کیا اور درس دینا شروع کر دیا اور اتنے معروف ہوئے کہ انہیں کوئی گھر میں پانا یا مسجد میں، ایک زمانے تک درس دینے کے بعد حج و زیارت کے لیے گئے اور دو سال حرمین رہنے کے بعد لکھنوی لوٹے۔ والد نے لکھنوی میں مکان تعمیر کرا دیا۔ شادی عمر بھر نہیں کی، والد ان کے تکلیف رہے۔ دوسری مرتبہ حج و زیارت سے واپسی کے بعد ان کے والد نے قرآن کے مدرسے، فرقہ شیعہ کی بنیاد ڈال دی اور اس کے صرف کے لیے اپنی جائداد وقف کر دی ۱۳۳۱ھ میں والد کے انتقال کے بعد عین القضاۃ نے مدرسے کا بار سنبھالا اور عمارات، اساتذہ کی تنخواہوں، طلبہ کے وظائف اور ہمدان داریوں میں بلا کسی

کے لیے کثیر دولت صرف ہونے لگی اور عداہی جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آتی تھی۔ فرکانیہ کے اہتمام کے اختتام میں ۱۳۴۳ھ میں ولایت پائی۔ واقعہ یہ ہوا کہ کوئی ایرانی ان سے ملنے آیا اور حضرت علی کی طرف منسوب کچے اشعار پڑھے کہ ان پر جذبہ طاری ہوا اور بعد سے میں گہڑے اور اسی حالت میں روح قفسِ عمری سے نکل گئی۔ یہ بڑی کاہلیت بسوط حاشیہ انکی علی یادگار ہے۔

۳۰۲۔ غلام محمد بن چودھری عبداللہ گھوٹوی ملتان۔ درسیات اپنے وطن کے اساتذہ سے ختم کیں۔ منطق و حکمت اور کلام کی انتہائی کتابوں کی تحصیل کے لیے صوبہات متحدہ میں کانپور آئے اور مولوی احمد حسن کانپوری کے درس میں بیٹھے اور کچے دنوں ان سے پڑھا لیکن طبیعت مطمئن نہیں ہوئی، رامپور آئے اور مولانا فضل حق رامپوری کے درسوں میں بیٹھے اور بحث و تحقیق سے درسوں میں شرکت کی اور پھر انہیں کو پکڑ لیا اور برسوں ان کے ساتھ رہے اور تکمیل کی۔ اس وقت کے رامپور کے اکثر ذہین طلبہ جو بعد کو اساتذہ کے مرتبہ پر پہنچے، مولانا غلام محمد ملتان کے شاگرد رہے، چنانچہ مولانا فضل حق کے لڑکے مولانا افضل الحق متوفی ۱۳۷۵ھ۔ ۱۹۵۵ء مولانا اشفاق احمد متوفی ۱۹۷۹ء اور مولانا عبدالوہاب حاس سب نے ان سے فیض اٹھایا۔ کچے زمانے تک رامپور کے مدرسہ انوار العلوم میں درس دیا۔ پھر وطن چلے گئے اور وہاں بہت دنوں تک مدرسہ کی خدمات انجام دیں۔ منظرِ راولپنڈی کے گولڈ کے مشہور پیر مہر علی شاہ صاحب متوفی ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۳۷ء سے بیعت ہوئے اور بھاولپور کے جامعہ عباسیہ کے پرنسپل رہے، منطق و فلسفہ اور کلام کے متعدد رسالے تصنیف کیے۔ ان کی کسی بسوط کتاب کا علم نہیں۔ مولانا فضل حق رامپوری کے بعد ان کے مخصوص مآخذہ میں علوم عقلیہ میں انہیں انتہائی درجہ حاصل تھا۔ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں ولایت پائی۔

۳۰۳۔ فضل حق بن عبداللہ رامپوری۔ علوم حکمیہ میں اپنے عہد کے بے بدل فضلا میں تھے اور ساتھ ساتھ حاتم بھی۔ رامپور مولد و مشا تھا۔ حفظ قرآن اور کتبِ تعلیم کے بعد عربی صرف و نحو عبدالرحمان قندھاری سے پڑھیں اور بھیگن پور جا کر بعض درسیات عبدالکریم رامپوری متوفی غالباً ۱۲۹۹ھ سے پڑھیں اور پھر بریلی میں شمس العلماء مولانا ہدایت علی شاگرد فضل حق خیر آبادی سے منطق و حکمت کی تکمیل کی اور بریلی کے مدرسہ طالبیہ میں صدر مدرس ہوئے۔ مگر پھر بھی درس دیتے تھے اور دن رات میں بائیس تیس سبق پڑھاتے تھے۔ مختلف دیار و اصحاب کے طلبہ کا جہوم رہتا تھا۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں نواب کلب علی حاس کے عہد میں جبکہ شمس العلماء ہدایت علی بریلی کی

نواب صاحب نے صدر مدرس کیا تو مولانا کو بھی بلا کر درس سوم کیا۔ رامپور میں بھی رات کے محفلیہ بچے تک پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ مولوی عبداللطیف صاحب دہلی ریاست نے بھوپال طلب کیا۔ آپ ایک سال کی رخصت پر بھوپال چلے گئے۔ وہاں اعجاز و احترام کے ساتھ مدرسہ سلیمانیہ میں مقرر ہو گیا۔ حسین بن محسن یعنی متوفی ۱۳۲۷ھ سے حدیث کی اجازت لی شیخ نے اپنی اجازت میں اسکور ولایت اکابر من اصاغر کی اچھی مثال قرار دیتے ہوئے مولانا کو وہو فی البقیعہ بحر میاد زہد کہ کر اس اجازت کو حکم کی تفصیل کہا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وطن کی کشش رامپور پہنچ لائی اور پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں کام کرنے لگے۔ فرماتے تھے کہ مولانا عبدالحق پر نسل ہوئے تو چونکہ وہ اپنے محققین کے علاوہ کسی کو برداشت نہیں کرتے تھے چنانچہ دو مہینہ دن شرح مواقف اور فرائد کے درس میں شرکت کی لیکن مولانا نے خود ہی فرمایا کہ تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر صدر مدرس ہو گئے اور مولانا عبدالعزیز کے بعد مدرسہ کے پرنسپل بھی رہے۔ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء کو گاکہ حکومت بنگال نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اساتذہ مقرر کر دیا لیکن کم و بیش سال بھر ہی رہنے پائے کہ نواب حامد علی صاحب نے انہیں چھٹیوں میں آنے کے بعد قریب قریب جبراً روک لیا اور تاحیات پر نسل رہے۔ مولانا ضعیف ہو گئے تھے۔ حکام ریاست نے ملے کیا کہ مولانا کو پنشن پر رخصت کر دیا جائے اور شمس العلماء مولانا عبدالرحمان دہلی یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے صدر متوفی ۱۹۵۳ء / ۱۳۷۳ھ کو بلایا جائے، شمس العلماء سے بشیر الدین زیدی چیف مسٹر متوفی ۱۹۹۲ء / ۱۴۱۳ھ نے مدرسے کی پرنسپل کے لیے استعراج کیا۔ شمس العلماء نے کہا جب تک مولانا تاحیات ہیں ان کی جگہ کسی دوسرے کا سوال ہی نہیں اٹھتا اور مرنے کے بعد بھی ان کا لاسل (تجڑ جسم) ان کے محنت پر بٹھایا جائے تو اسی کو بٹھائیے وہ مدرسہ عالیہ کی عزت ہیں۔ مدرسہ کی پرنسپل ان کے لیے باعث عزت نہیں۔ غالباً ۳۲-۱۹۳۳ء کی بات ہے مولانا معین الدین امیری نے مدرسہ معینیہ کے سالانہ جلسے میں مولانا کو باصرار شرکت کی دعوت دی چنانچہ مولانا عرشی صاحب متوفی ۱۹۸۱ء اور اپنے صاحبزادے مولانا افضال الحق صاحب کو لے کر جلسے میں شریک ہوئے۔ مولانا امیری نے مولانا کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اس بڑا بٹھالی ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا۔ میں مولانا مرحوم کا دو سال تو بلا واسطہ شاگرد رہا۔ علاوہ ان میں یہ یک واسطہ، بدو واسطہ اور اس واسطہ بھی شاگرد تھا۔ پھر یہ میری خوش بختی کہ مجھ

سین فوت نہیں ہوا، اس میں میری کوشش کو اعلیٰ ملے تھا جہاں مولانا کی شہادت کہ مولانا میری غیر موجودگی میں سین ہی شروع نہیں کراتے تھے اور کتاب کی عہدیت بھی بلا استثناء میں ہی پڑھا کرتا تھا۔ مولانا کا طریق درس یہ تھا کہ طالب علم عہدیت پڑھتا اور مولانا حسب ضرورت عہدیت کی تصحیح فرماتے جاتے عہدیت کے بعد درس کی تقریر فرماتے۔ آخر عمر میں تقریر ہی نہایت مختصر ہونے لگی تھی اور تقریر میں قیل و قال سے بچنے کے لیے ایسے الفاظ بھادیت یا گھلا دیتے کہ اس درس کے متعلق ہر قسم کی قیل و قال کا دور وازہ بند ہو جاتا اگر کسی نے حواشی اور ماہ و ماہیہ کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کیا ہے تو وہ حیرت زدہ ہو جاتا کہ مولانا نے کام ماہ و ماہیہ کو گھیر لیا ہے اور مقام کو صیح کر دیا ہے۔ اور اگر مطالعہ میں وسعت نہ ہوتی تو اصل کتاب کا مطلب واضح ہو جاتا اور مولانا کے اختصارات اور تاویلات کی طرف نظر نہیں جاتی، تقریر کے بعد ترجمہ ہوتا اور حسب ضرورت تقریر کو عہدیت کتاب سے چسپاں کرتے جاتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا لطف اللہ متوفی ۱۳۳۲ھ اور ان کے اساتذہ کے چسپاں ترجمہ ہوتا اور ترجمے کے اثناء میں مطلب کی بھی توضیح ہوتی جاتی تھی۔ مستقل تقریر نہیں ہوتی تھی اور غیر آبادی فضلاء صرف تقریر کرتے تھے اور ترجمہ کرانا اور تقریر کو مطبق کرنا۔ اپنے آپ سے فردتر اور معلمین کا پیشہ سمجھتے تھے۔ ہم نے دونوں طریقوں کو یکجا کر دیا ہے۔ جو طلباء کے لیے ارفع ہے۔ مولانا مدرسہ عالیہ کے پرنسپل ہی تھے کہ لائبریری کا دورہ ہوا۔ دماغ کی رگ پھٹ گئی اور عین دن بے ہوش رہے اور ۱۳۵۸ھ میں ولایت پائی اور مردانِ حیا کی مسجد کے قبرستان میں مدفون ہو گئے، یوں تو بہت سے مصنفات ہیں اور بعض علمی و کلامی مباحث پر رسائل اور اعتراضات و جوابات ہیں۔ خاص طور سے انکانی محل ایسا خوبی ان کی ابدائی تصنیف ہے۔ بحث صفات میں رسالہ ہے۔ حمد اللہ کے وجودِ راہلی پر رسالہ ہے۔ میرزا ہد امور عامہ پر حاشیہ ہے۔ میرا ایسا خوبی پر حاشیہ ہے، حلوت پر حاشیہ ہے، دروس البلاغہ کی شرح اور دوسری کتابیں ہیں۔

۳۰۴۔ فضل اللہ بن مفتی نعمت اللہ فرنگی علی۔ لکھنؤ میں والد کے ساتھ میں پرورش پائی اور والد نے بہت توجہ سے تعلیم دی چنانچہ علومِ عقلیہ میں عہدیت حاصل کر لی اور کیننگ کالج میں اقرار ہو گیا۔ نجی طور پر منطق و حکمت و کلام خصوصاً زوایدِ غلط کا درس دیتے تھے۔ فنونِ ریاضیہ میں بھی ماہر تھے اور ان کا درس بھی جاری رہا۔ ۱۳۱۲ھ میں ولایت پائی۔

۳۰۵۔ فیض الحسن بن علی بنٹش ہمدنپوری۔ ہندت ذکی اور قوی الفاظ تھے۔ ادبیات عرب تو ان کے خاص مضمون تھے لیکن علوم حکمیہ میں بھی کافی ہمدت تھی۔ تحسرات، والد سے پڑھے اور رامپور جا کر مولانا فضل حق خیر آبادی اور دوسرے علمائے شہر سے بھی فیض اٹھایا۔ دہلی میں احمد سعید مجددی متوفی ۱۲۷۷ھ سے حدیث کی سہلی اور درس میں مشغول ہو گئے۔ آخر میں لاہور کے اورینٹل کالج میں اساتذہ ہو گئے تھے۔ فنون ادبیہ کے علاوہ تفسیر، بیجاوی پر حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

۳۰۶۔ کرامت حسین بن سراج حسین کنٹوری۔ تھانسی میں پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں والد متوفی ۱۲۸۲ھ سے اور مطلق انور علی تھانوی سے پڑھا اور اپنے چچوں سید امجد حسین متوفی ۱۲۸۶ھ اور حامد حسین متوفی ۱۳۰۶ھ کے ساتھ حج و زیارات کرتے۔ اگر لکھنؤ میں کل درسیات مجددی متوفی ۱۲۸۹ھ وغیرہ علمائے ہند میں پھر کھادی میں انگریزی پڑھی اور نیا گاؤں میں راجہ کلاں میں ملازمت کر لی اور تین سال تک کام کیا اور انگریزی بھی پڑھتے رہے۔ پھر بانی میں الیکٹر ہو گئے۔ پھر نرسنگھ گڑھ کے راجہ کے ساتھ لندن گئے۔ اور بیرسٹری کی سہلی اور الہ آباد میں وکالت شروع کر دی۔ مہنوں کے بعد علی گڑھ میں مدرسہ العلوم میں اساتذہ ہو گئے اور وہاں سے ہائی کھٹ کے جج ہو کر الہ آباد گئے اور اسی جہدے سے پنشن لی۔ لکھنؤ آکر گزٹو کلاں قائم کیا اور اپنی سب جائیداد اور مال و دولت اس کے لیے وقف کر دیا۔ منملہ مصطفات، عربی میں امور عامہ پر لکھا۔ لاری اور اردو میں علم الاملاقی اور دین و کائنات لکھیں ۱۳۳۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا، ہندت ذہین، قوی الفاظ، زود فہم اور خیر مصعب شیعہ تھے۔

۳۰۷۔ مابد علی مانوی جونپوری۔ جونپور کے قصبہ مانی کلاں میں پیدا ہوئے۔ تحسرات فن وطن میں پڑھ کر رامپور میں مولانا عبدالحق خیر آبادی سے پڑھا اور کئی سال ان کے جہاں گزارے، پھر مطلق لطف اللہ علی گڑھی سے کئی سال پڑھا اور گڑھی کے مدرسہ میں پڑھاتے گئے، وہاں سے ملازموں کے عربی مدرسے میں آ گئے اور کئی سال ہمدت کی پھر ہمد کے مدرسہ حیدر میں پڑھایا لیکن دل نہیں لگا اور پھر ملازموں چلے آئے۔ اور وہاں سے مدرسہ عالیہ گلوتہ میں صدر مدرس ہو گئے۔ مطلق و حکمت اور کلام کی مشکل کتابیں بڑی محققانہ و دقیقیت سے پڑھاتے تھے، ہمد کی کتابوں پر گہری نظر تھی ۱۳۵۲ھ میں

۳۰۸۔ محمد احسن بن سید شجاعت علی، بہاری گیلانوی۔ گیلان، بہار میں پیدا ہوئے۔ طلب علم کی طرف بڑی عمر میں توجہ کی شادی اور اولاد ہو چکنے کے بعد متوسطات پڑھنے کے لیے مظفر پور نعمت اللہ نبی نگر کی خدمت میں پہنچے۔ محمولات ملتی واجد علی بخاری سے پڑھیں، مولانا فضل حق خیر آبادی سے بھی استفادہ کیا۔ فقہ و حدیث مولانا اکبر علی خاں رامپوری متوفی ۱۳۰۲ھ اور مولانا عالم علی محدث سے پڑھیں اور گیا کے سرکاری مدرسے میں پڑھایا اور پٹنن لے کر گھر چلے گئے۔ اور درس و اولاد میں معروف ہو گئے منطق و حکمت ان کے حاصل تدریسی مضمون تھے۔ وجود راہلی پر رسالہ اور بحر العلوم کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا۔ ۱۳۰۱ھ میں ولادت پائی۔

۳۰۹۔ محمد حسن بن ظہور حسن اسرانیلی سنہ پیدائش اپنے عہد کے اکابر میں تھے سنبھل مودہ مشا تھا۔ تحفہات اپنے عصر اور شہر کے علماء سے پڑھے۔ رامپور جاکر سدید الدین دلہوی اور دوسرے علماء رامپور سے محمولات پڑھیں اور کسی عربی مدرسے میں درس ہو گئے۔ ہندت ذہین قوی الحافظ، زود فہم تھے۔ تصانیف میں ایسا غریبی کی تحفہ شرح ہے جو ایک ہی دن میں شروع سے آخر تک لکھی۔ میزان منطق کی موط شرح ہے جس کا منطق جدید نام رکھا ہے۔ القول الوسیط فی الجمل المؤلف والوسیط، ملاحسن کی شرح سلم پر سوانح الزمن حاشیہ ہے، شرح علائکہ کی شرح، نظم الفرائد ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں ولادت ہوئی۔

۳۱۰۔ محمد سعید بن واعظ علی عظیم آبادی۔ عظیم آباد مولد و مشا تھا۔ تحفہات اپنے والد مولوی مظہر علی متوفی ۱۲۴۷ھ اور ابو الحسن منطق سے پڑھیں۔ کانپور جاکر سلامت اللہ بدایونی متوفی ۱۲۸۱ھ سے استفادہ کیا۔ علوم ادبیہ اور حکمیہ کا درس صبح سے دوپہر تک دیتے تھے اور ظہر سے شام تک علوم دینیہ کا، عظیم آباد میں مدرسہ سعیدیہ قائم کیا تھا، جس میں خود بھی درس دیتے تھے بمثلہ دیگر کتابوں کے میزان منطق کی شرح اور غلام بخٹی بر میرزا ہد رسالہ کا حاشیہ ہے۔ ۱۳۰۴ھ میں ولادت ہوئی۔

۳۱۱۔ محمد طیب بن محمد صالح ٹکی، رامپوری۔ ادبیات عربی تو ان کا گھر کا مضمون تھا، ہندستان آکر فنون حکمیہ میں مہارت حاصل کر لی۔ وطن میں والد اور دیگر علماء سے پڑھا، تقریباً پچیس

سال کی عمر میں ہندوستان آئے۔ اور بمبئی میں تجارت شروع کر دی، وہاں کسی دینی مسئلے میں کسی عالم سے گفتگو ہوئی۔ اس کو ساکت کر دیا اسی نے کہا کہ میں منطق و فلسفہ کا عالم ہوں مجھ سے صدرا اور شمس بڑے میں گفتگو کر لو، یہ منطق و فلسفہ سے ناواقف تھے۔ منطق و فلسفہ پڑھنے کا شوق ہوا، رامپور کی علوم غلطیہ میں شہرت تھی، یہ تجارت چھوڑ چلا کر رامپور آئے اور دو ایک ہفتے تک محکمہ مولانا عبدالغفار خاں متوفی ۱۳۳۸ھ کے دروس میں بیٹھے، لیکن بھایا نہیں۔ پھر مولوی ارشاد حسین مجددی کے ہاں بھی درس میں شریک ہوئے، لیکن مطمئن نہیں ہوئے، پھر مولانا عبدالحق خیر آبادی کے یہاں معقولات کی تکمیل کی کہتے تھے نتیجہ و تحقیق مولانا ہی کا حصہ تھا۔ فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ میں ملازم ہو گئے اور صدر مدرس تک پہنچے۔ ہندوستان واپس آئے اور زود فہم تھے۔ استاذی پر و فیئر لداعلیٰ خاں صاحب متوفی ۱۹۳۸ء کہتے تھے کہ میں چھٹیوں میں علی گڑھ سے آیا ہوا تھامرب صاحب سے جو میرے استاد تھے ملے گیا۔ میرے ہاتھ میں انگریزی میں کانکس پر کتاب تھی، اس کو اٹھا کر اس کے ورق الٹ پلٹ کئے اس کے نقش و اشکال دیکھیں، مجھ سے پوچھا کہ یہ کیلے اور یہ شکلیں کیسی ہیں میں نے بتایا کہ یہ ریاضیات کی کتاب ہے۔ اس فن کو انگریزی میں کانکس اور عربی میں علم الخروطات کہتے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہوتی ہے۔ میں نے اس کی اچھائی باتیں بنا کر اس کی تشریح کی، میں دوسری مرتبہ رامپور آیا اور ملا، تو مخروطات پر گفتگو شروع کر دی۔ میں حیران رہ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ اس فن کو میرے پروفیسر سے بھی کچھ زیادہ ہی جانتے ہیں میں نے تعجب سے کہا کہ آپ کو یہ سب کہاں سے آگیا فرمانے لگے کہ میں نے کتب خانہ سرکاری میں جا کر وہاں اس فن پر جتنی کتابیں تھیں دیکھ ڈالیں۔ مجھے جن بزرگوں کی ملاقات اور صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے ان میں میں نے تین بزرگوں کو حافظے کا جن پایا۔ پروفیسر لداعلیٰ خاں مرحوم متوفی ۱۹۳۸ء۔ عبدالعزیز مبین مرحوم متوفی ۱۳۹۵ھ اور محمد سورتی متوفی ۱۳۶۱ھ اور اتفاق سے یہ تینوں صاحبان عرب صاحب کے شاگرد تھے۔ ان تینوں نے بیان کیا کہ انہوں نے عرب صاحب جیسا قوی الحافظ نہیں دیکھا، اس ذہانت اور قوت حفظ کے ساتھ غیر معمولی جری تھے (۱) بات بے کیچے تھے اگر کوئی بات کہدی تو اس کی پاس داری میں عزت و آبرو کو ہلای پر لگا دینے میں بھی ہلک نہیں کرتے تھے۔ غلطی کے اعتراف میں گھبی کوئی پس و پیش نہ تھا۔ اگر کسی شاگرد نے بھی اٹھائے درس میں کسی غلطی کی طرف متوجہ کیا تو فوراً مان جاتے اور طالب علم کی خوش دلی سے تصویب کرتے یوں تو ہر علم و فن کی کتاب پڑھاتے، لیکن ان کا مفصل کا درس خاص طور پر

مستطاب تھا اور میں مدرسے میں ان کا اجماعی درس تھا جو مدت کے باضابطہ وقت سے بچے شروع ہو جاتا اور کم و بیش سوطیہ شریک ہوتے۔ اردو لکھے جہاں تک مطروحات کا تعلق ہے اہل زبان معالہ نہیں کر سکتے تھے لیکن ترکیب ہمیشہ غلط ہوتی تھی۔ خالص ہندی حروف کا حلقہ صحیح نہیں کر سکتے تھے۔ مطالعہ اور کتب یعنی عادت ثانیہ بن گئی تھیں۔ ان کے شاگرد دیکھتے تھے کہ چوکی پر جاتے تو بھی کتاب ہاتھ میں ہوتی۔ کتاب پر ایک بار نظر پڑ جاتی تو گویا حافظے میں محفوظ ہو جاتی۔ اشعار و انساب کا تو کتنا ہی کیا۔ فنون کی کتابیں بھی اذہر تھیں۔ ہندوستان مستقل مزاج، متمثل اور مضبوط اعصاب کے تھے۔ غالباً علوی ہونے کی وجہ تھی کہ کبھی کبھی تفضیل علی کے کائل ہو جاتے، فرزدق کا مشہور قصیدہ "ہذا الذی تعرف البطلان" بچوں کو یاد کراتے اور انہیں انعام دیتے۔ مدرسہ عالیہ کے طلبہ کے وظائف کے فہن کے الزام میں نواب حامد علی خان نے برخواست کر دیا بلکہ دو چار دن جیل میں بھی رہے لیکن حکیم اجمل خاں صاحب موتی ۱۹۲۷ء کی سفارش پر جو ان کے شاگرد تھے رہا کر دیئے گئے۔ پھر مدوۃ العلماء کے دارالعلوم میں چلے گئے اور کچھ دنوں رہ کر رامپور چلے آئے اور دہشت کی مستحرمی شروع کر دی۔ حکیم اجمل خاں کی سفارش پر نواب صاحب نے سورہہ بایہ اور کابلہ عرض خدمت و ولیع مقرر کر دیا تھا۔ دو تین روز کی علالت میں ۱۳۳۳ھ میں رامپور میں انتقال ہوا اور محلے کی مسجد چرخ والی میں دفن ہوئے۔ تصانیف میں معارف و رسائل کے علاوہ جو اپنے استاد مولانا مبرا حق خیر آبادی کے دلائع میں لکھے تھے۔ اور میرزا ہدایہ امور عامہ کے حاشیے سے متعلق تھے یا مولانا احمد رضا خاں کی وجوب تکلیف شخصی کے رو میں تھے حاشیہ شمسیہ، حاشیہ سعدیہ، شرح شمسیہ، شرح سلم العلوم، مقدمہ العقل علی العقل، ان کے علاوہ لغت، نحو اور ادبیات عرب سے متعلق کتابیں ہیں ان کے علاوہ مقالے ہیں جن کی تدوین کی نوبت نہیں آئی۔ ان میں الفتحہ العلمیہ فی الصلوات العلمیہ مفصل کا حاشیہ وغیرہ مشہور تصنیفات ہیں۔

۳۱۲۔ صاحبزادہ محمد علی خاں عرجن صاحب بن صاحبزادہ کاظم علی خاں موتی ۱۲۹۹ھ۔ نواب محمد سعید خاں (۵۹-۱۲۷۱) کے پوتے اور نواب کلب علی خاں اور بعد کو نواب یوسف علی خاں (۶۱-۱۲۸۱) کے داماد تھے اساتذہ شہر سے درسیات پڑھیں اور مولانا مبرا حق خیر آبادی سے منطق و فلسفہ کی تکمیل کی اور سب کتابیں ہندوستان سے پڑھیں۔ اسٹوڈی مولانا فضل حق صاحب فرماتے تھے کہ ان کی فکر کا انداز بالکل مولانا جیسا تھا حتیٰ کہ جن موقعوں پر مولانا ہاتھ سے اشارے کرتے

یہ بھی ان ہی موقعوں پر ان ہی جیسا اشارہ کرتے۔ ہنلت ذی استعداد تھے اور کلام و منطق و فلسفہ کی بڑی کتابوں کا کبھی شوقیہ درس دیتے تو پوری تحقیق و تدقیق اور پورے مالہ و ماملیہ کے ساتھ دیتے اور طلبہ کو مطمئن کر دیتے۔ بغداد جا کر لقیب الاشراف سید عبدالرحمان آفندی متوفی ۱۳۳۵ھ سے بیت ہوئے۔ خطبہ کے بہت بڑے خطاط تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں انتقال ہوا بغدادی صاحب کے مزار میں ایک پلٹہ احاطہ میں دفن ہوئے۔

۳۱۳۔ محمد نواب بن سعد اللہ الافغانی الہمس۔ ہندستان کے مشہور الامثل میں تھے۔ افغانستان مولد و شفا تھا اجمرائی فنون و طن میں حاصل کیے۔ جوانی میں ہندستان میں آئے اور مولانا فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ رامپوری سے رامپور میں درسی فنون کی تکمیل کی۔ لکھنؤ میں عالمپور میں مقیم کیا۔ اور لکھنؤ میں ہی ہنلت و تحقیق و تدقیق سے ہر قسم کے تصانیف ایک مدت تک پڑھائے پھر دو سال کے قریب بھوپال میں رہے، وہاں سے حرمین شریفین گئے حج و زیارت کے وقت کے بعد مدینہ منورہ کی حکومت اختیار کر لی۔ مولانا ارشاد حسین مجددی انہیں کے شاگردوں میں تھے۔ ۱۳۰۹ھ میں مکہ معظمہ میں ان کا انتقال ہوا۔

۳۱۴۔ محمود عالم بن ابی بختیسار ہمسوانی۔ علوم حکمیہ میں نمایاں درجہ تھا۔ ہمسوان مولد و شفا تھا۔ تحصیل علم کے لیے رامپور آئے اور مولانا عبدالغنی خیر آبادی اور دیگر علمائے شہر سے درسیات حاصل کیے۔ حدیث کی سند میاں محمد شاہ محدث رامپوری متوفی ۱۳۳۸ھ سے لی۔ وطن آکر پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں وطن میں ولادت پائی۔

۳۱۵۔ معین الدین بن خیرات علی کڑوی۔ قریب چالیس سال اپنے وطن میں پھر لکھنؤ اور مرزا پور میں درس دیا، لکھنؤ میں مولانا عبدالکیم لکھنوی مفتی ظہور اللہ وغیرہ علمائے لکھنؤ سے درسیات پڑھیں اور لکھنؤ میں ہی پڑھانا شروع کیا۔ حج سے لوٹنے کے بعد مرزا پور کے عربی مدرسے میں درس ہو گئے اور قریب قریب پندرہ سال وہاں پڑھایا۔ درسی کتابوں پر حواشی لکھے۔ شافعی بالکلیہ پر رسالہ ہے، مرقاة الافغان فی علم الیضان، علم واجب میں مرقاة الافغان ہیں۔ ۱۳۰۴ھ میں ولادت ہوئی۔

۳۱۶۔ معین الدین بن عبدالرحمان اجمیری نو مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حکیم برکات احمد ٹوکی سے اول سے آخر تک درسیات پڑھے، ان کے خصوصی اور مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے خطے لاہور کے مدرسہ نعمانیہ میں درس دیا قریب قریب دو سال کے بعد اجمیر آ گئے اور اسی کوہ طن بحالیہ، عین معین الحق کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور اسی میں پڑھانا شروع کر دیا میر عثمان علی خاں اجمیر آئے اور

میں لکھا اور ان کے سبق سننے تو متاثر ہوئے۔ اور مدرسہ لے لیے خاصا بابائے مقرر کر دیا اور مدرسہ کا نام معینیہ عثمانیہ رکھ دیا گیا۔ تقریباً ۱۵ سال اس کی خدمت کی، ارکان انتظامیہ سے اختلاف کے باعث خدمت سے استعفیادیا۔ مولانا کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی، تحریک خلافت میں دو سال قید رہے اور وہی کے جمیعت علما کے اجلاس کی صدارت بھی کی اور ایک زمانے تک اس کے نائب صدر رہے۔ تصنیف و تالیف سے تعلق کم رہا پھر بھی بعض کلامی اور فلسفیانہ رسائل لکھے۔ ۱۳۵۹ھ میں انھیں وفات پائی۔ اور تمہیری میں شیخ معین الدین تمہیری کے جوار میں دفن ہوئے۔

۳۱۶۔ شمس العلماء مولانا الدین فقیر۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ اجماعی کتابیں بھوتی حسن ابدال میں محمد شلیع قریشی کے درس میں شریک ہو کر پڑھیں۔ وہاں سے اعلیٰ درسیات کے لیے سرگودھا ضلع کے موضع الگا میں سلطان محمود متونی کچے اوپر ۱۳۲۰ھ کے درس میں شریک ہو کر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں لیکن فراغت سے خطے ہی راجپور چلے آئے اور مولانا عبدالحق کے درس میں معقولات کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد کچے زمانے در۔۔۔ عالیہ راجپور میں درس دیا۔ ان کے شاگرد اسٹاڈی مولانا معز اللہ علما مرحوم کہتے تھے کہ اعمال شرعیہ میں بڑی دہانت سے کام لیتے تھے، گناہ سننے کا شوق تھا اکثر رنزیوں کے کوفوں پر چڑھ جاتے اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں آگئے اور کس کا گناہ سنا۔ اسٹاڈی المرحوم کہتے تھے کہ ایک سج کو میں گیا تو پلنگ کے پائے کے نیچے ہڈیاں جھل دیں رکھی تھیں میں نے انہیں متوجہ کیا تو اٹھ گئے، میں نے پائے کے نیچے سے کتابیں اٹھائیں، پیر مہر علی شاہ صاحب نے ان کی الگ کی طالب علمی کا واقعہ بیان کیا کہ الگا سے جاتے وقت انہوں نے داڑھی منڈوا دی تھی۔ مدرسہ عالیہ کی ملازمت چھوڑ کر حیدرآباد دکن میں مدرسہ نظامیہ میں اسٹاڈی ہو گئے آخر تک وہیں رہے اور وہیں ۱۳۱۲ھ کے بعد وفات پائی۔ الہیات کے بعض مشکل مسائل کے بارے میں نظام تحقیق کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ ایک رسالہ وجود راہی پر لکھا اور بعض دوسرے فلسفیانہ مباحث پر بھی تحقیقی اور معاصرانہ دونوں طرح کے رسالے لکھے تھے۔

۳۱۸۔ ڈپٹی منڈیر احمد بن سعادت علی بجنوری دہلوی۔ اردو کے مشہور ادیب اور اردو میں ناول نگاری کی طرز کے بانی ہیں، اجماعی قصرات نصیر اللہ خوشی خور جوی متونی ۱۳۹۹ھ سے پڑھیں پھر دہلی آکر عربی کے دہلی کالج میں درسیات کی تکمیل کی اور پنجاب کے کنہا کے مدرسے میں اسٹاڈی ہو گئے۔ دو سال کے بعد ہی کاپور میں انسپکٹر مدارس ہوئے اور انگریزی بھی سیکھ لی۔ انگریزی کونسل کو ڈاکٹریٹ باند کے نام

۳۱۹- ویدالزاس بن سیح الزماس ملتانی حیدرآبادی مخاطب بہ نواب وقار جنگ بہادر- کاپور میں بہادر ہوئے در سیات مفتی حضرت امد کاکوری مفتی ۱۲۷۹ھ سلامت اللہ بدائی، مفتی لطف اللہ علیگڑھی وغیرہ سے پڑھے اور لکھنؤ جاکر مولانا عبدالحی کو پڑھایا اور ان سے تکمیل کی۔ متعود بن گئے اور احادیث کی اجازت میں حاصل کیں۔ حیدرآباد سکونت اختیار کر لی اور وہاں بڑے بڑے محدث سے حاصل کیے جہاں تک کہ وزیر کے سکریٹری ہو گئے۔ حکومت کی لائسنس کمپنی کے ممبر اور ہائی کورٹ کے جج ہوئے اور ہفتن لے کر ٹھہرائے اور مطالعہ کتب اور تصنیف و تالیف میں مصروف۔ — بارہ سال گھر میں رہ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی و مفتی و بیت المقدس دیکھا۔ مدینہ شریف میں بیوی حیدر محمد عظیم اور ا کے اصرار پر حیدر آباد گئے۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں ۱۲۹۳ھ کی جنگ عظیم چھو گئی اور یہ حیدرآباد کے قیام پر مجبور ہو گئے اور ۱۳۳۸ھ میں وقارآباد میں انتقال ہو گیا اپنی تمام مصروفیتوں کے باوجود اپنے عہد کے فخریہ تصانیف معصوموں سے تھے، خطہ تقلید کو واجب جانتے تھے۔ لیکن بعد کو

حادثہ پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا، بڑے سن میں قرآن مجید پڑھ لیا اور برابر اس کی تلاوت کرتے رہتے تھے، پرمیوز خوش اخلاق پاک باطن تھے۔ منطق و حکمت میں بھی اعلیٰ پایہ تھا۔ منجملہ دیگر تصانیف کے میرزا ہدایہ امور عامہ پر حاشیہ ہے۔

۳۲۰۔ وکیل احمد بن کھدر حسین سکھ پوری۔ اپنے عہد کے مشہور علما میں تھے۔ منطقی سائنس کے دلالت پور میں پیدا ہوئے۔ مختصرات عبدالحلیم سکھ پوری اور دوسرے وطنی علماء سے پڑھیں اور پھر عبدالحلیم کھنوی الصاری کو پکڑ لیا اور اکثر درسیات ان سے پڑھیں۔ محمد یوسف الصاری وغیرہ علماء بھی استفادہ کیا۔ جہالت ذہن قوی الحافظہ اور زود فہم تھے کثیر التصانیف تھے منطق میں اپنے اساتذ کے رسالے عرفان کی حد العرفان کے نام سے شرح کی، یا قوت احمر کے نام سے فقہ الکبریٰ شرح کی۔ ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۱۔ خمس العلماء ہدایت علی بریلوی۔ منطق و حکمت میں اپنے عہد کے یگانہ فضلا۔ میں تھے مولانا فضل حق خیر آبادی کے نانی شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، شاہجہانپور اور رامپور کے قیام کے زمانے میں ان سے معقولات کی تکمیل کی تھی۔ ان کے معقولات کے درس میں شرکت کے لیے دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں پہنچتے چنانچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی بریلی ان کے درس میں شامل ہونے کے لیے گئے تھے۔ آخر میں نواب حامد علی خان انہیں مدرسہ عالیہ کی صدر مدرس کے لیے بلا لیا تھا۔ ۱۳۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

۳۲۲۔ ہدایت اللہ بن رفیع اللہ خاں رامپوری، جونپوری۔ رامپور محلہ گھیر الف خاں میں پیدا ہوئے۔ اچھائی کتابیں اپنے والد اخوند زادے رفیع اللہ خاں متوفی ۱۲۸۲ھ سے پڑھیں علوم عقلیہ سید جلال الدین نابھی سے حاصل کیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی رامپور آئے تو یہ ان کے شاگرد ہوئے۔ اور مولانا کے کالے پانی جانے تک ان کے ساتھ رہے۔ مولانا کے چلے جانے کے بعد رامپور آگئے اور درس شروع کر دیا اور مدرسہ عالیہ میں مدرس ہو گئے۔ مدرسہ عالیہ سے جونپور مدرسہ امامیہ حنفیہ میں صدر مدرس اور مہتمم بن کر چلے گئے اور ساری عمر وہیں بسر کر دی۔ منطق و فلسفہ میں علمی رہاست کے وہی مسد نفیس تھے۔ میرے بھائی صاحب استاذی مولانا عبدالوہاب خاں صاحب مرحوم لڑکپن میں جبکہ اچھائی کتابیں پڑھ رہے تھے گھر سے خطا ہو کر چون پور ان کی خدمت میں پہنچے تھے کہتے تھے کہ مجھے دیکھ کر اور یہ جان کر کہ میں گھر سے بلا کے سنے بھاگ آیا ہوں کہنے لگے اللہ اس ریل کو عمارت کرے کیسے

چھوٹے معصوم بچوں کو ماں باپ سے جدا کر دیتی ہے۔ اس زمانے میں ضعف کی وجہ سے وہ چھوٹی کنائیں پڑھانے لگتی تھیں انہوں نے اپنے خصوصی شاگرد مولانا سلیمان اعظمی متوفی ۱۳۵۸ء کے سپرد کر دیا چنانچہ میں نے ان سے آٹھ دس سبق پڑھے تھے۔ بھائی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جو بیورو میں وہ بڑے مولوی صاحب کے لقب سے پورے شہر میں مشہور تھے۔ جو پورے کے ہر شخص بخیر کر کے دیتے تھے والا، پھیری والا اور دوکاندار تک بڑے مولوی صاحب کا پتہ بتا دیتے تھے۔ حیرت ہوئی ہے کہ میں ۱۹۶۵ء میں جو بیورو گیا تو سدا شہر تو کیا خود اس درے میں انہیں کوئی نہیں جانتا تھا، تصانیف میں بعض رسالے تھے جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے دلائل میں تحریر کیے تھے ۱۳۲۶ء میں جو بیورو میں انتقال ہوا، رشید آباد صاحب رشیدیہ کے معبرے میں دفن ہوئے ہندت سادہ مزاج سادہ لباس اور خوش طبع تھے۔

خاتمہ

ماخذ علمائے عظیمین کا یہ تذکرہ بڑی حد تک مولانا عبدالحق مرحوم کے عربی تذکرے نوہ الخواطر سے متبصر اور متجرب ہے۔ حافظ احمد علی عاں شوق کے تذکرہ کاٹان رامپور سے بھی کچھ بزرگوں کے حالات لیے گئے ہیں کچھ کا میں نے اپنی یادداشت سے اضافہ کیا ہے۔

خاص طور پر مغلئی تاریخی مختلف تہذیبوں اور یادداشتوں سے ماخوذ ہیں۔ حاجی علیہ کی کشف الظنون، طاہر شہری زادہ کی مفتاح السعادات اور خیر الدین زرنگی کی الاعلام بھی سہنے رہی ہیں۔

یہ تذکرہ یہ قصہ تذکرہ ہندوستانی علمائے معقولات کا احاطہ اور استقصا نہیں ہے بہت سے نام اس میں مزید شامل کیے جاسکتے ہیں اور بشرط فرصت شاید کچھ میں بھی شامل کر سکوں۔ ضمنی تاریکوں میں بہت سے کھانپے رہ گئے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان میں سے اکثر کو میں ہی پر کردوں لیکن کی وقت کے باعث فی الحال ممکن نہ ہوا یا زندہ و صحبت باقی۔

ہندوستانی علمائے معقولات کی احصالت فکر ہندی علمائے احصالت فکر کا تعلق زیادہ تر ماہد الطبیعیاتی مسائل سے ہے۔ طبیعات میں تو قدیم خیالات کی یا تشریح ہے یا محض تھیں اس لیے وہ چنداں قابل اعتنا نہیں، ہمارے عربی مدارس سے عقلیات نکل ہی چکی ہیں جو باقی ہیں ان کی حیثیت مصطلحات کے علم سے آگے نہیں کچھ دنوں میں بزرگوں کا یہ ورثہ کچھ محنت ہو جائیگا۔ ضرورت ہے کہ

کچھ نوجوان اٹھیں اور ہندستان کے عظیم کی لکری اصالتوں کو سامنے لائیں اور بزرگوں کی ذہنی کاوش کو نئی نسل سے روشناس کرنے کی کوشش کریں۔

اصل الفکر علماء ایسے علماء بہت زیادہ نہیں جن کی فکر پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے ہر صدی کی اجراء میں اہم لوگوں کو نشانہ ہی کر دی ہے۔ مثلاً عبدالحکیم سیالکوٹی، میرزا بہار، ملا محمود جوہپوری، بحر العلوم مولانا عبدالحی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا عبدالحق فرنگی علی، مولانا عبدالحق خیرآبادی مولانا فضل حق رامپوری وغیرہ، ان حضرات نے مستقل کتابیں بہت کم لکھی ہیں۔ ان کی فکر ان کے حواشی اور شروح ہیں۔ پھر ان کے حواشی اور شروح کا احاطہ حصہ ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے اور وہ بھی نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے ان حواشی اور شروح کے چھ لگانے کی اور ان کی فہرست مرتب کرنے کی ضرورت سب سے پہلا کام ہے۔ دوسرا کام ان کی اصل فکر کا مطالعہ ہے۔

گزارش جو نوجوان اس کام کا بیڑا اٹھائیں وہ نہ صرف مستند اور معاصر فکر کو سامنے رکھیں اور ان کا تقابلی مطالعہ کریں بلکہ ان کے تاریخی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھیں۔ اگر کچھ اہل علم اس ضروری کام کی طرف متوجہ ہو گئے تو یہ میرے اس انتخاب کا سب سے بڑا صلہ ہوگا۔ ولیس ذالک علی اللہ

بمسیر

محمد عبدالسلام

یکم جون ۱۹۹۱ء

حواشی مؤلفہ (معارف)

۱۔ عرب صاحب کی جرأت کا ایک واقعہ میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے۔ مدرسہ عالیہ بھی رفعت منزل (اصاحبزادے) حیدر علی خاں متوفی ۱۳۱۵ھ کی کوٹھی پر اب مشن کالج کہلاتی ہے، میں منتقل نہیں ہوا تھا۔ کلب علی خاں کی تصویر درجہ جامع مسجد ازبک فوٹو کرنے کے لیے لوٹ رہی تھی، (جس کا دروازہ من گھڑتے کے فواب کلب علی خاں کے عہد کا باقی ہے) روزوں، آدھوں، اینٹوں کا ایک طوفان دھیر تھا۔ طلبہ مدرسہ کی اکثریت سردی پٹھانوں کی تھی اور سیکرٹوں کی تعداد میں بھی، صبح کا وقت تھا مدرسہ کھلنے کی ابتدا تھی، طلبہ کچھ آپکے تھے اور کچھ آ رہے تھے، اساتذہ کی بھی آمد شروع ہو گئی تھی کہ سردی طلبہ میں لڑائی شروع ہو گئی اور دوطرفہ صفت بندی ہو کر آئے، روٹے پھٹے گئے۔ یہ کسی میں جنت نہ تھی کہ آگے بڑھ کے انہیں روکے۔ اساتذہ دوسرے منع کر کے اس خطرناک لڑائی کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن فتنے میں مجبور سردی کہیں دوسرے منع کرنے پر رکنے والے تھے کہ عرب صاحب بھی آگے اور سیدھے اُن صفوں کے بیچ میں گھست پڑ گئے؛ ایک طرف سے ایک کی گردن پکڑ کر لائے اور دوسری صف سے دوسرے کی گردن پکڑ لی اور دونوں کو قریب لاکر آئے سامنے کر کے کہا "فرم تمہارا سر کڑا کر دوںے"۔ عرب صاحب کے بیچ میں آہا سے یہ منکر ختم ہوا اور انہیں روٹے چلنا بند ہو گئے اور شاید چوہا سناؤ بھی بیچ میں آکر روکنے کی کوشش کرتا رہا روٹے چلنا بند ہو جاتے، پس اصل سوال بہت کا تھا۔

۲۔ استاذ مولوی حضرت شاہ متوفی ۱۳۶۱ھ عرب صاحب کی بات کی پاسداری کا رویہ۔ وہ اتنے سناٹے تھے جس کی تائید مدرسے کے اُس زمانے کے چراسی بے تمبانی نے بھی کی تھی اور انہی الحظ مولانا عیدالوہاب خاں صاحب مرحوم نے بھی اسکی صحت کے کچھ قرائن بیان کیے تھے۔ مولانا نے بیان کیا کہ مدرسے کے متوفی (جو نام کے متوفی تھے اور عمر مزید گئے تھے، جو مرے دوست تھے، ایک روز مغرب کے بعد اپنے لاپتہ مہربان کے لیے غنیمت کے غنیمت ہوئی، فواب صاحب کو مخالفت کی رقم میں غنیمت کا پرچہ لکھا ہے، صبح کو افسران تحقیقات کے لیے آئیں گے، غنیمت واقعی ہے، مکمل گیا تو میں تو جیل میں سر جاکر آؤں گا۔ میں نے کہا کیا عرب صاحب کو مسلم ہے، کہا نہیں۔ اب کیا کروں، میں نے کہا عرب صاحب کے گھر علیا اور ان سے اصل واقعہ کہہ دو، شاید وہی کچھ کر سکیں۔ چنانچہ ہم دونوں عرب صاحب کے یہاں غنا کے بعد پہنچے، گندمی کھٹ کھٹائی، وہ باہر نکلے تو متولی نے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے کہا مجھے صاف کر دیجیو، عرب صاحب نے کہا کہ ہے کی معافی، متولی نے کہا پیسے صاف کر دیجیو، چھر غنیمت کروں گا، متولی نے اس وقت تک پاؤں نہیں چھوڑے جب تک عرب صاحب نے مجھ پر جو کرہ نہ کہہ دیا کہ اچھا بائی صاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑے

جب تک عرب صاحب نے مجبور ہو کر نہ کہدیا کہ اچھا بائی معاف کر دیا، متولی نے قدم چھوڑ کر دافعہ بیان کیا عرب صاحب نے کہا، 'متولی تمہیں بہت برا کیا' اچھا جاؤ۔ صبح کو جین صاحب، شیر ذراں خاں متولی ۱۹۳۲ء، دھیرو آگئے اور سید سے عرب صاحب کے کمرے میں چلے گئے اور کہا متولی کو بلائے، عرب صاحب نے کہا، 'خیر کیا بات ہے؟' انہوں نے دافعہ بیان کیا اور کہا سید نے تخمین کے لیے ہم کو بھیجا ہے۔ عرب صاحب نے کہا وہ تو ہم نے کہلے۔ دیر درمی کا ہسٹل ہمارا حکم کے ذریعہ کیا گیا۔ افسرانے کافی فلاحی کی، اس کے نتائج سے ڈرایا مگر عرب صاحب شمس سے نہ جوئے اور یہی کہا، 'غبن ہم نے کیا ہے' غرض وہ چلے گئے۔ اب تہاوب صاحب مجرم ٹھہرے، عجیب تر بات یہ ہوئی کہ متولی نے ان کے خلاف شہادت دی پھر بھی عرب صاحب اپنا قرا سے نہیں ہٹے اور اس ذلیل التزام میں جیل چلے گئے اور عزت، مظلاندقار اور مشہرت سب کو خاک میں ملا دیا، پورے ملک میں اپنی بیگ نامی کو بڑھایا لیکن اسے نہیں ملے۔

صفحہ ۸۴ (حاشیہ)

۱۔ راجپور میں طاعون پھیلنا تھا، گھر کے گھر بے چراغ ہو رہے تھے۔ عرب صاحب کا گھراس دبا میں مبتلا ہوا لیکن عرب صاحب کا استقلال و تحمل دیکھنے کا تھا۔ حکم ایسا صاحب متولی ۱۲۰۲ھ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی طاعون پر مبتلا ہوئی کو دیکھنے گیا، حالت یہ تھی کہ ایک بیٹے کا جنازہ رکھا تھا، دوسرا نزع میں تھا، مبتلا ہوئی کو دیکھنے میں آیا تھا، عرب باہر بیٹھے تھے، گھر سے نکل کر ان کے پاس آیا تو کہنے لگے میں نے قصیدہ لکھا ہے، سنو! اور شور سنانے لگے، مگر اس وقت بے صبری اور اس پر ایسا جیسے خود الم کا ان کی حالت سے اندازہ نہیں ہوتا تھا، غالباً کچھ دیر بعد ہی بوی کا انتقال ہو گیا اور گھر سے بیک وقت تین جنازے نکلے لیکن عرب صاحب کے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حافظ احمد علی خاں متولی ۱۹۳۲ء نے مذکرہ کا لان راجپور میں لکھا ہے کہ وہ ان کی اہلی کی فاطمہ خانی کو لگے، جوان زیادہ تر لڑ چکا ہے، دوسرا حالت نزع میں ہے اور مرد سے کی دینی خود عرب صاحب نے کرائی، کوئی ہراس، تو محض ذہن تھا، ہنایت مبرا استقلال سے لائی غلوں کو برداشت کر رہے تھے

محمد علی جناح

جناح کے سرکاری مزارعہ شد علی بیگ کے نام ہے

منیب و قریب
حکیم و صافی

عرفی چند

یہ بیگ صاحب (مرزا راشد علی بیگ) کی خود نوشت سوانح غریب
 'ان ڈفرنٹ سیڈنز' سے ترجمہ ہے، تین ابواب کا ترجمہ: ایک کشمیر
 پر اور ایک سیکورزم پر، ایک جملہ پر۔ بیگ صاحب کی کتاب ۱۹۶۷ء میں چھپ چکی
 تھی ۶۲ سال تھی اور یہ ترجمہ ۱۹۷۱ء میں ہوا۔

بیگ صاحب کچھ لڑکھانے والے تھے یا زیادہ بہتر الفاظ استعمال کیے مبالغہ
 'اینگلوسلم' سات سال تک جیل کے پرائیوٹ سکریٹری رہے ہیں، پاکستان
 ریزولوشن پاس ہونے کے دن تک، انارڈی کے بعد گوا، پانڈیچری، ایمان اداؤڈ
 میں ہندوستانی سفیر رہے ہیں۔ ابواب 'آر۔ ۸' حوض غاص، نئی دہلی 'میں ریٹائرڈ مگر بڑی
 سرگرم عمل زندگی گزار رہے ہیں۔

۱۹۶۷ء/۱۹۶۸ء میں نئی دہلی میں ایک سلم پروگریسو گروپ کی بنیاد ڈالی۔



مندرجہ بالا سطر میں ہم نچے بیس سال قبل لکھی تھیں۔ اس درمیان میں بیگ صاحب کا انتقال ہو گیا،
 نئی بی بی تارا علی بیگ بھی چل بسیں اور اس طرح دو زبردست سماجی فکسٹروں 'خدمت گزاردوں' سے دلی
 مالی ہو گئی۔ اللہ ان کی آنجانی غلیظوں کو معاف کرے اور اپنی مخلوق کی خدمت سے خوش ہو کر ان پر اپنی
 رحمتیں دلا دے۔

عرب

پیشگفتار

لڑتے لڑتے دونوں تباہ ہو رہے ہیں اور فائدہ کسی کا بھی نہیں ہے۔

وہ الگ بیٹھا ہوا ہنستا ہے جس کا کام ہے!

برصغیر کے دو ملکوں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خیرگالی جھنبے کو بڑھانے کے لیے ایسے اشرافیہ کی ضرورت ہے، جو سیکولزم کو بڑھائے اور فرقہ پرستی کا زور گھٹائے، آپسی نفرت کو کم کرے اور جانوروں کو انسان بنانے کی ترغیب دے۔

ان دونوں ملکوں کے درمیان محبت کے روابط پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کا بڑا بڑا کام ہے کہ دو قومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی ملک کی مصنفوں، پاکستانیوں کے قلم سے: دو قومی نظریہ کے سب سے بڑے مخالف ابوالکلام آزادؒ، اور ہندوستانی اہل قلم کی طرف سے: پاکستان کے بانی جناب پڑاؤم لوگوں کی تفسیریں شائع کی جائیں۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل پاکستانی مصنفوں کی کتابیں مولانا ابوالکلامؒ پر لاہوری کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں:

(۱) مولانا ابوالکلام آزادؒ کا ہفتہ وار 'پیغام' (مکمل فاضل کا مکتبہ ایڈیشن) مرتبہ ابوالکلامؒ شاہجہاں پوریؒ

(۲) مصلحت منجم اور مولانا آزادؒ (مذمت کی راہ صرف مسلمانوں کے لیے کھلی ہے یا ہر حق پرست کے لیے)، مولانا پروفیسر قراستہ علی (کراچی)۔

(۳) مولانا آزاد اور مدد ارس اسلامیہ (ندوة العلماء کی تاریخ کا ایک باب) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں
 (۴) مولانا آزاد کی: حجۃ الہدی (قرآن مجید میں مذکور حضرت ابراہیم اور نوح کے مکالمے پر مولانا کے قلم سے
 شہنشاہ تفسیر) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں۔

(۵) مولانا کی تفسیر والعصر (سورۃ والعصر کی تفسیر) مرتبہ پروفیسر قرآنستان خاں۔
 (۶) آثار ابوالکلام آزاد (چشمہ کے یوسف و یوسف یعنی مولانا کے انگریزی کے استاد کے نام مولانا کے سوشل سوسائٹ
 خطوط کا کس) مرتبہ پروفیسر قدس اللہ فاطمی، اسلام آباد۔

مندرجہ ذیل جہت الی مصنفین کی 'جنات' کے بارے میں تحریریں منتخب کی گئی ہیں: جن میں سے
 کچھ شائع ہو چکی ہیں، کچھ شائع ہو رہی ہیں:-

(۱) ایں کے جملہ (۱۲) کاغذی دوا کا داس (۳) شیلیش بندھوا پادھیالے (۴) سچیدانند سنہا (۵) ڈاکٹر علی حسین
 (۶) ایم۔ آر۔ اے بیگ (۷) سر رحمتی نائیڈو۔

— عرب



۳۴ کے شروع میں جناح بمبئی واپس آگئے لیکن ابھی تک زندگی کا اکیلا دن ان کے ساتھ تھا چند برس پہلے کانگریس چھوڑ چکے تھے اور مدلی میں مجلس قانون ساز کے آئندہ ممبر کی حیثیت سے وہ ایک صوبائی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی حیثیت میں انھوں نے لندن کی گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی جہاں وہ آغا خان کی مسلم کانفرنس و مسلم مسلمان معتدل رہنماؤں سے ایک الگ سہ ماہی بڑی حد تک اس وقت صرف کاغذ پر تھی۔ گول میز کانفرنس کے بعد یہ اعزازہ کر کے کہ موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کسی میں ان کی گزر یا سہائی نہیں وہ لندن ہی میں رہ پڑے تھے اور پریوی کونسل میں پریسیکشن کر رہے تھے۔ ایک سبب مزید یہ بھی تھا کہ گورنر بمبئی ولنگٹن جن سے جناح کا تعلق اب ہندوستان کے وائسرائے بن چکے تھے ۱۹۳۱ء لیکن لندن کب تک چلنا وہاں کی تنہائی سے بااثر لگنے لگے اور جوں ہی ورڈ ولنگٹن کی سبگ لارڈ ولنگٹن آئے جناح بھی واپس آگئے۔ یہاں مسلم لیگ میں جان ٹیلر کے علاوہ کے ساتھ انھوں نے اپنے مددگار سالار محمد یونس شروع کیے اور دوسروں کے ساتھ جے بھی جایا۔ میں ان سے پہلے کئی بار مل چکا تھا زیادہ تر ممبرانڈ کے یہاں اور اس طور پر روشناسی کے بعد میں انھیں اس قدر رنجیدہ نہیں سمجھ سکتا تھا جتنا وہ خود سمجھتے تھے۔ نتیجتاً ان کے بہت سے مریدوں اور ساتھیوں کے برخلاف جے بھی ڈر نہیں لگا۔ میرے بعد کچھ اسی قسم کے روابط جبراً ہر لالہ پڑ سے بھی ہوئے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ نئی دہلی کے برتاؤ کو جو خود بزرگوں کے ساتھ رکھتے ہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بلکہ اس کے کہ انھیں اونچے استحقاق پر بیٹھے ہوئے عظیم لیڈروں کا درجہ دیا جاتا!

ان سے ملنے میں اپنی کوشش میں ان کے کہنے میں گیا۔ "نیچے جاب" انھوں نے کہا "میں آپ کے خیالات سے ابھی حرا واقف ہوں، آپ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی فکری کام کر سکتے ہیں، یہی میرا بھی چاہئے کہ کاش ایسا ہی ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ ہندو قوم اور مضبوط ہیں اور مسلمان مقرر اور مقررہ

ہندو اور مسلمان ہندوستانی جسکے دو بازو ہیں لیکن وہ جسکے کام نہیں کا ایک بازو مخلوق ہو جائے۔ بازو کو مضبوط کر کے آپ پورے جسم کو مضبوطی بخشیں گے۔ دیو اور بونے کی شادی سنی ہے کہ اپنے؟ ایکست قہ کے لوگوں میں شادی ہوا کرتی ہے ہندو مسلم اتحاد کبھی ممکن نہیں جب تک مسلمان اپنی موجودہ سماجی تعلیمی اور سیاسی پس ماندہ حالت میں ہیں۔ اگر ہندو مسلم ایکٹا کے لیے کام کرنا چاہتے ہو تو پہلے مسلمانوں کے لیے کام کرنا چاہیے۔

اس وقت تک یہ ۳۴ رکی بات ہے، میں ہندو مسلم اتحاد کے خیال سے خاصا دل برداشتہ اور دل گرفتہ سا ہو چکا تھا اور جناح صاحب کی اپیل سننے کیلئے ذہن گویا پہلے سے بالکل آمادہ سا تھا۔ دو ایک شک البتہ تھے۔ ”ہندو مسلم اتحاد کے لیے میں آپکے ساتھ کام کروں گا۔ لیکن ایکٹا فرقہ پرستی کی مخالفت میں جلتا ہے۔ مسلم لیگ خاص فرقہ پرست جماعت ہے یہ کیسے ہوگا کہ فرقہ پرستی کے ذریعہ ایکٹا کا کام ہو سکے؟“

”میرے نوجوان دوست“ انھوں نے جواب دیا ”ابھی تین مسلمانوں کے بارے میں اور سیاست کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مسلمان تمہارے ساتھ آئیں تو آدمی دور تمہیں ان کی طرف چلائے۔“

میرا خیال تھا، اور اب بھی اس خیال پر قائم ہوں کہ اس وقت جنل صاحب نے جو کچھ کہا اور جرات ان کے پیش نظر تھی اس میں پورا غلطی تھا۔ ان کا پورا ماحی اس کا گواہ تھا۔ خوفناک حد تک آزاد انداز کے ملک ان کے لیے کسی کی بھی رفیت بتانا ممکن تھا اور چونکہ شروع کرنے میں ہندو کنٹرول کا کوئی سوال ہی نہ تھا، سوائسٹون نے برطانوی عہد کے خلاف خوفناک بغاوت چھیڑ دی۔ ویسے یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ کانگریس کے بھپن یا لڑکپن میں وہ ان روشن ستاروں میں تھے جو ہندو مسلم اتحاد کی تابناک ترین علامت تھے! آغا خان نے جن کے جناح صاحب ساری عمر مخالف ہے، اپنی خود نوشت میں منظر مارے اہلکار

کے نتیجہ میں جدا گانہ انتخاب آجائے کے بعد کی سیاسی صورت حال اس طرح بیان کی ہے۔

۱۹۰۶ء میں ہمارا سب سے بڑا مخالفت جانتے ہیں آپ؟ یہی کہ ایک ممتاز پیرسٹر جس کی وکالت عرب پر تھی، محمد علی جناح... دوستی ہم میں مزور رہی لیکن خاص اس موقع پر توفہ ہم سب کے اور ہمارے اقدام کے سخت دشمنوں میں تھے۔ ممتاز مسلمانوں میں وہ تہلے مجنوں نے اس وقت یہ موقف اختیار کیا، ان کا کہنا تھا کہ جلاخان انقلاب کا اصول قوم کو بانٹنے سے ہے۔ رہا ہے اور پھر ایک ربح مدی ملک وہ ہمارے بدترین منٹ الفوں اور ناقہ دل میں رہے۔“

مستزاد نیکو، جن کے لیے میرے دل میں انتہائی گہرا احترام تھا، اخیر تک جناح صاحب کی قلع نہیں۔

۱۹۱۵ء کے کانگریس سیشن کے آخر میں ان کے اصرار میں سنز نائیکو نے اپنی قلم جگ سنا لی تھی۔

یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء تک جیسائٹ کیشن ہندستان کا صدر کر رہا تھا، اس وقت کے وزیر ہند ہارڈ برکن ہیز جیسا کہ ان کے بیٹے نے اپنی کتاب "ایف۔ ای۔ ای" میں اقتباس دیا ہے، داس نے کو یہ لکھ رہے تھے، "میں سائٹ کو تمام مرحلوں پر ان تمام لوگوں سے ملنے کا مشورہ دوں گا جو کیشن کا بایکٹ نہیں کر رہے ہیں خصوصاً مسلمان اور اچوت۔ میں نامزدہ مسلمانوں کے ساتھ سائٹ کی گفتگوؤں کی پوری شہری ہی چاہوں گا۔ ساری پالیسی اب واضح ہے، اور وہ یہ ہے کہ اکثریت ملے ہندوؤں کو خوفزدہ کرنا ہے اس تشریح کے ساتھ کیشن مسلمانوں کے قبضے میں جا رہا ہے اور ایسی رپورٹ دے جو ہندوؤں کے لیے قطعی تباہ کن ہو، سن اس لیے کہ اسے پوری مسلم سپورٹ مل جائے اور جناح پٹناتارہ جائے۔"

کانگریس سے بھی چند برس پہلے ان کا حضور عدم تعاون کے سلسلے پر ہوا تھا، کہ کسی فرقہ دارانہ مسئلہ پر اور اب پارلیمانی کام کو اپنا کر، جو ان کی صلاحیتوں کے مین مطابق تھا، پر شوق داس ٹھاکر داس کو اپنا نائب بنائے، وہ دہلی میں قانون ساز اجلی میں آزاد پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے!

دہلی میں میں نے اندازہ کیا تھا کہ ان میں کسی مناظرہ صلاحیت ہے اور یہ بھی کہ ان کی حریت فکر اور ایمانداری پر کانگریس اور حکومت دونوں کو یکساں اعتماد تھا۔ اخبارات پڑھنے والے بھی اس سے واقف تھے کہ مول میز کانفرنس میں خزانہ، مسلم لیڈروں کے ملحقے جس کی قیادت سرکار پرست افغاناں کر رہے تھے، وہ کس طرح الگ تھلک رہے تھے اور اس گروپ سے مسلمانوں کی نمائندگی بری طرح زیر اثر تھی۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کانگریس کو پسند کرتی تھی جو سال کے سال زندہ ہوتی تھی یا پھر بھولے نافرمانی کے موقع پر یہ مسلمانوں سے اس کی ایک ہی مانگ ہوتی تھی کہ جیل جائیں۔ یہ کوئی بہت بڑی کیش کی بات نہیں تھی۔ نئی قیادت کے لیے زمین ہوا تھی جس کے لیے جناح صاحب سب سے زیادہ موزوں اترے تھے۔ ان کے کاغذات ماہر ہی ہر طرح مکمل تھے اور ان کی نظریات تھی میں نے اپنے آپ کو ان کے لیے وقت کر دیا۔

شمالدار بیرنٹو جیسا کہ وہ تھے، قانونی زبان میں اپنے مشیطانوں کے ذریعہ کام کرنے کے مادی تھے (یعنی مقدمے اپنے چھوٹے بیرسٹروں کے ذریعہ لڑانا، میری نوعیت کو یا سیاسی شیطان جیسی ہوتی تھی۔ چھوٹے میں وہ اگرچہ انتہائی نائن تھے لیکن یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ لکھنے میں انہیں اظہار پر اتنا قابو نہیں تھا اور لکھنے کا زیادہ تر کام وہ میری طرف بٹھا دیتے تھے۔ یہ میں جانتا ہوں یا نہ کہ کن کن خطوں کے جواب

کون کون سے اجنبی بیانات، اور کون کون مضامین میں نے لکھے۔ اس طرح میں نے ۱۹۳۴ء سے اسی ۱۹۴۰ء تک کا عرصہ تقریباً ۶ سال ان کے ساتھ گزارے۔ میں بمبئی پریسٹنسی مسلم لیگ کونسل کا ممبر ہو گیا اور عملی چلنے والا اور عباس طیب جی اور مجر پرستل وہ کمیٹی بنی جسے جناح صاحب نے بمبئی قانون ساز اسمبلی کے لیے ایڈیلڈ منتخب کرنے کا اختیار دیا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی ذمہ داریاں میرے سپرد کی جاتی رہیں۔

لیکن جناح صاحب کے کوئی اس قدر قریب نہیں ہو سکتا تھا کہ بے تکلفی کے مراحل پر آسکے اور یہ میری سمجھ میں بھی نہ آسکا، خصوصاً اس لیے کہ بھائی اور بہن دونوں پیارے کیسے بھوکے تھے، ایک شام آئی ایک جاتی اور وہ دونوں تفتش زابدان خشک، بھنگل کے جوگی جیسے خشکی اور خشک روئی میں ڈوبے ہوئے بڑھاپے کی طرف رواں دواں، خاموش اور سنجیدہ وہ دونوں اپنی شاہیں بیٹھے بیٹھے گزار دیتے۔ دن گزرتے جاتے اور ان کے مشن پر پن میں اور اضافہ ہوتا جاتا۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں ہندوستان کی تاریخ کیا ہوتی اگر اس انفرادہ گھر میں پیار، زندگی اور قہقروں کو جگمگائی ہوئی۔ میرے نزدیک یہ محض امر اتفاقی نہیں ہے کہ جناح صاحب کی ذات کا یہ نیا انظار اور ان کا فرق پرستانہ انداز ان کی غیر مسلم بوری رقی کی موت کے بعد سے شروع ہوا۔ سرڈیشا پیٹیٹ کی بیٹی سے یہ شادی اُس زمانے کے جناح کے کردار سے میں ہم آہنگ تھی۔ رقی ان سے کئی سال چھوٹی تھی جس میں زندگی اور اس کی سرستیاں ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھیں جن سے اُس جناح کو بھی بالکل عام، فطری، انسان دوست اور مکمل طور سے سیکولر بننے لگا تھا۔ اس کے ساتھ وہ کبھی کبھی قہقروں کی چلیاتے تھے۔ لیکن ۱۸ء میں رقی کی موت کے بعد غیر شادی شدہ بڑی بہن فاطمہ جناح ساتھ میں رہنے کے لیے آئیں اور دونوں کی مشترک ہوئی طبیعتیں ایک دوسرے کو بڑھادادیتی رہیں۔ رقی کی طرح دوست سازی کا لہجہ یہاں تھا ہی نہیں، قہقروں میں دونوں شادمانہ تہائی میں میوس ہوتے چلے گئے۔ بمبئی میں ان کے متعدد رشتہ دار بھی تھے لیکن کسی سے ملنا جانا نہ تھا۔ مس جناح مجھے اپنے وجود کا ساپا معلوم ہوتی تھی۔ صرف ایک بار ان کے چہرے کی خشونت بڑی میں پگھل کر دیکھی تھی غیب وہ اپنے کتے کے بچوں کو بلارہی تھی۔

میں دھواپا نکلتا جیسے جناح صاحب کو نہ دوستی بڑھانے کا خیال ہے نہ اپنا اثر و نفوذ پہنچانے میں دیکھی۔ آخر وہ میرے ایک ہار کی سالہ میں تھیں چاہی، میں ان کے پاس نہ گیا، بعد میں جیسے کانسوں کی ہوا۔ بجلے اس کے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا اندیشہ یا جیسے بااثر اخبار کو اپنا دوست بنانے، انھوں نے اس کی ادارتی پالیسی پر تنقید شروع کر دی اور اس کے سالوں کے جوباب اس طرح دیے۔

جیسے وہ کوئی نا بھرا سکون کا دوا ہو۔ جیہہ ذہین تھا اور عام احساس، جیسے مسلم کا زکا ہمدرد رہا تھا۔ اس موقع پر خواہ مخواہ ہم نے ایک مخالفت بنالیا!

ایک احساس مجھے ملے کہ کہیں دور گہرائی میں جناح کا منیر انجمن ان کے فرقہ مدارانہ دھول پر طاقت کرتا رہتا تھا اسی لیے وہ اکثر دفائی انداز میں رہتے۔ اپنے شہرت کے عروج کے زمانے میں ان سے ایک بار میں نے پروگرام پر گروپ میں بولنے کے لیے کہا۔ اس دن سے زیادہ سامعین گروپ کی محفلوں میں میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ نہ معلوم کس سبب سے جناح نے خواہ مخواہ ایسا معمول کیا کہ سننے والوں میں مخالفت زیادہ رہی۔ کرسی سے لہا پٹا منحنی جسم تقریب کے لیے اٹھا تو اس طرح جیسے ایک دشمن جج کے سامنے کیس پیش کر رہا ہو۔ پھر جو کچھ وہ بولے وہ تقریب سے زیادہ ایک بکھر تھا اور سوالوں کے جواب دیے وہ اب سوال کرنے والوں کو مطمئن کرنے کے بجائے ان پر دلا زیادہ معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو اب لگا جیسے سننے اور بولنے والوں دونوں نے سکون کا سانس لیا ہو۔

اور دو ایک واقعہ یاد آ رہے ہیں۔ شہر میں ایک کشادی کی تقریب تھی جس میں یہ اور مولانا شوکت علی ایک موقع پر ساتھ ساتھ بیٹھے۔ دونوں بڑے دوستانہاحول میں ایک دوسرے کو ٹاپند کرتے تھے۔ اس لیے یہ موقع دونوں کے کرداروں کے عین مطابق اور عام محکمہ خیز تھا۔ دائری سے بحر پور چہرہ، فرخسہم، نور علی بلعد باقوی، مولانا محفل سے عام طاقت اندوز ہو رہے تھے اور جس حد تک ان کی آواز پہنچ رہی تھی سبھی مشغول کیے ہوئے تھے۔ دوسری طرف کلین شیور، منمن، سنا سٹایا اگر جسم بے جلد بیٹھے تھے۔ خاموش اور کچھ کچھ چہرے پر کزشت سختی کے آثار ہویدا! اور پہلی فرصت میں مجلس کو چھوٹنے پر آمادہ!!

لیکن جب وہ چلے گئے دلاویز اور مغربی ہو چلے۔ کوئی گفت و شنید کا سلسلہ تھا جو گاندھی جی ان سے ملنے بھی آئے اور تالا (منسٹر ایک) نے تذکرہ کیا کہ میں کبھی گاندھی جی سے نہیں ملی۔ جناح صاحب نے فوراً تالا کو اپنے گھر پر مدعو کر دیا اور جب گاندھی جی پہنچے تو دروازے پر جناح صاحب نے پذیرائی کی اور دھاننگ روم میں سب جناح اور تالا نے تھلنے اس واقعہ کو قلب بند کر دیا اور بعد میں میری سب سے زیادہ یادگار ملاقات کے عنوان سے اسٹوڈیو شیفٹ ویسکی میں تفصیل سے چھپائی۔

ظہار کے ساتھ میں ان کا انداز دیکھتا ہوں تو مجھے باصلاحیت فوجیوں کو آگے بڑھانے کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے اور پرانی نسل پڑیوں کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ ان کی عظمت کے ذیل میں ایک یہ

بات بھی تھی کہ انھوں نے کبھی سازشی اعمال کو پس نہ کیا اور نہ کبھی پشت پر ہل کیا۔ ہر ایک اچھی طرح جانتا تھا کہ جہاد کی نظر میں وہ کس جگہ پہلے۔

عمر پر اور تیار پر دونوں بھائی بہن بے حد شفقت کرتے تھے۔ جہاد صاحب نے کبھی میرے کسی کلمے کو نہیں شکر کیا، اور جہاں نہیں میں نے جاؤ کو کہا فوراً تیار ہو جلتے۔ جب کبھی ہم مکان پر بلائے کسی کو ان سے ملواتیں وہ بلا پس دعوت آجاتے۔ اندرون ایشیا کے مصنف جان کنٹر کے ساتھ ان کی بات چیت، حیات سے ہی خلیفہ پر ورلی پائنت میں ہوئی۔ ایسی ہی ایک ملاقات کا تذکرہ ولفریڈ رسل نے "مرچنٹ ان لے مرز" میں کیا ہے۔

اپنے اوپر بے پناہ اعتماد سے ہر پور جہاد صاحب لیڈر سے زیادہ ڈکٹیٹر تھے۔ مسلم لیگ ونگ کیٹی ممکن ہے کہیں ہو لیکن اس کا کام صرف اظہارِ رضا مندی تھا جس کے منگ کی وہ اس طرح مصلحت کرتے تھے۔ جیسے کوئی جہاد اپنی فوج کی کمانڈ کر رہا ہے۔ ایک بار سرسکند حیات خاں اور لاہور والوں کا ایک گروپ بمبئی کسی منگ کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ ایک مشترک دوست نے ہمیں کھانے پر بلایا۔ جب تک کھانا چلتا رہا۔ سرسکند امدان کے احباب ایک مسئلہ پر جس کے وہ سب سختی سے مخالفت تھے بحث کرتے رہے۔ اس کا مطلب پنجاب کی صورت حال کو قطعاً نظر انداز کرنا ہے، میں کبھی اسے قبول نہیں کروں گا۔ سرسکند نے انتہائی غصہ میں کہا۔ شام کو وہ منگ چونا تھی۔ پھر دوسرے دن میں نے سرسکند سے پوچھا کیا رہا۔ "جی، میں نے وہ مسئلہ چھوڑا ہی نہیں۔ حالانکہ واقعہ یوں ہوا جو ایک دوست نے جو موقع پر موجود تھے بعد میں بتایا کہ سرسکند نے مسئلہ چھوڑا تھا۔" جہاد صاحب میں اس مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا تھا کہ... سرسکند نے شروع کیا تھا کہ جہاد صاحب نے اسٹیج سے اپنی کرسی سرسکند کی طرف موڑی امدان کی طرف گھوما۔ سرسکند بیلے کی طرح بیٹھ گئے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی جب اپنے مقتدوں کے سے ایسا رویہ دیکھتا مجھے یاد ہے ایک بار میں ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ نے آکر کہا کہ مسلمان لٹنے کے لیے کہتے ہیں۔ بڑی افروختگی کے ساتھ کہنے لگے "بھروسہ" مانے کہ لوگ ڈرے ہیں۔ وہ اندر گئے۔ "ویل صلیٹ ڈو یو فائنٹ" انھوں نے انگریزی میں کہا کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ "صاحب! ان میں سے ایک اردو میں بولا "آپ کے دیدار کرنے کہتے ہیں"۔ "ویل" یونیورسٹی میں "انھوں نے انگریزی میں کہا (دیدار کر لیا آسنے) امدان اپنی کرسی موڑ کر ہم سے بات چیت کرنے لگے ایک اور موقع پر ریلوے اسٹیشن پر انکی پذیرائی کے لیے بڑی ہیرینج ہو گئی تھی۔ ایسے موقع کمر بڈنٹلی امدان گڑبڑ ہوئی

چنانچہ یہاں بھی کچھ شد و شد اور ہنگامہ سا تھا۔ سنت طیش کے عالم میں جناح صاحب نے کھڑکیاں بند کر لیں اور باہر نکلے۔ انکار کر دیا جب تک جمعیت میگزین منتشر نہ ہو جائے۔

وہ ایسے غرای لیڈر تھے جن کے پاس غلام کے لیے ذرا سا وقت بھی نہیں تھا۔ غلام کے لیے ان کا رویہ وہی تھا جو ٹینیسن کے مشہور مصرعوں میں ہے کہ :

ہاں ان کا یہ کام نہیں کہ یہ کیوں ؟ یہ کیسا ہے ؟

ہاں ان کو بس کرنا ہے یا مرنا ہے !

اس پر اذنا نہ کیے کہ ان کو بس دھڑ دینے جانا ہے اور مرنا ہے۔ میرا خیال ہے بعد میں انہوں نے اس کی بھی شعوری کوشش کی کہ کچھ بدلیں لیکن ہر دلی کوشش معنوی تھی ؛ تکلیف دہ حد تک !

یا تو یہ بات ہے کہ مجھے ہونے والی بات کا پہلے کچھ اندازہ ہو جاتا ہے، یا پھر میں جلدی اُوب جاتا ہوں اور باری گردن کا فریب زیادہ دیر تک کھا نہیں سکتا۔ کچھ بھی ہوا، ہوا یہ کہ میں اپنے کام میں اب کچھ دیکھ کر محسوس کرتے تھا کہ جب جناح صاحب نے مجھے اپنے ساتھ کام میں لگایا، اس وقت سے وہ دو امور جو انہوں نے مجھے آمادہ کرنے کے لیے میرے سامنے رکھے تھے، میں نے اپنے پیش نظر رکھے تھے اور میں مستر کے ساتھ یہ سوتا رہتا کہ وہ کب معاشی، سماجی اور تعلیمی لحاظ سے مسلمانوں کی تعمیر کا کام اپنے ہاتھ میں لیں گے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی تجویز عملی جامہ پہن سکے۔ دوسری طرف میں انہیں مسلمانوں میں آدمی دور تک ہی جاتے نہیں دیکھتا تھا بلکہ انہیں میں کوہیا ہوا پانا تھا ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔ اور وہ یہ رہا تھا کہ وہ انہیں کسی دوسری ہی سمت میں لے جا رہے تھے جو اتحاد کی مخالف سمت تھی۔ مجھے یہ بھی پتا لگا کہ معاشیات کے بارے میں وہ مجھ سے بھی کچھ کم ہی جانتے تھے، فرق یہ تھا کہ میں کچھ جانتے کے لیے آمادہ رہتا تھا۔ سماجی اور تعلیمی کاموں سے بھی انہیں کم ہی دلچسپی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک واقعہ ہے جس پر اس کا اندازہ کرنا پڑا۔ فریڈرکسن نے تعلیم ہاتھوں کی ہم چمڑی رکھی تھی اور سارے بمبئی میں ٹائٹ اسکول قائم کر دیے تھے۔ مسلمان عاقوں کے اکل مندر کلمہ سنان کی نگرانی میں جب دیئے گئے تھے جو بڑی ملامیت سیاسی اور سماجی کارکن نہیں لیکن ایسے کاموں میں وہ جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا اور کوئی اختلافی مسئلہ بھی نہ تھا، وہ مسلم لیگ کے بھی تھے۔ چاہتی تھیں۔ اس لیے ایک رات کو ہم نے ان اسکولوں میں جناح صاحب کی بھی کرڈش کرائی، اور وہ فرماتے تھے طبعی ایسی تنگ و تاریک تھیں اسیر مصرعوں اور گردنوں میں چارے ساتھ گھونٹے نہ بہہ جانا کے وجود رکھنے کے

دادا قسٹ تھے لیکن ہم اپنے مشن میں ناکام رہے۔ آخر میں انھوں نے بڑے اخلاق سے شکریہ ادا کیا اور کلثوم سے کہا وہ بہت اچھا کام کر رہی ہیں لیکن مسلم لیگ کو تعلیم بالغاں میں حصہ لینے کے لیے ہدایات جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ اسباب مزید تھے، میٹلٹی پر کانگریس کا قبضہ تھا؛ اور مسلم لیگ باجناں اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ کانگریس کی مدد کریں جو مسلم عوام میں ہر دلعزیزی یا کرڈٹ کا ایک موقع اور ڈھونڈنے، مسلم عوام ستیفین ہو رہے تھے یا نہیں اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔

اب جے ماٹ نظر آنے لگا کہ ہم دونوں کی باتوں میں بنیادی اختلاف کیا تھا۔ ان کی دلچسپی مسلم لیگ کے ساتھ تھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں؛ جے مسلمانوں سے دلچسپی تھی؛ ہندوستانی جمہ کے ایک کچھ بھادو کی حیثیت سے! نہ کہ مسلم لیگ سے۔

اس زمانہ میں یا تو فرن پر یادو بدو فرینک موریس (انڈین ایکسپریس) سے قریب قریب مغربی ملاقات ہوتی اور اس صورت حال پر بحث ہوتی۔ وہ متوازن معروضی ہونے کے ساتھ ساتھ تیز سیاسی ذہن کا مالک تھا اور میرے لیے تو گویا میرے میٹر کا رکھوالا سا بن چکا تھا۔ فرینک کا خیال تھا کہ مجھے جس حد تک بھی ممکن ہو جناح سے قریب رہنا چاہیے اور یہ سلسلہ جاری رہنا اچھا ہے ورنہ ہوا تو جیسا اٹریسٹر وریعہ پڑ سکتا ہے وہ بھی ممکن نہ رہے گا۔ فرینک کو معلوم تھا کہ جناح کے نام سے میں جو بیانات نکالتا رہتا تھا وہ جس قدر مستند تھے، اگر وہ خود کہیں تو کبھی ایسے مستند نہ ہوتے لیکن گینڈ ڈنڈے پر آرہی تھی۔ ایک برطانوی میگزین ڈسٹائم اینڈ ٹائٹلڈ نے مسلم لیگ پر جناح صاحب کے ایک مقالہ مانگا۔ سسٹم بے اذہر تھا۔ مقالہ نکھو ڈالا جس میں میں نے لکھا کہ ہندوستان رنگارنگ مختلف لوگوں کا مجموعہ ہے اور اس لیے اس کے لیے وہ جمہوری اصول جو یکساں انداز رکھنے والے ملک کے لیے بہتر ہیں ضرور نہیں ہوں گے؛ برطانیہ میں ایک نمائندہ حکومت کو تو دہلے کے لوگوں کی مدد کی اکثریت کی حمایت حاصل ہوا کرتی ہے، مگر ہندوستان میں وہی حکومت نمایڈ کہلائی جاسکتی ہے جے ہندو مسلمان دونوں کی حمایت حاصل ہو، یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہندو مت اور اسلام غائب نہیں ہیں نیسا کہ عیسائی (انگریز) ان دونوں کو سمجھتے ہیں بلکہ زندگی گزارنے کے دو مختلف طریقے ہیں دو مختلف سماجی اصول و قوانین کے ساتھ یا دو مختلف تہذیبیں کہلا سکتی ہیں۔ یہ سوچہ میں نے فرینک (موریس) کو بھی سنایا اور ایک آدھ لفظ یا تہذیب اور ادھر دلا بھی، پھر جناح صاحب کے پاس لے گیا۔ جنھوں نے اسے پسند کیا لیکن ایک نقطہ تہذیبی کر دیا میں نے لکھا تھا؛

ایسا آئین تشکیل دیا جائے جو تسلیم کرتا ہو کہ ہندوستان میں دو فریق ہیں۔ دونوں کو مشترک اور وطن کی حکومت میں حصہ دار ہونا چاہیے۔ ایسا آئین تشکیل دینے کے لیے مسلمان حکومت بھارتیہ کانگریس یا کسی کے بھی ساتھ تعاون کے لیے تیار رہا۔ تاکہ موجودہ دشمنیاں ختم ہو سکیں اور ہندوستان دنیا کی بڑی قوموں میں اپنا مقام حاصل کر سکے انہوں نے لفظ فسطحی گھر کے لیے ایک جگہ قومیں نکھو دیا!

یہ جنگ چھڑنے اور کانگریس حکومت کے سستی ہونے کے درمیانی زمانہ کی بات ہے، اس لیے یہ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے آس پاس کا زمانہ ہونا چاہیے۔ یہ پہلی بار میرے سامنے ایسا تھا صاحب جناب صاحب نے مسلمانوں کو قوم کہا تھا۔ لیکن چونکہ مشترک اور وطن کے الفاظ جوں کے توں برقرار رہنے دیتے تھے۔ اس لیے ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ شک نہیں ہوا کہ بالکل ہی غیر آئندہ ہندوستان کے لیے وہ جلد ہی دو قومی نظریہ، ہندو اور مسلم اپیش کوٹنے والے ہیں۔ ہر ایک نے اس نظریہ کے بارے میں سنا ضرور تھا جو ایک صاحب چودھری رحمت علی نے سوچا تھا اور سرانجام نے جس کی پر جوش نکالتی تھی۔ لیکن اس لیے فاضل کے سوا جس کا ابھی ذکر ہوا جناب صاحب نے اس سے پہلے دو قوموں یا دو ریاستوں کا بھی نام نہیں لیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب جناب صاحب کو اتنی دافرائی ادا دل گئی تھی کہ وہ ایک پارٹی کا اخبار نکھو سکتے تھے جو بعد میں ڈان کے نام سے نکلے بھی نکلا۔ مجھے انہوں نے اس کی ایڈیٹنگ کی پیش کش کی۔ جس نے سوچنے کے لیے وقت مانگا لیکن یہ مصافحہ کے ساتھ بتا دیا کہ اگر میں نے اسے قبول بھی کیا تو مجھے اس کا پورا اختیار ملنا چاہیے۔ انہوں نے کہا اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔ میرا خیال تھا یہ اخبار مسلم لیگ کی روز بروز بڑھتی ہوئی انتہا پسندی پر ایک بیک ٹھٹھ کے نام آسکے ۱۰ لیگ اب پہلے مسلمانوں کی تعمیر کے، انٹی کانگریس اور انٹی ہندو تعلیم، نفی جبری حق میں سچے رہا تھا کہ ایک آزادانہ آزادی کے لیے پھر شاید اس کی جگہ پر قابض رہے گئے۔ اس بات کو میں نے ایک آزاد ذہن رکھنے والے مسلمان پیرسٹر سلطان سیٹھ کے سامنے بھی چھڑا دیا اور یہ بھی پوچھا کہ اس کو کش میں کیا وہ میرے سامنے متاہنہ کریں گے۔ انہوں نے یہ چشم کش قبول کر لی۔ لیکن چونکہ کافی پریشاں تھا اور اس کا شورہ تھا کہ میں ملک بھوں۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار اخبار جاری ہو سچے جانے کے بعد میرے لیے یہ مسئلہ جو اگر آخری فرقہ وارانہ نقطہ سے چھلکے کسی جگہ تک سکوں یا قابض اسکو۔ لیکن اس میں شہر تھا مجھے اختیار ملے گا۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ اخبار پارٹی کا تھا اور پارٹی کی اسپیشل کوڈ کو بھی چونکہ میرا ہی تھا اور کانگریس خود غرض کے بعد میں نے اسے آخر اخبار کر دیا۔

لیگل نے ہندوستانی نکالتی تھی کہ کانگریس کی۔

نمبر ۳۳۹ میں جنگ چھڑ گئی اور کانگریس اور واسٹلے میں کچھ کام گنگوؤں کے بعد کانگریس نے اپنی
 صوبائی حکومتوں کو مستقلی چھوڑنے کی ہدایات جاری کر دیں۔ نومبر کے آخر تک مستحق ہو گیا۔ کسی نے کہا ہے
 کہ موقع میں انشا ہی اچھ بہ جتنا مقصد، جنگ مابین موقع سے فائدہ اٹھانے کی اپنی اہلیت کا مظاہرہ کیا کانگریس
 کے فیصلہ کو ایک کے فائدے کے لیے استعمال کرنے کے واسطے انہوں نے ایک کو ہدایات جاری کر دی کہ تمام ہندوستان
 میں ملے۔ یوم نجات و شکرانہ کے طور سے منایا جائے اور شبہ اقدیم مجھ سے اس کے لیے مبنی فیستور کر کرنے
 کے واسطے کہا، لیکن اب میرے رویہ کا اعازہ ہو چکا تھا اس لیے مجھے یہ تلسے کی ضرورت بھی سمجھی کہ اس میں کیا کیا
 ہونا چاہیے! یہ ایسا کام تھا جس نے مجھے غلبان میں مبتلا کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ تو ثابت بالکل مدد سے
 نکلی جا رہی ہے۔ یہ بچہ معلوم تھا کہ ایک کی ایک کہیں لے کانگریس کی صوبائی حکومتوں کے نام نہاد مظالم کے بارے
 میں ایک پر پور پر پور تیار کرائی ہے جس میں شروع سے آخر تک ہندو مسلم فادات بھرے ہوئے تھے صوبائی
 کانگریس خفیہ کہ افسران ضلع تک اس میں ملوث تھے، یہ صحیح ہے، لیکن یہ بات کہ کانگریس حکومتیں بھی ان فادات
 میں شریک تھیں محض افرا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان حکومتوں نے اپنے دو ٹوروں کے خلاف سخت
 ایکشن ابد نہیں لیا اور جس حد تک ان کے بس میں تھا ان دامان کی بحال کے لیے، انہوں نے وہ بھی نہیں کیا۔

لیکن اس زمانے تک میں کانگریس کو کافی قریب سے دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک مشترک سیاسی عقیدہ ملے
 انڈیا پر مشتمل ایک سیاسی پارٹی کے بجائے آزادی خواہ تحریک تھی جس میں وہ سب جبر برطانوی حکومت سے نفرت
 و جدومات کی بنا پر آزادی چاہتے تھے، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے اور چونکہ ہندوستان ابھی تک ہند
 وسطی کا ایک تھا اس لیے تھوڑا سا کانگریس کے زیادہ تر لوگوں میں ازمنہ وسطی کی ذہنیت کار فرما تھی۔ فادات پات
 اور ضوابطیت کا اچھا خاصا دور دورہ تھا، اور مسلمان ان کے جمود فکر کا مضبوط شایانہ میں پورے سے
 نظر آتے تھے، بڑی اکثریت، خصوصاً انچاس پر، بلاشبہ ہندو نشاۃ ثانیہ کے خوب و بکھتی تھے لیکن واقعہ یوں
 ہے کہ یہ لوگ ہندو زیادہ تھے بہ نسبت انہی مسلمان کے مسلمان تو خواہ خواہ ہی میں پکڑ میں آجاتے تھے۔
 سادہ یوں نہیں ہے کہ کانگریس نے مسلمانوں کے خلاف کچھ کیا ہو، واقعہ یوں تھا کہ اسے مسلمانوں کے سلسلہ میں کچھ
 نہ کچھ کرنا چاہیے تھا اور وہ اس نے نہیں کیا تھا۔ کانگریس کا اوپر کا حلقہ جن میں میں پیش رفتی طور پر جاتا تھا،
 گاندھی جی، جواہر لال جی، مسٹر نائیڈو اور دوسرے کی انچلی سلم اقامت کے الی ہی نہ تھے۔

کانگریس نے جب استعفا دیا تو کہ دوڑ میں لوگ جو کانگریس کے خلاف تھے اور اس کی محبت پختہ نہ تھی

تھے۔ حیران و مضطرب رہ گئے اور جب علم لیکھنے اس اقدام پر خوشیاں منائیں اور اس نے چڑھاؤں کی قواں نے ملتی ایک پرتیل چمکے گا کام کیا۔

یہ سب خیالات تھے جن کے تحت، جناح صاحب کے کہنے کے مطابق مینی فیسٹو تیار کرنے سے صریح انکار کا ارادہ، میرا سب سے پہلا رد عمل تھا۔ لیکن میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ مجروح اکثریت کہیں ایسے نقطہ پر نہ پہنچ جاتی جائے جہاں مضبوطی کی طاب میں ٹوٹ جائیں، اس لیے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آخر والی خطرناک صورت حال میرے ہاتھوں کم خطرناک ہی بنا دی جاسکے۔ یہ میں جانتا تھا کہ جناح صاحب جو مظاہرے کرنا چاہتے ہیں ان کی لے کو دھماکے والے ان کے حواریوں میں کوئی نہیں؛ اور اسے دھماکا کرنا کس قدر ضروری تھا؛ اور نہ جیسا کہ پہلے کی بار ہو چکا تھا اکثریت اس کا انتقام ضرور لیتی۔ یہ بھی کوئی نہیں کہ سسکا تھا کہ خود اعلیٰ فرقہ ظاہر تختہ بازی کے نشہ میں سرشار نہ معلوم کیا کچھ کر گزرے۔ ہندو مسلمان فسادات میں مسلمان ہمیشہ دغا پیلوں پر سہم ہوں یا بے بسی لاچار شکاری بننے سے ہوں، بات ایسی بھی نہیں تھی۔

اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مینی فیسٹو میں ہی انھوں کا "اور میرے ذہن میں جو مقصد تھا وہ اس سے پیدا ہوا، مواد کا ہی دیا تو اسے جناح صاحب کے پاس لے جاؤں گا ورنہ ان سے معذرت چاہوں گا کہ یہ کام کسی اور سے کرالیں۔ پھر فرینک (مورس) کے ساتھ لفظ لفظ پر بحث ہوتی رہی کہ یہ لکھا جائے یا یہ فرینک بوم تھا میں جو خوفناک مضمرات تھے ان کا اندازہ تھا اور وہ بھی انہیں کم سے کم نقصان دہاں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کا خاص لحاظ رکھا کہ بیچ بیچ میں ایسے جملے بڑھاتا جاؤں جیسے:

"ہڑتال، جلوس یا اس قسم کے مظاہروں کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ موت خاکسارانہ انداز پر اپنا رد عمل ظاہر کر دینا کافی ہے۔" اور "خصوصی طور سے میری دلیل یہ ہے کہ دعا کی بجائے کہ ایسی کچھ نماندہ وڈا سگما نہیں جو تمام فرقوں اور تمام مذاہبات کے ساتھ انصاف کر سکیں۔"

ابنیں شک تھا کہ جناح صاحب اپنے بارعائد انداز میں ایسے کہ اس وقت وہ تھے، ہمارے پیش کردہ مسودہ کو مان لیں گے لیکن اگر انھوں نے مان لیا تو ہماری ترکیب کامیاب ہو جائے گی، کوشش کرنے میں کیا ہلا تھا، فرینک نے ضد کی کہ جاؤ اور دکھاؤ۔ میں مسودہ لے گیا تو جناح صاحب شغول تھے بس لے کر نکلا جاؤ۔ میں چمڑ کے چلا آیا۔ دو سیکڑ دن میں لے لے اخباروں میں دیکھا۔

چھپتے نہ بات بھی عرض کر دوں کہ یوم بھلت: بغیر کسی جھوٹے کے گزر گیا۔ کسی نے کسی کے ایک ہاتھ تک رسید نہیں کیا، ایک کٹکری تک نہیں پھینکی۔ یہ تو بہت بڑا بول ہے کہ یہ سب کچھ مینا فیسٹو کے الفاظ کا نتیجہ تھا لیکن میں پسند کروں گا کہ کہے کم اتنا ہی کہوں ہی کہ صودت مال کو اس طور پر پیدا کر سنے میں اس نے مدد فرماد کی۔ اگلے بار جب جناح صاحب نے "یوم" منوایا تو وہ ایسے خوش نصیب نہیں رہے تھے، ۱۹۶۶ء میں مسلم لیگ نے "ماست اقامہ کا یوم" منایا، اور قیصر میں لکھ کر مٹاؤ فناک فساد، برپا ہوا۔ غیر۔



اس کے وسط میں جناح صاحب لاہور جا رہے تھے۔ جانے سے ایک دن پہلے میری ملاقات ہوئی۔ اور
کسی ایک منظر ————— یا کسی قریب سے انھوں نے ذرا سا اشارہ بھی نہیں دیا کہ مارچ کے اس ایک سیشن
میں لاہور میں پاکستان ریزولوشن پیش کیا جانے والا ہے۔ مگر چند ہی دن بعد، بہت رات کے، فرینک جردیس نے
مجھے فون کیا۔ ”تم نے مجھے پاکستان ریزولوشن کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا؟ اس نے پوچھا۔ ”ریزولوشن؟“ میں نے
حیران ہو کر پوچھا۔ اس نے پورا پڑھ کے سنایا۔ میں دنگ رہ گیا۔ لیکن اپنا راستہ مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔
میں ایک میں اس لیے آیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے اتحاد کے لیے کام کر سکوں۔ لیکن اگر لگے کہ ذریعہ اتحاد ممکن نہ رہا تو
میری اس کے اندر کوئی جگہ نہ تھی، فرینک بے میرے نصب العین اور ہدف الگ ہی طرح معلوم تھے، پوچھنے لگا۔
”اب کیا ارادہ ہے؟“ ظاہر ہے، ”استغنیٰ“؛ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ میں نے فوراً جواب دیا۔ لیکن فرینک میں
چھپا ہوا صہانی فوراً بولا۔

تمہارا استغنیٰ دینا تو ٹھیک ہے، لیکن اس کے لیے ایک بیان جاری کرو جس میں اپنے استغنیٰ ہونے کے
وجہ بتاؤ، ہم اسے اس طرح مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔

میں میں فلا جلدی اٹھ گیا اور کچھ کے لیے بیٹھ گیا۔ جب اپنے نیکھے سے پوری طرح مطمئن ہو چکا تو اسے
فرینک کے پاس لے گیا، اس نے کئی بار پڑھا اور پوچھے کہا اس میں تمہارے نظریات اور خیالات پوری طرح آگے
لے آئے۔ اگلے دن یہ بیان ”انٹرفٹ انڈیا“ میں آگیا اور اس کے دوسرے دن باقی تمام اخباروں میں بھی۔ اچھی سی
مستحکم ہوئی اس بیان کی۔ کئی ایک اخباروں نے اداسیے بھی لکھے۔ اور اخبارات نے بھی کئی تنقیدیں کی کہ
یہ غریب بھی پاکستان ریزولوشن پر محض جو بچے رکھ گئے اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا رویہ اختیار کریں۔ میرا بیان
اچھا خاصا غلط تھا لیکن اس کے زیادہ غصہ دینے والے تو نقل کر ہی دیا:

”مسلم سیاست کا سارا نصب العین فرقہ طلبانہ امن کا حصول رہنا چاہیے اس منزل کی طرف تھوڑا سا احتیاط

کی سیاست ہے۔ تفتیکِ حق یہ ہیں کہ پہلے ہی تسلیم کر لیا گیا کہ فرقہ وارانہ اتحاد ناممکن چیز ہے اور اسی لیے یہ بدترین سیاست کی صورت ہے۔۔۔ مسلم لیگ کی ضرورت میں دو وجوہ سے سمجھا تھا کہ ایک تو وہ یکجائی کا باعث ہوگی؛ اور دوسرے اس یکجائی سے فرقہ وارانہ امن کے آواز منتقلی کے کا۔ ان دونوں وجوہ پر اب بھی میرا ایمان ہے اور اگر اس وقت میں مسلمان غولم سے ناپا توڑ باہوں تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ایک وجہ دوسری وجہ کی مخالفت کے لیے استعمال کی جا رہی ہے۔ میں ملت کی یکجائی میں جو مستقل مبدائی یا علیحدگی کے مقصد کی خاطر ہو، عقیدہ نہیں رکھتا۔ مسئلہ کی نوعیت اب ہم مسلمانوں کے سامنے بالکل واضح ہے، کیا ہم ہندو مسلم اتحاد میں عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں؛ اگر ہم ملت ناممکن سمجھتے ہیں تو ہماری جنگ لیگ میں ہے اور اگر ہم اسے ممکن سمجھتے ہیں تو لیگ کے باہر!

کیا میں نے استعفیٰ دینے میں کچھ ملد بازی کی؟ یہ سوال میں نے اپنے آپ سے کئی بار پوچھا ہے۔ ایک انگریز "ہینڈل مین" نے جو پنجاب کے مسلمان لیڈروں سے کافی قریب اور ان کا معتد تھا اپنی کتاب "ڈوائڈ اینڈ ٹریوٹ" میں لکھا ہے:

"جنی طور سے جناح نے لاہور میں ایک دو لوگوں سے کہا کہ یہ ریڈیو لوشن محض ایک شائلانہ چال ہے اور یہ امر کہ وہ چوبیس برس بعد تقسیمِ کچھ کم پر بھی لاطنی نظر آتا تھا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں وہ حقیقتہً اس مسئلہ پر آخری فیصلہ کن موڑ پر نہیں پہنچے تھے۔ اس لیے ایک حد تک یہ ایک شائلانہ چال بھی ہو سکتی تھی جس کا مقصد کانگریس سے ایسی رعایتیں حاصل کرنا ہو جو پارٹیز شپ کو گوارہ بنا دیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ریڈیو لوشن کے نتائج پر مجبورہ آزاد ریاستوں کی ہیئت ترکیبی پڑ انسان کے باہمی روابط کے بارے میں اس مرحلہ پر پوری طرح غور و خوض قطعی نہیں کیا گیا تھا۔ ان میں بعض امور بعد میں صاف ہوئے لیکن جناح صاحب پاکستان کے واقعی مددِ خال کی وضاحت دینے کے سلسلے میں بہت زیادہ مشتاق نہیں رہتے تھے جنہی کہ ہم تک بھی اس بارے میں کچھ شکوک رہے کہ بالآخر جناح صاحب اپنے تصورات کو عملی جامہ میں کس انداز پر دیکھنا پسند کریں گے؟

میں کا اس نتیجہ پر پہنچا کہ قوی امکان ہے کہ ریڈیو لوشن محض سودا بازی کے نقطہ نظر سے منظور کیا گیا ہو اس میں ان بیانات سے غامض ثابت ہے جو لاہور سے واپسی پر بیجی دوستوں نے میرے سامنے رکھے۔ تم بھی جب غلط انداز ہو جو ریڈیو لوشن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی جگہ ہے۔ ان لوگوں نے مجھ سے کہا: تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ہندو قومیہ ہیں اور دنیا صرف بھی زبان سمجھتا ہے؟ اور خود جناح صاحب! ان کے مقصد کی غیر یکجہادی اور ملا

کی پہنچ دیفوں کے اسے میں بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے لیکن ۴۶ کی جوشی کے پہلے ہفتہ تک کی مصلحہ حال یہ تھی کہ وہ ایک غیر متحرک مرکز (ایزن سینٹر) تبدیل کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے۔ آخری فیصلہ تو جولائی ۴۷ء میں کچھ روز پہلے ہفتہ میں انھوں نے کیا کہ پاکستان سے کم اب کچھ بھی نہیں اور اس کے سبب تھے جن پر کچھ گفتگو ہوگی۔

حقیقت جو کچھ بھی رہی ہو میں مستحق ہونے کے اپنے فیصلے پر کبھی نادم نہیں ہوا ہوں۔ استغفریہ دینے کے بعد عرصے بعد میں اور تارا جناح صاحبہ اور مس فاطمہ بلند سے ملے گئے۔ تارک کے ساتھ اللہ کے اخلاق اور رویہ میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ لیکن میری طرف انتہائی سرد مہر ہے۔ مجھے اس کا انھوں نے کہ میرا ان کا ربط و تعلق اس طور پر ختم ہوا۔ ان کی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ کوئی کسی بھی لحاظ سے ان کا شینہ یا گردیدہ ہو سکتا لیکن جب مجھے اور آج تک مجھے میں ان کی دیانت و خلوص کو پیش گہری عزت احترام کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں اگر یاد ہوتا تو اتنا طویل عرصہ میں نے محض مہافت میں ان کے ساتھ نہیں گزارا ہوتا۔

مستحق ہونے کے بعد میں اب بارہ میں بہت کچھ سوچا سلم کہ جناح صاحبہ میرا آئندہ مذہبی اور سیاسی حریت نکر کے ایک طویل ریکارڈ کا ملک شیعہ مذہب و ریاست میں فرق پرستوں کا امام بن گیا۔ اس غلابی تضاد کو سلجھانے کے لیے میں ان اور کوشش نظر رکھا ہوا کہ جنھوں نے ان کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کا کام انجام دیا تھا۔ ان کی شخصیت جو ان کے بنیادی کلار، ان کے رجحانات، ان کی تعلیم و تربیت، ان کے تجربات اور تجربات کے رد عمل اور اس قسم کے محال کا مجموعہ تھی۔

معمولی سے گھر میں پیدا ہوئے لیکن اپنی صفت، قابلیت اور صلاحیت سے بہت ہی قافیہ پریشاں مسلم ممتاز ترین نام پیدا کیا۔ پیشہ کی ناموری سے وافر آمدنی اور وافر آمدنی سے ایک اعلیٰ معیار رہن گاہ اور معیار زندگی ان کے بیان ایسی ہی سہولت سے آتی ملی گئی جیسا کہ لوگ پیدا شعی ہی سہے ہوں بلندی پر پہنچنے کیلئے کم نصیب ساتھیوں سے انھوں نے بات بھی کرنا بند کر دی۔ بہترین سے کم اب انھیں گواہی نہ ملتا تھا۔ بہترین دوست بہترین کچھ، بہترین ہوئی، بہترین کلب (بیس اس زمانہ میں ان سے قریب تھا صاحب وہ بالابار ملی پر اپنا نیا شاندار محل بنوا رہے تھے اور اسی لیے مستند گواہ ہوں کہ کس طرح وہ ذاتی عملی کر کے اپنے آدھار کے اور کٹر پیکر ہوں کو دوا دوا سی بات پر توجہ دے کر، اور ہر وہ چیز جو بہترین نہ ہو اسے رد کر کے، کیا نہج اور ماحول کو دیکھتے تھے۔ وہ بالآخر سیاسی اور سماجی دونوں لحاظ سے سٹون (Snob) ہوتے گئے۔ سماجی اعتبار سے وہ علیحدگی پسند ہو گئے، معروف ان لوگوں سے، اور وہ بھی کلب اور دوا رنگ موم میں ملنا پسند کرتے تھے جو ان کے اپنے ہم درجہ

اسلام خلقی جوں اور سیاسی لحاظ سے واکٹریوں والے آدمی کیٹی مین) جس کے جو صرف اپنی ذہنی سطح کے لوگوں کے اور پچھلے اختلاف رائے رکھنے والوں سے کانفرنسی میں ملنا پسند کرتے تھے۔ لڑائی لیڈر کی ذہن میں خدمت کے شاید کم لوگ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو کی اتنی بڑی ضد ہوں ان دونوں نے اپنی ساری خصوصیات کے باوجود تقریروں کے بل پر اتنے معتقد اندر یہ قیامت حاصل کی تھی، جب کہ جناح صاحب کا انداز یہ تھا کہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں جہاں مسلمانوں کے عوامی لیڈر انہیں کھینچتے پھر رہے ہیں کہ کسی طرح کچھ کے باہر لائیں۔ اور دوسرے ناواقفیت کے سبب وہ ہلکے میں لوٹنے سے کتر لے جی تھے۔ سبکی لحاظ سے عام آدمی کے لیے ان کے پاس وقت بھی نہیں تھا اور سیاسی لحاظ سے عام سیاسی ورکر یا جموں سیاستدانوں کے لیے ان کے پاس ملحق وقت نہیں تھا اور پھر بھی یہ سب ان کے مرید تھے۔



مذہب کا جہاں تک تعلق ہے پاکستان میں کوئی کچھ بھی کہا کرے، لیکن وہ بنیادی طور سے سیکولر اور ناخیزہ دلائل تک تھے۔ ان کے انتہائی معتقد سوانح نگار کو بھی اس کی تلاش میں خاصی مشکل پڑے گی کہ ان کی غریب و تقریر سے مذہب کی تبلیغ یا تشویق کے سلسلہ میں ایک آدمہ جلد بھی بنایا کر سکے۔ مجھے ان کی کسی تحریر و تقریر میں ایسی کوئی چیز یاد نہیں آتی جس میں انھوں نے اسلام کی خوبیاں بیان کی ہوں اور وہ بھی مسجید میں گئے ہوں کہ سے کم میری یاد میں ایسا کبھی نہیں ہوا، ہر قسم سیاسی مزدورت کے وقت ہوا ہوگا۔ اگر مولاناؤں سے انھوں نے کبھی کچھ تعلق رکھا ہو کہ سے کم مجھے ایسا یاد نہیں آتا، تو یہ ضمنی دونوں کے سلسلے سے جہاں ہوگا۔ اگر وہ مجھے پسند کرتے تھے، تو اس کا بھی مطلب تھا کہ میں ان کی مانند ماضی میں مذہب اور ناخیزہ تھا!

لیک سے زیادہ بار وہ مشترک انتخاب کو قبول کرنے کے حق میں رہے۔ لیکن قدامت پسند مسلمانوں میں سے قابل قبول بنانے کے لیے وہ فحشوں کا ریزر وٹن مانگتے تھے۔ کبھی اس کا کھلا اعلان تو نہیں کیا، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ رعایت مکمل کئے انتخابات کی جانب منزل کی طاقت کوچ کا پڑاؤ تھی۔ مگر ہوا یہ کہ ایک آدمہ نشست (دھر ایک آدمہ) اس جبر طلبہ پر بھی ان کی سرزنش کی جاتی رہی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ انھوں نے مسکایا کہ انہیں ذلیل کیا جا رہا ہے، اور رفتہ رفتہ اس کا یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے انصاف نہیں مل سکے گا۔

قوم پر دردوں کی زبانوں سے جہاں ان کی اسی جگہ تھی، یہ سرزنش — بعد وہ جن کے

ساتھ کوئی قدر مشترک نہ تھی : مسلمان اعتدال پسندوں اور رحمت پرستی کی طرف سے خود ان کی طرف
 جھکاؤ رکھنا ان کا رویہ : اور خوفناک مدح و تکبر آزاد : انگریزوں کے ساتھ چلے گا کی کوئی سہولت ہی نہ تھی
 نتیجہ میں وہ خود اپنے اوپر آپڑے۔ اس طرح وہ مشہور "انا" نیکیں پذیر ہوئی جس سے ان کے اکثر
 اقدامات وابستہ کیے جاتے ہیں۔

بعد ازاں انتخابات کی بدترین خرابی یہ تھی کہ انھوں نے سیاسی ہندو اور سیاسی مسلمان پیدا کر دیے جو
 نرہی ہندو اور مذہبی مسلمان کے ہم معنی قطعی نہیں تھے۔ ان کی بدولت سیاست دو خانوں میں بٹ گئی۔ پارلیمانی
 سیاست، جس میں منڈل کال ہر وہی آر داس، پنڈت مکھن موہن مالویہ اور جناح صاحب وغیرہ شامل تھے
 اور پارٹی پارٹیکس جس میں مثلاً جواہر لال نہرو، سر دار و لہو بھائی، ٹیل، مولانا آزاد وغیرہ کانگریس پارٹی کے محکم
 نہ ملتے۔ کانگریس ہمیشہ پارٹی کے تمام فرقوں کے لیے کھلی رہی، لیکن کسی قانون ساز مجلس کے لیے ان کی مجلس
 مسلمان یا بطور ہندو ہی کے ممکن تھا۔ بے حد فریقہ پرست مسلمان کو بھی کوئی ہندو ووٹ نہیں کر سکتا، اور
 موتی لال جی میس انتہائی سیکولر ہندو بھی بلا کسی یک مسلم ووٹ کے منتخب ہوا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گورنر کی مسلمان
 تک حاصل مسلم طبقہ کے انتخاب کے خوف ہوتے تھے اور اس کے بموجب انتخابی مہم چلاتے تھے۔ یہی کانگریس ہندو
 کی صورت حال تھی۔

جناح صاحب خاصہ پارلیمانی سیاست میں دلچسپی رکھتے تھے اور مسلم لیگ بھی ان کے ذہن میں مس پارلیمانی
 انداز کے حصول کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر تھی اور بس وہ مسلم لیگ کے خالق اور پاکستان کے بانی کہے جاسکتے ہیں۔
 لیکن ان کی لاادیت اپنی جگہ پر تھی۔ ان کی اہمیت اور نمکری سا پوز خالص Symbol اور سیاسی تھی۔
 اور وہ ان لوگوں پر سختی سے حملہ کرتے تھے جو مذہب میں سیاست کو آمیز کر لیتے تھے۔ قیام وہ مسلمانوں کو سیاست
 میں لائے لیکن اسلام کو نہیں۔ دوسری طرف گاندھی جی ہندومت کو سیاست میں لاتے رہے : ہر جگہ سک
 پر ان کا "نرن برت" اسی سلسلہ کی ایک اہم ٹوٹی ہے۔

جناح صاحب اول و آخر ایک سیاسی مسلمان تھے وہ اپنے آپ کو مسلمان فرقہ کا سیاسی لیڈر کہتے تھے۔ یہ
 غیر منظم ہندستان ان کے ذہن میں تھا اور ہر مسلمان قوم کا سیاسی لیڈر یہ وہ پاکستان کے بانی تھے۔
 اسلام ان کے فکری دائرہ میں کسی جگہ کہی آتا تھا اور اگر کوئی پوچھا کہ جس مشکل قیدہ نسل اعتبار سے مسلمان
 لوگوں کو ایک قوم کیے جاسکتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ امریکہ نے ثابت کر دیا ہے کہ اہمیت اس میں نہیں ہے۔

ہفت ہے اگر مسلمان ایسا سوچتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہیں تو وہ ایک قوم ہاں اور یہی اس کے لیے کافی ہے۔

وہ اتنا ہندو مت یا ہندوؤں کے خلاف نہ سمجھتا کہ انگریزوں کے، جسے وہ مسلم لیگ کی سیاسی سرپرست سمجھتے تھے۔ ہندو مسلم فراموشی سے اپنا مٹا کر اٹھایا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ انگریزوں کی حکومتیں مسلمانوں کی مخالفت کی اہل نہیں، اور مسلمانوں کو خود وہ کہہ کے لیگ کی طرف روٹنے کے لیے ہندو راج کا ہوتا بھی کھڑا کرتے رہے لیکن ان سے بڑے تعداد میں تہہ بات پرست میں بے مشکل ہی سے کوئی بات یاد آتی ہے جب انہوں نے ہندوؤں یا ہندو مذہب پر کوئی حملہ کیا ہو۔ ان کی مخالفت جو بعد میں نفرت میں بدل گئی، کانگریس قیادت کی جانب مرکوز تھی، اور اگر وہ گاندھی جی اور جواہر لال جی سے ملکر لینا چاہتے تھے تو اس میں دو قوتوں کے ہندوؤں سے زیادہ کانگریسیت کو دخل تھا۔ ان کے کہنے ہی ہندو دوست تھے۔

اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس زمانے میں کانگریس میں بعض انوسنک خصوصیات در آئی تھیں۔ اس سے اکثر غیر کانگریسی ہندو اور مسلمان غالباً متفق ہوں گے کہ کانگریس کے ممبروں میں کچھ شہرہ فروع آگئی تھی جو انوسنک تھی۔ مانتویہ ہے کہ ہم تم سے زیادہ سختی نیک لوگ ہیں، دھاکا گاندھیائی گروپ، اتنا زیادہ کچھ کہہ دینے والا تھا۔ جتنا ہم تم سے زیادہ بڑے محب وطن ہیں، دھاکا گروپ جو جواہر لال جی، دلجو بھائی پٹیل اور بھاشا چند برہوس دیو کے گرد جمع ہو چکا تھا۔

اور یہ کم از کم بات نہیں ہے کہ ایک بار اپنی نفرت انگریز کانگریس کو کوئی غلامی پالنے کے بعد جلع صاحب نے اپنے بنیادی سیکولرزم کو پھر سے دیا۔ تقسیم کی انتہائی ہولناک فزق پرستی بھی بظاہر ان کے بنیادی سیکولرزم کو نہ دبا سکی۔ یہ سچ ہے، جس کا تفصیل کے لیے ان کے محرکات طے پاتے تھے، لیکن اس سے زیادہ کوئی چیز مومن کے سیکولرزم کے طور سے پیش کی جا سکتی ہے جو انہوں نے پاکستان آئین ساز اسمبلی کو ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے خطاب میں کہا جب انہوں نے اعلان کیا کہ:

”تم میں سے ہر ایک کو وہ کسی بھی فرقے، تعلق رکھتا ہو، کسی بھی رنگ، ذات یا عقیدہ کا ہوا تو اہل، اثنا یا اہل آخر، اس ریاست کا شہری ہے۔ برابر کے حقوق، برابر کے امتیازات اور برابر کی ذمہ داریوں کے ساتھ!.....“

تم کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے متعلق ہو، ریاست کے معاملہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اس بنیادی اصول سے ابتدا کر سکتے ہیں۔ اسے ہم اپنے نصب العین کی حیثیت سے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر جو جنوں زمانہ گزرتا جاوے گا ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی معنی میں نہیں کہ مذہب تو ہر فرقہ ذاتی مسئلہ

بلکہ سیاسی مہنی میں، قوم کے شہری کی کیفیت ہے۔

ان کا سخت ترین تقابلی بھی تو ملنے کا کہ کسی اسلامی سیاست کی انتہائی تہذیبی ہونے سے رہی! ذہنی عیب فضاؤں میں پرواز کرنے بھگتے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات کیا جوئے اگر کشمیر بیچ میں ایک دیوار بن کر نہ ابھرا ہوتا۔ کچھ بھی ہو بعد میں صورت حال میں طرح خراب ہوئی اور حتیٰ کہ باقاعدہ جنگ تک نوبت پہنچی اس کی ذمہ داری ان کے سر نہیں ڈالی جاسکتی۔ خلیج کچھ بھی رہا ہو۔ مذہبی ہمنوں ہرگز نہیں تھا!

لیکن آخر ہجران میں اتنا مزور ہو گیا تھا کہ وہ بے حد محنت دل اور ہونٹے تھے۔ مسلم اکثریت کے محبوبوں میں، پاکستان میں، ہندوؤں کے ٹھہرے رہنے کے وہ ممکن ہے دل سے خواہشمند رہے ہوں لیکن ان کے اندر کے سیاستدان نے یہ خیال کا نظریہ مہنی ان کے سبب نہیں چلایا! ان کے اپنے، اور کچھ گئے چنے، انتہا پسند بیگیوں کے سوا مجموعی طور سے مسلمانوں نے پاکستان کو سوسے بازی کے لک نقطہ آغاز سے بڑھ کر کچھ نہیں سوجھا تھا۔ اگر عیب انھوں نے دیکھا کہ وہ تو پیچھے لے لے گا تو ہندو اکثریت کے عداوتوں میں رہنے والے مسلمان حیران و پریشان رہ گئے۔ ان مسلمانوں کی ڈھارس کے لیے اور انہیں سیاسی حمایت دینا کرنے کے لیے ہی جناح صاحب نے انہیں یہ یقین دہانی کی تھی کہ پاکستان میں ایک مطمئن ہندو اقلیت کا وجود ہندوستان میں باقی ماندہ مسلمانوں کے ساتھ اچھے سلوک کی خود بخود ضمانت بن جائے گا۔

ان کے اس استدلال میں ایک Cynicism سماج پر یونہی تنقید کے برعکس ہے۔ جناح جن کا نام تھا وہ ایسا کوئی گندہ زن شخص نہیں تھا کہ اسے اپنے ان عقیدت گناروں کے ذہنی نسخ کا اندازہ نہ ہو جس میں اس نے خود ہندوؤں سے کٹ کے ایک الگ سیاست بنانے کے راستے پر ڈالا تھا۔ یہ ذہنی نسخ کہ وہ اپنے درمیان ہندوؤں کو کس حد تک گوارا کر سکیں گے اور اگر کامیاب اور ہندوان کے پروپیگنڈہ کیے جسے پیادہ کا دھواں یسواں حصہ بھی انہی مسلم تھے تو اپنے ملک کو منقسم دیکھنے کے بعد اس میں کسی قسم کی کمی کتنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ نتیجہ یہ کہ ہندو اقلیت پاکستان سے نکال جا رہی ہے یا انہیں مسلمان بنایا جا رہا ہے۔ اور ہندوستان میں کتنے ہی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے چلے آ رہے ہیں اور جنے پتا چلتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کتنے ہندو اور مسلمان اب تک اس پُرخون نظریہ کی جھینٹ بھر چکے ہیں۔

لیکن یہی Cynicism میرے اس خیال کو کمزور کرنے کے بجائے مزید قوی کر دیتا ہے کہ جناح کا

لاہینے تھے اور زندگی کے آخر تک لاویے رہے۔ جہاں انتخابات سیاسی اسباب کی بنا پر روٹنا س کیے گئے۔ جتنے صاحب انہیں کے نائیدہ اور ایک سیاسی مسلمان تھے مسلمان فرقہ، ان کے لیے طعنے انتخاب کی جگہ ماحول کرتا تھا، اور مسلمان قوم ان کے سیاسی ادا کنندہ جنگ جو انہوں نے لڑی سیاسی مٹی، مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان! اور پاکستان انکی سیاسی جنگ مٹی، ایک الگ طاقت کے لیے جس پر وہ اور مسلم لیگ حکومت کر سکیں۔ اس سب میں مذہب معنی امر اتفاقی تھا!

۳۹ سے پہلے پاکستان میں ان کے فکری سلسلہ کی کڑی نہیں بنا۔ میل خیال ہے ۳۴ کے اس پس قطعی طور پر کے ساتھ منظر نے یہ بات کہی تھی کہ ہندو اور مسلمان ایک ہندوستانی رسم کے دو بادو ہیں۔ جب کانگریس نے ۳۶ میں صوبائی وزارتیں بنائیں اس وقت انہیں قریح تھی کہ کانگریس لیگ مملو وزارتیں بنیں گی، اور یہی انکا ہندو مسلم اتحاد کا تصور تھا مگر کانگریس نے رویہ ہی دو سرا بنایا اس وقت کانگریس ان سیاسی نظریات پر غالب ہو رہی تھی جن پر کل طور پر اطلاق ہو سکتا تھا۔ مثلاً اکثریتی پارٹی کی حکومت کا نظریہ اور اس سلسلہ میں یہ خیال نہیں رہا کہ ہندوستانی حالات کے پس منظر میں عددی اکثریت کا مطلب فرقہ وارانہ اکثریت ہوگا۔ کانگریس نے صوبوں میں حکومت بنائی تو فاصلوں کانگریس پارٹی کی۔ اس رویہ نے بالآخر انہیں پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ مملو وزارتیں ہی سب کچھ تو نہیں، اور معنی آغا ز کا معنی نہ کہ انجام یا مقصد۔ لیکن یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ اکثریتی حکومت کی قسم نظریات کو چھڑکے مسلمانوں کی حمایت کے حصول کا یہ ذریعہ بڑی حقیر سی قیمت تھی جو ادا کر دینی چاہیے تھی۔ یہ سچ ہے کہ ۴۴ کی عارضی حکومت جو مملو حکومت تھی، قطعی انجام ہوگی۔ لیکن یہ وہ وقت تھا جب پاکستان مسلم لیگ کا مذہب بن چکا تھا۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس وقت اس میں کامیابی نہیں ہوتی جب مسلم لیگ غیر متقسم ہندوستان ہی میں یقین رکھتی تھی۔



ایک ایسے مسلمان ہندوستانی کی حیثیت سے من کے تین بھائی پاکستان میں ہوں، جو خود جلع صاب کے ساتھ ریل کے کام کر چکا ہو اور جو حکومت ہند کی اعلیٰ ملازمت پا چکا ہو، مجھے توقع کی جا سکتی ہے کہ پاکستان کے قیام کے بارے میں کچھ کہہ سکوں گا۔ بہت سے یہ کہانی سنا چکے ہیں، بہت سے سنا ئیں گے، میرے ذاتی تاثرات بھی سنیں:

کچھ دن ہوئے میں نے یوزارڈ موسیٰ کی اہم کتاب برٹش راج کے آخری ایام، پڑھی تو اس سے مجھ پر تاثر ہوا کہ پاکستان کا قیام ایک بنیادی غلطی تھی، کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بڑی مہارت کے ساتھ بل ٹیڈز کیا کہ یہ تنہا ایک فرد، جلع کا کارنامہ تھا جو اس کے قیام کے سال بھر کے اندر ہی مر گیا، اور یہ کہ اگر تقسیم جناح کے انتقال تک نہ سکے، تو پاکستان کا پورا مقصد اس کے ساتھ ساتھ مر گیا ہوتا۔

ایک زمانہ میں میں شاید ان خیالات کی تائید کرتا، کیونکہ، جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے، میں اگرچہ جلع صاب کے ساتھ ریل کے کام کر رہا تھا لیکن میں تصور پاکستان کا اس درجہ مخالفت تھا کہ جس دن پاکستان بنیاد پڑا پس ہوا میں نے مسلم لیگ کے استغنی دے دیا۔ اس وقت مجھے اس بات سے بگڑے حد یا ویسی ہوا کرتی تھی کہ ہندوستانی قوم پرستی ملا ہندو جب الوطنی کے ہم صحن تھی۔ لیکن میرے اندر کا بنیادی لادریہ (افراطی) مذہبی ریاست کے تصور سے بھاگتا تھا۔ یہ بھی تھا کہ میں اسے مل سے زیادہ فرار سمجھتا تھا اور آخری بات یوں تھی کہ میں کبھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ چلنے والی اسکیم ہے۔

لیکن بعد کے تجربہ اور محنت سے سوچنے کے انداز کو بدل دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر تقسیم نہ ہوتی ہوتی تو کیا ہندو اور مسلمان ساتھ رہ سکے اور قریب رہ کے ہندوستان کی ترقی کیلئے کام کر سکتے؟ میں نہیں سمجھتا کہ ہندو اور مسلمان انتخابات کے نتیجہ میں خود جدا گانہ، غیر مظاہمانہ پارٹیز کے وجود کے چھوٹے ایسے گٹھ جو سکتا، اندیشہ رکھتا

محسنت حال جہانی ملک بھر میں آنکھ نہ فرمیں مدت کے لیے چلتی رہتی۔

یہ پورا سلسلہ ناگزیر نہیں تھا، یہ میں پہلے کچھ نہ کچھ کہہ چکا ہوں اور اب پھر دہرائی جوں مشترکہ انتخابات سے یہ بین ممکن تھا کہ ایک واقعی قوی اور سیکور پارٹی وجود میں آجائی۔ لیکن وقت کے ہند و زر عمارتوں کے مطالبات کو قبول کرنے کا کوئی راستہ نہیں نکال سکے۔ پھر بھی ایک مرحلہ پر غلط محکماتیں ہشترک گوشش سے مقصد کی یکے جتنی پیدا کرنے میں غامض کامیاب ہو جاتیں۔ جس کے نتیجہ میں بڑی حد تک ہم آہنگی پیدا ہو جاتی۔ لیکن کانگریس نے یہ تجویز بھی طبیعت کے ساتھ رد کر دی تھی اور ایسی کوئی بنیاد نہیں جس کی بنیاد پر ہم کم سکیں کہ لاگرن اپنا رویہ بدل لیتی۔ یہ مان لینے کی بھی کوئی معقول وجہ موجود نہیں کہ کانگریس کہیں بھی مسلمانوں کی ایک معقول تعداد کی حمایت حاصل کر کے اپنے اس دعوے کو سچ کر دکھانے کے قابل ہو پائی کہ وہ ایسی پارٹی ہے جو تمام قزاق کی مانند ہے۔ کانگریس نے جو مسلم عوام رابطہ تحریک چلائی تھی وہ بری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ جس کا وفاق کے ساتھ اندازہ ۴۵ء اور ۴۶ء کے انتخابات کے نتائج سے ہوتا تھا۔

۴۵ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات میں کوہلیکو ایک مسلم نشست مسلم لیگ نے جیت لی۔ قوم پرست مسلمانوں میں بہتوں کی تو منہات تک ضبط ہو گئی۔ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کا ریکارڈ

اس طور پر تھا:

۴۵ء میں ساری کی ساری نشستیں مسلم لیگ کو۔
آسام
۲۸ نشستیں مسلم لیگ کو اور صرف ۴ قوم پرست مسلمانوں کو اور
سندھ
۳۳ مسلم لیگ کو۔ ۱۹ کانگریس کو۔
۳۵ مسلمان نشستوں میں سے ۵۵ مسلم لیگ کو کم آزاد امیدوار بھی
۴۵ مسلمان نشستوں میں سے ۲۲ مسلم لیگ کو۔
۴۶ مسلمان نشستوں میں سے ۵۴ مسلم لیگ کو۔
۴۷ ساری کی ساری ۲۰ مسلمان نشستیں لیگ کو۔
۴۸ ساری کی ساری ۲۹ مسلمان نشستیں لیگ کو۔
۴۹ ساری کی ساری ۲۹ مسلمان نشستیں لیگ کو۔
۵۰ ساری کی ساری ۲۹ مسلمان نشستیں لیگ کو۔

صوبہ سرحد

پنجاب

بہار

یوپی

بمبئی

مدھس

مذہبی
اثریں
بنگال

۴۱ مسلمان نشستوں میں ۳ ایک کو۔
ساری کی ساری ۴ مسلمان نشستیں ایک کو۔
۱۱۹ مسلمان نشستوں میں سے ۱۱۳ ایک کو۔

تو بیچ بالاسے یہ صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کہ وہ دونوں فرقوں کی نمائندہ ہے حقیقت سے کہیں زیادہ ایک آئندہ زندانہ خیال کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے اس کا قوی امکان ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے جو صورت حال تھی وہ غیر متین مدت تک چلتی رہتی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صورت حال کے بدتر ہی ہونے کے امکانات تھے۔ کیونکہ جدا جدا انتخابات سے دونوں کے درمیان نیچے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی۔ ایک اپنی سائنس ہی میں فرقہ پرست تھی، اور کانگریس کو اپنے نصب العین اور تمام تر دعوؤں کے باوجود اپنا ہونا پڑا۔ مسلم لیگ کی فرقہ پرستی ہندوؤں میں ہندو فرقہ پرستی کے سوا اور کس چیز پر پوش کر سکتی تھی اور کانگریس کے کئی عوامی نشستوں پر متاثرہ کے لیے ہندو مہاسبا کا سامنا روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر چونکہ وہ دینے والوں کی اکثریت پسند آمد اور ذات ہات کے ہند میں جکڑی ہوئی تھی اس لیے کانگریس سیاسی حیلوں سے دور جب امتی جامعیت ہونی اگر وہ ایسے امیدوار کھڑے نہ کرتی جو جمیت کے امکان رکھتے تھے نتیجہ یہ دیکھنا ہوا والی ہندو جماعت میں بدلتی جاتی اور منتخب شدہ ہندو فرقہ پرست محض اس لیے کہ وہ کانگریس ٹکٹ پر آیا ہے خود بخود سیکور تو نہ ہو جاتا، اور پھر نیچے غالباً برحق ہی چلی جاتی۔ کانگریس ہندو اکثریت کے صوبوں میں حاکم اور مسلم لیگ مستقل تلخ مخالفوں میں جس کا اثر مسلسل مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہوتا۔ ایسی صورت حال سے یہ لامرکزیت انداز کی اور حقیقت یہ کہ خانہ جنگی تک کی فوج آ جاتی، اور وہ سب کچھ ہو گزرتا جو پھر مل کر ورپکے برطانوی سامراج پسند پیش گوئیاں کہتے رہتے تھے۔

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آخر حالات اس ناگزیر منزل تک کیسے آئے، ہندو مسلمان اور انگریز بھی تھوڑے تھوڑے ہیں۔ پاکستان، ایک فرد کا کارنامہ ہو گزرا نہیں ہے اور جناح صاحب کو تو تنہا پاکستان کا خالق وہی کہہ سکتا ہے جو مثلاً جنگ عالمگیر کی فتح کا سہرا تنہا چرمل کے سر باندھ دئے۔ نہ پاکستان بنانا جنگ جیتنا ممکن اگر ان دونوں کو پہلے ہمدردی کے غیر متزلزل اعتماد حاصل نہ ہوتا۔ مزید برآں کسی ایک فکری ٹمکے کے بجائے یہ ایک باقاعدہ کمپوزیم تھا جس نے ایسے حالات پیدا کیے جن کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ ذمہ دار ہندو ہیں، اللہ یہ اپنی تنگ نظری کے سبب یا تنگ نولی کے سبب جو ان کے ذات پات کے

سہنہا دہائی ہوئی ہے۔ یہ ملک ذہنی بر مسلمانوں کو دائرہ سے خارج قرار دیتی ہے اور آخر کار، ہر اقلیت اور مذاہب پر پانچویں ہے جو اکثریت جو رہتی ہے!! اگر اکثریت سکور ہوگی تو اقلیت بھی سکور ہوگی، اگر اکثریت فرقہ پرست ہے تو اقلیت کو گلہ ہے، بہادری کے لیے ایسا ہونا پڑتا ہے۔

مسلمان نہ تو یہ بھول سکتے تھے کہ وہ اس ملک کے حکموں سے بچے ہیں اور نہ اس بات کو فراموش کر سکتے تھے کہ ہندوؤں نے زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کو بہت دیکھے چھوڑ رکھا تھا۔ اگرچہ ان میں سے ۹۵ فیصدی ہندو سے مسلمان ہونے لگے، لیکن یہ سب اپنے آپ کو مثل حکمت کا براہ راست وراثت سمجھتے تھے اور شاہی نظریہ پر انہیں سہلے اور انوس کرتے رہتے تھے۔ اسی رویہ کا براہ راست نتیجہ تھا کہ یہ مثل و مثل کے بعد اپنے معمولات و ہندو پڑے رہے تا آنکہ سرسید ۱۸۵۷ء میں علی گڑھ قائم کر کے انہیں جگایا۔ اس درمیان میں ہندوؤں نے جو حکم کسی 'پدرم سلطان' بود کے چکر میں دتے، وہ اتنا آگے بڑھ چکے کہ مسلمان ان کے برابر پہنچ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور اس صورت حال سے جو خود ان کی اپنی پیدا کر رہے تھے، یہ مسلمان کی طرح ساز کرنے پر آمادہ بھی نہ تھے۔ ان کی نظر میں کوئی بھی ہندو کبھی بھی ان سے زیادہ ذہین یا اہل دہی نہیں سمجھتا تھا، زیادہ چالاک یا بااثر۔ پچھلے دور کوئی ہندو بزنس میں بھی مسلمان سے بہتر نہیں دیکھتا تھا۔ بنیادی ذہنیت کی الگ بات ہے۔ نتیجہ ان کی شکست خود کی اور ایکویسی، تلخی میں اور تلخی فقرت میں داخل ہوتی چلی گئی۔

انگریزوں نے ورڈ مشن کے زمانے سے ان مزاجی اختلافات، بلکہ تقسیموں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا، اور پاکستان اگر غیر متوقع چیز بھی تھا تو بھی جدا گانہ انتخابات کی آخری ہیئت اس کے علاوہ اور کیا بن سکتی تھی۔ ہندوؤں نے زمین و آسمان کے تیار کی، منٹے بیج ڈالا، نتائج نے فصل کاٹ لی۔

جیسے تینوں پارٹیوں (انگریز، ہندو، مسلمان) کے رویے کچھ کم نقصان دہ ہوئے جو ہندو اور مسلمان تعلیمات ایک دوسرے کو اور ملک دیتے رہے، جتنا زیادہ مسلمان ہندو سے بدگمان اور ڈرتا آتا ہی وہ انگریز کی طرف جھکا جاتا اور جتنا زیادہ وہ انگریز کی طرف جھکا، اتنا ہی ہندو اس کی طرف سے تلخی محسوس کرتا۔ برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اندر ڈیلا بندریج انان کی طرف بڑھا گیا مگر اس منزل کو پہنچ گیا جب ملک کے سنے تقسیم کے کم درجہ کی برائی رہ گئی تھی۔



تقسیم جم جمہ کے بندھن کو کاٹ دیا اور بعد میں ہونے والے سارے واقعات کے باوجود دونوں ملکوں کے لیے اپنی اپنی صلاحیتوں اور ذرائع کے مطابق آگے بڑھنے کے راستے کھول دیے۔ مسلم لیگ کی ہجرت کے بعد یہاں ایک قومی حکومت بن سکتا ممکن ہو گیا۔ کل ہند سطح پر منصوبہ بندی جو قومی منصوبہ بندی کی تہہ بنیاد ہے، ممکن اہل ہی نہ ہو پائی اگر کچھ مصلوبوں میں عدم تعاون پر محال جرات پر شک شبہ کرنے والی مسلم لیگ وزارتیں ہوا کرتیں۔ ہندی کبھی قومی زبان نہیں قرار دی جاسکتی تھی جب تک مسلم لیگ اردو کی پشت پناہی کے لیے موجود رہی، بلکہ ہندو مہاسبھا، جن سنگھ اور راشٹریہ سینکھ کو بھی خان صاحب کا شکوہ گزار دینا چاہیے کہ پاکستان کی تشکیل کے بعد ہی ان کا ہندو اچھا خوب ممکن ہو سکا ہے۔ اس لیے جو کچھ ہم امیرالقیین دانش ہے کہ دونوں ملکوں کے لیے بہتر سے بہتری مواد میں مسلمان ہندستان ہی کسی حد تک دو مصلوبوں کے درمیان گر پڑے ہیں۔

دیے یہ جتنے جھگڑے پامٹ و جعل حتی پڑے ملکوں اور شہری لیڈروں کے درمیان تھے۔ عام لوگوں کا موقف کیا تھا، کیا وہ پاکستان چاہتے تھے؟ ہندستان بنیادی طور سے دیہاتوں پر مشتمل ہے، جہاں ہندو اور مسلمان دیہاتی صدیوں سے ایک دوسرے کے پہلو پہ پہلو رہتے چلے آئے ہیں، کیا اس طویل عرصے میں ان میں ایسے مضبوط رشتے استوار ہو چکے تھے جو صرفیں سیاستدانوں کے اکاؤ اور ترفیب کا شکار نہ بن پاتے؟ انہوں نے کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بات ایسی نہیں تھی، دونوں فرقوں کے درمیان ہند میں اس قلمرو کو دے گئے کہ ان کا حکم اور وجود برابر رہتا۔ اسے سمجھنے کے لیے ہمیں ہندو اور مسلمان طریقہ ہائے زندگی اور انداز ہائے فکر کو جاننا ہوگا۔ یہ فرقہ گردی کہیں یہ بات عمومی انداز پر کہ رہا ہوں، بلاشبہ بہت سے استثنائیں مل جائیں گے۔ لیکن استثنائیں ہونا استثنائیں ہی ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں ان دنوں کی بات کر رہا ہوں، برسوں پہلے کی بات بسبب جواگنہ احتمالات

کے نتیجہ میں پیدا شدہ فرقہ واریت کے زخم گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

ہندوؤں کی اکثریت ذات پات کے جند بن کی اسیر تھی، اور اسی لیے سماجی طور سے مسلمانوں سے مکمل جلد نشترہ زن کے ہاتھوں سے کمزوروں ہندوؤں کی کاٹھاس تک نہیں پی سکتے تھے، ساتھ میں کھانے کی بات تو دور کی رہی۔ جب بڑھ کر ہندو مسلمانوں کے درمیان گائے مال ہی جو ہندوؤں کے لیے پوجا کی چرچہ، مسلمانوں کے لیے ایک لاپرواہی مسلمان قصابی روزانہ ہزاروں گائیں ذبح کر لیتے تھے جن کی تعداد عید کے دنوں میں لاکھوں تک پہنچ جاتی تھی۔ آزادی سے قبل کے کانگریس کے اجلاسوں کی کاغذاتی میں ذبح گاو کا مسئلہ اس بری طرح جاتا رہا کہ اہمیت کے اعتبار سے آزادی کے مسئلہ کے بعد اسی کا نمبر آتا تھا۔ اب اپنی تائمر سیکورٹم کی شرا شمولی کے باوجود، اوسیدہ اس وقت جب تحصیل کی تائمر اٹلان کے باوجود کوئی ذمہ ایشو نہیں ہے۔ نئی دہلی میں شرمناک تم کے ذبح گاو مخالفت مظاہرے ہو سکتے ہیں جیسا مظاہرہ کہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۱ء کو واقعہ ہوا، تو ان گئے گزبے دنوں میں اس مسئلہ پر جذبات و احساسات کی شدت کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جان پہچان کتوں ہی کی رہی ہر دوستانہ اتفاق ہی سے ہوتی تھیں۔ قریب قریب زمین زمین اور ہر وقت کے ساتھ میں صدیوں کے اس طے سفر میں ہندو مسلم شادیوں نے کبھی رواج نہیں پایا۔ کوئی ہندو بھوکا مسلمان لڑکی سے نہیں لپاتا تھا نہ مسلمان ہندو لڑکی سے اور کبھی کسی نے حیرت مندی دکھائی بھی تو نتیجہ میں خون کے دیا بہ جلتے تھے۔

مسلمان، ایک وسیع النظر مذہب کے حامل لوگ تھے ہندو لوگ جن کی بائبل ضد تھے۔ یہ لوگ آفاقی نظر اور عالی انداز فکر کے حامل تھے اس لیے دوسری طرف جب انہیں قدم قدم پر غلی اور تنگ نظری اور بدعت اچھوت کی باتیں سننے اور دیکھنے کو ملتی تھیں تو قدرتا انہیں یہ سب کچھ بہت برا لگتا تھا۔ اور پھر بات معنی رد عمل کی ہی کہ مذہب نہیں تھی، ان کی اپنی مصیبتیں بھی تھیں، فتنہ مسلمان فوجوں کا پہلا کام بت شکنی ہوا کرتا تھا، اور بت پرستی سے شدید نفرت ان کے تحت اشعر میں بچ گئی تھی۔ فدا کی گم گری میں چھوٹے ہی کا خسر کا لفظ ان کی زبان پر رکھا ہوتا تھا پھر یہ لوگ بیشتر ہندو ساڑھوں کا رول کے پھندے میں گرفتار رہتے تھے۔ اولیٰ اذیت تک تجربہ کے تحت وہ فہم ہندوؤں کو بڑی آسانی سے اور بڑی دیر دلی کے ساتھ مذہب کے خطاب کے ذریعہ دیتے تھے۔

انفرادی سطح میں ان میں سے ہر ایک اپنے تعصب کو گہرا کرتا رہتا، اور اجتماعی طور سے وہ الگ الگ

گروہ کی صحت میں جمع ہو سکتے تھے۔ ہندو گروں کے ہندوؤں میں مسلمان مسجدوں میں حالانکہ مسجد مندر پاس ہی ہو کر کھڑے تھے پیریں کی دونوں پٹریوں کی بھی تو بھی صمدت ہوتی ہے۔

سیدے سادے لباس تک کے مسئلہ کو بھی ان ہانک متعصب کے لیے استعمال کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہاں زیادہ اچھا بھی ہو گا کہ میں اپنی اس زمانہ کی ایک تقریر کا اقتباس درج کر دوں جو بعد میں انڈین جرنل آف سوشل ورک میں بھی شائع ہو گئی تھی۔ اسے دو گونہ کرنے کا کافی قوجہ سے سنا (اندھ پڑھا) اور میرے شعوری طور سے کہلنے والے الفاظ نے متوجہ ہنگامہ آرائی کی صمدت اختیار کر لی اور لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا جو میرا اہل عقیدہ تھا۔

”ایک اندھ سنی کام میں کے بارے میں میرے مانع خیالات ہیں بااں کا مسئلہ ہے۔ مجھے کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم جو لوگ اپنے اپنے مذہب سے وابستہ ہاں کو اپنے لیے غرضی نہیں سمجھتے وہ اسے پہننے پر مجبور ہوں۔ میں آپ سے عرض کروں کہ دھرم کے بجائے تہذیب پہننے سے ہندو سے بات کرنے میں مجھے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح ترکی ٹوپی والے مسلمان کی بہ نسبت نیچے سر والے سے بات کرتے ہوئے اطمینان مند ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سچے سچے ہم کو کئی بڑی گزراہ یا سڑک پر جاتے ہوں تو ہمارا ذہن کس طرح کام کرتا ہوتا ہے۔ ہمارا خیال تین ایک مکان کے دیر پر کھڑی نظر آتی ہیں، ایک بڑھاپا دکان کے دروازہ پر کھڑا ہے۔ یا تین ... کے ساتھ ہیں اور بس! اسی طرح میں وقت تک یہ ذہنی مردم شماری جاری ہے کہ ہم فرقہ پرستانہ انداز پر سمجھنے کے لیے مجبور ہیں اور فرقہ پرستانہ انداز فکری فرقہ وارانہ آدینش کا سبب بنتا ہے۔ اپنے کسی کانگریس عنصری کا فوٹو دیکھنا ہے۔ جسے بااں الگ الگ ہونے کے سبب جو دو آدمی سب سے جھانک لیتے ہیں وہ ٹکا کا گڈر اور بیس نواری صاحب ہیں۔ یہ بڑی فرحت مند باتیں ہیں اس سے بہت پہلے کہ جانے کے اندھ ایک مشترک نظریہ فکری بشریک شناخت بھرے گئے کہ ہم غلامی صمدت میں تو کچھ مشترک بھی پیدا کرنا چاہیے، اور اگر آپ مجھے کہیں کہ قومی اتحاد کے لیے ناگزیر عوامل کی ایک فہرست پیش کروں تو اس میں پتھوں کو لکھا جاھا اہم درجہ ہوتا۔“

اس پس منظر پر جدا جدا اختلافات کے غماز کا کیا اثر ہو سکتا ہے یہ جانی پہچانی بات ہے اور اس کی تکرار ضرور ہے۔ انشاؤد عرض کروں کہ کسی چیز نے مسلم لیگ کی کامیابی میں اتنی مدد نہیں کی جتنی اس حقیقت نے کہ باجموں اسیابی ذہن رکھنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک قوم پرستی (نیشنلزم) کے دو پہلو ہیں جن سے ہندوؤں کے نزدیک مسلمانوں کا مطلب تھا انگریزی طاقت سے آزادی کی خواہش، جمہوریت

قطعی مشائی یعنی کہ اس کے ساتھ سماجی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں لانا ضروری سمجھا جاتا ہو۔ مسلمانوں میں قوم پرستی کا وہ فہم لیا جاتا تھا جسے اب خاصی تکلیف دہ تاخیر کے ساتھ، ہم سیکونڈم کہتے ہیں۔ ہندو غیر معمولی اکثریت میں تھے؛ ادا اکثریت جو کچھ سوچتی اندر چلائی اسے وہ لوگ جیہڑی فکر اندہ جمہوری خواہشات سمجھتے۔ لیکن مسلمانوں کا خیال تھا کہ بظہور مذاہب اور مختلف نسلوں کے ہندوستانی مسلح کے پس منظر میں جمہوریت کو ہندوؤں اور غیر ہندوؤں دونوں کی اکثریت کے خیالات کا آئینہ دار ہونا چاہیے نہ کہ کسی ایک فرقہ کا چاہے وہ فرقہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ ان کی رائے میں ہندوستانی جمہوریت ہمارے نمائندہ انکار، کرال سیکشن، کی نمائندہ ہونا چاہیے جس کی اکثریتی فرقہ کی نمائندہ نہیں۔

اس انداز فکر کے تجربے میں انتہائی بچے ہندو کو بشرطیکہ وہ انگریز کا مخالف نہ ہو، یا قوم پرست سمجھا جاتا تھا؛ لیکن اس کے برخلاف انتہائی آزادی خواہ مسلمان کو بھی بکا فرقہ پرست قرار دیا جاتا تھا اگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کی جدت کر لینا تھا کہ کسی قوموں، رنگارنگی، دلتے ملک کی اس رنگارنگی اور تنوع کا ہر سیاسی سلسلہ میں خیال رکھنا ہوگا۔ قاضیوں تھا کہ جو کوئی چیز، فکر، خیال، نظریہ، خواہش، عمل، ہندو ہولے ہندوستانی (انڈین) سمجھا جاتا، لیکن جو کچھ مسلمان ہولے مسلمان ہی سمجھا جاتا تھا؛ مگر کہ اسی اختلاف کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں ایسے مسلمان جو بڑے بچے اور بچے نب و ملن تھے وہ دلت شکستہ مسلم لیگ کی طرف، اور آخر آخر پاکستان کی طرف ہجرت کر دیے گئے۔

اس کا ذکر آچکے کہ جاکانہ انتخابات نے سیاسی مسلمان اور سیاسی ہندو پیدا کر ڈالے تھے۔ اب نظری طوعے کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایک سیکولر پارٹی عام اور علم دونوں شستوں کے لیے اپنے امیدوار نہ کرے؛ عملی سیاست نے تو اسے ناگزیر بنا دیا تھا، اور منطقی بھی کہ مسلم شستوں کے لیے کوئی مسلم سیاسی پارٹی مقابلہ کرے مزید برآں، اس وقت کانگریس قوم پرست اور مت وطنی بھلائی ہو، پرسیکوٹر تو دور دور نہیں تھی؛ اس لیے مسلمان دونوں نے مسلم لیگ میں جان ڈال دی اور خیال آئے کہ یہ بھی سلسلہ انجام کار پاکستان کی جدت میں دھمکانا گیا لیکن بہت لمبی بھی نہیں تھی۔ اس وقت کے مسلمان لیڈر جو زیادہ تر اعتدال پسند تھے، اتنے دور تک اور ایسی انتہا پسندی کے ساتھ نہیں سمجھتے تھے اور ان میں جو زیادہ دور اندیش تھے جن میں جلد صاحب ممتاز ترین تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اس نظام میں تو مسلمان مستطاف ایک اقلیت بن جائے تھے جس کے تجربے میں بلاشبہ مضبوط قہری کی رہی۔ اس لیے ہم نے کم کم دو قہروں پر وہ مشترک انتخاب کے اصول کو مان لینے کے لیے آمادہ ہو گئے

تھے۔ لیکن ہندو کیسے ہو سکتا ہے اس پر انہیں پورا اعتماد نہیں تھا، اس لیے مسلمان کی ریزرو نشستیں ضرور دینے دینا چاہتے تھے۔ ایسی حوصلہ افزا اور خوش آئند گفت و شنید کم و بیش دو تین نشستوں کی چٹان پر ٹھک کے پاش پاش ہو گئی۔ کون جانے اگر ایک بار مسلمانوں کے امداد اعتماد آنا جاتا تو کیا وہ اپنے اس مطالبے کو ختم نہ کر دیتے

تمام بات یہی نہیں تھی کہ سب کچھ ٹھک گیا ہو۔ جب مسلم لیگ نے مسلم نشستوں کی بہت بڑی تعداد دیتی لی تو مسلمان لیڈر اب اس انداز پر سوچنے لگے کہ قومی حکومت قوری ہو سکتی ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں کی پوری نمائندگی ہو، اور یہ خوشگوار انداز بھی ممکن الوقع ہے جب کانگریس لیگ مخلوط حکومتیں بنیں، لیکن کانگریس کا حال ہی دوسرا تھا۔ ایک طرف سے جس طاقت کی انہیں طلب تھی جو پاس آئے کے عمل نکل جاتی تھی، وہ ۲۵ تازہ انہیں ہاتھ بھی تھی، اور اب اس میں انہیں کسی کو بھی شریک کرنا کسی طرح منظور نہ تھا۔ خود انگریزوں کا سیاسی نظام جو اکثریتی پارٹی پر چلتا تھا، اس سے انہیں یہ توقع اختیار کرنے میں مٹ جاتی تھی۔ اس لیے کانگریس نے بڑی سختی اور مستقل مزاجی کے ساتھ لیگ کے بھاد کو رد کر دیا۔ آج کون جن کی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ مشترکہ ضروری بالآخر مشترک شخص پیدا کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکتی۔

دوسرے کے بعد فعل آجائے کچھ مشکل نہیں، لیکن بات ہے کچھ تو یہی کہ انہیں برطانوی پارلیمانی انداز کو اختیار نہ کرنا، اور یہ دو تین مسلم نشستیں کی ایک قومی ماد میں مسلمانوں کو ساتھ لاکے چلنا، یہ مسلمانوں کے اعتماد دینے کے لیے انتہائی حقیر قیمت تھی جو ادا کر دینی تھی۔

انگریز یقیناً اولیٰ کی قوم سے ہوتے اگر وہ اس صورت حال کو اپنی بہتری کے لیے استعمال نہ کرسکتے ایک انگریز کے ساتھ اس سکر پر ہیں الجھ گیا تو وہ سخت طیش کے ساتھ کہنے لگا کہ جاگنا انتخابات پر کچھ نہیں کہے کم کسی مسلمان کو قریب نہیں دیتی کہ محض اسی کے سبب مسلمان ہندو اکثریت کے لیے میں بہرہ جانے سے بچے گا۔ اس کی اس بات میں اچھا خاصا وزن ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بحال کی تقسیم کی مخالفت کی تحریک جس زور و شور سے چلائی گئی، وہ بھی ان کے لیے غیر معمولی دھکاتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں بھی وہ مختصات کی مزورت محسوس کرنے لگے تھے۔ جس کے لیے جاگنا انتخابات کا اصل اختیار کیا گیا۔ لیکن جس کسی نے بھی فرقہ وارانہ مسئلہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ مذہبی جوئی گڑھ میں تشکیل پایا تھا، ان لوگوں نے دائرے لارڈ خٹکے خانی اسٹون کے ایک آدمی کے قریب اور فرسٹل ایم لے اوکال کے قریب دائرے کو پیش کیے جانے والے ایڈریس کی زبان میں بیان کیا پہلے سے منظوری حاصل کر لی تھی لیکن اس بات کو اوپر سے طرہ دکھانے اور اس کا افسوسناک افسانہ پر جنم نہ دیا۔

ایک مچ کو وہ جگہ چرتا پھلا کہ کھیل ختم بھی ہو چکا اور پاکستان بن گیا! ہندوستان کے لیڈر اپنے انگریز معرضوں سے غالباً کچھ زیادہ ہی سوچہ بوجھ رکھنے والے لوگ تھے، اپنے معرضوں کی ہر چال کو نہ صرف ہار سے دیکھتے ہوئے تھے بلکہ جہاں ضروری ہوتا، شلّا جھاگنا، انتہائیات، وہاں یہ لوگ ٹھکر بھی لیتے تھے، اپنے ہی کہتے تھے پاکستان ہمارے سامنے اس لیے موجود ہے کہ ہم میں آتی مالی غریبی نہ تھی کہ ہم غلو یا غماز کے لیے مافیہ ہو جاتے۔ یہ بات کہ انگریزوں نے ہمیں تقسیم کر کے حکومت کی اتنی مچ نہیں جتنی یہ کہ ہم تقسیم تھے اور وہ ہم حکومت کرتے تھے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ ان کے ذہن میں پاکستان بھی نہیں تھا، نہ ہی مسلمانوں کے لیے ان کے کچھ اقدامات کسی سوچی سمجھی حکمت کا نتیجہ ہوتے تھے۔ کچھ ضرور ہے چلوں گے اور انہیں کی برکت سے اس کا آرام نظریہ کو تقویت مل جاتی ہے جس سے اپنی ذمہ داری بھی ٹل جاتی ہے اور جرم کی سنگینی بھی کم ہو جاتی ہے۔ تو، اس طرح، پاکستان، عوام کی مانند، ہندوستان کے جرم میں سے پیدا کیا گیا۔ یہی طرح بھی ناگزیر نہیں تھا۔ لیکن ہماری اپنی حماقتوں اور کوتاہیوں کے سبب ہو گیا ہو ہی گیا اور واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا، جیسی صورت حال کہ جتنی جلی تھی اس میں یہ دونوں ٹکوں کے لیے بہترین بات ہوتی۔

لیکن پاکستان کی ٹریجڈی، کہنے کے لیے کہ ہمارے نقطہ نظر سے اس کا قیام نہیں، بلکہ اس کا ٹکڑا نہیں ہے۔ نصف حصہ اور نصف حصہ، اور دونوں میں کوئی مشترک بات اتفاق ہی سے مل جائے۔ بیچ میں بیچ ہندوستان کی زمین چھلی ہوئی، ایسے میں ایک مشترک شخص پیدا کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی دشمن کا اور کسی حملہ کا تصور تخلیق کر کے دفاعی نفسیت کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ اس لیے پاکستان کے لیے ہندوستان مخالف انداز (ماہندستان دشمنی) ایک سیاسی ضرورت ہو گئی ہے۔

اگر یہ بات سمجھ لی جائے تو پھر بے گنجی بھی مشکل نہیں رہے گی کہ مسئلہ کشمیر دراصل مریض نہیں مرض کی علامت ہے۔ اگرچہ پاکستان کی مریض بھی سلجھا دیا جاتا تو اسے کوئی دوسرا مسئلہ تخلیق کرنا پڑتا۔ یہ سب کچھ سمجھ میں آئے، لیکن یہ ترس آنا کہ جنگ آسانی کی انتہا تک جانے کی کیا ضرورت آپڑی تھی؟ پاکستان کو اس سے ہندوستان کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی نقصان پہنچا ہے۔ سچے بڑھکے ہو گیا کہ مریض اسباب کی بنا پر اگرچہ دونوں میں قریبی تعلقات کا دور دورہ تک امکان نہ تھا لیکن جنگ کی پیدا کردہ غمی نے جو تھوڑے بہت رشتے اور بندھن تھے انہیں بھی کاٹ ڈالا۔ یہ بات بہر حال اپنی جگہ پر ہے کہ اگر پاکستان ایک اکائی رہتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دونوں ٹکڑے بڑھکے کی کیفیت سے نہ رہ سکیں۔

انیم پوچھا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد ہندستان میں جو مسلمان باقی رہ گئے ان کا کیا مسئلہ رہا؟ کیا انھیں پہلے عزیمت دے دی گئی تھی کہ وہ ہندو اکثریت کے دم و کرم پہلے اس وجہ سے سہلہ نہیں چھوڑ دیا گیا؟ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کے خالقوں نے پانچ کروڑ مسلمانوں کو ادھر چھوڑ دیا؛ پہلے انھیں جوش جیسا کی انتہا تک لے گئے اور پھر ان سبھوں کو اپنے آپ بٹینے کے لیے نہا چھوڑ دیا۔ سرحد پار کرتے، کانگریس کے لیڈر اپنی رعنا داری اور عقیدے کی سلاست کے لیے ہزار ہدیہ اسے تبرک کے مستحق ہیں جو میزبانوں کو بھجوا کر ان کی ہندوستانیسیں باقی ماندہ مسلمانوں کے لیے مساوی حقوق اور موافق کے حصول کے لیے ہر ممکن اقدام کے لیے سینہ سپر ہو گئے، ان مسلمانوں کے لیے جن کے غریب رشتے، شادی بیاہ کے رشتے اور مائنی قریب کے سیاسی رشتے اور قدیم انمولوں کے ساتھ بعض جنھوں نے ملک کی تقسیم پر ہر ار کیا تھا، اور جو سرحد پار کر لینے کے بعد، یہاں کہ ہندو پاک آویزش میں ظاہر ہوا، وہ ہندستان کے بدترین نکتہ چینی ہی نہیں دشمن بن گئے۔

مگر وہ سب میں کہ مسلمانوں کے تو دونوں بیٹے 'سب سے کم' تھا بھی لا وصال منہم بھی پاکستان میں انھوں نے کسی غیر مسلم کو کوئی ذمہ داری کی یا اہم رتبہ کی جگہ نہیں دی، لیکن ہندستان میں وہ سیکورزم اور جمہوریت کے نام پر اپنا حق رسد بھی حاصل کرتے رہے، اس کے لیے بڑی ہمت اور ذہنی ہندی و درکار تھی کہ ہندو ہی دوسرے ہندوؤں کو اس بات کے لیے ماضی و ملین کرتے رہیں کہ ہندستان کے لیے ایک ہندو ریاست برپا کرنا غلط چیز ہے جبکہ ایک مسلم ریاست جسے خود کانگریس نے قبول کیا تھا بالکل ٹھیک ہے۔

جو اہر لال نہرو حکومت ہند اور کانگریس کا یہ بہت بڑا کام تھا کہ وہ پاکستان کی دینی ریاست کے مقابلہ پر ایک اثر انداز اور مد مقابل ہندو ریاست کی تخلیق کے لیے ہندو آبادی کے خاصے طاقتور عناصر کا بن میں پاکستان سے آئے ہوئے لاکھوں دراندہ شہزاد تھی، بھی مثال تھے، دباؤ پھیل جائیں اور اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوں۔

مسلمان ہندستانیوں پر پاکستانیوں کے قیام کا اثر برا اور اچھا دونوں طرح پڑا۔ برا اثر یہ تو حواہی کہ تقسیم کے تجربے میں خود ہندستان کے اندر دلوں کی نری سمتی میں تبدیلی ہوئی، لیکن سب سے بڑھ کے یہ ہوا کہ یہاں جو مسلمان باقی رہ گئے، ان کی صورت حال کچھ اس طرح کی تھی جیسے وہ ایک طویل جنگ لڑا ہوا ایک ملک ہیں جس کے ساتھ شاندار اور جب انداز جو ان مکر میں کام آچکے ہیں؛ سیاسی لیڈروں، فوجی افسروں، انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں، ڈاکٹروں، ۱۰۰۰ خیردوں اور دوسرے پیشوں میں، انھوں نے اکثریت پاکستان میں غلام کو پر کرنے کے

یہ ادھر پہنچ گئی۔ پاکستانی لیڈروں کا یہ بھی طریقہ رہا ہے کہ ہندوستان کی مسلم دشمن پالیسی کے ثبوت میں وہ اس امر کو بھی لائے ہیں کہ دیکھیے ہندوستان میں ممتاز مسلمانوں کی کتنی کمی ہے۔ اس حقیقت کو وہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان کے سنی مسلمان بڑی تعداد میں پاکستان چلے گئے ہیں اور حکومت ہند اپنی ساری نیک خواہشات کے باوجود میٹر مسلمان سبزی پر تو قادر نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب یہی نہیں کہ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ پاکستان کے قیام کا اچھا اثر یہ ہوا کہ اس کے ساتھ مسلم یکجہلی گئی، یہ کہ مسلمان نہ باہم کیونٹی نہ رہے نہ انتشار پھیلانے والا مزید برساں جدا گانہ انتخابات کا سلسلہ بھی نہیں رہا جو دونوں فرقوں میں فرقہ واریت کو جلا دیتا تھا اور دوا آخری بات یہ کہ سیکولرزم رند زرد فریج پکڑتا جا رہا ہے۔

لیکن مسلمانوں میں ایسی کامنڈ لکھا ہوا زخم نہیں ہوا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ شکست خوردہ اور افسردہ رہتے ہیں۔ یہ بات بے بنیاد بھی نہیں۔ یہاں تک کہ مسلم لیگ کا پلاچہ وہ بھی بحوث پرست کی مانند کبھی کبھی مانگے آثار ہوتا ہے۔ جن سنگ کی بڑھتی ہوئی طاقت ان کے دوسروں اور اندیشوں میں اور اضافہ کرتی ہے۔ ایک ٹیپویری ان کے ساتھ یہ ہے کہ جب کبھی سیکولرزم میں کہیں اندوہناک رخنہ پڑتا ہے تو مسلمان اس پر اعتراض کرتے ہیں تو انہیں فرقہ پرست قرار دے دیا جاتا ہے۔ فحاشیات کی بات البتہ غیر قانونی قرار دی جا چکی ہے اور شرک بھی سمجھی جاتی ہے۔ ہندوؤں میں جو چھوچھوت اور بچا بچا پن تھا وہ کمزور ہوتا جاتا ہے۔ بچے کی جگہ کھار پڑے سوسائٹیاں بنتی جا رہی ہیں اور تعلیم کا پھیلاؤ اور بڑھتی ہوئی مفاہمت کے نتیجہ میں مسلمان، بتوں کے پردے میں چپے ہوئے آدرشوں کو بھی سمجھنے لگے ہیں۔

پاکستان جن حالات میں کٹ کے ایک ملک بنا، وہ اپنی جگہ پر۔ لیکن خیال یہ تھا کہ ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمان دونوں ملکوں کے درمیان ایک مضبوط رشتہ کا کام دیں گے، لیکن اس کے برخلاف پاکستان اپنے آپ کو ان کا سب سے بڑا دشمن ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے اس وقت بھی جب وہ یہاں کے مسلمانوں کی فستہ حالی پر بڑا پریشان ہوتا ہے۔ اس پریشانی کا اظہار وہ کرتا ہے کہ ہندوؤں کو ذلیل کرنے کے لیے اس کے پاس گویا ایک ہتھیار ہے، اس لیے نہیں کہ اسے مسلمان کی بہتری کا کوئی بڑا خیال ہے۔

اگر وہ اسی راسخا خیال ہوتا تو اسے اس کا بھی خیال آنا چاہیے تھا کہ مسلمان ہندوستانی سیکولرزم سے سب سے زیادہ متعین ہونے والے لوگوں میں ہیں، اللہ اس لیے جس حد تک پاکستان کی سکت ہے اسے اپنے متعدد بھریاں کے سیکولرزم کو مضبوط کر کے دینے میں مدد کرنی چاہیے تھی۔

پاکستان نے اب تک جو پالیسیاں اپنائی ہیں، وہ تو مسلمان کشمیر کے لیے بھی اس کی پریشانی اور
 ہمدردی کو بھی صحت منافی قرار دیتی ہیں۔ اس کے بلند بآگ اور بلند بار کے دعوے ہیں کہ وہ مسلمان
 کشمیر کو ہندو کنٹرول سے آزادی دلا دے گا۔ لیکن تیس لاکھ کشمیر کے مسلمانوں کے لیے وہ پانچ
 کروڑ ہندوستان کے مسلمانوں کا مستقبل داؤں پر لگانے کے لیے تیار ہے۔ یہ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ پاکستان
 کو اس کا تو، بخوبی اندازہ ہونا ہی چاہیے کہ کشمیر میں ملے شکاری کے نتیجے میں ۴۴ لاکھ کے جذبات پھر ابھر
 سکتے ہیں۔

مختار تازہ ہند پاک آویزش کے نتیجے میں پیدا شدہ احساسات سے قطع نظر خود تا مریخ قیام
 پاکستان اور قیام کے بعد کی ساری ہولناکیاں ابھی اس قدر تازہ ہیں کہ عام ہندو کے لیے یہ بڑا مشکل
 ہے کہ پاکستان دشمنی کے ساتھ تخت اشوری میں بھی وہ کسی نہ کسی حد تک مسلم دشمن بھی نہ ہو، چاہے وہ مسلمان
 ہندوستانوں کا پاکستان سے رشتہ بھلے ہی نہ جوڑتا ہو، لیکن ہندو پاکستانیوں کو ہندوستان کے ساتھ مزبور
 جوڑتا ہے۔ نتیجہ فرقہ وارانہ فادات کی شکل میں عیاں ہے کہ ہندو پاکستانیوں پر جو کچھ گزرتا ہے اس کا
 بدلہ مسلمان ہندوستانیوں سے چکایا جاتا ہے۔ یہ پٹنی ہوئی شکل میں 'برخاں' کے نظریے کے سوا اور کیا ہے؟
 اگر اور کسی وجہ سے نہ ہو تو ہندوستان کے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہی پاکستان کو اپنی اقلیت کی طرح
 پوری توجہ دینی چاہیے مگر وہ یہ رہا ہے کہ وہ اس کی عین ضد پر عمل پیر ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دہلی ہوئی
 ہندو فرقہ پرستی کی چنگاریوں کو ہوا دینے کی ہر ممکن کوشش جاری ہے۔

یہ لپٹے آپ کو اسلامی مکتبہ کھنے والے کا ایسا مسلم دشمن رویہ آخر کیوں ہے؟ شاید وجہ یہی
 ہو کہ ہندوستان دشمنی ہی وہ قوت ہو سکتی ہے، جو پاکستان کے دونوں بازوؤں کو متحد رکھ سکتی ہے۔
 اور ہندوستان کے سیکولر مصلحتی صورت میں اس جذبہ کو پوری حرارت و شدت نصیب نہیں ہو سکتی نہ
 "اسلام خطرہ میں"۔ مایا جاسکتا ہے۔



جو ہوا سو ہوا، لیکن غیر متحم ہندوستان میں جملہ صاحب کی موجودگی مسائل کو حل کم کرتی، پیدا
 زیادہ کرتی۔ وہ غریب فرقے میں پیدا ہوئے مگر خوجوں کے کام آگاہان کو لہنٹے سے انکار کر دیا وہ
 معمولی حالات سے ابھرتے ایسے کہ کوئی اثر دار آدمی انہیں مدد دینے والا نہ تھا اور بڑے سخت مقابلے

کے میدان میں وہ اپنی ذاتی جرم و جہد سے ہمیں کے دکھلا رہی ہیں بلند ترین حیثیت پر پہنچنے کے۔ باغیانہ سرشت کے ایک نوجوان مسلمان کی حیثیت سے انھوں نے قن تھا پہلے قدامت پرست اور وفادار مسلمان لیڈروں کی مخالفت کو اپنا شیرو بنایا۔ لاکھوں کی پالیسیوں کے بعض پہلوؤں نے مہتمن اور غیر مہتمن ہمسے تو انھوں نے اس سے استغفی دے دیا۔ مجلس قانون ساز میں مقرب ہونے کے بعد وہ ہمیشہ خوب مخالفت کے متنازعہ رہے۔ کسی دوسٹری کی ہانسی کی کے میں انہیں فلسفے کے وہ اہل ہی نہ تھے۔ وہ اسی سے مطمئن ہو سکتے تھے کہ اپنی پارٹی کے خود مختار لیڈر ہوں اور اپنے کمرے کے بلا شرکت غیرے مالک۔ پاکستان ہی انھیں وہ سب کچھ دے سکتا تھا، جو ان کی سرشت کے مطالبے تھے، اگر جناح صاحب پاکستان کی تشکیل کے لیے ضروری تھے، تو پاکستان جناح صاحب کی تکمیل کے لیے ناگزیر تھا۔

♦♦♦♦

تجارت بندہ میں آئے تھے، مگر اس کے بعد ان کی اقتصادی حالت میں بدست پہلے کے ایک انقلاب غلام ہو گیا اس خزانہ پر مشہور
جیاتی مذہب نظر سے اپنی کتاب میں سندہ کا ذکر کیا ہے وہ کتا ہے سندہ میں تین دوس فریق اور ہر ایک کے کاروان تجارت برابر
آتے تھے جی و دیگر تجارت کا زراعت پر گرم تجارت اقلیت پر بکلا پہلے سندہ میں دو ملک در تاب کجرت بازاروں میں و تیار ہونے
گئے تھے

ابن حقل ما طری کا جزا فر دیکھتے سے معلوم ہوتا ہے کہ دھدی کی عربی حکومت نے سندہ کی حالت بالکل بدلی
تھی، قنداریل، جندہ در، لغو، خر و سانی، خر و ن، رھدہ، تجارت کے خاص مقامات تھے جہاں نویں چھاؤنیان، خاشی و نامتگی
مقامات اور شفا خانے بنے ہوئے تھے، سبندن کے ابھی شانتانات نے کر نیکی کے ملک کے گورخون میں چھاؤنیوں مقرر تھیں، ان تمام پوزن
سے نوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ محمد قاسم کے زمانہ میں مذہبی آزادی، رعیت پروری اور عدالت کسری کا رگد داخلی اور برتر اختتام
کیا گیا تھا محمد قاسم کے عمر خانی کے بعد اگرچہ عالم اسلامی میں بہت کچھ انقلابات رونما ہوئے اور اسلام کو سانی کی ایلاد و اعات سے
نیو تیا س بنی آئینہ بر غالب ہو گئے، لیکن یہی جلیقہ المقتدر باللہ کے زمانہ تک عورتوں کا تعلق سندہ سے بہت کچھ باقی رہا، سندہ و ادار
و عمل سندہ میں بھی گئے، دواؤن نے بھی خود وقت تک محمد قاسم کے قائم کردہ اصول کو دستور العمل بنانا اپنا فرض منصبی خیال کیا،
اس کے بعد شفا، اکبر کے زمانہ تک ملک سند میں مختلف خاندان شفا، جام، چو پان، سندہ، ادھون اور خزان کے نمراد و خزانہ حکومت
رہے رہے گرگلی مات کو قیام و استقلال حاصل دیتا، اس وجہ سے یہ چہ رنگا ناخت و خوار ہے کہ انھوں نے اپنوں اور بیگانوں کے
ساتھ کس قسم کا رونا دکھا اور اصل جہاں ہائی کس حد تک تباہا، اس کے تقریباً پونے تین صدی بعد سندہ دستیان میں محمود غزنوی کی
شمشیر پہنچا دیکھنے لگتی ہے بہت بڑے جاگیریں، عیال قتل ہوتی ہے اور مذہبی مقامات اور سندوں کے دو ماہر بوٹ لے جاتے ہیں،
دی انظر میں محمود کی یہ تمام کر دیکھن ایک ناسخ کا نشان کے بالکل غلط نظر آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ غالبین کی طرف سے محمود پر تعصب
یہی کا الزام لگھا جاتا ہے، لیکن عدل و انصاف کا یہ نقصانین کہ دنیا کی کسی شے پر خدا ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر اس کے حسن و قبح کے
ظن قطعی تبدیل کر دیا جائے، اور انظر میں لامر یہ ہے کہ دنیا میں اس قسم کے جتنے ناجائز کر رہے ہیں اور جنہوں نے اقوام مفتوحہ پر اس قسم کے
ظالم دھائے ہیں انکا اصل مقصد دولت و ثروت کو حاصل کرنا تھا تعصب نہیں ہے انہیں کچھ سرور و کار دتا کر نہیں وقت اس کے سلسلے
کا وہ اس قسم کا کام کرتے تھے جس سے کڑا، اقوام کے مذہبی جذبات کو سخت ٹھنسی لگتی تھی، بعد پچ جو آج تہذیب و تمدن کا مدی ہے
وہی حالیکہ رن میں کرنا نظر آتا ہے اس کا تازہ خال دیکھنے کیلئے جنگ طلبی کے حربہ نگار واقعات کو بھڑکڑھٹا ہے، جس نے
اسی حالیکہ رن میں ادجاہ چتر میں خود اپنے مذہب کی تم کے بنیادوں کو دھما دھکا ہوں کو صحتی سے ناپید کر دیا، اور انھوں نے اس کا
لادوی روح ہیبتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن کیا میں آپ کو چھو سکتا ہوں کہ جرنی کی یہ انسانیت سزا کو کتنی تعصب نہ بھی
نہا، پر تھیں، اناناس و حقائق کے لحاظ سے اسکا ثبوت نہیں کیا جا سکتا ہے؟ جب دنیا کی مذہب سوسائٹی طے پرستی اور

کشت و خرابی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر کچھ سے آٹھ صدی پیشہ میں جیل جیل ہو رہی حالت گنتائی کے ظاہر میں
برسر ہے تھے اور جن و شاہنشاہی سے تعلق تھا، اُنہیں خود وہ ظاہر میں ان افسانہ نگاروں کے ویرس سے آزاد ہوئے، واقعہ ہے کہ انہوں کی تامل کی
اصلی حرکت نہ کی تھی، وہ دولت کا روم تھا، اور کچھ مال و متاع پر پاروں کے ہاتھ مندروں میں گر گئے، ہزار ہا چاہنے والے آتے، ان میں سے
آکر گرتے تھے، یہ ثابت و حد سے کے ساتھ کیا جاسکتا ہے کہ چند رستوں کے چند راہ پر خاستہ اگر سادہ کی طرح درویش سے خالی رہے، تو خود بخود
اور حال الدین دکن پر کسی طرز پر نہ ہوتا، علاوہ برہمن اندام سادہ دلوں کی کچلی اکیم کا ایک جزو تھا، چاہے وہ اسلامی مکتبون کے ساتھ انھیں
وہی بڑا دیکھا، وہ منہ دُن کے ساتھ کچھ دُنوں پر نہ تھے، اُنے ملا تھا، غرض کہ خود کا یہ حال اقتصاد کی طرح کی بنیاد پر صاحب ذہن کو اسے مزاج میں
کچھ دخل نہ تھا، اور اگر کسی دنیاوی طبع و دماغ پر کسی کا خود کو نظر اُٹھا جاسکتا ہے تو پھر دنیا کا خود دیکھا، ناسخ اس الزام سے بری نہیں ہو سکتا
پھر کئی خود دے کہ کچھ کیا کائنات جنگ کیا اس کا نشی کے زمانہ میں درویشی و بربریت کا کوئی واقعہ اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، حکومت کی
حیثیت سے خود کا افسانہ چند رستوں کے ساتھ ہی تھیل رہا، گلوں حالت میں وہ عدل و انصاف کا پہاڑ بنا دیکھا، خود نے اللہ علیہ السلام کی شہد
ہیت و ان عالم خود کے ساتھ چند رستوں کی سیر کر نکلا، اس نے اپنے سفر میں دیکھا ہے کہ خود کے عہد میں اس دُنیا کا کوئی دور و دور تھا
خیر، تو ہم کے ساتھ ہی انسان انصاف کا کام لیا، اُن کا راجہ لال اور خیر خالی تھی، خود کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود نے اپنی قائم گاہ
کی اتنے چند دریا کے ساتھ ہی کچھ سیر کر لیا، جس سے اس کی ریت پر وہی شرافت نفس کا کافی ثبوت تھا، اس کے زمانہ میں احمد نیاں ملگین
ہندوستان کا پہلا بادشاہم دور کی طبع سے اتنے بنارس سے ہندوؤں کے شہر شہر غارتگری کرنے پر آمادہ کر دیا، سلطان اس موقع پر اس کی
گورنری کیلئے جس کو شہر کیا اور اس کے پائے چکے، وہ سالار بنایا، اس کی مثال آج تک ہندوستان میں نہیں پائی گئی، وہ ملک اپنی ایک ہندو تاج
خاصی اہلکس بنیاد پر آری جیسے اساتذہ فن کی فیض صحبت کا مزید یافتہ تھا، اس نے امر کی شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر دیکھا، شاہی میں رولا گیا
سلطان ملک کی اس خدمت کا دل سے ممنون ہوا، اس واقعہ صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو چند دریا کے نیچے ہندوؤں کی کثرت پر ہندوؤں کی
منظور تھی، غرضی خاندان کے بعد تخت و تاج پر غلام علی نقی مسید کو دے دی اور مسود خانہ دُن کے خلیفہ امیر و سلاطین نے اس کی مدد کو ایک شہر
کے ساتھ حکومت کی لیکن اُن کی حکومت ہمیشہ ہی حالت پر وہی تھی، ایک واقعہ پر قیام رہا، طوائف الملوک اور غلام جگیدوں سے کبھی فرصت نہ ملی تھی

مکتبہ دہلی صاحب گیتے پی ۱۔

یہ واقعہ اسلام شمال ہند میں شاہی خاندانوں کے اتنے ہوتے یا جنہوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں، انہوں نے کچھ
ہوا دیتی، ان میں اکثر ایسے تھے جو کچھ بیخوب کی علت نہ ملی، کیونکہ تو ملک کے فتح کرنے میں اتحادت عربوں چھوٹا ملا، جنگ سے ان کو فرصت
دلی، یہ مسلمان فاتح و فخر و شہسوار تھے، انہیں ہندو تھے، عرب کے دین پر غور و فکر و استحکام تھا، اور وہ جو غرضی اور دہلیہ جو سامن کی فتح کی اطلاع کا
کا تمام ہوا، دیکھا کہ خود عرب کا بادشاہ اسلام لے نکلا، چھوٹا دیکھا تھا، یہ سلطنت انھوں نے قائم کی، ان کی حیثیت میں پیشہ رہی، یہ
گرا، یہ ان باتوں کے اکثر ان کے عہد میں کچھ سیر و شاد و اب رہا، چند دریا میں دوسروں کے انکار نے، اصل آزاد و خود
مقتدر تھی، ان کے مذہب میں بات کا طرح لایا گیا تھا، اس نتیجہ پر کہ کچھ شہر و شاد و اب رہا، کچھ خور و خور، چھلان، ہلکے، کھل کر گوتے، کچھ

تو ستمی ہندوؤں کے ساتھ ہمدردی و مہمانیہ نہیں، اسکا دربار بیتہ ہندوستان سے بھر لیا جاتا تھا، اور خلیفہ خلافت کے مرادوں میں کچھ
 میں خلیفہ و فرزندوں میں خیریتا مسلمان ہی کام کرتے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ خدیو کی زبان فارسی تھی اور ہندو جو کچھ اس کا تعلق اس کے
 قتل وادہ سے مراد رہا جانتے تھے، لیکن سلطان سکھوں نے ہندوؤں کی جانب سے ہندوؤں کی زبان فارسی میں کچھ نہیں فرماتے تھے، اس
 سبب سے ہندوؤں کو ہندوؤں کے انتظامی نگہ میں ان کی کافی تعداد نظر کرنے کی بغیر شاموں کے اور دربار شاہی سے وفاق ہانچنے
 طبعی خواہ کے زائد یہ خواہندہ جو مسلمان سب سے دشمنی کی زندگی بسر کرتے تھے اور اگرچہ اس کے اکثر اہم زندگیاں جنگ و جدال میں
 بسر کرتے تھے، لیکن اسنے قلب کا میں جن دشمنی کے ساتھ انتظام کیا تھا اسکا خطرہ کہ اسکی خدا واد انتظامی قابلیت کی تائید کرتی تھی ہے۔
 اسکا اصل ہوا میں شہرت پر پہنچا، اسکا قتل ہے کہ عدل تمام خلیفہ میں ایسا جو ہے کہ وہ سب کو پسند ہے کوئی طاعت عدل کے بل پر نہیں
 چسکتی کفر اسلام و دون عدل کے سچ ہیں اگر اسکا سارہ خلیفہ کے سب سے اعلیٰ اسکی صحت کا سرشت خوف ہائی، اسنے تمام عالم
 سکھوں کو کام کے بل پر پھر کرکسین بنائیں سرانے اسپتال بنی کر دئے۔ لیکن اسکی بے قصور اور عدل پر دوسری کا جو مشہور واقعہ ہے
 وہ ہے کہ شاہ زادہ عادل خان جو فیض شاہ کا بیٹا تھا، اور مگر کے ملک کو چلے آتی پر سولو چکر لگا کر ایک ہندو قبائل کی خدمت پر پہنچ کر اپنے
 بھائیوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتا تھی شاہ زادہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ بڑا زچہ اور باطن کا بڑا چکر لگا کر اسکی خدمت میں پہنچ کر اسکو
 وچکر کو بیٹے ہی پسند کر لیا تھا۔ وہ خود کشتی پر گیا، شہر کو یہ اسکا طبعی لڑائی ہے کہ تمام اندر اسکو دس سالہ کو دبا تک لیکھا، شیروان پر
 کچال آتی پر سولو ہندو شاہ زادہ عدل کی حکیم سائے آئے اوردہ لے جانے کے بڑے چکر لگایا ہے۔

شاہ زادہ کے خلاف اس قسم کا فیصلہ کرنا کچھ آسان کام نہ تھا کہ عدل و انصاف چسپاں ہاں نہ ہو، لیکن انسان کے دل میں جو
 چاہا ہے وہ فحش اور لادری قابل گیا، اسکا دے اور نے یہ دیکھ کر شاہ زادہ کی برکت کیلئے اپنی انتہائی کوشش کیا، انکار کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا
 خود عدل نے شاہ زادہ کے قصور کو نہایت کر دیا، اور ان تمام مجبوریت سے اسکا اپنی نظر پر چشم بصیرت سے و انصاف کام لیا، فیض شاہ نے اس
 ہمہ وقت ہر گز فرما نہ لیا، فیض شاہ کے چاہنے خلاف فحش اور عدالت کا جو معرض کیا ہے اس کے دل میں ہندو عدل کے نہیں جانا
 اور احساسات کی پاسداری کا میں جوت میں تھا، پر رہ چکا ہے اپنے انصاف و عدل پر نازان ہے کیا اس میں اختلاف فیصلہ کی کوئی خلیل
 اپنی عدالت عالم کے فائدہ پر قدیم نظائر میں بھی کر سکتا ہے، اگر کہیں تو پھر وہ میں میں اور دکانے نکھار دینا سلا میں اسلام پر ایم
 وکنا تنصیب و عدالت سے کسی طرح غالی میں ہو سکتا۔ خود کہ ترک و انتہائی کی مدد سے دوز حکومت میں شاید ہی کسی حکمران کے انتہا
 ہندوؤں کو تکلیف پہنچی ہو، انش، رضیہ، کیم، فیاض الدین، یحییٰ، ابراہیم، سکندر، دودھی، نے غیر اوقاف کے ساتھ اصول صحت پر دوسری
 کو آخری وقت تک نبایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض سلاطین کی طرف سے ہندوؤں کو خاص شکایت ہے خصوصاً اسلانی میں ہے کہ
 اس نے کسی ہندو دربار کو کچھ لالچ دیا، اور کوئی کوئی صحت اٹھا کر کسی ہندو اور ہندو عدل کو توڑ دیا اور ہندو راجا کی بے غیرت
 عہدہ چھوڑ دھول کی انکی تاریخ میں زعفران سے دیکھ کر ہوا سکامی جی جی ہم ہندو فرقہ کی کے طبع کے ساتھ ہوا، اس کے قصور
 اس میں میں اسکی سبب عدالت اندر کے حصہ اندر چسپاں کی انتہائی خرابی تھی اندر ایک طاہر مرسر ہے جو کچھ لالچ اسکی جسٹس کا ہے

(۵) ہمیشہ خیرین ہی ہمارے دل کو اپنے عشق سے منور کرتے ہیں۔ سلام کے لئے باعث شکر ہوں گے۔

[illegible]

کامین ندری اخطا کے ۵ کی غلطی کی موجودگی۔) اور
 آپ نے اس بار ہی حیرت انگیز کیا؟ شون کو تو اس کام کی عمدی دامت کا تقدیریل تھا مسلفت تمید کا جو بن ہندو
 میں یکم غم کے زمانہ میں ہوا جس شفا کا کوئندھا کیا کہ جنت علی اس کی ہی داستان کو کہہ کر ہی کی کتب تاریخ میں نظر
 آسکتا ہے کہ کاحول میں طائر تھا کہ رچھو تو کہ طویل گمن تھا غلام حکمت کے جیسے بڑے کامین بن نگاراجا نے چاہا اس کی بہتر تہذیب
 کی کہ جنت راجا کان کے گندھانوں کے ششہ مصاہرت تاکم کیا کے وہ میں ہندو ملام ہی ادا کر گئے بلکہ کلاوہ کو ششہ
 کی تانت کے مروجہ میں کی ہو بہا میں اس میں کے تقریب کی جاتی تھی رہبان ملک رجبہ ملائم ارا جہاں شل رندہ پیر گھانسی ادا
 ماموگھنات داس کی صورت آکر کی گاہا تھی کہ وہاں ارا جہاں شل رندہ پیر گھانسی ادا ماموگھنات داس کی صورت آکر کی گاہا تھی کہ وہاں
 جوبہ اتحاد میں ملتا تھا اس کے ساتھ میں تلچھوٹوں کو بھی دیسا اور وہاں تلچھوٹ کے انتظامی گھرانہ میں ہندو کو
 کثرت کے ساتھ شرم کے امتیازات میں تلچھوٹ کی کثرت سے معلوم کیا کہ وہ مختلف صاحب ہو کہ وہاں تلچھوٹ

قواعد

—

تاریخ

مجلس

7

فہرست

هفت پڑی

انکلی گونہ بن ہندوستان سلطان ایک ساتھ کام کر رہے ہیں لیکن اب وہ اس اصل مخالفت کے حکم ذات یعنی عقلمن بن ہو کر واپس
 چلا گیا جیانی ہے لیکن ہمارے ہندوستان میں وہ طاقت پالوں کی طاعتی راست بازی کی نظر سے گزر دیکھیں تو انہیں عالم کے گناہ کی
 جانت بن کر ابلیس بن گیا جو انسانییت سے منافی اس وقت کے عظیم نشان غرض و قاصد کے خلاف ہو گیا جانا ہے کہ عالمگیر
 نے ہندوستان پر جو غزوات کیا ہیں وہ تو یہ ہے کہ اگر اس جرم کی تکلیف عالمگیر کی دقت پر کرتی ہے تو شاید ان کے عالمگیر کی اس عزم سے بڑی
 ہندو کے جو حقیقت یہ ہے کہ بزرگ ملکوت میں یہ نظام کیلئے بنائے ہوئے قوتی ذات ہے۔ ان کو چاہا ہے کہ ان کے اس سبب سے
 کہ ان کو اس وحدت میں سلطان سلطان پر ان کے جان مال کی مخالفت غرض ہندوئی ہے۔ پھر لطف یکے جو زمین، زمین ہندوؤں
 پر لگایا جاتا تھا تو قدرت صبح الزمان اور صبح راہوس کی دقت بڑے بالکل مختلف تھے اور کھنڈ ہے اس سے بڑی جگہ
 جانتے تھے جب کہ شریعت سے تھے اور بارہ سے زیادہ عصب تک تھے پھر زمین جگہ کنڈر ان پران ہندو میں کہا، ان کو کہ ہم
 انہیں جو کہ شریعت میں مذکور ہو کر سکتا ہے۔ یہ کہ کوئی دنیا میں ایسا نہ ہو کہ انسان ہو گا تو اس چندم کی ان کی جگہ سے ان کے
 غرض و سبب و دقت کو تو یہ دیکھ لیا پھر اگر ان کے ذہن کے حکم سے زمین کے اعتبار میں ہندو کی جگہ ہی جس کے لگا دیا گیا
 بہت فکری تھا ان تمام سادہ کا تو یہ عالمگیر کی طرف سے مذکور کیا جانا ہے اس کی جگہ یہ کہ ہندو ملک کے مختلف پانچ نشان میں سلطان
 چونکہ اپنے کتب میں ہی کی جگہ سے رہے تھے اس لیے ان کے غرضی قوتی ذات ہوتے ہیں کہ ان کو بڑے قوت سے سبب تھا پھر
 یہ دیکھ لیا کہ انہیں مخالفت کر دی بارشاد کے زمان کا ملک بن جاتی ہوتا تھا کہ ہندوؤں کے مختلف مقامات متحرک کیا ان تمام میں
 ایک قدر ضروری ہو گیا تھا اس میں اس قدر کو رخ کرنے کے لئے عہد قسطنطنیہ میں مقرر کیا گیا مگر کثیر ہندوؤں کی اعتبار ہندوؤں سے ان کے جان
 کے ساتھ اپنے گناہ میں عالمگیر مرنش کے طور پر لگا ہوا ہندوئیں اس وقت اور جو کہ ہندوؤں کو ہندو کر دیا اس موقع پر ہندو
 ہر کتاب ہے کہ اگر ان کے ذہن کو اس قدر کھلا دیا جاتا تو ان کے لئے ہندوؤں کی کام میں لانی با سکتی تھیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ عالمگیر کی
 نرم مزاجی اور اجماع کے وقت میں دلا شہور کی چند برقی نے ہندوؤں کو نہایت بے باک سے مست بنا دیا تھا اور نہایت آزادی
 کے ساتھ سلطان ہندوؤں کے ساتھ شادی کرنے لگے تھے اور ان کی عادت چھوڑ کر ان کو ان کی فکر تیار تعمیر کرنے لگے تھے شاہ جہان
 نے ان کو ان خیالات سے باز رکھنے کے لئے بہت کچھ نہیں کیا مگر ان کا کاروبار میں ہندوؤں کے فیصلہ و مانت نے تیار نہیں کیے
 اس پر شاہ جہان نے ان کو بہت کر دیا مگر پھر بھی وہ اپنے شاہراہوں سے ایک قدم پیچھے نہ بٹے عالمگیر کو ان میں ہندوؤں سے
 پانچ انداز اگر بارشاد نے ان کی جگہ کیسے ہندو سادہ کی ایک ایسی مزا شریک کو جس کے بعد ان کی گزشتہ بدامنیوں کے نتائج پھر اس
 سے بہت کم ہو کر رہ گیا، پھر بھی انہیں مخالفت کے قورے کے لئے جہان بخت ہوئی تھی عام جانوں کے ساتھ بھی بدامنی
 نہ لگایا۔ ایک مذہب پر ہی عزم لگایا تھا کہ اس نے ہندوؤں کو عادت سے بڑھ کر دیکھ کر ان کی پکار اس زمانہ میں وہوں
 عالمگیر کی کہ ان کو ان میں نہایت درجے تھے خانی خان کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شہرت ستانی کا شہر اختیار
 کے عالمگیر سے مل جاتی

[illegible]

سلطان قیسیم - پانڈی کے ۱۶۷۵ء و ۱۹۴۰ء میں گرنے۔

نہایت - سونے کا کلو ۱۶۵۰ گرین چاندی ۱۷۹ گرین تانبا ۳۲۹ گرین -

[illegible]

ملک ترک چاہیگری، صفحہ ۱۳۳۔

[illegible]



1

2

3

4

5

6

7

نوادس

تحفہ مہر الہی صاحب

تفسیر سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص
—• خلا بخش خان



•

•

•

•

مَسْبُوتِ قَلَمٍ
أَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْإِسْلَامَ

لکچر

مقرر

تفسیر سور فاتحہ

سور اخلاص

مستف

عالمجناب خان بہادر مولوی خدابخش خانصاحب

چیف جسٹس ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

مطبع مقید دکن واقع حیدرآباد دکن

100

100



اور شور سے بنی اسرائیل کو بھی۔ اور پھر ان بنی اسرائیل اشاعت و اعلان خدایتی
 میں بہتری کو پیش کرتے تھے۔ اس وقت جو نورات و زبور ہلوگون کے ہاتھوں میں بن
 آئے طریقہ پرستش اور تعالیٰ صاف طور سے پایا نہیں جاتا۔ مگر دیکھنے سے اُنکے اعتقاد
 بخوبی ظاہر ہے کہ پرستش جناب باری تعالیٰ تھی اور توحید بھی تھی۔ مگر یہ بات بھی
 ظاہر ہوتی ہے کہ وہ بعض ابتدائی حالت تھی اور خیالات عالی اور بلند کو وہ بیکار نہیں ہوا
 جو فرقان مجید کے ذریعہ سے پرستش جناب باری تعالیٰ کا ہوا اور توحید بالمعنی دیت کی
 تکمیل ہو گئی۔ تسبیح و تہلیل تھی اور تسبیح و تہلیل ساتھ نذر اور ساز کے پائی جاتی ہے۔
 انگریزی میں جو ترجمے نورات اور زبور کے ہیں انہیں دو لفظ اکثر استعمال کیے جاتے ہیں
 یعنی ہم (Hymns) اور سام (Psalm) ہم کے معنی تسبیحات یا گیت
 ہیں اور سام کے معنی مزامیر کے۔ چنانچہ زبور کا ایک حصہ مزامیر داؤد ہے اس
 (Hymns) غنایاں مقدس میں جیکے ساتھ موسیقی کا برتاؤ ہوتا ہے اور یہ قدیم زمانہ
 سے پہلے آتے ہیں۔ اور قبل و بعد ولادت حضرت عیسیٰ کے اس قسم کے تھے۔ مزامیر ہی
 عبادت تھے۔ اور موفین کی تحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اولاً پھر سرائی
 عبادت کے ساتھ کی گئی ہے وہ حضرت مریمؑ نے حضرت مارون کی بعد مصر سے
 غنایاں پانے کے کی ہے۔ اور اُنکے ساتھ دف بجاتی ہوئی اور لڑکیاں بھی بنی اسرائیل
 کی شامل ہوئیں تھیں بعد اسکے یہ نغمہ سرائی حضرت داؤدؑ نے کی اور اُنکے ساتھ بنی اسرائیل
 کی لڑکیاں اس کارروائی میں شامل تھیں۔ اسی طرح مزامیر داؤد ہمیشہ ساتھ نغمہ کے

گائے جانے تھے۔ جب معبد بیت المقدس کا بجے ساتھ آٹیکس اپنی بیس (Siphon) نے بے ادبیان کی تعین ساتھ معبود اصلی کے خاص کیا گیا اودقت بھی یہی مزامیر ساتھ فنون کے گائے گئے تھے یہ رواج برابر جاری تھا۔ یہاں تک کہ جب حضرت عیسیٰ گرفتار ہوئے ہیں خود انھوں نے بعد کھانا کھانے کے مزامیر نبی اللہ و نبی اللہ کو صوب قول علماء نصرانی اپنی آخری عبادت میں پڑا ہے۔

مزامیر سیمین (Simon) اور اوفال حضرت زکریا مقدس مزامیر تھے جاتے ہیں نصرانی علماء اور اہل مذہب نے بہت سے مزامیر اس قسم کے ترتیب دیئے ہیں اور اس وقت وہی مزامیر گرجوں میں پیاؤ (Piano) کے ساتھ گائے جاتے ہیں دوسرے صدی میں حضرت عیسیٰ کے بھی بہت سے اس قسم کے نئے گائے گئے۔ مگر ایک شخص جس کا نام پال (Paul) تھا آئے ان نئے سرسویوں کو رد کیا۔ مگر (Goussind) Antioch) ایسے ان کا کہ نے جو مشدہ میں ہوا تھا اس کی مزاحمت کو ناجائز سمجھا۔ مگر ابعد کی کونسل نے جو لیوڈیا (Laodicea) میں ہو۔ یہ جو بزرگی کہ عموماً اشخاص جو مزامیر ترتیب دین وہ قابل استعمال نہیں ہیں۔ (Greek Church) بنے بنال نصرانیوں میں جو پوس اس وقت گائے جاتے ہیں وہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے گائے ہوئے ہیں اور (Western Church) بنے مغربی عیسائیوں میں جو پوس استعمال کیے جاتے ہیں وہ مشدہ میں بنے ہیں اور اسکے بعد اور بنے نے سپر افروڈ کے میں قسم کے پوس کے مصنفین جو اب استعمال میں ہیں بہت سے ہیں۔ ان کی تفصیل کی حالت

نہیں۔ میں یہاں بطور غور و انقباس کر کے پہلے اس مضمون کا ترجمہ کرتا ہوں جو حضرت مریمؑ حضرت داؤدؑ کی بہن نے گایا تھا۔ بعدہ بعضے مزامیر داؤد کے ترجمے کر دینا ہوں۔
پہلے یہ مضمون دہلی سے بحث کر دیا۔

کتاب مغرباب (۱۵) فقرات (۲۱ و ۲۲) یوں ہیں ”حضرت مریمؑ نے جو ہیں حضرت داؤدؑ کی تعین و وف اپنے ہاتھ میں لیا اور زمانہ بنی اسرائیل نے بھی وف ہاتھ میں لیکر مانچنا شروع کیا اور حضرت مریمؑ نے یہ کہہ کے گانا شروع کیا کہ اوس خداوند کی حمد گانا چاہئے جو نہایت عظیم ہے جسے گھوڑوں اور انکے سواروں کو سمندر میں ڈبو دیا۔“

حضرت داؤد کے مزامیر (۱۴۹) ہیں اور بعضے روایت سے (۱۵۰)۔ ان میں سے جو نے مزامیر کا مضمون یہ ہے ”جب ہم نے رجوع کیا۔ خداے منصف نے ہمارے نوحہ کیا۔ خدا یا تو ہمیشہ ہماری مصیبت میں کام آیا۔ ہم پر رحم کر اور ہماری دعا کو سن۔ اے بنی آدم کب تک تمہارے قلب شست رہینگے اور کب تک تم کو سخت کر دے گا جو اس بات کو کہ خداوند پاک عجیب ہے۔ جب ہم اس سے فریاد کریں گے وہ سنے گا۔۔۔ الخ“

پھر مزامیر یہ ہے ”اے خداوند ظالم سے ہماری جہنم نائی ذکر اور نہ غصہ سے ہماری تنبیہ فرما۔ خدا یا ہم پر رحم کر۔ ہم کمزور ہیں ہلکے تندرست کر۔ ہماری روح کو سخت تکلیف ہے خدا یا ہماری طرف نوحہ کر اور ہماری روح کو بچا۔ بہ نصبتی اپنے رحم کے بلکہ بچا۔۔۔ الخ“

مرزا میر نصیر اللہ۔ مٹھایا ہماری سن اور ہماری دعا پر توجہ کر۔ یہ لہجہ ہے قربِ لود سے نہیں ہیں۔ ہمارا مٹھکا تا اپنی توجہ سے فرما دے... الخ

مرزا میر نصیر اللہ و نصیر اللہ و نصیر اللہ وہ ہیں جو حضرت عیسیٰ نے بعد کھانا کھا اپنے کے تموز اقبل اسکے کہ وہ ہاتھ میں دشمنوں کے آدین پڑ ہاتھا۔

مرزا میر نصیر اللہ۔ حمد کہ خدا کی اسے بنی آدم۔ اور ثنا کہ واسکے نام کی ہمیشہ نام خدا کا پاک ہے اور رہیگا۔ طلوع آفتاب سے غروب تک نام پاک کی خدا کے ثنا کرو... الخ

مرزا میر نصیر اللہ۔ پہنے اسکو پیار کیا کیونکہ خدا ہماری دعائے گا۔ آسنے ہماری نذر توجہ فرمائی ہے اور ہم روزانہ اسکو پکار رہے ہیں۔ موت کے غم نے ہکو گھیرا ہے اور خوف و دوزخ ہے۔ ہمپر درد و غم لاقی ہیں اور ہم خدا کے نام کو پکارنے بن خدا یا میری روح کو اس سے بچا۔ خداے پاک رحیم اور منتفع ہے ہمارے خدا ہم پر رحم کر... الخ

مرزا میر نصیر اللہ اس ترتیب سے ہے کہ زبان عبرانی کے درون پہلی کا ابتدا انتہا تک ایک ایک حرف بہ ترتیب ہر جگہ کے ابتدا میں آتا ہے۔

خوشا بحال انکے جو اس خدا کی راہ میں چلتے ہیں اور اس کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ خوشا بحال انکے جو اس کے احکام کو ڈھونڈتے ہیں اور دل سے اسکی تلاش کرتے ہیں... الخ

ایسے ہی قریب قریب معنائیں تمام ان مزامیر میں ہیں۔ اگر کوئی شخص ان مزامیر
پر سے طور پر صحیفہ سجادہ سے مقابلہ کرے جو منسوب حضرت زین العابدین سے
ہے تو بے شک ان دعاؤں کو بہت کچھ ترقی کرنا ہوا پائے گا۔

اب وہ دعاے خاص جو مسبق قول سینٹ مٹھو (Saint Mathew)
حضرت یسے نے فرمایا تھا اسکو باب چہ کے دفعات ۹ سے ۱۳ تک میں پائے گا
اسکا مضمون یہ ہے۔ "خدا سے یوں دعا مانگی جائیے۔ ہلوگوں کا باپ جو آسمان میں ہے
اسکا نام پاک رہے۔ تیری سلطنت دنیا میں آئی۔ اور تیری مرضی زمین پر ہوگی
جیسا کہ آسمان پر ہے۔ ہلوگوں کو آج کے دن روٹی دے۔ غذا یا جمارے دیون معاف
کر دے اور ہمارے دیونوں کو معاف کر دے جو اؤ ہوس سے بچا۔ بانیوں سے
محفوظ رکھ" سینٹ لوق (Luke) نے روٹی کا مفہوم رسم سکرامنٹ
(Sacrament) کو سمجھا ہے۔

مکو۔ بات یہ تحقیق ایک ایسے شخص سے معلوم ہوتی ہے کہ جسے برسوں
نفرانیوں کے ساتھ عبادت کی ہے کہ یہ جملے اسی طرح سے ہر عبادت میں نذرانیوں کی
شامل ہیں جیسا کہ سورہ فاتحہ ہلوگوں کی نماز میں۔

ان مزامیر خواہ ادعیاں میں جس نغہ سے چاہیے تعبیر کیجیے۔ بڑا امر خیال کرنا
یہ ہے کہ دوسرے قدرت باری تعالیٰ کی ہر ہر خاص کام کے احاطہ میں یہ دعا
ای نہیں بھی خود محمد و دین اور خلق اور دنیاوی سے ہیں۔ حالانکہ مقصود دعا کا اظہار

بیشہ طلبِ کامل ہے۔ کوئی غیبِ خاص۔ غمتِ کامل اُس واحدِ کامل کی فتنہ سالی ہوگی اور مخالفتِ تہجدِ نافرمانی سے اُسکے ہے۔ ایسے جنابِ باری سے کہ جسکی وحدتِ کامل ہے اُس سے غمتِ کامل کی طلب یہ ہے کہ وہ اپنے کو پہنچا دے اپنی راہ پر چلا دے اور خطرِ گمراہی سے محفوظ رکھے تاکہ اُسکے غضبِ مین نہ پڑیں۔

اسلام نے عبادتِ غنا اُٹھا دیا۔ اور سماعتِ غنا عموماً متنع ہے۔ اس باب میں امامِ غزالیؒ نے ایک مطول بحث کو اپنے دو بابوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے باب میں اباحتِ سماع اور اُسکی حلت و حرمت کی حالتیں بیان کی ہیں۔ دوسرے باب میں آثارِ سماع اور اُسکے آثارِ مین۔ اس تحریر کے احاطہ سے اس بحث کو طویل بنا باہر ہے۔ مگر مختصر سی وجہ عبادت سے غنا کے منقطع کر دیے جانے کی بیان کیجاتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں کہ غنا تغذیہ روح ہے اور عمدہ خیالات والوں کے خیال کو اعلیٰ درجہ پر پہنچاتا ہے۔ لیکن بسا کہ اچھے خیال والوں کی روحانی قوت کو بڑھاتا ہے ویسے ہی شہوانی خیالات والوں کے خیالات کو زہری دیتا ہے حسبِ قول مولوی سہانچان را آہنجانِ تربیت۔

اور عبادت و صلوة میں تنقیح و تنقید طابع کی شکل میں ایسے اس سے بالکل علم و گمنامی کی گئی۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ گناہ بھی ایک عمدہ فن ہے۔ سینہ عبادت و صلوة میں اسکا داخل ہونا عموماً مانعِ خضوع و خشوع ہوتا۔ اگرچہ خاص طابع کے عبادت میں مفید پڑتا۔

عبادت کے متعلق دو لفظ قرآن مجید میں پاسے جاتے ہیں تسبیح اور صلوة۔ لفظ تسبیح کی نسبت امام راغب نے اپنے مفردات میں لکھا ہے کہ اصل معنی اس لفظ کے گزرنا یا چلنا سرعت کے ساتھ ہے۔ پر ہنگامہ و سرعت فی اہل ہے اور عبادت کے لئے یہ لفظ قولاً و فعلاً موضوع کر دیا گیا۔ شایخ فاموس نے اپنے شیخ کے کلام سے باستیلا بعض احادیث پر بھی لکھا ہے کہ سبحان اللہ جملہ صبر ہے اور مقصود اس سے اظہارِ شہادت و اعتقادِ تقدس و تقدیس باری تعالیٰ ہے۔ اس کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ نسبت قدس کی جمیع فصل میں اس کے کہا جاسکتی ہے اور بھی اس لفظ سے سلب نقایص اس کے مقصود میں صلوة کا مفہوم اس عبادت سے ہے جس میں رکوع اور سجود شامل ہیں۔ اور سر مرتضیٰ شایخ فاموس فرماتے ہیں کہ تَذَكُّرُ اللَّهِ تَعَالَى وَفَالِ الصَّلَاةِ فِي الْفَتْحِ شَرْكَ بَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَالْعَبْدِ وَالْأَمْرِ وَالْإِزْكَارِ قرآن مجید نے جب کہ توحید بالذات بنایا ہے اسی محکمہ کے ساتھ توحید بالمعبود بھی سکھایا ہے۔ پیرایہ قصص میں حضرت لقمان کی نصیحت اپنے بیٹے کو نسبت توحید بالمعبودیت کے فرمایا یَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ اور ایک دوسری آیت بشر میں بطور امر فرمایا وَكَانَ يَرْجُوا الْقَارُونَ فَأَتَاهُمُ لَمَّا صَبَا وَلا تَشْرِكْ بِهِ فَإِنْ أَحَدٌ بِهٖ

ان آیات کے سورہ فاتحہ کے معنوں کی وسعت خیال فرمائی اور اس سورہ کی نسبت جو کچھ ہمارے مفسرین کی راہ ہے میں انکو بطور اختصار گزارش کرتا ہوں۔

سورہ فاتحہ وہ سورہ ہے کہ جو ہر صلوة پنجگانہ کا ایک جزو ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس سے مقصود طلبِ نعمتِ کامل ہے۔ پہلا جملہ اس سورہ کا الحمد للہ رب العالمین

اور باب نصوت کا ایک نکتہ طبع ہے کہ جناب باری نے ائمہ فرمایا نہ ائمہ بعینہ امر کیونکہ
 اگر امر فرمادیتا تو واجب الاذعان ہو جاتا اور نہ کنا اسکا معیان۔ لہذا ائمہ فرمایا یہ
 دیباہی ہے جہاں مرہبان باپ بیٹے کو کسی کام کی فراموش نہ کر کے کنیت یا مصلحت ہدایت
 کرتا ہے۔ ملاکی راے یہ ہے کہ ائمہ میں الف لام استغراق کا ہے۔ اگر الف لام استغراق کا
 قبول کیا جائے تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ کی حو۔ مگر صاحب کنات کی راے یہ ہے کہ یہ
 تعریف میں ہے اور چونکہ وہ معزلی ہے اسلئے اسے استغراق سے کنارہ کیا۔ اس میں
 بحث مطول ہے کہ جو احاطہ سے اس غریب کے باہر ہے۔ انا حو کی راے یہ ہے کہ
 بقولہ آہ کر یہ واسطہ خلقکم واثقون کی صل کا بندہ دن کے خالق حق ہے۔ پس جو صل قابل
 حمد ہے۔ اسکی نسبت طرہ انکے خالق کے ہونی چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرجع کی حو کا
 حق سبحانہ ثابت ہے۔ اور اس قول آخر پر اتفاق ہے۔ ائمہ مد سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے
 کہ حو اسکی غیر منافی ہے اور منافی کو غیر منافی سے ساند کیجئے تو مرث غیر منافی بانی ہیچا ہے
 پس حو غیر منافی لفظ ائمہ سے معصوم ہے۔ چونکہ جناب باری واجب کامل اور متین کی ہے
 اسیکو استغراقی ذاتی کی محاکمہ ہے اور وہی مبداء اور معاد کی صفیائے جلالی و جلالی کا
 خواہ وہ سرری ہوں خواہ ظہری مستحق ہے اسلئے لفظ ائمہ مستعمل کیا گیا۔ جو میں کی رسلے
 کے موافق بتد کلام چار معنوں پر دلالت کرتا ہے۔ اول تنیک اور اسکو لام اضافت
 بھی کہتے ہیں۔ یعنی عمر تک جناب باری تعالیٰ کی ہے یعنی اسی داعیہ بعض کی جگہ۔ حو ہے
 دوسرا لام استغراق اسکے یہ معنی ہونگے کہ جو صانع ہے وہی مستحق حمد ہے۔ تیسرا لام انفعال

اور وہ دبل انتفاع شرکت ہے۔ یعنی اسکی حمدیں کوئی شریک نہیں دہی واحد ممکن قابل حمد
 بلا شرکت ہے۔ چوتھا لام سہیلا و قدرت ہے کیونکہ مفہوم انکھ شد کا یہ ہے کہ اوتعالیٰ مستور
 و مستعلیٰ کل ممکنات پر ہے۔ پس حمد شایان اسی ذات اقدس کے ہے کہ جسکی صفات میں
 سہیلا و قدرت موجود ہے اور وہ سوائے اوتعالیٰ کے دوسرا نہیں ہے ایسے انکھ شد
 اچھیکے لئے موضوع ہے۔

رب کے سننے ربّی کے ہیں۔ تربیت عالم کہ عبارت ماسواحد سے ہے یہ قدرت
 میں جناب باری کے ہے کہ محض بے غرض و عوض تربیت فرماتا ہے اور ماسواحد
 ممکنات میں ہے جسکے لئے وجود اور عدم دونوں شامل ہیں اور موجودات ممکنہ میں وجود
 ذاتی نہیں بلکہ اس میں صلاعیبت معدومیت ہے۔ اگر وہ ربّی جتنی تربیت فرمائے تو ایک
 نشان بھی ان موجودات کا باقی نہ رہے لہذا کوئی ممکنات میں سے وجود کے مستغنی نہیں ہے
 محتاج تربیت کا اسی ربّی جتنی کی ہے۔ ایسے آئینہ ربّ العالمین میں لفظ رب کا استعمال کیا
 گیا۔ فالین جمع عالم کی ہے اور ہمیں کل مخلوقات کی جسکی تفصیل احاطہ تحریر سے باہر ہے شامل ہے
 قرآن میں یہ لفظ اکثر جگہوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اس آیت میں تھا بَرَکاتُ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
 عالمین کے مفہوم میں آسمان و زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب شامل ہیں۔

بعد اسکے الرحمن الرحیم آیا۔ اسکا مقصود یہ ہے کہ انکھ شد دعویٰ محمل ہے اور ربّ العالمین
 اور الرحمن الرحیم صفات حسنہ تفصیل بجائے برائے کے ہیں رحمن کا مقصود یہ ہے کہ اسکے
 اکار رحمت بہت ہوں اور رحیم کا مفہوم یہ ہے کہ قوت رحمت اسکی ہمارے دہم و گنہگار

زیادہ ہوا اور اسی رحمت و رحمانیت کا تذکرہ ہے کہ اسباب سے نہ کہ خود سے پیدا ہوا ہے۔
 موجودین اور رحمت و رحمانیت وسیلہ معاد بندگان ہے۔ اس لئے رحیم کا مفہوم غفور بھی ہے
 یعنی عطا کی اسے ہے کہ لفظ رحمن رحمت عظیم پر اور رحیم رحمت عجم پر دلالت کرتا ہے اور
 یعنی عطا کی اسے ہے کہ رحمن دلالت عطا سے نعمت پر کرتا ہے اور رحیم رحمت اور عطا
 پر رحمن سے بعضوں نے مصدر مومن ازلی اور رحیم سے شیخ الطاف ابدی خیال کیا ہے۔
 مگر رحمت و رحمانیت باعث وجود موجودات ہوئی اور رحمت رحیم سبب نوزد نہات ہوگی۔ رحمن
 رحیم اسکا شاہد ہے کہ استحقاق محمد شاہان اسی ذات کے ہے۔ یعنی مفسرین کی ماہ ہے
 کہ رحیم الرحمن کے مفارن رحمن لایا گیا۔ مطلب اس سے ہے کہ رحمن جو اسماء جالی ہے
 اور اس سے تربیت عالم مقصود ہے وہ مفارن لفظ فالرحمن ہے اور رحیم کی صفت
 مالک کے شامل کجاءے کہ جس سے الطاف سرمدی بروز ابدی ظاہر ہو۔

بعد الرحمن الرحیم کے مالک یوم الدین آیا۔ یہ بھی اسی محمود یعنی اور عبود اہلی کی صفت
 یعنی وہی قادر بالذات موبل نعم و نضر۔ غیر و شمر۔ ثواب و عقاب کا ہے لفظ مالک سے مراد
 قائم نام اللہ ہے یعنی قدرت الٰہی عطا ہے جس موجودات و کمالات کو۔ یوم الدین یعنی روز قیامت اور وہی
 روز جزا ہے اور وہ روز ہے کہ جس دن امتداد کا امتیاز ہو جائیگا کیونکہ عالم اشال میں جس
 سطح مسلم و کافر نفس و متافق۔ مخالف و موافق سب ایک صورت کے ہیں اور وہ وہی روز
 کہ صفت رحمت رحیم جو شخص ابد کے لئے ہے اپنا جلوہ دکھائیگی۔

جب یہ صفات باری تعالیٰ اوپر لے گئے تب خصوصیت عبادت و معادنت

کے ساتھ ذات واجب الوجود کے یہ آپ ایک نعتہ و ایک نشین کی گئی۔ یعنی موافق کلمہ انکرو نبذہ
 جبین اللہ لام سترانی محاکا اور بندہ میں لام اختصا میں شای کا ثابت ہوا اور ربّ الغلبنین
 نے یہ ثابت کیا کہ سب کا مربی وہی ہے اور مضمون الرحمن الرحیم سے رحمت معنی مسک دنیا
 اور آخرت میں اور بالکل پورم الدین نے فوت و قدرت اسکی روز جزا ثابت کی جو جو مضموع و
 مضموع یہ مزدور ہوا کہ اسی عبود الہی کو بعد ایک نعتہ و ایک نشین خطاب کیا جاسے۔ لفظ ایک
 کے مخصوص مراد ہے یعنی لا نعتہ ویک۔ صاحب کشف الغائبین نے لکھا ہے کہ ایک کی نعتہ ہم
 اس جہت سے ہے کہ ایک عبارت ذات سے ہے اور نعتہ ہم ذات واجب ہے ماسو پر
 اور وجوب اسکا ثابت اور امکان ماسو الانام اسنے واجب ممکن پر نعتہ ہم ہے۔ ایک نعتہ سے
 مستفید ہوتا ہے کہ عبارت میں اسکی عاہدے ماسو اللہ سے کنارہ کر لیا۔ اور جب عبادت
 اور عبودیت کے سمن وہی ہے تو وہی میں اہل بھی ہے اسنے بعد ایک نعتہ کے ایک
 نشین وار د ہوا۔ اور نعتہ کی نعتہ ہم نشین پر اسنے ہے کہ پہلے بندگی پیش کیجاسے کیونکہ
 نعتہ ہم وسیلہ لازمی ہے اسکے بعد حاجت۔ صاحب نمبر کا قول ہے کہ تذلل از و مقارن فخر
 است بہ و ہر کہ ذلیل اد باشد چوستہ عزیز ہر گشتہ۔

خود اپنے آنکھ خواہ و عا جزائی	منفرد محال است کہ ہر گز یابی
<p>بعد ان مراتب ضروریہ کے جنکا عرض حاجت کے لیے بطور مقدم پیش کیا جانا ضروری ایدنا اللہ المستقیم فرمایا۔ بزبان خلافت عقیقہ دوم اید بکفیر المستقیم پر نصرا نیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ جب خود حاجت مند راہ راست کے ہو تو ہماری دعوت اسلام کیوں کرتے ہیں</p>	

جنا ب اسیر نے یہ فرمایا کہ انہی کے معنی قائم و ثابت رکھنے کے ہیں۔ اسکے جواب میں نصرانیوں نے یہ کہا کہ جب راہِ راست انسان پا گیا تو ان کے ثبات کی کیا حاجت ہے۔ اس پر حضرت فرشتے علیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو کچھ ہر شخص کے ساتھ مشابہ ہے اور ہر شخص کے ساتھ توہمات ہیں ایسے برایت ثانی اسکی ضرور ہے اور وہی برایت ثانی قائم کر نبوالی ہے۔ برایت اولیٰ کی امام مہربان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انہی کے معنی و تفصیل کے ہیں یعنی توہمات دے مجھو رہنا یہ کہ راہِ راست پر۔ دوسرے معنی انہی کے اقصائے اور آخرت کے بھی ہیں یعنی گمراہ دارالہدایہ حضرت عباس کی رائے یہ ہے کہ انہی کے معنی اہلنا کے ہیں۔ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ انہی کے معنی یہ ہیں کہ گمشمار ابوسے خود و بعرا خود بخود۔ لفظ انہی کا استعمال زبان عربی میں بہت معنی میں ہے مگر ایک معنی اُس کے اثبات براہِ راست ہے۔ اور دوسری معنی میں جو ہر گمراہ ہم عوام کی سمجھ کے موافق زیادہ تر جہان ہے۔ مراء کے معنی راہ کے ہیں۔ اور اس مراء کے ساتھ اہلنا مستقیم آیا ہے مستقیم کسے یہ ہیں کہ جو کبھی سے پاک ہوا اور مستقیم یا تو مراء کے ساتھ ہم ہے یا سالک کے ساتھ بیٹے چلنے والے کے اور مراء مستقیم سے غرض اس راہ ہے کہ جس راہ کا چلنے والا نہ بگے بیٹے رکش اسکی اداس حق اللہ اور حق عباد کی ستم سننے سے مراء مستقیم کا مفہوم یہ ہے کہ سالک اخلاق متعاہدین نہ پڑے یعنی ذیلِ نجوم ذرہوا و نجوم ہش رودحانی خواہش نفسانی و میوانی سے قبل نہ ہو۔

طلبِ نیت میں قید آیا مجھ سے ہے۔ یعنی مراء اللہین ائمتہ بقیہ غیر المغضوب علیہم وکافعائین اور اس سے طلبِ نیت کامل ہے کہ جس نیچہ بندہ کا بودہ حسن ہو۔ چنانچہ

اور نفرت اکٹیل جو جہاں سورہ فاتحہ میسائیون کی عبادت میں ہستال کیے جاتے ہیں ہیں
 تحریر میں درج کیے ہیں۔ جیسا کہ میں اد پر لکھ چکا ہوں نہ کسی فقرہ میں موسیٰ قدرت اور تھاکا
 ہے۔ نہ اسد لال بر دوج محمد ہے۔ نہ طلب کمال ہے کہ جو کافی واسطہ درستی سیدار و معالی
 کے ہو۔ نہ اس و مناح کے ساتھ توحید بالمعبودیت سے کہ جو شایان ذات واجب الوجود ہے
 اہل اسلام کے ہر مختلف خیال والوں کا بھی فرقان جمید کی برکت سے توحید بالمعبودیت
 پر اعتقاد راسخ ہے۔ چنانچہ ہر سے زمانہ کے یگانہ عصر اسد اللہ خان غالب
 جو نہایت آزادانہ مشرب رکھتے تھے انھوں نے بھی نہایت ہی خوبصورت ماثقانی خیال
 میں اس مضمون کو ظاہر کیا ہے

رند ہزار شیوہ را طاعت کس گران بنو:
لیک منم سجدہ در نامید مشترک خواست

اے نام جاوید طرازِ دیوانہا

خوشیہ صفت طالع از مطلع عنوانہا

چند روز قبل اس جلسہ میں جناب سید العلماء مولوی محمد شبلی صاحب نے محکمہ لیاقت ٹرسٹ
 علمی شعور کا شمس فی لعد الہار ہے جسے مضامین مالیہ قرآنی پر ایک قلمیہ لکھ کر فرمایا تھا۔
 فی الحقیقت اس شانیت اور لیاقت سے اسے مقصود کو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ زبانِ محکمہ
 تعریف سے جا صر ہے۔ مگر مولانا کو وقت کافی اس کے بیان کا نہیں ملا جسے احباب نے
 اس پر سب سے استدعا کی کہ بطور تمنا اسے خیال کے موافق اسی باب میں بھی کچھ لکھ کر فرما
 کر دیں۔ مگر میں اپنی کم بختی سے معترف ہوجو ہوں کہ کچھ بھی مضامین مالیہ قرآنی کو عرض کر سکوں
 یہ حال انجوائے الہ فوف الادب اکابر اساتذہ سے خوش بینی کے آپ حضرات کی سعادت تھی کہ ان
 میرے نقصانوں پر غور کر کے مجھ سے عطا فرمائیے گا اور میری غلطیوں کو اپنی توجہ خاص سے نصیب فرمائیگا۔

عنوان اس گزارش کا جا رہے شعور، شکر، حکیم ستائی کا ہے س

عروسِ حضرتِ قرآنِ خبابِ انگو بریناز
کہ دالِ ملکِ اہان را بحرِ دینی از غوغا

عباراتِ اسجودِ قرآنی دو حیثیت سے ہے پہلی حیثیت اُسکی حسن عبارت کی ہے اور دوسری حیثیت اُسکی لطافتِ معنی کی حسن عبارت پر بحث کے لئے آدمی کی حیثیتِ علمی سبحان ابنِ دال اور حسان ابنِ ثابت کی ہونی چاہئے قرآنِ مجید کی لطافتِ عبارت بنائے علمِ عالی و بیان ہے اس پر گفتگو دو وجہوں سے محض نفول ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ نامی علمائے اسلام از سلف تا خلف اس پر تفسیریں لکھیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بحث بخوبی کتبِ مشدودِ علمِ عالی و بیان میں بہ توضیحِ تمامِ مندرج ہے۔ یہاں اس قدر گزارش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نصرانی علما قرآنِ مجید کے حسن عبارت پر بہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ اگر قرآنِ مجید کی حسن عبارت دلیل اُسکے خالق کے کام کرنے کی ہے تو نسبت ہو مرس الیہ السلام

در افسانہ (Winged Food) شمس پراڈا برلاسٹ (Milton's)

(Paradise Lost) شاد نامہ فردوسی اور مہابھارت کے کیا کہا جائے گا

یہ تین زبان یونانی و لاطینی۔ انگریزی۔ فارسی اور سنسکرت کی اسطے درجہ کی

کبھی جاتی ہیں۔ مگر یہ اعتراض نصرانی زبان دان علماء کا بے بنیاد معلوم ہو چکے ہیں۔

مذکورہ جن حرفت ایک قسم کا بحث ہے اور ایک ایک فرد کی سہ گزشت۔ واردات

اور کار و دانیوں کا ذکر ہے۔ ان ہر ایک کتاب میں رزم و بزم ہے اور اسی آحاد

میں طہران طائر خیال کا ان شعرا کی ہے۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ یہ نظم ہے مجموعہ

ضوابط و قواعد ہے کتاب عبادات ہے۔ تو مجید اسطے درجہ کی سکھاتی ہے

اور پیرایہ قصص میں حواغظ و نضاج ہیں۔ ہر مضمون کے لئے لازمی ہے کہ عنوان عبارت

برہنہ جائے۔ مگر قرآن مجید کی عبارت میں تغیر و تبدل کسی طرح سے واقع نہیں ہوتی اور

ہر بحث کو ایسی عبارت میں بیان فرماتا ہے کہ جسے تنبیہ سے اہل زبان قاصر ہیں۔ مادہ

معجزہ کا مجزہ ہے جسے معنی یہ ہیں کہ دوسرے دیباچہ بنا سکیں یا کر نہ سکیں پس عبارت

کلام مجید کا جو اب حسب ادلے علمائے نصاریٰ وہ بحث نہیں ہو سکتی جو میں نے گزارش کی

مضامین قرآنی کا اثر بلا جانے زبان عربی کے جو سمجھنے والے کے دل پر ہوتا ہے

وہ اس واقعہ سے ظاہر ہو گا جو میں عرض کرتا ہوں گیتی (Godlike) ایک جو میں

معنی جو انیسویں صدی کے اکابر علمائے یورپ میں گنا جاتا ہے عربی زبان سے محض

نادرانہ تھا۔ اسے ترجمہ قرآن کا زبان لاطینی پڑا پہلی مرتبہ وہ گھبرا یا مگر اپنی ہیست نامہ کے

ہندہ!۔ اُسے اس ترجمہ کو خوب نور سے بڑا اور اخیر میں اسکو قبول کیا کہ یکتا ب ایک نہایت
 عظیم الشان چیز ہے۔ اور بہت بڑی عظمت اسکی اُسے تحریر میں ظاہر کی۔ چنانچہ راؤ دل صاحب
 نے (Rod well) جو ترجمہ قرآن کا زبان انگریزی کیا ہے اُسکے خطبہ میں لکھی تھی
 عبارت کو نقل کر کے زیب عنوان کیا ہے۔ یہ ہو ہذا

*How ever often we turn to it at first dis-
 gusting as each time afresh, it soon at-
 tracts, astounds, and in the end enfor-
 ces our occurrence. Its style in accor-
 dence with its contents and aims is
 stern, grand, terrible, even and unbroken line.*

حضرات! قابل غور ہے کہ ایک عالم یو رب کا جو زبان عربی سے محض ناواقف او
 جیسے تربیت پمپنی سے نہیب میسانی کی پانی نمی اُس کے دل پر قرآن مجید کے ترجمہ کی
 پڑھنے سے کیا اثر ہوا۔ اب آپ حضرات غور فرمائیں کہ اُن مسلمان کے دل و زہن میں قرآن نے
 قرآن مجید کو زبانِ مبارک سے رسول کریم صلیم کی مشابہت کا اہل زبان میں حسین یہ نازل
 ہوا ہے کیا اثر ہوا ہوگا۔ یہاں انسانی ملک کا دعوے یہ ہے کہ مسلمانوں نے بطریق غایت
 و وصول بالتمام کیا تاکہ خداوند غلام خدایا ہے۔ یہ سچو قرآنی تھا جو اُسکے دلی پر حکام کر رہا
 اور اس سحر حلال کے اثر سے نبیوں کے ان رُوحِ انوار کی مادہ میں حلال دینی اور

مذکورہ مذکورہ جادوئیاتی سے بہتر تھا۔ شین ایس (Shin Eas) جو اس وقت

کے زندہ عربی والوں میں ہے وہ اسکو قبول کرتا ہے کہ جب قرآن نے غیر متقدّموں

ساحین پر یہ اثر دکھلایا تو محکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی اور غیر تکراری کمال نبوت محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ہے۔ واضح ہو کہ شین ایس بھی جو جس کے نظریاتی

معاہدین سے ہے۔ اسکا دعوے یہ ہے کہ راستی کے قریب پہونچنا اور بت پرستی کا

اوتھا دینا بھی بڑی راست بازی ہے۔ اس قول میں شین ایس کے وہی اثر نظر ہے جو

واقعی رہتی فطیم الشان کو رسول اللہ کی قبول ذکر کے قرآن مجید کو قریب بہ راستی بغیر

انجیل پہونچا تا ہے۔ ذہب کی پہلی راستی جو لوگوں پر شکست ہونی چاہیے وہ توحید باری تعالیٰ

ہے۔ قرآن مجید کی ایک بہت بڑی آیت یہ ہے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ کَلَّمَ ذِیْنِکَ وَاَنْتَ تَنْکَلِمُنّیْ۔

پہلا حصہ محکو دین کا توحید باری تعالیٰ ہے۔ کتب مقدسہ قدیم تورات و زبور میں و کتاب

جدید انجیل ہے۔ آپ تورات زبور اور انجیل پڑھنے والوں سے پوچھیے کہ ایک معنوں کے

کتب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے توحید میں مثل ان آیاتوں کے نکالیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لّٰهُ خَالِدٌ

سُورہ مزمل کے رکوع آخر کی آیت هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلَٰهَ اِلَّا هُوَ۔ الخ۔

حضرت موسیٰ کو بارہ احکام عنایت ہوئے تھے جس میں پہلے جناب باری نے

انکو یہ ہدایت فرمائی کہ میں تیرا خدا ہوں اور میں نے تمکو غلامی سے چڑایا ہے۔ تو غیر

خدا کی پرستش نہ کرو جو میں نے احکام تورات جنبی ہیں۔ اور انجیل میں صرف اقوال اور کلام

حضرت عیسیٰ کے جمع کیے ہوئے ہیں۔

آیات مذکورہ کی خوبیاں میں اس کے بعد بیان کر دے گا۔ پہلے آپ لوگوں کو یہ جانتا ہوں کہ پریشرینز (prebyterian Monks) لوگوں نے فرار (فرار) کے احترامات مذہب اسلام اہل سنت اقدس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برپا کیے تھے۔ اول شخص یورپ میں فریچ عالم پوکاک (pococke) ہے جسے مسلمانوں کی تعابیف کے ترجمے زبان فریچ میں شروع کیے اور گین (Gibson) نے اپنی تاریخ کا مذکورہ ترجموں کو پوکاک کے کیا۔ گین ہی اُن لوگوں میں ہے جسکی ابتدائی تعلیم مذہبی مذہب عیسائی کی تھی۔ اور اسکو زبان عربی سے ناواقفیت تھی۔ قرآن کا ترجمہ زبان فریچ خواہ لاطن میں آئے بھی پڑا ہے۔ نسبت توجہ بارشعالے کے آئے اپنی تبلیغ میں صاف لفظوں میں یہ لکھا ہے کہ: *Roman is a glorious testimony on the unity of God.* یعنی قرآن ایک شہادت عظیم الشان توحید پر بارشعالے کی ہے۔ یہاں غور فرمانے کے قابل ہے کہ آیا آئین توحید کی جو قرآن مجید میں جنہیں سے بطور نمونہ بند میں نے پیش کی ہیں۔ انکی خوبیاں کیا ہیں۔ توحید کا بیان ایسا جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ کتب مقدسہ عین میں ہے نہ جدید میں۔ اور پھر خوبی یہ ہے کہ غیر تبسم ہائے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اسکو بلا حادنت کسی عالم کے بخوبی سمجھ لے سکتا ہے۔ اور عالم کے مسائل حکمیہ اور منطقیہ کو ان آیات سے بی ثبوت اثبات واجب الوجود اور توحید بارشعالے میں بحث کر سکتا ہے۔ حکمے شائیں و اشراقین کہیں بے معنی اپنے براہین حقیقیہ کا اس سے منہ پائیے کہ بن اور حکمے ادا میں بھی جو وعدہ میں اور جو اس وقت یورپ میں شروع

اُسکو ذوال بھی ہے جس شے کے لیے طوطا ہے اُسکے لیے غروب بھی مکرر ہے۔ ہر وقت
کے لیے موت ساتھ لگی ہوئی ہے اور ہر انقلاب بڑی چیز کے ساتھ مادہ انحطاط و فنا تو ہم
اُسکے بند وہ یہ کہتا ہے کہ مذہب اسلام وہ مذہب ہے کہ جسکو ایک موحّد مفسّنی بلوئے خاطر قبول
کر سکتا ہے۔ درحقیقت اُسکے اصول ایسے مالی ہیں جسکو ہمارے موجودہ قواعد فقہیہ دیکھ
نہیں کر سکتے۔ قابلِ لحاظ ہے کہ حادث یا قدم ہونے کی بحث کی حاجت ایسے واقعات تین کے
مقابلہ میں اُن انخاص کے سامنے نہیں ذرا بھی عقل سلیم ہے نہیں ہے۔ اور ملامت اپنے اصول
کے متغیر حادث پر بے تحاشہ و فترت یا ہذا فرما سکتے ہیں۔ سادگی اور متانت۔ جاہل کے لیے صاف
اور عالم کے لیے غلط ایک عام خوبی قرآن مجید کی ہے۔

میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ سورہ اخلاص اور آیات رکوع آخر سورہ شمس سے بڑی
جاس و مانع بیان توحید کا نہیں ہو سکتا۔ پہلے سورہ اخلاص کے نکات بیان کرنا ہوں میں بعد
دوسری آیات کا ذکر کر دوں گا۔ مولیٰ ترجمہ سورہ اخلاص کا یہ ہے۔

”تو کہ اللہ ایک ہے۔ اور اب اسے کہ عقل اُسکی کیفیت کو نہیں پہنچتی ہے۔ نہ کسی کو جانا
اور نہ کسی سے جانا اور نہیں اُسکے جوڑ کا کوئی۔ یہ ایک صاف معنی ہیں جس سے ہر شخص سمجھ لے سکتا ہے
کہ خدا ایک ہے عقل اُسکو درک نہیں کر سکتی۔ نہ کسی سے پیدا ہوا نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا اور
نہ کوئی اُسکے برابر ہے۔ اگر ملامت کی روش سے اس سورہ شریف کو لکھا جائے تو ہر حصہ
اس سورہ کا بلکہ ہر ہر لفظ بے بحث اثبات واجب الوجود سے مختصر ہے۔ میں صرف اس
سورہ یا اُسکے الفاظ۔ جسے جو باعث پیدا ہونے میں اُنکی طرف حوالہ کرتا ہوں۔ شیخ الانس۔“

اس کو یہ بات کی ایک علیحدہ تفسیر گمسی ہے اور دیگر علماء غریب و قیصر رس و مکتبہ شام
اسکی تفسیر مطول فرماتے ہیں شیخ الرئیس کی تقریر یہ ہے کہ کل اعیان موجودات سامعہ مراتب
ثلاثہ ہیں مابیت وجود و تشفیص کے متعلق و تقسق ہیں۔ اعیان ممکنہ ہیں وجود و تشفیص ممکنہ
غیر ہیں۔ اور بلا وجود مابیت وجود و تشفیص کا موجد ہونا محال ہے۔ ایسی حالت میں
دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کا وجود ہے جو محتاج غیر نہیں۔ وہ وجود واجب الوجود ہے اور
وہ وجود لذاتی ہے نہ لغوی۔ کیونکہ اعیان ممکنہ ہیں وجود غیر مابیت اور ذات واجب الوجود
میں وجود میں مابیت ہے۔ لازم اور اضافات انتساب سے ہر چیز کی ہوت پہچانی جاتی ہے مادیہ کہ
ہوت افعال و تقدس کی لوازم اور انتساب غیر سے پہچانی نہیں جاسکتی اور مابیت اسکی جسوسل
سے مرکب نہیں ہے بلکہ وہ واحد محض اور بسیا محض ہے اسلئے او تعالیٰ و تقدس نے اپنی ہوت
محض اور مابیت میں وجود کو لفظ احد سے تعبیر فرمایا۔

اعیان ممکنہ ہیں چونکہ مضمون کثرت اشال۔ اجناس و فصول۔ مادہ و صورت۔
وقت و محل۔ اشکال و اوان۔ موجود ہیں اور او تعالیٰ و تقدس واحد محض ہے اور ان چیزوں
سے بری اور منفرد ہے اور ان حدود کو احاطت آپس نہیں ہے اسلئے آئے اللہ احد
فرمایا۔

چونکہ جناب باری نہ جسم ہے نہ عرض ہے۔ نہ صاحب مکان نہ جهت و نہ صاحب
مابیت ہے بلکہ وجود اسکا میں مابیت ہے۔ اسلئے آئے اللہ احد فرمایا۔

چونکہ خداوند نہ محل ہے نہ تقدس مبداء فیاض۔ وجود او جنتی ہے اور ہر ملک اشیا ہے چنانچہ

مادہ نہیں پس وہ متولد نہیں ہو سکتا اور جب متولد نہیں ہو سکتا وہ ایسی نہیں اپنے کم قید و کم تولد فرمایا

خداوند تعالیٰ نے تقدس ہویت محض اور روح محض رکھنا ہے۔ اور ہویت انکی اعتبار غیرتے بیہمی نہیں جا سکتی کیونکہ وجود اسکا میں ماہیت ہے۔ خود نہ جوہر ہے۔ نہ جسم ہے نہ مزجہ و دبذمان ہے نہ مکان نہ لامحالہ یہ بات حاصل ہوئی کہ اسکا کوئی برابر و ہمسر نہیں اپنے کم کم لکھو اُحد فرمایا۔

پہان ایک بحث اور پیدہ ہوتی ہے کہ انواع شرک اور اشتراک آتش ہیں نفس قلب۔ کثرت وعدہ۔ ملت و معلول۔ اشکال و اعضاء۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے قبول قل ہو اللہ اُحد یعنی کثرت و تعدد فرمایا اور نقب نفس کی رد اللہ اُحد سے کی۔ و ملت و معلول کی نفی کم بلند و کم پوند سے کی۔ و کم کم لکھو اُحد نے اشکال و اعضاء کو معدوم کر دیا۔ آفرین شیخ نے اس جملہ پر غم کیا ہے۔ فَمَا مَا وَقَفْتُ مِنْ أَشْرَارٍ بِذَلِكَ الشَّوْهَةِ وَاللَّهِ يَحْيِي بَانْتِزَاعِ كَلَامِهِ۔

خسرو نے اس خیال کو نہایت خوبی سے ظاہر کیا ہے اور وہ یہ ہے
خوش بخل در پشش انگشت و شم
ملت و معلول در وہر و کم

دوسری آیتیں سورہ عشر کی جن نے لکھی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ہُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

بَلَا يَؤُودُ مَا لَمْ يَنْفَعِ وَالْشَّهَادَةُ هُوَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ

سجڑہ اللہ تعالیٰ فرماں کا یہی بہت بڑا ہے کہ غیر اہل دین کو اپنی طرف مہینے لٹاتا ہے

اپنی غفلت و شان کا اقرار کر دیتا ہے۔ اگر پہلے ایام طغیانی سے مذہب اسلام کی تعلیم پاکر غفلت و شان کو قرآن کی قبول کیا۔ تو وہ تقاضائے تعلیم ہمارا ہے۔ مگر اس کتاب عظیم الشان کی غفلت و جلالت پر جب قلمی غیر مذہب کے قائل ہوں تو وہ سچوہ رزان اس کتاب کا ہے۔

جب تک اہل یورپ کو مسلمانوں کے تصانیف پر وقوف نہ تھا اہم وقت تک ان کے خیالات نہایت محدود تھے اور باعث تشدد و آن لوگوں کے جو ان کے مذہب کے پیروانے انکو موافق تحقیق و تفتیش کے نہ تھے تھے۔ اب زمانہ بدل گیا اور کسی طرح مرحمت غائبی ایمین باقی نہیں رہی۔ میں بخوبی خیال کرتا ہوں کہ سچوہ قرآنی کا اثر اہل یورپ پر اور اور صاحب عقل سبم پر اس سے زیادہ ہوگا جو کئی پر ہوا اور زمین اس پر ہے۔

انشاء اللہ جلد آئندہ میں ایک تحریر بدو سری تعلق بہ توصیف بالمحبوبہ دیتا پیش کروں گا۔

مختار

تحریرات نیر علی گڑھ تہذیبیہ بابت ماہی الم لکھنوی
 حضرت نواب علی گڑھ
 حب الکرم علی عجائب شری سوج مل صاحب پوئی سپکا سکول پریڈٹ نیر علی گڑھ
 محسن تمام
 خواجہ سید محمد الدین حسین بن دہلوی سکریٹری نیر علی گڑھ کوئل عدالتیہ نعلی شاہ

فہرست مضامین

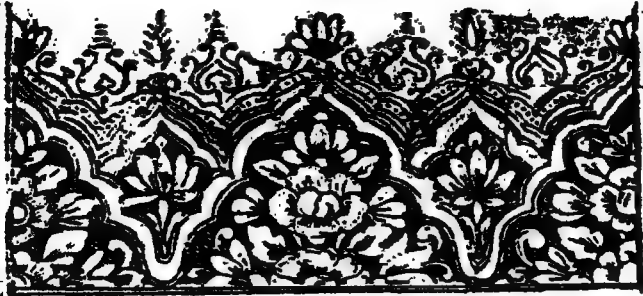
- نمبر اول ترجمہ تحریر لازدیکن صاحبہ! انتقام ترتر برکو خدا بخش صاحبہ ترجمہ علی گڑھ ... ۲
- نمبر دوم ترجمہ تحریر لازدیکن صاحبہ! بدعتی ترجمہ برکو خدا بخش صاحبہ ترجمہ علی گڑھ ... ۳
- نمبر سوم تحریر شری سوج مل صاحبہ پوئی سپکا سکول پریڈٹ نیر علی گڑھ ... ۹
- نمبر چہارم انتخاب غزلیات خواجہ سید محمد الدین حسین بن دہلوی سکریٹری نیر علی گڑھ ... ۱۱
- نمبر پنجم ترجمہ سید ذہن احمد صاحبہ سید ذہن احمد صاحبہ لکھنوی سکریٹری نیر علی گڑھ ... ۱۲
- نمبر ششم غاتہ ... ۱۴

قصیدہ

شہزاد با تمام فانی جگہ بند محالی جھانکنا

بنتی جلد نور





سید محمد امجد علی

[illegible]

و چون در این زمان که در میان ایشان اختلاف بود و هر یک
 از ایشان بخواهست که بر سر کار آید و از آنکه از آنجا بیرون
 رود و بگوید که من از این زمان که در میان ایشان
 اختلاف بود و هر یک از ایشان بخواهست که بر سر
 کار آید و از آنکه از آنجا بیرون رود و بگوید که من

پس از آنکه در میان ایشان اختلاف بود

و چون در این زمان که در میان ایشان اختلاف بود و هر یک
 از ایشان بخواهست که بر سر کار آید و از آنکه از آنجا بیرون
 رود و بگوید که من از این زمان که در میان ایشان
 اختلاف بود و هر یک از ایشان بخواهست که بر سر

شرح

و چون در این زمان که در میان ایشان اختلاف بود و هر یک
 از ایشان بخواهست که بر سر کار آید و از آنکه از آنجا بیرون
 رود و بگوید که من از این زمان که در میان ایشان
 اختلاف بود و هر یک از ایشان بخواهست که بر سر

و چون در این زمان که در میان ایشان اختلاف بود و هر یک
 از ایشان بخواهست که بر سر کار آید و از آنکه از آنجا بیرون
 رود و بگوید که من از این زمان که در میان ایشان
 اختلاف بود و هر یک از ایشان بخواهست که بر سر

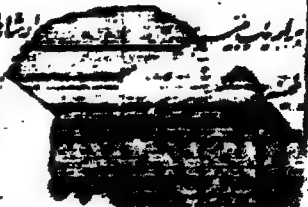
شرح

و چون در این زمان که در میان ایشان اختلاف بود و هر یک
 از ایشان بخواهست که بر سر کار آید و از آنکه از آنجا بیرون
 رود و بگوید که من از این زمان که در میان ایشان
 اختلاف بود و هر یک از ایشان بخواهست که بر سر

[illegible][illegible][illegible]

شعر: ہمارے ہر بچے کو ان کے نسب کے جوہر کے شمس طالع خلیفہ ہفت مجیدیوں: گلستانِ جبر و صفا و اوقاف شریف

شرح لا یجوز حاشی بر بدایت فصل و کمال نریان از طبعی فلسفه فیسیفیا از اردبیل محمد غفرانی که از قاضی مرشد است

[illegible][illegible]

[illegible][illegible]

مست بر آتش با آنکه بر آتش بود چه سال قبل ولادت حضرت عیسی علیه السلام شد بر آتش که مناجات
 یونان است پیش ازین خلقت نیست مانند حالت تجرد است بگو در پیوسته بر ترقی با می دانست که اگر چه بخود
 مستجاب بر آتش خود داشت و بر باد است که اگر در عرض منجی بر آتش است پس در پیش منجی بر آتش است
 اقرار او از انظار استوار که بر در پیش منجی واقع شده چون حضرت منجی بر آتش است منجی بر آتش است
 صید که در پیش منجی است و دیگر ظلم است که این چنین خلقت انسانی خنده با یکدیگر

شود و در هیچ استی که سلطان اینست و حتی الملوک و دیگر که در کجا و با کجا می آید ای نفس خلیش نماز مسیحت و لا اله الا الله
خود حسابی بر داشتند و نفسی هیچ حاد است که تب و کتب و اخلاق را بر پیوسته و متهم و خود را محول می سفار
و هم عیب خویش را در آید و در آن کجی که عیلا جیکه از پندیر بیشتر و خوشتر است نه شدند و با با هم می آید
و خطر است که کمال را در فاسد می و با بیرون کنند و فعل صلاح و ولایت و یحیی و از انفاق و غیره و این شقیق
بر سر و پا و در آن
ان شست می افتد چای شان و در دست نه اند و کجی که خبیث حال
بمس که بد و در آنند ان مثل کسان هستند که خود را در اندیشه دیگر
کس کنند و الا منی تعلق با سید نه اند و به قسم هستند
در دنیا و انک نظر شما در این شایسته است که



[illegible]

بیان بلاغت

کلام بلاغت وہ ہے کہ جو فصیح و بلیغ اور متشعشعی حال کے موافق ہو یعنی جو بلاغت پرانے پڑوسی حالت کلام کی جو
 و بیسی ہی بات جو متشعشعی کہ جسے بیان کیا جائے جو جو ویسا ہی کہا جائے لیکن متشعشعی بات کے
 بری طور پر جوتی ہی اور پھر پھر نہیں کہنی بلکہ جب کمال کمال کے موافق ہو تو بلاغت کہلاتی ہے
 حال میں نہیں کہانا اور کہانا بلاغت جس حالت میں کہ مخاطب کے دل پر پڑا اور کہانی جو فصیح و بلیغ
 جی جوتی ہی کہ بلاغت و کمال کمال کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 سامنی باریک بیان جہاں کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 کہنی کے لائق ہی اور کہانی کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ

الاندھبی اور فصیح کلام بلاغت و بلاغت

بیان علم معانی

علم معانی سے وہ معانی اور متشعشعی مراد ہیں جہاں کہ فصیح و بلیغ کہ معانی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 ہوتی ہی اور کہانی کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 یا فصیح و بلیغ کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 واضح ہو کہ کلام بلاغت و بلیغ کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 مثلاً اندھبی کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 لگا کہ قید اسلمتی ہی کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 لگا کہ وادھور لگا کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 اصطلاح میں مبتدا و خبر و مفعول و کلام بلاغت کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 ایسی صفت ہو کہ سند لگا کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 برسی کہ لگا کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ
 کہ عبارت متشعشعی کے لائق ہی اور کمال کمال کو کہنا اور عبارت کہ کہ

ہر ایک کا ایک اصل کے ساتھ اور
 لگا کر یہی کہ جس کے لئے یہ اصل ہے اس میں ایک ہی اصل ہے اور جس میں ایک ہی اصل ہے
 لیکن یہ اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 غرض اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 کہ پانی اور نہر میں نسبت غرضت کی ہے اس طرح کہ جس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 اس طرح کہ جس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 ہو یا ہمارے عقل بلاغت کی پائیداری کے لئے اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے

اغراض جملہ خبریہ

جملہ خبریہ پانچ مقصودان میں سے ایک یا زیادہ کی حاصل ہونے کی لئے لگائی جاتی ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 اور اس کو واقف کرنا منظور ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 جان کرنا منظور ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 عبادت میں بھی شریعت میں عصیان پر سزا ہوگی اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 جو ہوگی بے شک شرع شریف و ہماری امت میں اپنا حلیہ چارہ معروف سکالہ کے
 لذت کی لئے خبر میں ہماری صفات ظاہر کرنا اور انہیں باطن میں خبر میں ہماری صفات
 واقف ہونے پر ناہم ہونا اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 سندہ جہیز کا محاذ ضروری

قاعدہ اول جب مخاطب غالی الذہن ہو یعنی اس کے ذہن کوئی بات خوف اور سبب کی خبر کہنا منظور ہے
 وہاں سے بھی ہوا اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 قاعدہ دوم اگر مخاطب کے ذہن میں وہ کچھ بات سماں ہوئی ہو اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 کہ کیا چاہی اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 اور شہادت میں ذہن نشین کہ یہ کلام اعلیٰ ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے اور اس میں ایک ہی اصل ہے
 اور جزو اعظم میں سندہ جہیز کا محاذ ضروری

کتاب غزلیات جناب خواجہ سید محمد الدین حسین صاحب مخزن عجیبی مسکری انجمن
 محسنین قلمتاریج شریعہ العیش سعادت داری انبال علی صاحب محاسن جو تخلص لکھنویان عباسی صاحب
 جناب غفری باب علی اللہ علیہ السلام جو اردو نام تحریر ہوئے اور حسب نراشہ خط و کتابت سے مراد حکم کردہ
 جملہ طریقہ واکتوبر پیش باب نمبر پڑھانندہ

قطعہ

<p>اذا قال احب اليك فقد آتيت في حبل النسيان</p>	<p>اذا قال احب اليك فقد آتيت في حبل النسيان</p>
<p>دور میں غزلیات طبعی و طبعی ارباب ہجرت جسکو اور سورت و اور سورت و اور سورت بہر حال جو کہ وہ یہی تبت پر فعل عاشق لوی و سورت و سورت آن والی سورت و سورت و سورت</p>	<p>دور میں غزلیات طبعی و طبعی ارباب ہجرت جسکو اور سورت و اور سورت و اور سورت بہر حال جو کہ وہ یہی تبت پر فعل عاشق لوی و سورت و سورت آن والی سورت و سورت و سورت</p>
<p>یار سہی کہتا ہی تقریر سہا ہے آئینہ قطر و افشان بکلی شکستہ روضہ نذر میں ہوں ماضی نعت و نعت و نعت یہ لفظ اور کجیت یہ کہتی یہ بوقوم وہاں سب لفظ کیسو دندہ مسم آہ مجھ عاشق کی اندر ہی نگاہ بانی</p>	<p>ای غرض انبال ہر تو یہ سہا ہے آئینہ صلوات و کلمہ ہی جو خوب کجیت آئینہ سیری آگ کے تھے تھو بہر کجیت و آئینہ و کلمہ لکھا ہی تصویر سہا و آئینہ بہر کجیت و کلمہ لکھا ہی تصویر سہا و آئینہ ای پر ہی کلمہ لکھا ہی تصویر سہا و آئینہ</p>
<p>ایک و کلمہ ہی تصویر سہا و آئینہ</p>	<p>ایک و کلمہ ہی تصویر سہا و آئینہ</p>
<p>کلمہ لکھا ہی تصویر سہا و آئینہ</p>	<p>کلمہ لکھا ہی تصویر سہا و آئینہ</p>

<p>نہیں کیا ہے جس سے اس کا دل کھنکھاتا ہے اس کی ہر طرف سے</p>	<p>اس کو ان کی آمد سے پہلے ہی اس کی ہر طرف سے</p>
<p>اب صبح شمس کی کرنیں ہیں جا رہی ہیں کہانی کی خوش لمبن ہمارے</p>	<p>کس صبح میں میری ہر طرف سے بہت سے پہلے ہی کی کرنیں ہیں جا</p>
<p>پھر چرخ زمین کی آہن کی چرخ آ کے ہیں کہانی کی خوش لمبن ہمارے</p>	<p>جہاں سے ہیں زمین کی کرنیں ہیں جا کے ہیں کہانی کی خوش لمبن ہمارے</p>

ترجمہ بند جناب سید فرزند احمد صاحب معین اللہ امی موسوم بہ بیخ بلب

<p>کون نہیں کیل کی شکل اور رخ لی آفتاب چمکیے سے نہ فل چمکیے پید کی عشق عشق تصور جمال آگے کام وقت پر غریب بن چکا اگر عدو کی چاشنی کر سو کر گل کی دھوپ ہی ہلکے کچھو کچھو ہے</p>	<p>سند اول</p> <p>ہو تابی سے درخشاں تابش آفتاب سے چمکیے اگر آفتاب کافق بھی شریب سے سیر نہ کچھ عزیز ہوا اڑتیری جواب سے عراہیدیں کہ عدل ایک گھڑی کی اس سے چل سوی باغ تو بھی آج میں ہی آفتاب سے</p>
<p>خبرزدہ ناز جلوہ دہ قامت و لکنا زارا چون قد خود بخت کن پادہ قدر ناز زارا</p>	<p>سند دوم</p> <p>کسب جس کی سند کچھ درخشاں بنی تاج ہے پر میں مدد بھی پہنچنے کی تاج پہ پہنچا ہے دولت کی سحر مویں بار کھلا حسب ہوا لی سحر مویں جسے کون ہلاک شوق ہے</p>

پہلے پہل سے کچھ کچھ لکھ کر دیا
 آج تو اس کا کچھ لکھ کر دیا

خیزو یہ تازہ طور وہ قاست بلنوا زرا
 چوں تندرود بلست کن پاپہ قمر تازہ

بند سوم

کبیل کو قمر خوش بود تو بزم بستان
 وصل سے پہلے کہ کبیل کو بزم بستان
 مری زبان کی خوشی سے بزم بستان
 قمر کو کبیل کی خوشی سے بزم بستان
 سست مری زبان کی خوشی سے بزم بستان

خیزو یہ تازہ طور وہ قاست بلنوا زرا
 چوں تندرود بلست کن پاپہ قمر تازہ

بند چہارم

خست مری زبان کی خوشی سے بزم بستان
 وصل سے پہلے کہ کبیل کو بزم بستان
 مری زبان کی خوشی سے بزم بستان
 قمر کو کبیل کی خوشی سے بزم بستان
 سست مری زبان کی خوشی سے بزم بستان

خیزو یہ تازہ طور وہ قاست بلنوا زرا
 چوں تندرود بلست کن پاپہ قمر تازہ

بند پنجم

شراب کی لذت لانا کو
 بزم بستان سے پہلے کہ کبیل کو
 مری زبان کی خوشی سے بزم بستان
 قمر کو کبیل کی خوشی سے بزم بستان
 سست مری زبان کی خوشی سے بزم بستان

وہ کہیں نہ جاتا اور نہ کسی کے پاس
وہ کسی گشتی کی گشتی کا کام نہ

راستی که از سبب بی عقلی نیکو
ای بی زبان کلمه بر زبان صفتی که

خیز و بر ناز جلوه ده قاست و لغو از را

چنان قد غریبند کن با پیر خرد ترا

خان

[illegible]

منه	سطح	قلم	مجموع	منه	سطح	قلم	مجموع
۴	۹	تقصیر	تقصیر	۳	۹	تقصیر	تقصیر
۵	۱۵	تقصیر	تقصیر	۴	۳	تقصیر	تقصیر
۶	۲	خوددار	خوددار	۵	۴	خوددار	خوددار
۷	۲۲	کله‌بدر	کله‌بدر	۶	۱۵	کله‌بدر	کله‌بدر
۸	۱۳	لبستان	انسان	۷	۱۹	لبستان	انسان
صفت‌های جدید و پیش‌بینی‌های کتابخانه‌های مختلف در دست‌های مختلف							
۲	۳	تقصیر	تقصیر	۲	۴	تقصیر	تقصیر
۳	۸	تقصیر	تقصیر	۳	۵	تقصیر	تقصیر
۴	۹	تقصیر	تقصیر	۴	۶	تقصیر	تقصیر
۵	۱۰	تقصیر	تقصیر	۵	۷	تقصیر	تقصیر
۶	۱۱	تقصیر	تقصیر	۶	۸	تقصیر	تقصیر
۷	۱۲	تقصیر	تقصیر	۷	۹	تقصیر	تقصیر
۸	۱۳	تقصیر	تقصیر	۸	۱۰	تقصیر	تقصیر
۹	۱۴	تقصیر	تقصیر	۹	۱۱	تقصیر	تقصیر
۱۰	۱۵	تقصیر	تقصیر	۱۰	۱۲	تقصیر	تقصیر
۱۱	۱۶	تقصیر	تقصیر	۱۱	۱۳	تقصیر	تقصیر
۱۲	۱۷	تقصیر	تقصیر	۱۲	۱۴	تقصیر	تقصیر
۱۳	۱۸	تقصیر	تقصیر	۱۳	۱۵	تقصیر	تقصیر
۱۴	۱۹	تقصیر	تقصیر	۱۴	۱۶	تقصیر	تقصیر
۱۵	۲۰	تقصیر	تقصیر	۱۵	۱۷	تقصیر	تقصیر
۱۶	۲۱	تقصیر	تقصیر	۱۶	۱۸	تقصیر	تقصیر
۱۷	۲۲	تقصیر	تقصیر	۱۷	۱۹	تقصیر	تقصیر
۱۸	۲۳	تقصیر	تقصیر	۱۸	۲۰	تقصیر	تقصیر
۱۹	۲۴	تقصیر	تقصیر	۱۹	۲۱	تقصیر	تقصیر
۲۰	۲۵	تقصیر	تقصیر	۲۰	۲۲	تقصیر	تقصیر
۲۱	۲۶	تقصیر	تقصیر	۲۱	۲۳	تقصیر	تقصیر
۲۲	۲۷	تقصیر	تقصیر	۲۲	۲۴	تقصیر	تقصیر
۲۳	۲۸	تقصیر	تقصیر	۲۳	۲۵	تقصیر	تقصیر
۲۴	۲۹	تقصیر	تقصیر	۲۴	۲۶	تقصیر	تقصیر
۲۵	۳۰	تقصیر	تقصیر	۲۵	۲۷	تقصیر	تقصیر
۲۶	۳۱	تقصیر	تقصیر	۲۶	۲۸	تقصیر	تقصیر
۲۷	۳۲	تقصیر	تقصیر	۲۷	۲۹	تقصیر	تقصیر
۲۸	۳۳	تقصیر	تقصیر	۲۸	۳۰	تقصیر	تقصیر
۲۹	۳۴	تقصیر	تقصیر	۲۹	۳۱	تقصیر	تقصیر
۳۰	۳۵	تقصیر	تقصیر	۳۰	۳۲	تقصیر	تقصیر

Selections from

the

Proceedings of the Arak Literary Society for the 3rd quarter of the year 1866.

Printed under the management of
Chandya Syed Fakhruddeen, Esq.
Secy Secretary to the Society and
Member of Chikhabad Judges Court
at Arak Literary Society and at
Patna Dy Inspector of Schools.

Printed at Miranpur, under the supervision of

Arak

عشق کی سوغاتیں

نظم نثر میں

شعلے کے زمیں نو پڑے ہوتا ہوں اور دہار و شعلگی سے بہتر ہوتا ہوں۔ میں ایک
مشر سادن میرے لیے ہے اور کچھ نہیں، اور وہ بھی غم و مصیبت کی حکایت لکھا کے لیے۔

ایک اسلیم اٹھ ہے جو آنکھوں کے سامنے تاریا منیات کے کھڑے کھول دیتا ہے۔ بجلی
ہوئی محبت تازہ ہو جاتی ہے۔ پھر بھولے ہوئے زخم کھنڈن دینے لگے ہیں۔ اسے وہ عالم
جو آنکھوں سے غائب ہوا۔ مینی وہ عالم جو کبھی میرا تھا۔

کیا ہم کبھی درد و آلام سے آزاد ہوتے ہیں۔ کیا وہ تمام کبھی افکار و ہرم سے نجات پاتے ہیں
اور کیا وہ اصل ہم کبھی سکھ اور آرام پاتے ہیں؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں خدا پر چھوڑ دے اپنے کو۔
کون تقدیر سے کشتی لڑ سکتا ہے۔ اس میں اپنے کو خدا پر چھوڑ دے۔ یہی تمام نئی ذوق انسان کی
قسمت میں ہے کہ اُسے تقدیر پر صابر و شاکر ہونا پڑتا ہے۔

تقدیر کا ہنر کس طرح گھومتا ہے۔ کس طرح اُسکے نام و پود بنتے اور ایسے ٹھنڈے ہیں۔ ہاں بتاؤ
کہاں ہے آزاد دی غم۔ یہ غم سون فلسفیوں کا ایک تجربہ ہے۔ بتاؤ کہاں ہے انسان کی غم
والی طاقت۔

عشق کے لیے کونسا فتنہ قیمتی ہے۔ کون سی قربانی اسکے لیے عزیز و گرامی ہے۔ آہ۔ یہ اپنی
دلچسپی اور پر کام ذن ہوتا ہے۔ یہ آہنی دیواروں کو توڑ دیتا ہے۔ یہ دنیا بھر کے کہنے کو ہاتا ہے
یہ معن انسانی میں شعلہ آفرینی کرتا ہے۔ اسے عشق تیری زبان کا کہیں کسی کی شکست پہنچے

تائیاں اور کسی کسی، باواں کبریٰ پڑی ہیں۔ ساتھ ہی کیا استعمال، کیا شجاعت، کیا شہادت، اور کیا ہاں بازی کے کارنامے ہیں چشمِ سر ہیں۔

اگر خدا ہے تو میں اُس سے معرفت ایک راحتِ مسرت و طمانینہ کی پراسیٰ غرضتہ کے اگمنا ہوں۔ میں معرفت ایک لمحہ غرضی کا اُس سے چاہتا ہوں۔ اس ہی میری تنہا ہے۔

جوانی کی مع خنداں معرفت ایک بار آتی ہے۔ موت کو بھی ایک ہی بار آتا ہے۔ ملا جلا دن آنا بی شاموں اور زرخ کا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ اسی منہ دام الوقت شب میں ہے۔ اور شوق کا انتظار مبینی ہے۔ اے جس کے انسانی حیات کی یہی کائنات ہے۔

میاں زندہ رہنے کا کچھ طور نہیں ہے۔ کسی چیز سے محبت نہیں کرنا ہے۔ کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کے لیے دوسری، زحمت اور فراق پسندی ہو۔ سب دھوکا اور سراب ہے۔ پسینی مشاغل امانتِ خاک ہیں۔ حد سے ذرا المناک تماشائے بے اصل ہے۔

تمام بنی نوع انسان ایک ہی قسم کا فناؤ زندگی رکھتا ہے۔ ایک ہی طرح کی امید و بیم، تنہا و اس، اور موت کا بھی ایک ہی قسم کا قدر ہے۔

جب میں دہریوں تو مجھے یاد کرتا۔ آہ یہ طاقت آمیز خیال ہے یہ طفلانہ ہے۔ کچھ ٹھنڈی آہیں ہو گئی، کچھ آنسوؤں کے قطرے ہو گئے۔ شاید یہی وہ چیزیں ہیں جن کی ہم توقع کر سکتے ہیں۔ اسکے اسوا جو کچھ ہے وہ ایک سرابِ و تاریکی ہے۔

صلاح الدین خدائیش اہم لے بی سہا ایل پر ستر
کچھ دنگل و گنگل و پو

انشاء علیہ السلام

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب گریٹ

از مولانا میر شاہ محمد غفر عالم صاحب، سجادہ نشین خانقاہ جالپور

اوراق پارینہ کی جستجو و تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا لیکن اب ان کرم خواہ اوراق کی قدر و منزلت اور بڑی بڑھ گئی ہے۔ خانہ دانی اور پرانے گھروں میں اب تک سیکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جو اگر مفید نہ ہوں پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق و تدقیق کے لئے اضافہ معلومات، تیز رفتاری، ابواب پر بحث و تمیص کے دروازے کھل جائیں، اور ایسی بہت سی یادگارین جو ہمارے بزرگوں کے لئے سرمایہ فخر و فخر و فخر ہیں، اور جنکے نہ ہونے سے اسلام کی تاریخی حالات تاریکی میں پڑی ہوئے ہیں، انشا انکشاف و انطباق دونوں کے لئے باعث تعریف و تشکر ہے، لیکن اس خیال کے لوگ ہیں ہی تو مسدود و چند اور اگر کہیں نظری آگئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو مسدود چیز ہے، کسی کو دکھانا گپ نہ نہیں فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور خطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خون ہو کر دیباچہ کی تہہ ہو جاتے ہیں،

یوں تو ہمارے ان کے نادرات میں تلف ہو گئے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینے سے لٹکانے لگا، کلی کتابیں اور پرانے خطوط و جملان بھی پابانجالت تمام ہر کچھ چھوڑنا، رفتہ رفتہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے، اور انکار ان قدیم کتابوں اور خطوط کا کافی ذخیرہ برپا ہو گیا، اپنا پورا مخزن ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے،

یوں تو رسالہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہو کہ جو کچھ بھی اپنی تحفیت و تاملت کا چاہے ہم کو کون کہنے باعث صفا نش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے مویا کے کام کا گردہ ہت ہلاست ہوتا ہے آپ جیسے عقیدہ میں و متبحر فاضل حضرت کا کہل ہوا خفا جہین وہ اپنے عمل اور محولات کو ظاہر کرتے ہیں کیونکہ قابل قدر و لائق عمل ہو۔

اس لیے میں ارباب اثر و نفوذ کی دلچسپی کے لیے اس فیض انید کو درج ذیل کرتا ہوں :-
 نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدر و ہنام احمد یار خان صاحب ساکن کنٹن گج کلکرا
 "از فیض عبدالعزیز بعد سلام سنون کشون غیر ذکا غیر یاد کہ عنایت نام سامی بار دیگر مدد مقدسہ فرمائی
 وغیرہ وصول نموده، انچہ صین باب محمول غیر است می نویسند ازہین جاقباس باید کرد و تمام سال
 دومیں دندہ غیر مستعد شود، کیے مجلس ذکر و فات ثرین، اودہ مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام
 و دروم روز عاشورا یا کہ روزہ روز پیش ازین قریب چار صد ہا نقد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس
 فراہم می آید و در روز و میزاند بجز از ان کہ غیر می بر آید وی تشیید ذکر فضائل حسین علیہ السلام کہ در شہ
 شریف وارد شدہ و در میان می آید و انچہ در احادیث اخبار شہادت این بزرگان و جہاں آقا علیہ السلام
 ایشان وارد شدہ نیز ذکر کرد میشود و باین تقریب بعضے مذاکرہ کہ بر جناب ایشان گذشتہ اندر سے معلوم
 مستبر بیان کردہ میشود و ہم دین سخن سرشہدائیکہ از مردم غیر یعنی جن دہری حضرت ام سلمہ و دیگر
 صحابہ تشیید نیز مذکور میشود، بعد از ان ختم قرآن و پنج آیت خواندہ، ہر ماحضر حاضر نموده می آید
 و درین وقت اگر شخصے خوش امکان سلام میفرماد یا مرثیہ شریف شریف میگوید، اتفاق تشیید
 می شود، و قہ ہرست کہ دین اکثر خدا مجلس را و این غیر ذمہ رفت و بجا لاتی می شود پس
 اگر این چیز را نزد فقیر حسین و ضعیف جائز نمی بود اقدیم زبان اصلاحی کرد و انچہ ہر روز و دیگران شروع
 است تمام صحبت بیان مذکور و امام شافعی می فرماید لکان انخصاصت ال محمد علیہ السلام

المتخلات انی ما فی فی زیادہ بجز توفیقِ حیات چہ بر نگارو

۱۱۸۹
ہر
علاء العزیز الاولی الرحیم

نواب احمد یار خان صاحب کون بزرگہ میں اس کا مجھے پتہ نہ ملا اور نہ اس کی تحقیق کی چندان ضرورت پیدا
مقصود تو ایک مقدس ہستی کے خط اور مل سے ہے، جو اس مکتوبِ گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے ان
جلسِ عزاء اور مجلسِ وفاتِ ارسالِ قائم ہوتی تھی، عینِ محدث علیہ الرحمۃ خود جنسِ نفیس بیان فرماتے تھے، نیز
سلام اور رشتہ مشرور و عجیب سننے سے تھے۔

مناظر احسن گیلانی کوچہ عشق رسولؐ میں

پیارے محمدؐ جگ کے سبب تم پر واروں تن من دھن
تیری صورتیا من موہن کھینچو کرا ہو تو درشن
نہیں کرا دیجیے

جیسا کہ غزلے ، دلوا تر سے
کرا کے پورا کیا بر سے
دل کا ہے کہ

تیری دوا ریا کیسے پھوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تیری گل کی دھول بڑوں ترے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے

انھوں پھر اب دھیان یہی ہے

مسئلہ علیک نبیا ترے دوا رے آیا دکھیا

بھنپا اکی پکڑو رہا اپنے حسین و حسن کا صدقا
بازو اس کا بچائی دھوا گھیریں تاؤ کو اس کے
روحِ عظیم

اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس پہ اچھے پادری دھر ہو ^{۱۱} چیت کی اگیاس میں بھر ہو
 بھدر ہوا پہ تنی کر با کس ہو ^{۱۲} سپنو میں ایس کر گھر ہو
 حدت زیادہ ترس و ہمت دنا مرزاں بیجے ^{۱۳} خواب میں ہی ایسا کر گھر ہو
 راجا عمری دیوڑھی بڑی ہے
 رحمت قرے نام بڑی ہے

اندھرا کے تم رہیا بتا ہو ^{۱۴} ہر دے کا اچھے جوت جگا ہو
 ڈکری پہ اپنے اچھو ^{۱۵} جو دھاکے تم تہی بنا ہو
 کھینچو اچھو پاپ ترکہ سے ^{۱۶} بلو قوت کو آب ماننہ بنا دیجے
 دھو دیو کا لیکھ منہ کا اچھے
 پاپی

قرے پیا کی اونچی اڑیا ^{۱۷} ہمری نے ہی واں پہ گجریا
 بتلا بتلا رہی نجسریا ^{۱۸} پکھلی ہے اک تری دوار یا
 ان کھر جوا قرے سے چلی ہے ^{۱۹} دیکھ ہوئی ہے
 ان کا پتہ تم سے چلے چکا
 کھو جوا بھی ان کا قرے سے ملی ہے
 مرغ ان کا آپ ہی سسے لے گا
 پی کی قیا تم ہی لے ہو ^{۲۰} ان کھر بتیا تم ہی سنی ہو
 محبوب کا خدا آپ ہی روا ہے ^{۲۱} ان تک پاتیں آپ ہی لے سناں
 ہمنی کے منہ یا سے تم جکے ہو ^{۲۲} مرل تھکائی تم ہی بھلے ہو
 ہم دوگوں کر بندے آپ ہی نے یگلا ^{۲۳} مرے ہوئے تھے تم ہمارے جسدا

ذہری بے قول تیری دیا ہے
 مومن کہنے سے ۱۰ جلیان سوانہ سے
 کتنی بھی جواہری ہی تیری دودا سے
 جہت بھی ہوگی آپ ہی کی دعا سے

تیری دوا یا کیسے چوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
 تیری مگی کی وصول جوڑوں تم سے مگر میں دم بھی توڑوں
 جی کا اب ارمان یہی ہے
 انھوں پہر اب دھیان یہی ہے

—X—

سفر نامہ حج سے ماخوذ

مرآت الکاملین

— (یا) —
آئینہ کاپی

تقدیم

الطاف حسین خاں شنوانی
تقدیم



مقدمہ

بڑے سائز کے ایک سو پچتر صفحات پر مشتمل یہ مخطوطہ ساڑھے دس اپنچ لائنی اور چھ اپنچ چوڑی تحریر میں لکھا گیا ہے۔ سرورق پر ساوہ سی گلکاری ہے۔ ہر صفحہ میں سترہ سطریں ہیں۔ طرز کتابت قدیم ہے۔ کاغذ سفید و پیر جو پرانا ہونے کی وجہ سے زرد پڑ گیا ہے۔ مصنف — خواجہ عنایت اللہ ساکن کالپی نے ۱۲۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں تصنیف کیا۔ نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دوسرے نسخہ کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

مصنف رقمطراز ہے :

” یہ خاکپائے عباد اللہ خواجہ عنایت اللہ بن شمس علی کہ بزرگوار اس ننگ خاندان کے بخطاب خواجگان معروف ہیں۔ حسب طلب ثواب زین العابدین کے عظیم آباد عرقہ شہ سے دار فضیلت کوئٹہ جہان آباد میں آئے اور اس حقیر نے بمقتضائے آب و خوش سکوئت کالپی اختیار کی۔۔۔ آج کل ۵-۱۳ھ میں مختصر حالات۔۔۔ معجز کربوں سے انتخاب کر کے تحریر کیا اور نام اس کا ”مرآت الکاملین“ رکھا۔۔۔

اس کتاب میں ایک پند اور چار باب ہیں۔ باب اول بیان میں حالات کے کہ کہتہائے معنوں سے و نسب سادات نبی فاطمہ و سادات طلویہ کے درجہ ہوئے۔ باب دوم بیان میں کاملین کالپی کے حالات و بعض تعارف سماوی کے تحریر ہوئے۔ باب سوم بیان میں دیگر کاملین کے کہ حالات کہتہائے سابقہ سے منتخب کر کے لکھے گئے۔ باب چہارم بیان میں چار پیر چودہ خانوادے و دیگر نقل بزرگان و غیرہ اہل پند میں مولف کی طرف

سے ایک نصیحت ہے۔

۱۔ ”مرآت الکاملین“ (مخطوطہ) ص ۵-۶

باب دوم میں کالپی کے بزرگان دین کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے جزایات آج بھی پُر رونق حالت

میں موجود ہیں جن میں سے چند کے نام ملاحظہ ہوں :

- | | |
|------------------------------------|--------------------------------------|
| ۱۔ حضرت میر سید محمد ترمذی قدس سرہ | ۹۔ حضرت سید فتح الدین احمد قدس سرہ |
| ۲۔ حضرت میر سید احمد قدس سرہ | ۱۰۔ حضرت احمد سعید قدس سرہ |
| ۳۔ حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہ | ۱۱۔ حضرت سید حسن علی قدس سرہ |
| ۴۔ حضرت سید سلطان مقصود قدس سرہ | ۱۲۔ حضرت شاہ خیرات علی قدس سرہ |
| ۵۔ حضرت سید سلطان ابو سعید قدس سرہ | ۱۳۔ حضرت سید نواز احمد قدس سرہ |
| ۶۔ حضرت سید محمد یوسف قدس سرہ | ۱۴۔ حضرت سید شاہ طلحہ محمد قدس سرہ |
| ۷۔ حضرت سید محمد اشرف قدس سرہ | ۱۵۔ حضرت شاہ احمد علی قدس سرہ |
| ۸۔ حضرت سید محمد آصف قدس سرہ | ۱۶۔ حضرت حاجی سید سلطان احمد قدس سرہ |

اس باب میں ذکر اساتذہ بزرگان سلسلہ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، اسماعیلیہ اور مداریہ (جن کا

تعلق کالپی سے رہا ہے) کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

- | | |
|---|--|
| ۱۔ حضرت شیخ سراج الدین سالار سوختہ معری قدس سرہ | ۱۲۔ حضرت ملک درآج قدس سرہ |
| ۲۔ حضرت شیخ احمد ناگوری قدس سرہ | ۱۳۔ حضرت شیخ عبدالغفور قدس سرہ |
| ۳۔ حضرت شیخ قاسم چشتی شاہ ولایت قدس سرہ | ۱۴۔ حضرت میر خجرو قدس سرہ |
| ۴۔ حضرت بہاء الدین گنج رواں قدس سرہ | ۱۵۔ حضرت سید عیسیٰ قدس سرہ |
| ۵۔ حضرت سید ملا الدین قریشی گوالیری قدس سرہ | ۱۶۔ حضرت بہادر خان شہید قدس سرہ |
| ۶۔ حضرت شیخ ابوالفتح قریشی قدس سرہ | ۱۷۔ حضرت دیوان اولیاء قدس سرہ |
| ۷۔ حضرت مولانا احمد تھانیسری قدس سرہ | ۱۸۔ حضرت سید احمد علی شاہ شہید قدس سرہ |
| ۸۔ حضرت مولانا خواجگی قدس سرہ | ۱۹۔ حضرت پیر محمد گنگا قدس سرہ |
| ۹۔ حضرت مولانا شاہ ابراہیم کئی قدس سرہ | ۲۰۔ حضرت قاضی شیخ عظمت اللہ جوہوری قدس سرہ |
| ۱۰۔ حضرت سید شاہ عبدالرباب قدس سرہ | ۲۱۔ حضرت آغا اسماعیل قدس سرہ |
| ۱۱۔ حضرت سید نعیم شاہ حمید قدس سرہ | ۲۲۔ حضرت بہاء الدین شاہ قدس سرہ |

تین بھائی تھے جو اللہ والے بھی تھے اور تلوار کے دھن بھی۔ ایک راجہ ایک برہمن لڑکی نے محبت کرنے لگا اور اس سے بے جبر شادی کرنا چاہی۔ یہ کام ان تینوں بھائیوں کے سپرد کیا گیا کہ وہ لڑکی کو راجہ تک پہنچائیں۔ برہمن اٹلہو کے قریب کہیں رہتا تھا۔ تینوں بھائی اس کے گھر پہنچے اور برہمن کو بہت بھلا دوزان گفتگو وہ لڑکی ان کے سامنے آئی اور انھیں بھائی کہہ کر مخاطب کیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ان تینوں نے اس لڑکی سے کہا کہ تم ہماری بہن ہو اب تم کو کوئی نہیں نہیں لے جا سکتا۔ جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس کام کو انجام دینے کے لیے فوج بھیجی اور جنگ ہوئی۔ ان بھائیوں میں سے دو نے اس جنگ میں اپنی جانیں قربان کر دیں اور تیسرے بھائی زخمی ہو گئے۔ زخمی بھائی اپنے گھر پہنچے اور اپنی بیوی سے اپنی زندگی سہری کمائی لے کر اس برہمن کو بھیجوا دی تاکہ وہ اس سے لڑکی کی شادی کا انتظام کر سکے اور خود زخموں کی تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے۔

آخری حصے میں کالپی کی مفصل تاریخ لکھی ہے۔ کالپی کے صوفیا کرام کا یہ تذکرہ اس لائق ہے کہ اس کی تصحیح کر کے شائع کیا جائے تاکہ بزرگان دین کے تذکروں میں اس تذکرے سے مفید اضافہ ہو سکے۔ جہاں تک کالپی کی تاریخ بیان کی گئی ہے مصنف نے عجیب عجیب واقعات درج کئے ہیں، لیکن بات یوں بھی بیان کی ہے کہ کالپی کا نام کالپ دیو کے نام سے منسوب کیا ہے۔ دوسری بات یہ بتائی ہے کہ تاریخ فرشتہ میں کیشو راج بن ہمارا ج کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ کالپی کا پہلا راجہ تھا۔ جس کا عہد ایران کے فریدوں و منوچہر بادشاہوں کا تھا۔ اسی قسم کی باتیں بیان کر کے قادر شاہ کا تذکرہ شروع کرتا ہے۔ یہ کالپی کا پہلا بادشاہ تھا۔ تیمور کے حملہ کے وقت دہلی کے طہار و صوفیہ براہ جتنا کالپی پہلے آئے تھے۔ قادر شاہ بڑا علم دوست بادشاہ تھا۔ اس نے یہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں اور یہاں ایک بڑا مدرسہ بھی قائم کیا جس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ پھر کالپی کے کئی ادوار کا تذکرہ ہے۔ جس میں ہندو راجاؤں کا تذکرہ ملتا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے وقت میں حالات بگڑے تو دکن۔ بنگال حکومت دہلی سے خارج ہو گئے۔ لیکن کالپی حکومت دہلی کے ماتحت رہا۔ اس سلسلہ میں راجاؤں سے جنگ کے واقعات بھی ملتے ہیں اس کے بعد سلطان محمد عرف محمود شاہ لودی کا پورا تسلط ہوا۔ اس نے کالپی میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، یہیں وفات پائی اور چوراسی گنبد میں دفن ہوا۔ اکبری عہد میں کالپی دہلی کے ماتحت رہا۔ جب محمد شاہ بادشاہ ہوا تو کالپی محمد خاں بخشش کو دے دی گئی۔ اس نے

- ۲۳۔ حضرت سید محمد علی شاہ قدس سرہ
۲۴۔ حضرت شیخ عبدالغفور زنجانی قدس سرہ

اس مخطوطہ میں جن کتب "معتبریں" سے مصنف نے مدد لی ہے۔ اس میں سے چند ذیل میں درج ہیں :

- | | |
|-------------------|-------------------------------------|
| ۱۔ سفینۃ الاولیاء | ۵۔ ارشاد الطالبین |
| ۲۔ تذکرۃ الاولیاء | ۶۔ تاریخ کاپلی مصنفہ خدابخش |
| ۳۔ نزہت الارواح | ۷۔ مخطوطات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی |
| ۴۔ ہدایت الطالبین | ۸۔ تحفۃ المدرق مناقب قطب المدارس |

مصنف نے تاریخ کاپلی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس نے دوران گفتگو اشعار بھی درج کئے ہیں مثلاً سید ضیاء اللہ گلگامی کے دو شعر لکھے ہیں یہ

کاپلی مکتبہ گلگام بین احمد ومن ادیس قرن

کاپلی راکم از مدینہ مدی کہ ظہور محمد است دران

مولانا خواجگی رحم (سال ولادت ۱۰۰۹ھ و سال وفات ۱۰۶۹ھ) خلیفہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی ایک مشہور باغی لکھی ہے یہ

بائے خدا لے عزیزان من نویسد برگور من این سخن

مگر چو خواجگی از جہاں پاک شد نکوشد ز حکم جہاں پاک شد

ایک موقع پر حضرت شاہ اشرف جہانگیر سمٹانیؒ کا ایک شعر بھی درج کیا ہے یہ

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی ورنہ ہم چو چرخ سرگرداں شوی

دلی پر اثر کرنے والے کچھ واقعات بھی مخطوطے میں شامل کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مندو مسلمانوں کی محبت کا متاثر کن ثبوت ملتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

۱۔ کوہہ دخلع الہ آباد کے حارات کی تحقیق کے سلسلہ میں جب گنگا ایک مزار ملی جس میں یہ رباعی لکھی تھی اور اس مزار کو مولانا خواجگی کی مزار بتایا گیا لیکن معلوم نہیں کیوں اس مخطوطے کے مصنف نے مولانا خواجگی کی مزار متصل مزار بقا سم چٹن فتحہ ولایت کاپلی درج کی ہے۔ نہ کنوآت اشرفیہ (مخطوط) مولانا آزاد لکھنؤ میں علی گڑھ میں ملے۔ یہ مزار دہلی کے قلعہ کے علاوہ کی کوہہ حیدر شرف نے اپنی کتاب حیات سید اشرف جہانگیر سمٹانیؒ کو کھنڈہ ۱۹۹۷ء میں اسکا پھرچاں حالت شکار ایک ایک منزل ان کی طرف منسوب کی ہے۔

۲
 احمد خاں کو اپنا نائب بنانے کے دوسرے علاقوں کی طرف مایوس ہوا۔ بعد میں عمر پٹوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر پنڈت خاندان کا لپی پر مسلط ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں شجاع الدولہ نے کالپی کو امرات گرو رائیں کو جائیداد میں دیدیا جو بعد میں انگریزی کے تسلط میں آیا۔ ۱۸۶۰ء میں کالپی پور سے طور پر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

جہاں تک میرا علم ہے، اور میں نے وہاں خود جا کر دیکھا، یہ عجیب جگہ ہے، حد نظر تک بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ یہ دریائے جمنا کے کنارے آباد ہے۔ جمنا کے دوسری طرف کانپور ملتا ہے، جہاں جھگوتی پور ہے۔ تیمور کے دہلی حملہ کے بعد ہزاروں علماء اور صوفیہ بزرگ کشتی جمنا کے راستے کالپی آ گئے تھے اور انھیں یہاں پر سکون ماحول ملا تھا۔ کالپی میں ایک قلعہ بھی ہے جو اچھی حالت میں ہے اور اس کے اندر بھی مزارات ہیں۔

●●

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴۷۲

[illegible]

میں نے

۱
 ۲
 ۳
 ۴
 ۵
 ۶
 ۷
 ۸
 ۹
 ۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴
 ۱۵
 ۱۶
 ۱۷
 ۱۸
 ۱۹
 ۲۰
 ۲۱
 ۲۲
 ۲۳
 ۲۴
 ۲۵
 ۲۶
 ۲۷
 ۲۸
 ۲۹
 ۳۰
 ۳۱
 ۳۲
 ۳۳
 ۳۴
 ۳۵
 ۳۶
 ۳۷
 ۳۸
 ۳۹
 ۴۰
 ۴۱
 ۴۲
 ۴۳
 ۴۴
 ۴۵
 ۴۶
 ۴۷
 ۴۸
 ۴۹
 ۵۰
 ۵۱
 ۵۲
 ۵۳
 ۵۴
 ۵۵
 ۵۶
 ۵۷
 ۵۸
 ۵۹
 ۶۰
 ۶۱
 ۶۲
 ۶۳
 ۶۴
 ۶۵
 ۶۶
 ۶۷
 ۶۸
 ۶۹
 ۷۰
 ۷۱
 ۷۲
 ۷۳
 ۷۴
 ۷۵
 ۷۶
 ۷۷
 ۷۸
 ۷۹
 ۸۰
 ۸۱
 ۸۲
 ۸۳
 ۸۴
 ۸۵
 ۸۶
 ۸۷
 ۸۸
 ۸۹
 ۹۰
 ۹۱
 ۹۲
 ۹۳
 ۹۴
 ۹۵
 ۹۶
 ۹۷
 ۹۸
 ۹۹
 ۱۰۰

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ابن عبد العزیز رحمہ اللہ ابو العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابو بکر بن ابی العزیز
 شیخ المشائخ حضرت شیخ عبد الجبار بن ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت
 شیخ سعدی بن عقیق کہ باؤد داشت ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ مکر بن
 ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ ابو سلیمان باؤد طای کہ باؤد داشت ابی العزیز شیخ
 موسیٰ بن رضا ابی العزیز شیخ المشائخ امام موسیٰ کاظم ابی العزیز شیخ المشائخ امام جعفر صادق ابی العزیز
 حضرت امام باقر ابی العزیز شیخ المشائخ امام زین العابدین ابی العزیز شیخ المشائخ امام حسین
 ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت علی ام المومنین ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت محمد
 مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 سید سلطان احمد وہ ابو سعید حضرت خیر القلی وہ والدہ حضرت سید سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ
 سید احمد سید احمد وہ والدہ حضرت سلطان ابو سعید ابی العزیز شیخ المشائخ
 سیدہ فضل الہم سے اور وہ والدہ حضرت سید احمد سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ
 سیدہ محمد کا بوجی سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ حضرت شیخ جان بن ابی العزیز
 اور وہ شیخ فہام الدین سے اور وہ شیخ قطب الدین سے اور وہ شیخ ابی العزیز
 شیخ باؤد الہی بن ابی العزیز اور وہ شیخ علاء الدین سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ
 اور وہ برادر خود سید جلال الدین بن ابی العزیز بن محمد بن ابی العزیز بن ابی العزیز
 شیخ کن الدین سبطی ابی العزیز شیخ جلال الدین سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ
 خود شیخ باؤد الدین بن ابی العزیز شیخ جلال الدین سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ
 خود شیخ ابو العزیز بن ابی العزیز شیخ جلال الدین سبطی ابی العزیز شیخ المشائخ

شیخ محمد میر سیاحی از شیخ متولد از میر سیاحی و شیخ ابو القاسم صید خوانی
 آورده شیخ سری بن سقایی سیاحی از حضرت شیخ محمد میر سیاحی آورده حضرت داود کاظمی
 آورده شیخ حسن لهری سیاحی آورده امام المسلمین امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم الله وجهه
 آورده حضرت رسول مقبول صلی الله علیه و آله وسلم سیاحی سیاحی خاندان علی اریتم
 حضرت سید سلطان احمد و والد خود حضرت سید ابوسعید خدری و خیر القلی بی و پدر خود حضرت
 سید حسین علی بی و پدر خود حضرت سید احمد سعید بی و پدر خود حضرت سید ابوسعید بی و پدر خود حضرت
 شایسته فضل الهی سیاحی و والد خود حضرت سید احمد سیاحی و والد خود حضرت سید محمد باقر سیاحی آورده
 حضرت شیخ جمال الدین کوروسی آورده شیخ قیام الدین سیاحی آورده شیخ قطب الدین سیاحی آورده حضرت
 سید جمال بن عبدالقادر سیاحی آورده حضرت سید محمد باریک بن محمد سیاحی آورده حضرت سید افضل
 بن احمد سیاحی آورده حضرت شیخ المشائخ شاه بدیع الدین سیاحی که لقب شایسته دار سیاحی آورده
 حضرت شیخ عبداللہ شامی سیاحی آورده شیخ عبدالاول سیاحی آورده حضرت شیخ ابن الدین سیاحی
 آورده حضرت علی سیاحی آورده حضرت خانم الزین سیاحی - شمس خاندان القشبنده
 ابی سزیز زباید بیل کفر در سالت و بنک کو سار بنوب با و شاه دین مال و کسند ما جدار نوک لک
 خلقت الافلاک باعث ایجاد عالم مبداء ارواح محو او کوم مرجع ارباب و جهان رسول السلام
 چنان شفیق المذنبین ختم المرسلین احمد نجینی محمد مصطفی صلی الله علیه و آله وسلم ابی برادر و بان
 مومن صدق و صفا موعود و فیما و رفت اسرار نبوی عالم مودات مصطفوی العشق و المحبت
 و کما الشوق و المروءات الامام الاوزار حضرت صدیق اکبر رضی الله عنہ ابی برادر و بان
 و طاهر اخی البسیل النعم المجتهد و التواضع و صل و افضل المراتب و الافاضل حضرت سلیمان

مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلی صاحب کتب خانہ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلی صاحب کتب خانہ
 سی باب صحتی شاہ دہلی صاحب کتب خانہ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلی صاحب کتب خانہ
 دارینی منقطع کیا سی الزم لہذا دہلی شاہ دہلی سلطنت شاہین شہر اتوار و بدو نوشت
 میں خواجہ سید و ... ہر سال والدہ شہی میں کہ آواز لغارہ جو مکان چلنا ہمارے کجانی کی گئی
 میں نہیں شادی کی باوجود کہ گناہ مند چلنا ہمارے کجانی کی گئی
 فرس کی لیا کی بھی گئی قادیانہ احمدی دیویشہ مرید شاہ دار و دیوار اشخاص نے نیت ہادی
 سچ میں اپنی اس قدر میر کی دعا فریب عروہ و صوبہ شاہ مرید شاہ دار و دیوار کی گئی کہ اتنا
 اور علاوہ قادیانہ کی اور لہذا میں نے نیت توڑ کی جلی کی چنانچہ اپنی نماز ختم کی غیر شاہی شاہ ایک
 کہا اور نونہ فرمایا کہ سب بوجہ جی خواجہ کچھ مرید شاہی کی بوجہ کہ اپنی لیسب سی سجدہ میں میری
 آئی فرمایا کہ میری لگا سگی نماز سب نظر غائب سر اوٹا یا چنانچہ مرید شاہی کی فرمایا
 لی اور مرید شریف لہذا میں نے بجا آؤ کہ شریف میں قادیانہ دیویشہ مرید شاہ دار و دیوار
 کہ کہ شریف اور شریف کو پار سے نظر نہ آتا تاہم نہایت بد حالت سے لہذا لہذا ہاں کہ
 بیان یا غیر و شاہ دہلی صاحب کتب خانہ مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلی صاحب کتب خانہ
 ہی اچھی مدد لیں مال و جہان لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی
 کا مقصد ہی درناجی لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی
 ولی خدی میں اپنی منہ و گنہ خانہ عارت بخت اندک ایام چار روزہ عید ملی میں جو
 لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی
 میں جو کہتے ہاں کہتے ہیں اور گئی نہیں انہیں لہذا میں نے شادی کی لہذا میں نے شادی کی
 ہر وقت میں رہا

[illegible]

[illegible]

٢٦

[illegible]

[illegible]

کیمونوسپی

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين
الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين
الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين
الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله رب العالمين
والصلاة والسلام على
سيدنا محمد وآله الطيبين
الطاهرين

کیفیت آنکه در پانصد و نود و پنج سال از زمان ظهور آن حضرت تا به حال
 که در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است
 که در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است
 که در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است و در این کتاب مذکور است

شاه جهان

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

در روزی که در شهر کابل بود

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

19

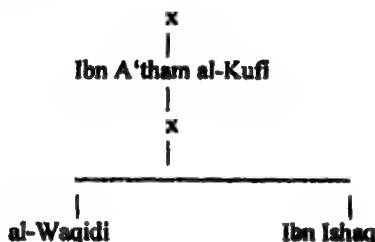
[illegible]

4.
衣

1. 衣 (yī) 衣服 (yī fu)
2. 衣 (yī) 衣冠 (yī guān)
3. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
4. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
5. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
6. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
7. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
8. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
9. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
10. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)

1. 衣 (yī) 衣服 (yī fu)
2. 衣 (yī) 衣冠 (yī guān)
3. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
4. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
5. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
6. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
7. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
8. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
9. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)
10. 衣 (yī) 衣冠楚楚 (yī guān chǔ chǔ)

true author - the other main source being Ibn Ishaq, from whom the information transmitted (1) through (4), who took material from al-Waqidi and Ibn Ishaq and synthesised it to create the present account. My opinion is that the author is probably Ibn A'tham al-Kufi (2) as the composition of this text is not unlike that of this Kitab al-Futuh in form. Thus the reduced isnad or path of transmission of material, using only the names of critical source and compilers, is as follows:



The impression that this is a work of Ibn A'tham al-Kufi is strengthened by the heading found on folio 41b. which reads "Fragment of a notice about al-Muthanna b. Harita al-Shaybani, which is the first of the conquests after the battle Against the people of the Ridda. It is also in the transmission of Ibn A'tham al-Kufi". In order to be absolutely certain of the identification of this work with that of Ibn A'tham, however, it will be necessary to compare the present text [especially the Saqifa incident and the raids of al-Muthanna, which are I believe treated in the Kitab al-Futuh] with corresponding passages in the Arabic text of Ibn A'tham's Kitab al-Futuh, and by investigating Ibn A'tham's use of the isnad, his authorities, and chains of transmission to check for similarity with the isnad of the present MS.

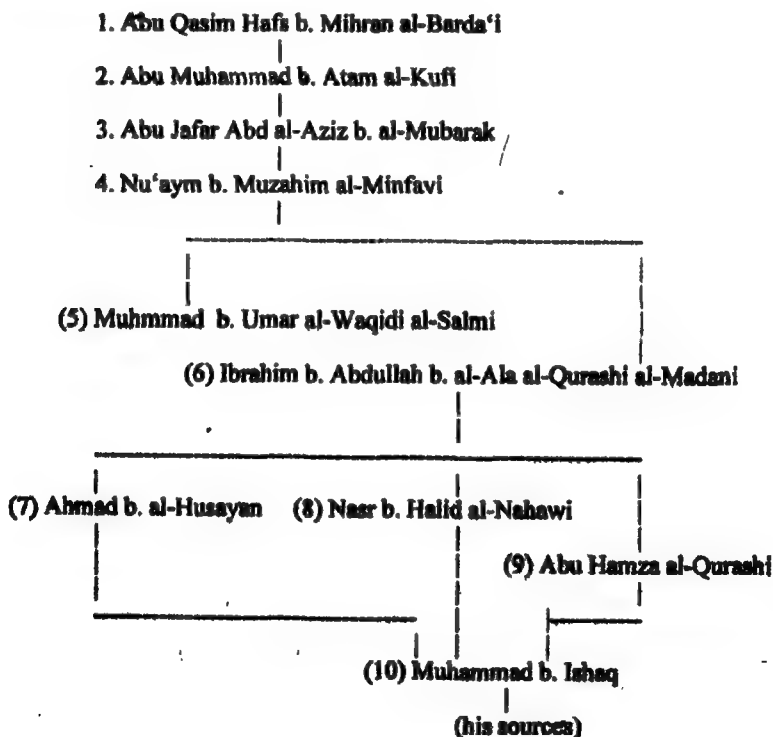
If my judgement is correct, the Kitab al-Ridda manuscript comprises a monograph by Ibn A'tham al-Kufi on the Ridda, which may originally have formed a part of his Kitab al-Futuh. As it seems to rely on very early authorities, viz. al-Waqidi and Ibn Ishaq, whose works on this subject are lost to us, we can expect the MS to be very valuable as a source for the history of the Ridda and for our understanding of early Arabic historiography.

June 17, 1976

Pata

and making little or no attempt to synthesise these short ahbar into a longer, continuous narrative account. In the MS presently under consideration, however, the authorities are cited only once, at the beginning of the works, and the entire text of 44 folios which follows is one continuous account, composed synthetically by the author from the various sources listed in the isnad. It is therefore my opinion that the Kitab al-Ridda is not an authentic work by al-Waqidi, as the compilers of the Bankipore Library Catalogue alleged.

The true identity of the Kitab al-Ridda can, however, be determined by careful investigation of the text. The opening isnad provides the following chain of transmission for the text:



It can thus be vividly seen that al-Waqidi is not the author of the present text, but is one of the two main sources of information used by the

An early source for Arab Histriography

A Note concerning the *Kitab al-Ridda*, Arabic MS No.2290 B
in the collection of
the Khuda Baksh Oriental Public Library, Patna (Bihar Prov.), India.

— By **FRED M. DONNER**
Assistant Professor of History
Yale University
New Haven, Connecticut, U.S.A.

This interesting manuscript describes the events of the Ridda Wars and includes a description of the nomination of Abu Bakr as the Prophet's first successor in the famous episode of the "Saqifa Bani Sa'ida" (fol.2a-6a). It also includes at the end a section describing the first raiding activities of al-Musthanna b. Harita al-Shaybani which properly form a prelude to the Muslim conquest of large [fol.41b-44b].

In volume XV of the Bankipore Oriental Library Catalogue this work is ascribed to Muhammad b. Umar al-Waqidi on the basis of the opening isnad, which is cited in that place. The *Kitab al-Ridda* MS, however, is not constructed in the same manner as other authentic works of al-Waqidi, such as the *Kitab al-Magazi*. In the latter, we find that al-Waqidi assembled a great number of short-accounts, or ahbar giving each one with its own isnad

word is originally plural, now used in the singular sense. Cf. Heb. *elohim* (Pl. in form) God.

One. Phl. *acvak*, O.P. *aiva*, Sans. *eka*.

Same as (*jūgh*).

یک : (*yak*)

یو غ : (*yūgh*)

**

هفتاد : (haftād)	Seventy. Phl. haftād, O.P. haptāiti, Sans. saptati, Av. haptaiti.
هفت اورنگ : (haft-aurang)	Ursa-major. Av. haptōi-ring.
هفت کشور : (haft-kishwar)	Seven countries. Av. haptō karshvarin.
هفت هندو : (haft-hindū)	Seven seas, the Punjab. Av. hapta-hindu.
هلاهل : (halāhil)	Mortal, deadly, deadly poison, Sans. halāhala, poison.
هم : (ham)	Toghtether, same, equal, with. Phl. ham, O.P. hama, Av. hama. Sans. sama, Gik. homos, same, homoiōs, like.
همایون : (humāyūn)	Blessed, fortunate, august, imperial. Phl. humagūn, humā, phoenix + gūn, colour, indicating likeness or relation.
همه : (hama)	Whole, all. Phl. hamāk, O.P. hama, Av. hama; Sans. sama.
هندسه : (hindisa)	Geometry, engineering. Arabicised form of Pers. (andaze), measure, proportion.
هندو : (hindū)	A Hindu, black, slave. Phl. hindūk, O.P. hindu, Av. hindu, Sans. sindhu, sea, river. Av. hapta-hindu, corresponding to Sans. sap sindhu, the seven seas, i.e. the Punjab.
هندوستان : (hindūstān)	India, northern India. Phl. hindūkstān. See (hindū) and (sitān).
هنر : (hunar)	Skill, art, virtue. Phl. hūnar, Av. hunara.
هوار : (hūr)	Sun. Av. hvare, Sun, Sans. svar, suryya, sun.
هوشیار : (hushyār)	Intelligent, clever, skilful. Phl. hōshayabār. (hōsh) from Av. ushi, intelligence and Phl. ayabār from Av. avo-bāra, helper, friend, companion.
هیزم : (hīzum)	Fuel. Phl. ēzum, Av. aēśma.
ی : (ye)	For relation corresponds to Sans. ī.
یادگار : (yādgār)	Memorial. Phl. cyādkār.
یار : (yār)	Friend, helper. Phl. ayabār, Av. avobāra.
یادوار : (yāwar)	See (yār).
یزد : (yazd)	Angel. Phl. yazad, angel, god, Av. yazata, angel, god, worthy of adoration, Sans. yajata, a being which deserves worship, adorable one.
یزدان : (yazdān)	God. Phl. yazatān, Pl. of yazad, angel, God, Av. yazatanām, angels, gods. The

نُه	: (nuh)	Phl. rūbān (Mod. Pers rawān) soul, Av. urvan. The Arabicised form anūshirwān is closer to the original.
نهم	: (nuhum)	Nine. Phl. nāho, Av. nava, Sans. nava, Lat. novem.
نیا	: (niyā)	Ninth. Phl. nahūm, Av. naoma, Sans. navam.
نیاکان	: (niyākān)	Ancestor, grnad-father, forefather. Phl. niyāk, Av. nyāka.
نیک	: (nīk)	Ancestors, forefathers, Pl. of (niyā). Here the Phl. plural form (niyāk + an) is retained like 'bandagan'. Phl. bandak + an, 'K' has been softened into 'g'.
نیل	: (nīl)	Good. Phl. nēvak, O.P. naiba, good, Sans. nīka.
نیلوفر نیلوفر	: (nīlūpar/nīlūpal/ nīlūfar/nīlūfal)	Indigo, blue. Sans. nīla.
نیلوفر نیلوفر	: (nīlūpar/nīlūpal/ nīlūfar/nīlūfal)	Lily. From Sans. nīlōtpal.
نیم	: (Nīm)	In Phl. there is one letter for both 'L' and 'r' sounds.
وند	: (wand)	Half, Phl. nēmak, Av. naēma.
هغامنش	: (hakhāmanishī)	Like, possessing. Phl. vand, āvand, Av. vānt, Sans. vanta.
هر	: (har)	Achaemenian. O.P. hakhāmanishiya, adj. from hakhāmanish, hellenised into achaemenes, eponymous, ancestor of the first historical dynasty of the rulers of Persia.
هرمز	: (hurmuz)	Each, every. Phl. har, (O.P. haruva, Av. haurva, Sans. sarva, all.
هرگز	: (hargiz)	See (urmuzd)
هزار	: (hazār)	Ever. Phl. hakarch, hakarj, Av. hakara-chit even, once.
هست	: (hast)	Thousand. Phl. hazār, (O.P. hazanra, Av. hazanra.
هسته	: (hasta)	Is. Av. asti, Lat. esti. Sans. asti.
هشت	: (hasht)	See (asta).
هشتاد	: (hashtād)	Eight. Phl. hasht, O.P. & Av. ashta, Sans. ashta, Lat. octo.
هشتاد	: (hashtād)	Eighty. Phl. hashtād, (O.P. ashtaiti, Av. ashtaiti, Sans. ar'iti.
هشیار	: (hushyār)	See (hoshyār).
هفت	: (haft)	Seven. Phl. haft, O.P. hapta, Av. hapta, Sans. sapta, Lat. septem.

- میش : (mish)
 میغ : (megha)
 مینو : (mīnō)
 میهمان : (mīhmān)
 ناخدا : (nākhudā)
 ناخن : (nākhun)
 ناف : (nāf)
 نامه : (nama)
 ناو : (nāv)
 ناهید : (nāhīd)
 نابیره : (nabira)
 نخست : (nakhust)
 نخستین : (nakhstīn)
 نر : (nar)
 نزدیک : (nazdik)
 نگاه : (nigāh)
 نماز : (namāz)
 نو : (nau)
 نواذ : (nawada)
 نوبهار : (nau-bahār)
 نود : (nawad)
 نوشیروان : (nūshirawān)
- Sheep, ram. Av. maesha, Sans. mesha.
 cloud, Av. maṭṭha, Sans. megha.
 Heaven, the invisible world. Phl. mīnōē,
 the invisible world, Av. mainyu.
 See (mīhmān).
 Captain of a ship, boatman, combination
 of (Nāv), boat, ship and (khudā) master.
 See (Nāv) and (khudā).
 Nail, talon, claw. Sans. nakha.
 navel, middle. Sans. nābhi.
 Book, letter. Phl. nāmak.
 Boat, ship. Av. nāvo, Sans. naus, Gk. naus,
 Lat. navis, Guj. nāv, Beng. nāo Cf. Phl. nāv,
 dāk navigable, Av. nāwaya, Sans. nāvya.
 Venus. Av. anāhita.
 Grandson. Phl. navīrak, grandson, Av. napat,
 naptar, Sans. napāt, Lat. nepos, neptis.
 First. Phl. nukhust, Av. mazdishta,
 Sans. nedishta. The O.P. and Av. superlative
 ending 'ista' (corresponding to Sans. ishta) is
 preserved here.
 See (nakhūst).
 Male. Phl. nar, Av. nere, nara, Sans. nara.
 Near, Phl. nazdik, Av. Nazda, Sans. neda.
 Look, watch, care. Phl. nikās.
 Prayer. Phl. namaz, Av. namak, Sans. namas.
 (bowing).
 New. Phl. nōk, Av. nava, Sans. nava.
 Grand child. Phl. navadak, Av. napat, naptr,
 Sans. napāt, Lat. nepos, neptis, grandson,
 nephew.
 (i) A buddhist monastery of Balkh, wrongly
 supposed to have been a fire temple or idol
 temple. Sans. nava-vihāra, a new monastery,
 (ii) New spring. See (nau) and (Bahār).
 Ninety. Phl. navat, O.P. & Av. navaiti, Sans. navati.
 Nūshīrwān (not nawshīrwān). Phl. anōshak-
 rubān, of immortal soul. Phl. anōshak
 from Av. anaoshō, immortal, Phl. osh from
 Av. aoshā, death, 'an' privative prefix.

مکش : (magas)	(agar), if, that not.
منوچهر : (mīnučih̄r)	Fly. Av. makhshī, Sans. makshi.
موبد : (mūbad)	Name of a person. Phl. manūsh-čehr, Av. manuśh-čithra.
موبد موبدان : (mūbad-i-mūbadān)	A Zoroastrian priest. Phl. magōpāt, a wise man, a divine, a priest. O.P. magupati, Av. moghu-paiti.
مور : (mūr)	See (mūbad) Mobad of the Mobads a high priest. Phl. magō-patān, magōpat.
موز : (mauz)	Ant. Phl. mūr, Av. mairi.
موزة : (mūza)	Banana, plantain fruit. Sans. mōchā.
موش : (mūsh)	Boots, stockings. Phl. mōghak ¹ .
مه : (meh)	Mouse. Sans. mūshika, Lat. & Gk. mus, Ger. maus.
مهر : (mehr)	Great, large. Phl. mēs, Av. masyah, Sans. mahat.
مهر : (muhr)	Sun, friendship, Love, affection. Phl. mithro, Av. mithra, Sans. mitra.
مهرمان : (mihrajān)	Seal. From Sans. Mudrā.
مهرگان : (mihrgān)	Arabicised form of (mihrgān).
محبان : (mihmān)	Autumnal festival of ancient Iran, festival of Mithra, the sun-god. Phl. mithrangān, mih-r-kān, Kan being a suffix for nisbat (relation).
می : (mai)	Guest. Phl. mēh-mān, Av. maithman. Cf. vedic maitra, friend.
میان : (miyān)	Wine. Phl. mādyān, Av. madu, maidya, Sans. madhu, madya.
میردا : (mirdā)	Middle. Phl. mēyān, Av. maidhyana, Sans. madhya.
میرده : (mirdah)	Officer of justice, judge. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dād), justice.
میرزا : (mīrzā)	A commander of ten soldiers. (mīr) for (amīr) (Ar.), chief and (dah), ten.
میزبان : (mizbān)	Prince. contraction of (amīrzāda) lit. Prince-born.
	host, mēz, mīz, table, (bān), keeper.

¹ From this is derived the word *mochi* (shoe-maker, cobbler) of Indian vernaculars.

مر : (mar)	mugh, Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu. Latinised magus (s) magi (pl). Number. Phl. marak, mar, Av. mere, to remember, to count. Cf. Sans. Smr, to remember.
مرد : (mard)	Man. Phl. mart, O.P. martiya, Av. māretan, mashya, Sans. martya.
مردم : (mardum)	Mankind. Phl. martum, Av. maretan.
مردن : (murdan)	To die. Phl. murdann, Av. mere, to die, Sans. mr. Lat. mori.
مردۀ : (murda)	Deed. Phl. mūrdak, Av. mereta, Sans. mrta.
مرز : (marz)	Borderland, border, edge, march. Phl. marz, Av. marez, borderland. Cf. Eng. march, in the sense of boundary, frontier.
مرزبان : (marzbān)	Frontier-governor, warden of the marches. Phl. marzpan, Av. mareza-pāna, guardian of the frontiers, warden of the marches, Av. mareza, borderland and pāna (suffix), protector from the root pā to guard. Cf. Eng. marquis which literally means the ruler of the march.
مَرُغ : (murgh)	Bird. Phl. murv, murūk, Av. meregha. Cf. Sans. mrga, originally 'animal', later on restricted to the 'deer'.
مرغزار : (margh-zār)	pasture ground, meadow. (margh), a kind of grass and (zār), place. The Phl. forms of (zār) are ghār and jār.
مرگ : (marg)	Death. Phl. marg, Av. mahrka.
مست : (mast)	Intoxicated. Phl. mast, Av. mastu, Sans. matta.
مُسْلِمَان : (musalmān)	Musalmān, Muslim. A corrupted form of Muslimān, the Persian plural of Ar. Muslim used as singular.
مِشْت : (musht)	Fist, handful. Av. mushti, Sans. mushṭi.
مُشْك : (mushk)	Musk. From Sans. mushka.
مغ : (mugh)	A Magian. Phl. magō, O.P. magu, Av. moghu.
مغز : (maghz)	Marrow, brain. Phl. mazg, Av. mazga, Sans. majjā.
مگر : (magar)	But, except. Form Aram. mā, not and Pers.

گنج : (ganj)	Store, hoard, treasure. Phl. ganj. Cf. Sans. Kunja.
گنجور : (ganjūr/ ganjwar)	Treasurer. Phl. ganjobar, treasurer.
گندم : (gandum)	Wheat. Sans. gōdhuma.
گنجهار : (gunahgār)	See (gunāhgār).
گوا : (gawāh)	Witness, evidence. Phl. gukās.
گوزهر : (gauzahar)	The dragon's head and tail, the sphere of the moon. From Phl. gao-chilr, Av. geush-chithra.
گوسپند : (gūspand)	Sheep, goat. Phl. gōspand, a domestic animal, cow, goat, sheep, etc., Av. gāušspenti.
گوسفند : (gūsand)	See (gūspand).
گون : (gūn)	Colour. Phl. gunak. Av. gaona.
گیاه : (giyāh)	Grass, green herbage. Phl. gayūh. Cf. Sans. ghāsa.
گیتی : (gīti)	World. Phl. gētik, gēthī, Av. gaēthya.
گیسو : (gesū)	Braided hair. Phl. gūs, Av. gaūsu, Sans. kes'a, hair.
گیومرث : (gayūmarth)	Adam of the Zoroastrians. Phl. gayōk-mard, Av. gayo-marctan.
گیومرد : (gayūmard)	See (gayūmarth).
گیهان : (gayhān)	World. Phl. gēhān, Av. gaēthanam Pl. in form, used in the singular sense.
مادر : (mādar)	Mother. Phl. mād, mādar, O.P. mādar, Av. mātar, Sans. mātār, Gk. mēter, Lat. mater, Ger. mutter, kelt. Mathir, Ital. madre, Fr. mere.
ماد : (māda)	Female. Phl. mādak, Av. mātar, Sans. mātār.
مار : (mār)	Serpent. Phl. mār, Av. māra.
ماست : (māst)	Sour, coagulated milk. Sans. mastu, sour cream, whey.
مان : (mān)	House. Phl. mān, house, household, Av. n(c) māna, house, family.
ماه : (māh)	Moon, month. Phl. mūh, Av. mah, maonha, Sans. māsa, Lat. mensis, Fr. mois, Ger. monat, Goth. mēna, Eng. month and moon.
ماهی : (māhi)	Fish. Phl. māhik, Av. māya, Sans. mātṣya.
مجموس : (majūs)	(Ar.) Magi, Zoroastrians. Pers. mōgh,

گژدم : (gazhdum)

Scorpion. Phl. gajdūm (gazh) = (kaz) = (kaj), crooked, (dūm), tail. (gazhdum) literally means having a crooked tail. Mr. E.S.D. Bharucha derives the word from (guzidan), to bite and makes it mean 'having a biting tail'. Phl. dumb, tail, Av. duma tail.

گستاخ : (gustākh)
گستردن : (gustardan)

Proud, impudent, haughty. Phl. vistākhv. To spread. Phl. vistartann, Av. vi + sterc, Sans. vistr, to spread.

گشتاسپ : (gushtāsp)

Name of a king of Bactria, Hystaspes of the Greeks. Phl. vishtasp, Av. vištāspa, hellenised into Hystaspes. The sanskrit form will be ishtas'va.

گفتار : (guftār)

Speech. Phl. gōftār, speaker, gōftārīh, speech.

گل : (gul)

Flower, rose. Phl. gūl, Aram. ward. Ar. Ward. The philologists suggest that the 'w' and 'r' of word have changed into 'g' and 'l' respectively. This apparently seems to be far fetched. The change of 'w' into 'g' has many instances in many languages, e.g., Eng. war is, Fr. guerre, Eng. William is Fr. Guillaume, Av. vištaspō is Neo-Pers. gushtāsp, Ar. al-wādī kabīr is Span. Gua dal quivir, etc. Similarly instances of the change of 'r' into 'l' can be multiplied at one's will. Below are given a few of them. Sans. karataka is Phl. kulāg and Ar. kulila, Sans. s'ringavera is Ar. zanjabīl, Lat. peregrinum is Eng. pilgrim and Fr. pèlerin and so on. And in Phl. there is one letter for both 'r' and 'l', dīwār and dīwāl are different readings of the same word.

گلنار : (gulnār)

Pomegranate flower. Orig. gul-i-anār, flower of the pomegranate.

گلو : (gulū)
گمان : (gumān)
گناه : (gunah)
گناهگار : (gunāhgar)

Gullet, throat. Av. grīva, Sans. grīvā, gula. Doubt, suspicion. Phl. gūmān. Av. vīmanahya. Sin, crime, offence, transgression, Phl. vinas. Sinner, transgressor, criminal. Phl. vīnāhgar.

کی : (kay)	When. Av. kadha, Sans. kadā.
کیخسرو : (kaykhusrau)	Name of a king. Phl. kaē-khūsrob, Av. kavi-husrava.
کیش : (kēsh)	Religion. Phl. kēsh, religious law or doctrine or belief or custom.
کیقباد : (kaiqubad)	Name of a king. Phl. kaē-kawād, Av. kavī-kawāta.
کین : (kīn)	Enmity, ill-feeling. Av. kaena.
گاو : (gāv)	Cow. Phl. go, Av. gēush, gao, Sans. gō, Ger. kuh.
گاهوار : (gāhwāra)	Cradle. Phl. gāsvarak, (gāh) place, from Phl. gās, O.P. gathu, Av. gatu, place.
گبر : (gabr)	Guebre, a Zoroastrian, a parsee. Phl. (Aram) gabra, man. A zoroastrian is so called by the Muslims of Persia.
گذردن : (gudhardan)	To pass away. Phl. witartann, Av. vitere.
گرد : (gird) ¹	Around, round. Phl. vart, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, to turn, Ger. werdeu.
گرد : (gūrda)	Kidney. Phl. gurtak, Av. veretka.
گردیدن : (gardīdan)	To turn, to revolve. Phl. vartitann, to turn, Av. weret, Sans. vṛt, Lat. vertere, Ger. werdeu.
گرز : (gūrz)	Mace, club. Phl. varz, Av. vazra, club, battle axe, Sans. vajra, thunderbolt.
گرفتن : (griftan)	to take, to hold, to seize. Phl. griftann, Av. garew, Sans. grabh, grah.
گرگ : (gurg)	Wolf. Phl. gurg, Av. vēhrka, Sans. vṛka, Lat. vulpes.
گرم : (garm)	Warm, hot. Phl. garm, O.P. garma, Av. garema. Cf. Sans. gharma, grishma.
گره : (giriḥ)	Knot, joint. Sans. granthi.
گریبان : (giriḥbān)	Collar. Phl. gariv-pān, throat-protector, collar, Av. grīva-pana, Av. griva = Sans. grīvā, throat and Av. pāna, from the root pā = Sans. pā, to protect.
گزیته : (gazit)	See (jizya).

¹ Instances of the change of V or W into g are given under (gul)

کرباس : (karbās)	White cotton garment, fine linen, muslin. Sans. karpāsa, cotton.
کردار : (kirdār)	Action, Phl. Kardār, doer, maker.
کردن : (kardan)	To do, to make. Phl. kardann. Av. kere. Sans. Kr.
کرم : (kirm)	Worm. Av. kerema. Sans. kṛmi.
کروه : (kurūh)	Road, measure of about two miles. Sans. krōs'a.
کژدم : (kazhūdum)	Scorpion (lit. Crook-tail) (kazh) for (kaj), crooked . (dum), tail. Phl. dūmb, Av. duma.
کش : (kash)	Armpit, groin. Cf. Sans. kukshi.
کشته : (kisht)	Sown field, tillage. Cf. Sans. kshetra, field, H. and Beng. khet, field.
کشف : (kashaf)	Tortoise. Av. kasyapa. Sans. kachchhapa.
کشور : (kishwar)	Region, country. Phl. kēshwar, Av. karshware.
کشیدن : (kashīdan)	To draw, to drag. Phl. kashīdann, Av. keresh, Sans. karsh.
کف : (kaf)	Forth, foam, scum. Av. kafa, Sans. kapha.
کلاغ : (kalāgh/kulagh)	Crow, rook, raven. Phl. wilāk, Sans. kāka.
کلیله : (kalīla)	Name of a jackal in the 'kalīla wa Ḍamna', Corrupted Arabicisation of Sans. karatuka, through pahlavi in which there is only one letter for r and l. In the old syriac translation of the original pahlavi version the form is still kalilag.
کندن : (kandan)	To dig. Phl. kandann, Av. kan = Sans. khan, to dig.
کنیز : (kanīz)	See (kanīzak).
کنیزک : (kanīzak)	Damsel, girl. Phl. kanīch, kanīchak, damsel, Av. kainika, kaini, girl, maid-servant, female slave, Sans. kanyakā, kanyā.
کودک : (kūdak)	Boy, lad, child. Phl. kutak, Av. kutaka, little. Cf. Sans. kshudraka.
کوز : (kūz)	Hump. Cf. kubja.
کوزپشته : (kūz-pusht)	Hump backed. See (kūz) and (pusht).
کوه : (kūh)	Hill, hillock, mountain. Phl. kōf, O.P. kaufa, Av. kaofa.
کی : (kay)	King, kayanian. Phl. kac, Av. kavi, king.

فریدون : (farīdun)	Farīdun, the victor of Dahhaq. Av.thraētaon the name of a legendary king of ancient persia.
فسان : (fasān)	Whet-stone. Sans. pashāna, stone.
قانون : (qānūn)	(Ar.) Canon, Law. From Gk. kanōn.
قباد : (qubād)	Qubād, name of a king. Arabicised form of Phl. kawād, Av. kawāta.
قبط : (qibṭ)	(Ar.) The copts. copt. gyptios, kyptaios; Gk. Aiguptious, Egyptian. The term is only another form of Egypt.
قرنفل : (qaranful)	(Ar.) Clove. From Sans. karnapul Lit. ear-flower.
قلمزم : (qulzum)	(Ar.) Clysmā, sea. Arabicised form of Gk. klysmā.
قلم : (qalam)	(Ar.) pen, reed. Gk. kalamos. Lat. calamus, O.H.G. Welsh kalaf.
قیصر : (qaiṣar)	(Ar.) Emperor. Arabicised form of Lat. caesar.
کار : (kār)	Work, act, deed, Phl. kūr, Av.kāra, kairya, Sans. kārya.
کارڈ : (kārd)	Knife. Phl. kārt, Av. kareta, Sans. krit, to cut, kartarī, scissors, knife.
کاشتَن : (kāshṭan)	To sow, to till. Phl. kāshṭann. Av.keresh, Sans. kṛṣh.
کافور : (kāfūr)	Camphor. From Sans. karpūra.
کالبد : (kālbud)	Body. Phl. karp; Av. kchrp, kerelsh, Lat. corpus.
کام : (kāṃ)	Desire. Phl. kāṃ, kāmak, O.P. kūma, Av. kāma, Sans. kāma, desire.
کان : (kān)	Minc. Sans. khani. Av. kan = Sans. Khan, tot
کبوتر : (kabutar)	Pigeon. Sans. Kapota.
کتخدَا : (katkhudā)	Sec (kadkhudā).
کدبانو : (kadbanū)	Lady of the house. See (kada) and (bānū).
کدخدَا : (kadkhudā)	Master of the house. Phl. kadak khōday. See (kada) and (khudā).
کدَا : (kada)	House. Phl. kat, katak, kadak, Av. kata, house.

1. Russian 'Fœdore' for 'Theodore' is another instance of the change of 'th' into 'f'.

فارسی : (fārs)	See (pārs).
فارسی : (fārsī)	See (pārsī).
فَرّ : (farr)	Splendour: Phl. <u>khurrak</u> , Av. hvarena, luminous, glory.
فر : (far)	prefix, meaning forth, before etc. phl. fra, far, par, Av. fra, para, parā, pairi, O.P. fra, Sans. prā, Lat & Gk. pro.
فُرَات : (furāt)	Euphrates (river). Baby. Purattu, hellenised into Euphrates ¹ .
فَرّاز : (farāz)	Forth, further, upto. Phl. frāj, Av. frā <u>cha</u> , O.P. frā <u>ch</u> , Sans. prā <u>ch</u> , prāk.
فَرْدُم : (fardum)	First. Phl. fratūm, O.P. fratama, Av. fratema, Sans. prathama.
فَرَزْدَان : (farzāna)	Wise, knowing, learned. Phl. farjānak, Av. fra + zan, to know, Sans. pra + jna, to know. Cf. Sans. prajñā, wisdom, prājña, wise.
فَرَزَنْد : (farzand)	Progeny, offspring, child. Phl. frazand, Av. frazainti.
فَرَسَنگ : (farsang)	Parasang, Leaguc, a distance of twelve thousand cubits. Phl. frasang.
فَرِشْتَه : (firishta)	Angel. Phl. fristak, Av. fra <u>cshta</u> , O.P. frā <u>shayam</u> . Av./ root fra + <u>ish</u> = Sans. pra + <u>ish</u> , to send. Cf. Sans. pra <u>shita</u> , sent.
فَرَرِکِیَان : (farr-i-kayān)	The splendour of the kayānī rulers. Phl. khurrak-i-kayān, Av. kavaēm hvarenō.
فَرْمَان : (farmān)	Mandate, order. Cf. Sans. pramāna.
فَرَنْگ : (farang)	Europe, Europeans. From 'Frank' which term was introduced into the East during the crusades and was applied to all Europe and Europeans.
فَرَنْگِی : (farangi)	European. See (farang).

- شتر : (shutur)
 شش : (shish)
 شست : (shaest)
 شغال : (shaghāl)
 شکر : (shakar/shakkar) Sugar. From Sans. S'arka'ra, Av. sukkar, Gk. sakkharon Fr. sucre.
 شگون : (shugūn) Omen, augury. Cf. Sans. S'akuna, the vulture.
 شمار : (shumār) Number, counting. Phl. hamār, hūshmar, Ōshmār, Av. mere, to count. Cf. Sans. smr, to remember.
 شمرن : (shumurdan) To count, to reckon. Phl. hōshmōrdann, Av. mere, to count, Sans. smr, to remember.
 شمشیر : (shamshūr) Sword. Phl. shamsher.
 شنا : (shīna) Swimming. Phl. ashnāk Cf. Sans. snān, to bathe.
 شنبه : (shanbah) Saturday. The old form was: shanbadh, from Heb. (Aram) shabbāth.
 شهر : (shahr) Town, city. Phl. shathrō, country, town city. Av. Khshathra, Sans. Ins. shatari. Cf. Sans. kshetra, land.
 شهریار : (shahryār) Ruler, king, governor. Phl. shathrōyār, shatrō-yār, Av. shoithra, city and avobāra, helper.
 شهنشاه : (shahanshāh) See (shāhangshāh).
 شید : (shayd/shid) Ruler, chief, brilliant, resplendent.
 شیر : (shir/sher) Av. khshaēta, O.P. khshāyathiya, king.
 شیر : (shūr) Lion, the sign Leo. Phl. shūr, Av. kshshathrya
 شیر : (shūr) Milk. Phl. shūr, Av. khshūr, Sans. kshūra.
 صد : (sad) Hundred. Phl. sat, O.P. sata, Av. satem, Sans. S'atam, Lat. centum, Gk. hekaton. (old scholars like Al-Biruni connected the word with Gk. sophia, wisdom, others with safe, purity).
 دناک : (dahak) Arabised form of Av. azdahāka, originally a mythological figure, appears in

سرود :	(sarūd)	he holds a very exalted rank. He stands between God and man. He instructs the prophet in the good religion, shows the way to heaven and pronounces judgement on human actions after death.
سرين :	(sarīn)	Horn. Cf. Sans. s'raṅga.
سفيد :	(safrīd)	Buttocks. Av. saraoni, hip, Sans. 'sroni.
سنگ :	(sag)	See (sapīd).
سنگستان :	(sigistān/sagistān)	Dog. Phl. sag. Cf. Sans. sunaka.
		Sistān, a province in persia; possibly Av. <u>ishkatā</u> , skythia, Cun. Saka, tribes of skythians, Sans. S'aka, s'aka-dwipa, skythia.
سنگ :	(sang)	Stone. Phl. sang. O.P. athongaiana, Sans. 'san, a'sman.
سوار :	(sawār)	Horseman, cavalier. Phl. asōbār, O.P. asabāra, Av. aspobāra.
سوزن :	(suzan)	Needle. Sans. sūchī.
سوسمار :	(sūsmaṛ)	A kind of lizard. Cf. Sans. 'sis'umūra, porpoise, dolphin.
سوغند :	(saugand)	Oath. Phl. sōgand, Av. saokenta.
سه :	(sih)	Three. Phl. se, O.P. thri, Av. thri, Sans. tri.
سی :	(sī)	Thirty. Phl. Sīh, O.P. thrisat. Av. thrisat, Sans. trinsati.
سیاه :	(siyāh)	Black. Phl. siyak, Av. syāva, Sans. 'syāma.
سیستان :	(sīstān)	See (sagistān)
سیمرغ :	(sīmurgh)	A fabulous bird. Av. sacnameregho.
شاپور :	(shāpūr)	Shapur. Phl. Shāhpuhr, Shāhpūr lit. king's son. See (shāh) and (pūr).
شاخ :	(shākh)	Branch. Phl. shāk, Sans. sūkhū.
شادمان :	(shādmān)	Joyous, glad. Phl. shatmān, Av. shātōmano.
شام :	(shām)	Evening. Av. khshafnva, Sans. sayabna.
شاه :	(shāh)	King. Phl. shāh, O.P. Khshūyathiya, khashayathiyānam, Aram. malkanmalka.
شاهنشاه :	(shāhangshāh)	Emperor. O.P. Khshayathiya Khshayathiyānam; Aram. malkanmalka.
شایگان :	(shāygan)	Kindly. originally (shāhgān) from Phl. shāhikān. Phl. kān for nisbu [relation] has been softened in neo-Persian into gān.
شبه :	(shab)	Night. Phl. shap, shaw. O.P. Khushap Sans. S'apā.
شیان :	(shabān/shabān)	Shepherd. Phl. shapān, Av. shu-pāna.
		Fshu = Sans. pas'u = Lat. pecus. Mod.

سپاه : (sipāh)	Army, militia. Phl. spāh, O.P. spāda, Av. spādha.
سپاهبد : (sipāhbud)	Commander of an army. Phl. spāhpat, O.P. spāda-pati, Av. spādha-paiti.
سپنج : (sipanj)	Guest house, inn, hotel. Phl. aspanj, hospitality. The word comes from the Av. root spanj, to delay, to defer, to break the journey. Not si, se, three + panj, five.
سپنج سرای : (sipanj sarāy)	Guest house, inn, hotel. Both the words are synonymous.
سپهر : (sipihr)	Sphere. Phl. sphir, O.P. spithra.
سپید : (sapīd)	White. Phl. spet, Av. spaeta, Sans. S'veta.
ستاره : (sitāra)	Star. Phl. stār, stārak, Av. stār, Sans. tāra, tārakā, nakṣatra, Gk. aster, Lat. stella.
ستان : (sitān) ¹	Place, Phl. stān, O.P. and Av. stāna = Sans. sthāna.
ستروب : (sitarb)	Satrap. Av. khshathrapāvan, Sans. kshatrapa.
سُتور : (sudur)	Animal, quadruped, cattle, beast of burden. Phl. stōr, Av. staora, big, cattle, beast of burden, Sans. sthūra, strong, Goth. stiur, Ger. stier.
ستون : (sutūn)	Pillar, post, column. Phl. stūn, Av. staona.
سخن : (sakhun/sukhan)	Word, speech. Phl. skhūn, Av. S(pl) Sākhvēnī, sah.
سد : (sad)	Same as (šad).
سر : (sar)	Head, Chief, end. Phl. sar, Av. sara, Sans. 'siras, 'sirsha.
سرخ : (surkh)	Red. Phl. sūkhar, Av. sukhra, O.P. thukhra.
سرد : (sard)	Cold. Phl. sart, Av. saret, O.P. tharda. Sans. sarat, autumn.
سرشت : (sirisht)	Creation, Constitution. Cf. Sans. sṛṣhti, creation.
سرشت : (sarashf)	Mustard seed. Cf. Sans. sarshapa.
سرشک : (sirishk)	Tear. Phl. sarishk, Av. sraska, sraschinti, Sans. as'ru.
سروش : (sarūsh)	Angel, Gabriel. Phl. sarōsh, name of a Yazata. Av. sraosha (obedience to Divine will, Av. root sru = Sans. 'sru, to hear). An archangel vested with very high powers. Among the angelic hierarchy of zoroastrianism,

1. This is only used as a suffix in Persian.

زمین : (zamīn)	Earth, land. Phl. jamīk, earth, Av. zent, Gk. ge, Fr. chemin.
زن : (zan)	Woman, wife. Phl. zann, Av. jēnī, jainī, ghenā, ghna, Sans. janī, janitrī, Lat. genitrix.
زند : (zand)	Zend. Av. āzainti, explanation, commentary or meaning. Originally the word signified the explanation given in the original language of the Avesta but afterwards the same term came to be applied to the Pahlavi translation and explanation of the sacred texts also. The correct phrase is Zend-e-Avesta, the commentary on the Avesta.
زندگان : (zindagān)	(pl) Living beings, the living. Phl. (pl) zevandakān, Av. (sing) jwant, living, Sans. (sing) jīvanta.
زنده : (zinda)	Living. Phl. zevandak, Av. jawant, Sans. jīvanta.
زندیقی : (zindiqī)	Heresy, infidelity. Phl. zandikīh "thinking well of the devils".
زندیکه : (zandīk)	Heretic, a Manichaean. Phl. zandīk lit. a follower of the interpretation (zend) as opposed to the orthodox text. According to another view it is the persianised form of Aramaic saddiqī = Ar. Siddiq, faithful by which terms the fully initiated Manichaeans were meant. But this derivation is unwarranted, the change of the initial "s" into "z" is inexplicable.
زنگبار : (zangbār)	Zanjibār. (zang) Negro, (bār) land, coast land, lit. the land of the Negroes.
زور : (zūr/zör)	Power, strength, energy. Phl. zōr, Av. zaōthra.
زیر : (zīr)	Down, below, under. Phl. ajcr, ajīr, Av. adhairi.
زیره : (zira)	Cumin-seed. Sans. jīra, jīrak.
زین : (zīn)	Saddle. Phl. zīn, Av. zecna.
زرف : (zharf)	Deep. Phl. zōfak, zōfar, Av. jafra.
زرفند : (zhand)	See (zand).
سال : (sāl)	Year. Phl. sāl, year, Av. saredha, "Year commencing from the vernal equinox". Sans. sarat, autumn, Year.
سالار : (sālār)	Leader, general, commander, O.P. saradara.
سایه : (saya)	Shade, shadow. Sans. chhāyā.

مرونی : (rūz)	Day. Phl. rōj, rōch, O.P. raucha, Av. ruch, to shine, Aram. rochik, Sans. rochi.
مروزشن : (rauzan/rozan)	Window. Phl. rōchann, Av. raōchana.
مروشن : (raughan)	Bright, shining, clear. Phl. rōshann, Av. raokhshana, Sans. rochi.
مروشنی : (raushani)	Brightness, light. Phl. rōshani, Av. raokhshani.
مروغن : (raughan)	Oil, butter, ghee. Av. raoghna.
مروم : (rūm)	Greece, Byzantine Empire. Phl. arūm.
مرومی : (rūmī)	Greek, Roman, Byzantine, Anotolian. Phl. arūmīk.
مروی : (rūy)	Face. Av. raodha.
مری : (ray)	Ray, name of a city in persia near the modern capital, Tihran. Phl. Rag. O.P. Ragā, Av. Ragha.
مزاد : (zād)	Birth. verbal noun from (zādan). Phl. zādann, to be born, to give birth to, Av. root zan, zā, Sans. Jan, ja.
مزاد بوم : (zādbūm)	Birth place. See (zād) and (būm).
مزادکا : (Zada)	Bron, offspring. Phl. zādak; Av. zāte = Sans. jīta.
مزانو : (zānū)	Knee. Phl. zānūk, Av. zānu, zhnu, Sans. jānu, Lat. genu.
مزهان : (zābān)	Tongue, language. Phl. Zūfān, hūzvān, zūbān, hūzvān, ōzvān, O.P. hizuvam, Av. hizvā, Sans. jihvā.
مزمیر : (zabar)	On, above. Phl. ajpar, Av. hachauparādh.
مزر : (zar)	Gold. Phl. zar, Av. zairi, zairita, zarana, Sans. hiranya, hiran.
مزرده : (zard)	Yellow, green. Phl. zard, zart, Av. zairita, Sans. harit, green.
مزرده تشت : (zartusht)	Zaroaster. Phl. zartūsht, Av. Zarathustra.
مزرده تشت : (zardusht)	See (zartusht).
مزره : (zirih)	Cuirass, armour. Phl. zrih, Av. zrāda.
مزه بوی : (zaryūn)	Anemon, green and pleasant, Yellow. Phl. zargūn lit. Gold-colored.
مزالو : (zālū)	See (zulūk).
مزم : (zam)	Cold, as in (zamistān). Av. zimō, Sans. hima.
مزمستان : (zamistān)	Winter. Phl. damastān, winter, Av. zimō, Sans. hima, Lat. heims, winter, Slav. Zima

دهان : (dihān/dahan)	Mouth, Phl. zafar, mouth, Av. zafar, zafan.
دهقان : (dihqān)	Country, square, farmer, peasant. Arabicised form of Persian (dihgān) from Phl. dēhkān, Phl. dēh, village, O.P. dahyu und Phl. kān for nisbat (relation). This kān appears as gān in neo-persian.
دهم : (dahum)	Tenth. Phl. dahūm, Av. dasema, Sans. das'ama.
دهن : (dahan)	See (dahān/dihān).
دیر : (dīr/dēr)	Late. Phl. dēr, O.P. darga, Av. darghya.
دیگر : (dīgar)	Cf. Sans. dīūra, slow, dirgha, long.
دیو : (dīv/dev)	Another, next, anymore. Phl. dati-gar; O.P. dviṭiya-kara, making second, Sans. dwiṭīya.
را : (rā)	Devil, demon. Av. daēva, deman. Same as Sans. deva in root but opposite in sense.
رازی : (rāz)	(Postposition) For, for the sake of, on account of. Phl. rāy; O.P. rādiy.
رامشگری : (rāmishgarī)	Secret. Phl. rāj, Av. razah, Sans. rahas, rahasya.
راست : (rāst)	Right, true, straight. Phl. rāst, Av. razishta, eresh, Sans. rju, rajishṭha, Lat. rect.
رامشگری : (rāmishgarī)	Music. Phl. rāmishn, joy, pleasure, Av. root ram = Sans. ram.
راه : (rāh)	Way, path. Phl. rās, Av. raithyā, Sans. ratha.
رایگان : (rāygān)	A thing obtained gratis, gratis. The original Persian form was (rāhgān) meaning a thing picked up on the road, (gān) being a suffix for relation.
رستاخیز : (rastākḥiz)	Resurrection of the dead. Phl. ristākḥiz, rist, ristak, dead. Av. irista, dead, khiz, imperative of (khāstan), to rise (Av. khaez-añuha). To connect it with (rustan), to grow (as grass or plant) is wrong.
رستخیز : (rastākḥiz)	See (rastākḥiz).
رشک : (rashk)	Envy, malice, jealousy. Phl. arashik, Av. araska, from aresh = Sans. irshā.
رنجور : (ranjūr)	Afflicted, sorrowful, sick. Phl. ranjbar, lit. affliction-bearer. "B" has been transformed into "W" in neo-persian.
روان : (rawān)	Soul, Phl. rūbān, rōbān, Av. urvān.
رود : (rūd)	River. Phl. rōd, Av. urudh.

دروغ : (durigh)	False, untrue. Phl. darog, Av. draoga.
درویش : (darwish)	Darwish, a poorman, beggar. Phl. daryōsh, poor, needy. Phl. drivish, poverty, Av. drighu, Sans. daridra.
دریا : (daryā)	Sea, river, ocean. Phl. Zarch, drayāk, drayāv, O.P. drayah, Av. zrayah.
دزد : (dūzd)	Thief. Phl. duzhd, Av. duzdāh.
دژ : (dizh)	Fort, fortress. Phl. dij, fort, fortress, Av. daeza, building, Construction.
دست : (dast)	Hand. Phl. dast, O.P. dasta, Av. zasta, Sans, hasta.
دستور : (dastūr)	High priest. Phl. dastōbar.
دش : (dush)	Evil, bad. Phl. dush, Av. dush, Sans. dush, dosha, evil.
دشمن : (dushman)	Enemy, foe. Phl. dushman, dushmainyu, evil minded. Av. duzh, dush, evil, Av. mainyu = Sans. mana, mind.
دل : (dil)	Heart. Phl. dil, Av. zareshaya, zared, Sans. hridaya, hird, Lat. cor, cordes, Fr. coeur, Ger. herz, Eng. heart.
دندان : (dandān)	Tooth. Phl. dandān, Av. dantānō (n. Pl.); Sans. danta, Lat. dens, dentis, Fr. dent.
دو : (dū)	Two. Phl. do, Av. dva, O.P. dva, Sans. dwi.
دود : (dūd)	Smoke. Phl. dūdak, Sans. dhumra.
دور : (dūr)	Far, distant. Phl. dūr, O.P. dūrai, Sans. dūra.
دوزخ : (dūzakh)	Hell. Phl. dūshahū, dūshakhv, a bad abode, hell; Av. daožhanuha, daožhauhva, Sans. Ins. dūshaūi.
دوست : (dūst)	Friend. Phl. dōstār, O.P. daushtā.
دوش : (dūsh)	Last night. Phl. dōsh = Av. daosha, to-night, Sans. dōshā, at night.
دول : (dūl)	Acquarius, bucket. Phl. dōl, Arabicised into dalv by transposition of letters.
دولاب : (dūlah)	Wheel, especially for drawing water.
دویست : (duvīst)	Combination of (dōl) and (īst).
دج : (dah)	Two hundred. O.P. dve-sata, dve is the dual of dva.
	Ten. Phl. dah, O.P. dasa, Av. dasa, Sans. dasa, Gk. deka, Lat. decem.

the word with *dād*, justice and wrongly make the word mean just. The Avestan root *dā* (Phl. *dādann*, *dātann*) means to produce, form, create, hence *dātār* means maker, creator.

دار : (dār)

(1) (Suffix) keeper, possessor' as in (*zamīndar*) landlord, Av. *dere* = Sans. *dhṛ*, to keep.

دارا : (dārā)

(2) Stake. Av. *dauru*, trec, Sans. *dāru*, wood. Name of several kings of the Achaemenian dynasty (550-330 B.C.) O.P. *Dārayavush*.

دام : (dām)

Snare, net Cf. Sans. *dāman*, rope, string.

داماد : (dāmād)

Son-in-law. Phl. *dāmād*, Av. *zāmātar*, Sans. *jāmatar*.

داور : (dāwar)

Just, judge. Phl. *dātobar*, judge, Av. *dāta*, law.

دایه : (dāya)

Nurse. Cf. Sans. *dhātṛi*.

دبستان : (dabistan)

School. Phl. *dapīr*, *dawīr*, writer, scribe.

pers. *dabīr*, scribe. Phl. *dupīrih*, writing, calligraphy, Cuneiform, *dipi*, Sans. *lipi*.

Cf. pers. (*daftar*), book, volume, register.

Pers. *istān*, place. Phl. *stān*, place.

دبیر : (dabīr)

Writer, secretary. Phl. *dapīr*, *dawīr*.

دختر : (dukhtar)

Daughter. Phl. *dukht*, O.P. *dukhtar*,

Av. *dughdhar*, *dugedar*, Sans. *duhitar*,

Gk. *thygater*, Teut. daughter.

دخمه : (dakhme)

Tower of silence. Phl. *dakhmak*, catacomb, sepulchre, tomb, Av. *dakhma*.

در : (dar)

(1) Door. Phl. *dar*, O.P. *duvarū*, Av. *dvara*, Sans. *dvāra*. (2) In, see (*andar*).

دراز : (darāz)

long. Phl. *drāz*, length, Av. *drājah*, *darega*, Sans. *dīrgha*, long.

دراز : (drāz)

See (*drāzī*).

دراز : (darāz)

Length. Phl. *darāna*, length, Av. *drājah*.

درخت : (dirakht)

Tree. Phl. *darakht*.

درست : (dūrust)

Proper, correct. Phl. *dūrust*, Av. *drwa*, Sans. *dhurūva*.

درفش : (dirafsh)

Cobblers awl, standard, banner. Phl. *drafsh*, Av. *drafsha*.

دیرنگ : (dirang)

Delay, procrastination. Phl. *dirang*, from Av. *daregha*, Cf. Sans. *dīrgha*, long.

خُسر :	(<u>khūsar</u>)	Father-in-law. Av. <u>khvasur</u> , Sans. s'wasura, Gk. hekyr, Lat. socer.
خُسر :	(<u>khūsrau</u>)	King. Phl. <u>Khusrōb</u> , Av. <u>husrava</u> .
خُشت :	(<u>khisht</u>)	Brick. Phl. <u>khishtak</u> , Av. <u>ishtya</u> , Sans. <u>ishtaka</u> .
خُشک :	(<u>khushk</u>)	Dry. Phl. <u>khushk</u> , Av. <u>hushka</u> , O.P. <u>hushka</u> , Sans. <u>Sushka</u> .
خُفتن :	(<u>khuftan</u>)	To sleep. Phl. <u>khuftann</u> , Av. <u>khaf</u> , Sans. swap.
خُم :	(<u>khum</u>)	Jar. Phl. <u>khumb</u> , Av. <u>khumba</u> , Sans. <u>kumbha</u> .
خُمب :	(<u>khumb</u>)	See (<u>khūm</u>).
خواب :	(<u>khwab</u>)	Sleep, dream. Av. <u>khvafna</u> , Sans. <u>swapna</u> , Lat. <u>sonnus</u> , Gk. <u>hypnos</u> .
خوارسته :	(<u>khvāsta</u>)	Goods, wealth, property. <u>khvāstak</u> .
خواهر :	(<u>khvahar</u>)	Sister. O.P. <u>khvahar</u> , Av. <u>khvanhar</u> , Sans. <u>swasar</u> , <u>swasr</u> .
خوب :	(<u>khub</u>)	Good. Phl. <u>khvavi</u> , O.P. <u>U</u> , Av. <u>hu</u> , Sans. <u>su</u> , Gk. <u>eu</u> . Cf. Av. <u>havapah</u> .
خود :	(<u>khud</u>)	Self, oneself. Phl. <u>khvat</u> , Av. <u>khvato</u> , Sans. <u>swatas</u> , Av. <u>khva</u> = Sans. <u>swa</u> , <u>own</u> .
خُور :	(<u>khūr</u>)	Sun. Phl. <u>khūr</u> , Av. <u>hvare</u> , Sans. <u>Swar</u> , <u>sūrya</u> , Lat. <u>Sol</u> .
خوردن :	(<u>khūrdan</u>)	To eat. Phl. <u>khūrdann</u> , Av. <u>khvere</u> , to eat.
خورشید :	(<u>khūrshīd</u>)	Sun. Phl. <u>khūrshēd</u> , <u>khūrshūt</u> , Av. <u>hvarekhshaeta</u> , <u>hvare</u> , <u>sun</u> , <u>kshaeta</u> , <u>ruler</u> , <u>chief</u> , <u>brilliant</u> .
خوش :	(<u>khūsh</u>)	Good, pleasant. Phl. <u>khōsh</u> .
خوشبو :	(<u>khushbū</u>)	Fragrance, sweet-smelling. Phl. <u>hū-bōc</u> , Av. <u>hu-baodhi</u> .
خوشنود :	(<u>khūshnud</u>)	Pleased, happy. Phl. <u>khashnūda</u> , Av. <u>khashnūta</u> .
خوک :	(<u>khūk</u>)	Pig. Cf. Sans. <u>s'ukara</u> .
خون :	(<u>khūn</u>)	Blood. Phl. <u>khūn</u> , Av. <u>vōhuna</u> , Sans. <u>S'ōna</u> , <u>S'ōnita</u> .
خوی :	(<u>khay</u>)	Sweat, Cf. Sans. <u>Sveda</u> .
خویش :	(<u>khish</u>)	Self, own. Phl. <u>khvEsh</u> , Av. <u>khavaetush</u> , Av. <u>khva</u> = Sans. <u>swa</u> , <u>own</u> .
دادن :	(<u>dādan</u>)	To give, Phl. <u>dādann</u> , to give, to bestow, to create, to produce, Av. <u>dā</u> , <u>dath</u> , Sans. <u>dā</u> , <u>dā</u> , Lat. <u>dare</u> .
دادار :	(<u>dādār</u>)	Creator, God. Phl. <u>dātār</u> , creator, Av. <u>dātār</u> , Sans. <u>dātār</u> . Persian lexicographers associated

چرم :	(charm)	Skin, hide. Phl. <u>charm</u> , Av. <u>chareman</u> , Sans. <u>charman</u> .
چشم :	(chashm)	Eye. Phl. <u>chashm</u> , Av. <u>chashman</u> .
چنوک :	(chughūk)	Same as (<u>chutūk</u>).
چندل :	(chandal)	Sandal wood. Sans. <u>Chandana</u> . Arabicised into sandal which has travelled west.
چندان :	(chandan)	Same as (<u>chandal</u>).
چنود :	(chinūd)	See (<u>chinawad</u>).
چوگان :	(chaugān)	The game of polo. Phl. <u>chuvigān</u> .
چهار :	(chahār)	Four. Phl. <u>chihār</u> , O.P. <u>chathuvār</u> , Av. <u>chathvar</u> , Sans. <u>chatur</u> .
چهل :	(chihal/chihil)	Forty. Phl. <u>chahal</u> , O.P. <u>chatvaresata</u> , Av. <u>chathvaresatem</u> , Sans. <u>chatvarinsat</u> .
چیز :	(chīz)	Thing. Phl. <u>thigh</u> ; O.P. <u>chishchity</u> .
چین :	(chīn)	China. Phl. <u>chīn</u> , Av. <u>Sāini</u> .
چینواد :	(chīnawad)	The bridge across hell. Phl. <u>chīnivād</u> , <u>chīnvad</u> , Av. <u>chinvato</u> -Peretu, the bridge of <u>chinvat</u> mentioned in the Gathas.
خاشاک :	(khashāk)	Straw. Cf. Sans. <u>Kus'a</u> .
خاشه :	(khāsha)	See (<u>khashāk</u>).
خامنان :	(khanamān/ khanuman)	House and home (<u>khāna</u>), house, (<u>mān</u>), house, Phl. <u>mān</u> , house, Av. <u>nmāna</u> , house, household, family.
خدا :	(khudā)	God. Phl. <u>Khwadāy</u> or <u>khwatāy</u> , Av. <u>khavadā</u> , <u>khavadāta</u> lit. self-governed, corresponding to Sans. <u>Swadhā</u> . <u>Swadhūta</u> .
خمر :	(khar)	Ass, Av. <u>khara</u> . Cf. Sans. <u>khara</u> .
خمراسان :	(khurāsān)	<u>Khurāsān</u> , a province in the east of persia. Phl. <u>khūrāsān</u> , east, <u>khurāsān</u> .
خمرچنگ :	(kharchang)	Crab, cancer. Phl. <u>karchang</u> , <u>kalachang</u> . Cf. Sans. <u>Karkata</u> .
خرد :	(khirad)	Wisdom, knowledge, intelligence, insight. Phl. <u>khard</u> , <u>khirad</u> , Av. <u>khartu</u> , Sans. <u>kratu</u> . Cf. Gk. <u>kratus</u> .
خرد :	(khurd)	Small, little. Phl. <u>khūrdak</u> . Cf. Sans. <u>kshudraka</u> .
خرم :	(khurram)	Cheerful, joyous, glad. Phl. <u>khuram</u> , Av. <u>urvāmana</u> .
خرید :	(kharīdan)	To buy. Phl. <u>khariṭann</u> , Av. <u>khri</u> , to buy, Sans. <u>krī</u> , to buy.

تارک : (tārak)	Top, crown of the head. Cf. Sans tālu, palate.
تاک : (tāk)	Tendril of a vine, vine Cf. Sans. drākshā.
تپ : (tap)	Fever. Av. tap = Sans. tap, to be hot.
تقم : (tukhm)	Seed, origin, lineage, parentage. Phl. tōkham, Av. taokhman.
تس : (tars)	Fear. Phl. tars, Av. teres, Sans. trās.
تشنه : (tashna/tishna)	Thirsty. Phl. tishnak, thirsty, Av. tarshna, thirst, Sans. trshnā.
تن : (tan)	Body. Phl. tann, Av. tanu, Sans. tanu.
تنها : (tanhā)	Alone. Phl. tanihā. Īhā is an adverbial suffix.
تور : (tūr)	Tūr, the legendary ancestor of the Turanians. Av. Tūra.
تورانی : (tūrāni)	Turanian, Tartar. From (tūr).
تیز : (tīz)	Sharp. Phl. tizh, Av. tizhi, teežha. Cf. Sans. tikshna.
جادو : (jādū)	Magic. Phl. Yādūk, Av. Yaū.
یخت : (juft)	Couple, union, joining. Phl. Yukht, Av. Yakhta. Cf. Sans. yukta, joined.
جگر : (jigar)	Liver. Phl. jikar, Av. Yākare, Sans. Yakrit.
جم : (jam)	See (jamshid).
جمشید : (Jamshid)	Jamshed. Av. Yima-kshaeta. Yima is the same as Sans. Yama of the Hindu mythology and kshaeta means ruler, chief, brilliant.
جنگل : (jāgal)	Jungle. Same as Sans. Jangala.
جو : (jau)	Barley. Av. Yava, Sans. Yava.
جوان : (jawān)	Young, a youth. Phl. Joyān or juyān, Av. Yavan, Yvan, Sans. Yuvan, lat. juvenus, Fr. juenc.
جوغ : (jūgh)	Yoke. Sans. Yūgam; Gk. Zugon, Goth. juk, Ger. Joch.
جهان : (jahān)	World. Phl. gēhān, World, Av. gaethanam, gaetha, World, material World.
جهانداز : (jahāndār)	The protector of the world. Phl. gēhāndār. See (chahār).
چار : (chār)	Well. Phl. chāh, Av. chat.
چاه : (chāh)	Sparrow. Cf. Sans. chatikā.
چوک : (chutuk)	Sky. Phl. chākhr; Av. chakhra, wheel; Sans. chakra (wheel). A case of transposition of letters.
چرخ : (charkh)	

پود : (pūd)	Woof. Cf. Sans. byuti, weaving.
پور : (pūr)	Son. Phl. pūr, puhṛ, Av. Puthra, Sans. Putra, Cf. Lat. puer, child.
پول : (pūl)	See (pul).
پهلوی : (pahlū)	Side. Phl. pahlūk, Av. peresu, Sans. pārswa.
پهلوی : (pahlavi)	Pahlavī, Middle persian, pārthian. From pahlaw. Simplified form of Pārthawa. O.P. name of Pārthia. (yā) for relation.
پی : (pai/pay)	Foot. Phl. pāc, O.P. pāda, Av. pādha, Sans. Pada, pāda.
پیاده : (piyāda)	Pedestrian, foot-soldier, pawn in the chess. Phl. Piyādak, Pādak, Av. pādhaayant, Sans. Padāti pedestrian see (pā)
پیام : (payām)	See (paighām).
پیامبر : (payāmbār)	See (Paighāmbār).
پیدا : (paidā)	Manifest, clear. Phl. Pādāk, Pitak, Sans. Ins. patyāk, paityāk.
پیرامن : (pīrāman)	See (Peerāmūn).
پیرامون : (pīrāmūn)	Round about, around, complete.
پیش : (pīsh)	Phl. pērāman, Av. Pāri, Sans. pari, Gk. peri. Before, in the presence of, in front of.
پیغام : (paighām)	Phl. pēsh, O.P. patish, Av. paitish.
پیغامبر : (paighāmbār)	Message. Phl. pēdam, Pētām.
پیکار : (paikār)	Message-bearer, prophet. Phl. pētambur, pēdambar.
پیکر : (paikar)	Dispute, quarrel, battle. Phl. patkār.
پیمانه : (paimāna)	picture, figure. Phl. patkar, O.P. paitikara.
پیامبر : (payambar)	Cup, goblet, measure. Phl. patmānak.
پیمودن : (Paimūdan)	See (paighāmbār).
پیوستن : (paiwastan)	To measure. Phl. Padmūdān, Av. paiti + ma, Av. mā = Sans. mā, to measure.
پیوند : (paiwand)	To join, to attach, to be joined or attached. Phl. padvastān, Av. paiti + band = Sans. prati + bandh.
تا : (tā)	Connection, relation, junction. Phl. padvand.
تاب : (tāb)	Av. paiti + band = Sans. prati + bandh.
تار : (tār)	To, upto, so that. Phl. tāk, O.P. Yāku.
	Heat, lustre, strength. Cf. Sans. tap, heat.
	String, thread, wire. phl. tār, Av. tathra.
	cf. Sans. tāra.

پامڻھ : (pāsukh)	When the Avesta character is used for this transcription, the result is called pāzand". Reply, answer. Phl. pāakhvi, O.P. pati Sakhvan.
پای : (pāy)	See (pā).
پختن : (pukhtan)	To cook. Phl. pōkhtann, Av. pach = Sans. pach, to cook.
پدر : (pidar)	Father. Phl. ped, pīdar, O.P. pitar, Av. pita, pitar, Sans. pitā, Lat. pater. Gk. patēr, Teut. fadar, Kelt. fathir, Fr. père.
پذیرفتن : (padhiruftan)	To receive, to accept. Phl. pati-raftann. Phl. pat = O.P. pati = Av. paiti = Sans. prati, towards, to, near etc. Av. paitigerev = Sans. prati-grah.
پَر : (par/parr)	Feather. Phl. par, Av. parena, Sans. Parnā.
پُر : (pur)	Full. Av. perena, full, Sans. pūrna, Lat. plenus.
پرسیدن : (pursīdan)	To ask, to question. Phl. pursidann, Av. peres, fras, to ask, Sans. prchh, prachh, to ask.
پروردن : (parwardan)	To bring up, to nourish. Phl. parvardann, Av. pairibere, Sans. bhr̥, bharan.
پرهیزگتن : (parhīkhtan)	To abstain, to restrain. Phl. pahrīkhtann, Av. paitirich, paotithyadh = Sans. pari-tyaj.
پری : (parī)	Fairy. Phl. parīk, witch, fairy, Av. pairikā.
پس : (pas)	After, behind. Phl. Pas, O.P. pasā, Sans. paschāt.
پسر : (pisar)	Son. Phl. pūs, Av. puthra, O.P. puthra, Sans. putra. Cf. Lat. puer, child.
پشت : (pusht)	Back, support. Phl. pusht, Av. parshti, Sans. prashtha.
پل : (pul)	Bridge. Phl. pōhl, Av. peretu.
پیلپل : (pūlpil)	Pepper. From Sans. pipali.
پناه : (panāh)	Protection, shelter. Phl. panāh. Av. pā, to protect, Sans. Pā, to protect.
پنج : (panj)	Five, Phl. Panj; O.P. Pancha; Av. Pancha; Sans. Pancha.
پنجاب : (panjāh)	Fifty. Phl. panchāh, panjāh, O.P. pañchāsāt, Av. pañchāsata, Sans. Panchāsai.
پند : (pand)	Advice, counsel. Av. Pānta.

بیابان :	(biyābān)	of the world of the righteous hereafter, i.e., paradise". Not (bi + hisht). Desert, wilderness. Phl.viyāpān, viyāvan, Av.wiāpa, wīwāpa.
مید :	(bīd)	willow, rattan, cane. Cf.Sans.vetra, Cane rattan, Beng. bet.
میدار :	(bīdār)	Aware, wakeful. (bīd) consciousness, Av. vidhya, wit, knowledge, Sans.vidyā.pers (ar) possessor.
بیست :	(bīst)	Twenty. Phl. vīst, O.P. and Av.visaiti, Sans. Vins'ati.
بیم :	(bīm)	Fear. Phl.bīm; Av. bī = Sans. bhī, to fear. Cf. Sans. bhīma, fearful, awe-inspiring.
بیمار :	(bīmār)	Sick. Phl.vīmār.
بیوه :	(bcwa)	widow. Sans. vidhavā, Lat.viduas, Goth. widuwō, Ger.wittwe, Eng.widow.
پا :	(pā)	Foot, step. Phl.pāc, O.P.pāda, Av. pādha, Sans. pāda, pada.
پاپکان :	(pāpakān)	Descendant of pāpak. Son of pāpak. Phl. pāpakān, (ān) for relation.
پاداش :	(pādāsh)	Retribution. (pā) prefix = Phl.pāt, O.P. pati, back, again, (dāsh) is the reduction of Phl. dahishn, giving.
پادشاه :	(pādshāh)	Ruler, sovereign. Phl.Pātakshāy. pati. Av. paiti akin to Sans. pati, master, Lord, Phl. khshāy from O.P.Khshāyathiya, king.
پادشاهی :	(pādshāhi)	Rulership, sovereignty, kingship, Phl. pātakshāih. See (Pādshāh).
پار :	(pār)	Last Year. O.P. para, other, Sans. Para.
پارس :	(pārs)	Persia, Fārs. Phl.Pārs, O.P.pārsa, name of the province of Fārs.
پارسی :	(pārsī)	Persian. Phl.Pārsīk.
پازند :	(pāzhand) ¹	pāzand. Av.paiti-zainti. pā for Av. paiti meaning at the foot. Zhand or zand for Av. zainti = Pahlavi Commentary on the Avestan text. Pāzand means the "re-explanation of a Pahlavi text by transcribing it into a character less ambiguous than the pahlavi script, and substituting the proper Persian words for their huzvārish equivalents.

1. The more common spelling is پازند (Pazand).

بغداد : (baghdād)

Baghdād. Phl. Bagho-dāt, set by Bagha i.e., God. Av. bagha = O.P. бага = Sans. bhaga, god. Not (bāgh), garden and (dād), justice as given in ghiyāsu'l Lughāt, Burhān-i-Qāṭi' etc.

بلغار : (bulghār)

Name of a town on the Volga, about 100 miles south of Kazan (See Geographic d'Aboul Fidā). It is this Bulghār that is often mentioned by persian poets. It should not be confused with Bulgaria as is often unfortunately done.

بلند : (buland/baland)

High, tall, great. Phl. buland, Av. berezant, Sans. brhat.

بن : (ban)

Shrub, bush, field, Cf. Sans Vana, forest.

بن : (bun)

Root, basis. Phl. būn, Av. būna; Sans. budhna.

بند : (band)

Band, tie, binding. Av. banda, Sans. bandh, to bind, to tie.

بندبه : (band bih)

Name of a bull in the Kalila wa Damna. Sans. Pingalaka.

بنده : (banda)

Slave. Phl. bandak, O.P. bandaka,

بندھشن : (bundahishn)

Original creation. Phl. būn, beginning, origin, Av. būna, Phl. dahishn, creation.

بودن : (hudan)

To be. Phl. Būdann, Av. hū = Sans. bhū, to be.

بوز : (hūz/Box)

See (buz)

بوم : (būm)

Country, land. Av. būmīm, Sans. bhūmim.

بوی : (hūy/boy)

Scent. Phl. bōc, Av. baodhi.

به : (bih)

Good, excellent, Phl. vēh, O.P. vahyah, Av. vahu, Sans. vasu.

بهار : (bahār)

(1) Spring. Phl. vahār, O.P. vahāra, Av. vanra.

(2) Temple. Buddhist monastery. Sans. vihāra, Buddhist monastery. Muslim historians and lexicographers have wrongly called it a fire-temple or idol-temple. Its use in the sense of an idol-temple is illustrated by the following verse:

فخت سوی درت خزان آید

راست چون بت پرست سوی بیار

Fortune comes creeping to thy door, just as does the idolater to Bahār.

بمشت : (bihisht)

Heaven, paradise. Phl. vahisht, Av. vahisht-emaum, the best world, Corresponding to Sans. Vasiṣṭamahum. The two words are invariably found together in the special sense

بامدادان : (bāmdādān)	In the morning. See (bāmdād). (an) is an adverbial suffix.
بان : (bān)	Protector, keeper, possessor, Phl. pān, Pānak, O.P. and Av. Pāna from the root pā, to guard, to protect.
بانگ : (bāng)	Sound, voice, Phl. vāng. Akin to Sans. vākam, speech.
بانو : (bānū)	Lady. Phl. bānūk.
بته : (būt)	Idol, Av. būiti, the demon of idolatry. The word būiti occurs three times in the Avesta invariably accompanied by the word daēva.
بچه : (bachcha)	Child, young of an animal. Phl. vachhak. of Sans. vatsa.
بخت : (bakht)	Destiny, fortune. Phl. bakht, Av. bakhta.
بد : (bad)	(ending, as in mūbad, ispahbad etc.)
بر : (bar)	Phl. pat, Av. Paiti corresponding to Sans. Pati, master.
برابر : (bartar)	On, above, over, Phl. avar. (O.P. upariy, Av. upari; Sans. upari. (abar) old form of bar.
برادر : (birādar)	Higher. Phl. avaratar, Av. uparatara, Sans. uparatara.
بردون : (burdan)	Brother, Phl. brad brādar, (O.P. brādar, Av. lbratar, Sans. bhrātār, Lat. frater, Teut. brother, kelt. brathir, Fr. frere.
برف : (barf)	To bear to carry. Phl. būrdann, Av. bere; Sans. bhṛ.
برگ : (barg)	Snow. Phl. varf, Av. vafra, Sans. vapra.
برنا : (barna)	Leaf. Phl. varg, Av. vareka.
برنج : (birinj)	Young. Phl. apornāk.
بوز : (buz)	Rice. Cf. Sans. vṛhi.
بزرجمهر : (buzurchmīhr)	Goat. phl. būj, Av. buza, Sans. bukka, Ger. Bock, Fr. bouc.
بزرگ : (buzurg)	Name of the famous minister of nūshīrwān the Just. Phl. Vazōrg mitro.
بس : (bas)	Great. Phl. vajurg, O.P. vazarka.
بستر : (bistar)	Much, very. Phl. vas, O.P. vasiy.
بسیار : (bisyar)	Bed. Phl. vastarg, bed-clothes, dress, Av. vastra, Sans. vastra.
	Many, much, very. Phl. vasyār.

انگشته : (angusht)	Finger. Phl. angūsh, Av. angushta, Sans. angushtha.
انگلیوی : (angilyūn)	The Gospels, the evangle, from GK. evangelion pronounced as evangelion, good news.
اهرمین : (ahraman)	See (ahrīman).
اهریمن : (ahrīman)	Ahriman, Satan of the Zeroastrian mythology, Av. angramainyu, the evil spirit.
ایدون : (idūn)	Thus. Phl. aēdunn, Av. aeta, this and Phl. gūn, manner.
ایران : (īrān)	Iran, persia. Phl. airān, Av. airyanavacja, the cradle of the Aryans.
ایزد : (izid/izad)	see (yazdan)
با : (bā)	With. Phl. apāk, awāk, abāk, (abā) old from of neo-Persian.
بابکان : (bābakān)	See (pāpakān).
باد : (bād)	Wind. Phl. vād, Av. vātō, Sans. vātā, Lat. ventis.
بار : (bār)	Burden, weight. cf. Sans. bhāra.
باران : (bārān)	Rain. Phl. varan Av. vāra, vārenti, Sans. vār, vāri, water, varshā, vṛṣhti, rain, varshan, to shower.
بارش : (bārish)	Rain, raining. Sec (bārān).
باز : (bāz)	Back, again. phl. avāj, avāz, Av. apashā, apāsh, Sans. apa.
بازار : (bāzār)	Market. Phl. bāchār, O.P. abāchari.
بازارگان : (bāzārgān)	Not abā-broth and zār place. Merchant. Phl. vāchārkān. Here the Phl. ending kān has been softened in neo-persian into gān. The same is the case with words like (shāigān), kingly, (shāpūrgān), belonging to or befitting shāpūr, (mihragān) belonging to the sun.
بازو : (bāzū)	Arm. Phl. bajae Av. hāzawo, bāzu, Sans. bāhū.
باش : (bāsh)	Be, remain. O.P. Vabishya cf. Sans. bhavishya.
بال : (bāl)	Wing, feather, cf. Sans. bāla, hair.
بالا : (bālā)	High. Phl. balac, Av. bercza, berezant, Sans. vṛhat.
بام : (bām)	Morning, dawn. See (bāmdād).
بامداد : (bāmdād)	Morning, dawn. Phl. tāmtāt, Av. bāma + tāt, morning. Av. bāma corresponding to Sans. bhama, brightness, splendour.

اسپنتمان : (ispantmān)	Name of the ninth ancestor of Zoroaster. It generally follows the name of Zoroaster indicating the family to which he belonged. Phl. spitamān, Av. spitama.
اسپنج : (ispanj)	See (sipanj)
اسپهد : (ispaḥbud)	Commander-in-chief, general. Phl. spāh-pat, O.P. Spāda-Pati. See (sipāh) and (bud).
استاره : (istāra)	See (sitāra).
استان : (istān)	See (sitān).
استر : (astar)	Mule. cf. Sans. asva-tara.
استه : (asta)	Bone. Av. asta, Sans. asthi, GK. Osteon.
اسروش : (usrosh)	See (sarosh).
اسفنتمان : (isfantamān)	See (ispantamān).
اسفهان : (isfahān)	Isfahan. Phl. spāhān, lit. "the military town".
اسوار : (aswār)	See (sawār).
اشتر : (ushtur)	See (shutur).
استخر : (ištākhr)	Persipolis, Phl. Stākhar.
افتادن : (uftādan)	To fall. Phl. ōftadann, Av. ava, down = Sans. ava + fta transposition of pat = Sans. pat, to fall.
افراسیاب : (afrāsiyāb)	Name of a great legendary leader of the Turanians. Phl. frāsiyav, frāsiyak, Av. franrasyūn.
افریدون : (afrīdūn)	See (farīdūn).
امروز : (imruz)	Today. O.P. ima, this + rūz, rūz, day. see (rūz).
انبار : (ambār)	Collection, warehouse, granery. Phl. anbār, Av. ham + here, corresponding to Sans. Sam + bhṛ.
انبار : (anbāz)	Partner, comrade, associate. Phl. hambāz.
انجمن : (anjuman)	Assembly, meeting, congregation, Council. Phl. hanjaman, Av. hanjamana, corresponding to Sans. Sangamana. It has nothing to do with Ar. anjum pl. of najm, star, and pers. indicating place which latter is an invention to keep the imaginary solution.
اندام : (andām)	Body, limb. Av. Pandāma, limb.
اندر : (andar)	In, within. Phl. andar, O.P. antar; Av. antare, Sans. antar, Lat. inter, Fr. entre.

آشنا : (āshnā)	Familiar. Phl. āshnāk, Av. Zhnā.
آفتاب : (āftāb)	Sun. āf from and O.P. word akin to Sans. ābhā, light and tāp, corresponding to Sans. Tāp, heat. Av. tap = Sans. Tap, to be not. Not a combination of āfat and āb as given in Burhān-i-Qāṭi'. Benediction, blessing, praise. Phl. ārfīn, Av. āfrīna.
آفرین : (āfrīn)	Aware. Phl. ākās, Av. ākāh.
آگاه : (āgāh)	Sound. Phl. Āvāch, Av. root vach, corresponding to Sans. Vach, to speak.
آواز : (āwāz)	
آوردن : (āwardan)	To bring. Phl. āvōrdann, Av. ā + bere = Sans. ābhar.
آهن : (āhan)	Iron. Av. ayarih, corresponding to Sans. ayas, iron.
آینه : (āyna)	Mirror. From Av. ayarih, iron. Before the invention of glass, polished pieces of iron were used to reflect the face in. See āyna.
آینه : (āyīna)	With. Old form of bā. Phl. apāk, awāk, abāk.
آب : (āb)	(1) Cloud. Connected with Sans. abhra. (2) On, over. Old form of bar. Cf. Sans. upara.
آبر : (abr)	Eyebrow. Cf. Sans. bhrū.
آبرو : (abrū)	Avesta, the Zoroastrian Bible. Phl. avastāk. Arabicised form are abastāq, abastā, wastāq, bastak.
آبستا : (abistā)	Star. Phl. akhtar, Av. akhtara, Sans. nakshatra.
آختر : (akhtar)	Ardashir (Proper name), Phl. Artakhsathir; Av. Aretakhsathra.
اردشیر : (ardshīr)	God. Phl. āūharmazd, San. Ins. āūharmazd; O.P. aura-Mazdā, Av. ahura-mazdā.
اورمزد : (urmuzd)	From, than. Phl. aj, O.P. hačhā, Av. hačha. See (azhdahā).
از : (az)	See (azhdahā).
ازد : (azhdar)	See (azhdahā).
ازدرا : (azhdarha)	Dragon. Av. azhi-dahāka, lit. a biting serpent, corresponding to Sans. ahi-dansaka.
ازدها : (azhdahā)	Horse. Phl. asp, O.P. asa, Av. aspa, Sans. asva.
اسب : (ash)	See (ash).
اسپ : (asp)	

DICTIONARY

Preface

Conjecture is hardly a sure guide. It makes one generally grope in the dark and shoot wide of the mark. Due to the ignorance of ancient Iranian Languages, Muslim Lexicographers of the neo-persian language had to work with an unavoidable handicap and had, to a certain extent, to depend upon their fancy and guess in deriving many Persian words. Their case is like that of one who, not knowing that the x in Xmas stands for the Greek letter khi (represented by Ch in Latin script) the initial letter in spelling Gk. Khristos (transcribed Christos with Latin letters) goes to connect it with the cross.

A Persian Dictionary is yet to be written in which the result of the up to date linguistic investigations of the Iranian Branch should be incorporated.

In the following pages I have tried to give correct derivation and Philological affinity of a number of words mainly Persian, a few being of Arabic or Turkish origin.

If this humble work help in any way to open the eyes of the students of Persian I shall deem my venture successful and my labour amply rewarded.

G.M.Hillali
Rajshahi, 2.5.1945

آئین : (ā'in)
آئینه : (ā'ina)
آب : (ab)

Custom, usage, law, phl. āvinak

See (āyna).

(1) Water. Phl. āv, O.P. api; Av.ap, ap;
āp, Sans.ap.

(2) Lustre. Connected with Sans. abha
Cultivated, inhabited, Prosperous,
Phl.āvādān from Av. āp and vant,
having lit. having water.

See (abistā).

آبستا : (ābistā)
آبستان : (ābistan)
آتش : (ātish)
آذر : (ādhār)

Pregnant. Phl. apōch, upasputhrya.

Fire, Phl. ātāsh, Av. ātarsh, ātar.

Fire, Phl. āthro, ādar, Av. āthrō, the angel
presiding over fire, fire, sacred fire.

آذربایجان : (Ādharbāijān)

Azarbāijān, name of the north western
(mist) province of persia, Phl. āthropādgān.

آرامش : (ārāstan)

To adorn, to arrange, Phl. ārāstaan,
Av. ā + rāth, rāz, corresponding to Sans. rāj.

آهن : (āz)

Avarice, Phl. āj, āz, Av. azhi, āzi.

آزاد : (āzād)

Free-born, Phl. āzādak, Av. āzāta.

آسمان : (āsmān)

Sky, heaven, Phl. āsmān, sky, heaven,
O.P. and Av. asman, stone, heaven.

Cf. Sans. āsmān, stone. āsmān and sang
are derivatives. The word has nothing to
do with (ās) = āsyā, mill, mill-stone and
(mān) = (mānind), like.

آشکارا : (āshkāra)

Evident, manifest. Phl. āshkarak. Cf. Sans.
āvishkāra.

ABBREVIATIONS

Ar.	Arabic	Mod.	Modern
Aram.	Aramaic	Mod. Pers	Modern Persian
Arm.	Armenian	N. Pl.	Nominative plural
Av.	Avestic	O.G.H.	Old High German
Baby.	Babylonian	O. P.	Old Persian
Beng.	Bengali	Orig.	Originally
Copt.	Coptic	Paz.	Pazand
Cun.	Cuneiform	Pers.	Persian
Eng.	English	Phl.	Pahlavi
Fr.	French	Pl.	Plural
Ger.	German	Prak.	Prakrit
Gk.	Greek	S.	Singular
Goth.	Gothic	Sans.	Sanskrit
Guj.	Gujrati	Sas.	Sassanian
H.	Hindi	Sas. Ins.	Sassanian- Inscription
Heb.	Hebrew	Slav.	Slavonic
Imp.	Imperative	Sp.	Spanish
Ins.	Inscription	T.	Turkish
Kelt.	Keltic	Term.	Termination
Lat.	Latin	Teut.	Teutonic
Lit.	Literally	Ved.	Vedic

* * *

Part-II: Unpublished

A. English:

1) Gleanings from the Qur'an:

This booklet of 55 pages deals with the interpretations of the Holy Qur'an and was written in 1963.

2) Anecdotes from Islamic History:

It includes twenty seven historical stories describing Islamic events.

3) Hindi-Urdu Elements in Bengali:

It is a booklet which deals with the Hindi and Urdu elements in Bengali Language.

4) Manners in Islam:

It deals with the different manners and ways as laid down in the Islamic code of life.

B. Bengali

5) Jahan Ara Begum:

This is a Bengali translation of an Urdu book rendered by Dr.Hilali during 1928-29. It consists of 49 pages on foolscap size. The original author of the book is Maulvi Ziyauddin Barni.

6) Khialer Dhara: (Streams of Stray thoughts):

This is a collection of certain passages on various topics as expressed from time to time relating to stray thoughts.

7) Rubaiyat of Khaiyam:

This is a Bengali translation of eighty one quatrains of the famous Persian poet Omar Khaiyam.

8) Zarb-i-Kalim:

This is a Bengali translation of different poems of Zarb-i-Kalim by Allama Muhammad Iqbal, a famous philosopher-poet of Urdu and Persian.

9) Bengali verses:

It is a collection of Bengali verses composed by Dr.Hilali himself during the period from 1925 to 1941 AD.

10) Persian verses:

These verses were composed by Dr.Hilali while he was posted at Chittagong in 1938 as it appears from the manuscript. It also includes one poem under the title of "The Decline of the Muslims of Bengal" and a Mathnawi in the metre of the famous Mathnawi of Maulana Rumi bearing the title of "Jann-i-Jann" (The cup of Jamshed). The writer uses his pen name as 'Hilali' in the verses.

5) Perso-Arabic Elements in Bengali:

This is a commendable work of Dr. Hilali consisting of 310 pages edited by late Dr. Muhammad Enamul Haq with an introduction in Bengali and published posthumously by the then Central Board for the Development of Bengali at Dacca, in 1967.

The author with his life-long labour has collected several thousands Bengali words and etimologically pointed out Persian and Arabic elements mixed with Bengali words which, in true sense of the term, indicates the impact of Perso-Arabic Languages on Bengali Language.

B. Bengali

6) Halida Hanum: (Khalida Khanam)

This booklet includes biographical sketch and achievements of the famous Turkish Lady known as Khalida Edib Khanam. It consists of 52 pages and published in 1933 (1340 Bengali Era) from New Saraswati Press, 25/A, Muchhwa Bazar Street, Calcutta.

7) Al-Biruni:

It is a booklet of 64 pages describing the life sketch and contributions of the famous Muslim Philosopher-scientist, Al-Biruni and was published from Abinas Press, 40 Mirzapur Street, Calcutta in 1937 (1344 Bengali Era)

8) Hazrater-Jiban-Nity (Ideals of the Prophet's life):

This booklet of 96 pages describes of the moral teachings of the Prophet of Islam (Sm). It was published from Rajshahi in 1965.

9) Hilali Rachanabuli (Collection of Hilali's writings vol.1)

It contains two published booklets viz; Khalida Edib Khanam and Al-Biruni, six articles in English and eleven in Bengali (both published and unpublished), letters of learned personalities addressed to Dr. Hilali including his life and works. Among these celebrated figures the names of a few, as for example Dr. Suniti Kumar Chatterji of Calcutta University, Dr. J. S. Taraporewala of Bombay, Dr. U. M. Daudpota (Bombay), Seiyama Prasad Mookerjee of Calcutta, Nawab Sir Amin Jang Bahadur (Hyderabad) and Dr. Muhammad Enamul Haq, Director, Bengali Academy of Dhaka may be mentioned. It consists of 233 pages and was published by his son, Mr. Humayun Khalid from Rajshahi in September, 1981.

His works:

The scholarly personality of Dr. Sheikh Ghulam Maqaud Hilali in various fields of knowledge may be assessed from his writings in different languages and on varied subjects. These may be divided into following categories:

Part - I (Published)**A. English****1) A Manual of Persian Grammar:**

This book was compiled for the students of Matriculation and Intermediate classes and published by the author from the Alexandra S.M. Press, Dacca, in 1934. It consists of 223 pages.

2) Ash'ar-i-Taran:

It is a compilation of Persian verses of Ramtaran Mukherji (1793-1860), a contemporary of Raja Ram Mohan Roy of West Bengal. These verses were also rendered into English with an introduction by Dr. Hilali and published in 1938. It consists of 46 pages. It also includes Persian prose compositions of the poet.

3) Islamic Attitudes towards Non-Muslims:

This is a booklet of 55 pages which deals how the Muslims behaved with the Non-Muslims within the frame work of Islam. It was published by the author from Rajshahi Printing Works, Rajshahi, in 1952.

4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence:

This is the doctoral thesis of Dr. Hilali submitted in the University of Calcutta in 1949. It was published in the journal of the Asiatic Society of Pakistan (Dacca), vol. VIII, nos. I & II, in 1963. Its Bengali translation appeared from the Bengali Academy, Dacca, in 1979.

The author has critically examined the influence of Iran on Islam with numerous examples and at the same time the impact of Islam on Iran in various aspects of life specially in historical, religious and cultural perspectives. This is actually a unique type of book which shows the wide range of knowledge of the author and his painstaking labour in research work.

books. Apart from other subjects i.e history, biography, Islam, Qu'ran and literature, his profound learning and high intellectual attainments provided him with an opportunity to specialise himself in the field of Philology as it is evident from his following books:

- 1) Perso-Arabic Elements in Bengali,
- 2) Hindi-Urdu Elements in Bengali,
- 3) Iranian Philology,
- 4) Iran and Islam: Their Reciprocal Influence.

After the first quarter of the 20th Century, there were a few educationists in Bengal who were interested in the Science of Languages among whom Dr.Suniti Kumar Chatterji, Dr.Muhammad Shahidullah, Dr.Muhammad Enamul Haq, Dr.Sheikh Ghulam Maqsum Hilali, Dr.Din Mohammad and Professor Abdul Hay's name be mentioned.

Dr.S.K.Chatterji, apart from being the senior most, was a top ranking philologist of Asia as well as an internationally known figure. He was equally qualified in the Semetic, Indo-Aryan and Iranian group of Languages. The field of the other philologists was mostly confined to Bengali or broadly speaking to the Indo-Aryan group of languages. Dr.Hilali, besides Indo-Aryan, also extended the horizon of his study towards the Indo-Iranian as well as the Semetic group of languages in which he still stands unrivalled among the Bengali writers. It was a long felt gap which was filled by Dr.Hilali in the midst of the 20th century and appreciated by his contemporaries specially by Dr.S.K.Chatterji and Dr.Muhammad Enamul Haq. It is up to his readers to judge how far he was successful in his efforts which was achieved with hard labour and great patience. It is beyond doubt that he was a secluded, calm and quiet scholar who could not see most of his important works in published form.

Last days:

After his retirement from the Degree College, Sirajganj in 1960, Dr.Hilali enjoyed his free life for about a year. He expired on Monday, the 17th December, 1961 in the evening and was buried at Sirajganj.

His son, Mr.Hamayun Khalid, an Assistant Engineer in the University of Rajshahi has been organising a seminar at Rajshahi and Sirajganj every year in memory of Dr.Hilali and holding ceremonies of awarding 'Hilali Prize' among the successful students after essay competition.

When the Christian missionaries criticised Islam, Dr. Hilali could not but protest against it and wrote its rejoinder in the 'Light', a weekly magazine published by the Ahmadi Mission at Lahore.

While studying in the University, Dr. Hilali formed an association under the title of 'Tanzim'. The aims and objects of the association was to remove superstitions from the Muslim Society and to advise the people to adopt various professions so that the society may not suffer from any handicap.

When Saifuddin Kitchlu a famous Muslim leader came to Sirajganj on the invitation of 'Tanzim' he delivered his speech in Urdu, which was translated by Dr. Hilali in Bengali in an impressive way. Thus Dr. Hilali came in contact with an all-India fame personality on one hand and was introduced to the public as an orator had on the other hand.

Teaching life:

Dr. Hilali started his teaching career from the Sa'adat College in Karatia, the present district of Tangail in the year 1926. During 1928-30, he practiced in the Judges' Court at Pabna. But due to his mental aptitude towards knowledge and learning he left his profession of law and again joined the Sa'adat College at Karatia.

Later on he joined the Government College at Krishnagar and served the presidency College at Calcutta and Government College at Chittagong. He was transferred to the Government College, Rajshahi in 1943 from where he retired as Professor of Arabic and Persian on 30th November, 1956. He also worked as an Assistant Inspector of Schools for Muslim Education, Chittagong Division for about a year and while at Rajshahi as Curator of Varendra Research Museum for a short period.

He was re-employed in the Degree college at Sirajganj where he served during 1957 and 1958. Then he was appointed as Research Officer in the Bengali Academy at Dacca in the year 1959. He again joined the Degree college, Sirajganj where he taught till the end of 1960.

As Scholars:

Dr. Hilali, as I know him, was keenly interested in the pursuit of knowledge since his student life. Even during his teaching profession, Dr. Hilali, used to devote his time in regular study and believed in the dictum that labour makes a man perfect. His intelligence Combined with labour crowned his knowledge with success. Bengali was his mother tongue where as English was his medium of teaching. Arabic and Persian being his special subjects of study, he learnt through his personal efforts certain other languages e.g., Phalavi, Avesta, Sanskrit, Hindi, Urdu, French, Turkish, Italian and German. He had a small but very useful personal collection of

Life & Works of Dr.Hilali

Early life:

The illustrious son of Sheikh Abdul Jabbar Munshi, Dr.Sheikh Ghulam Maqaud Hilali was born on the 30th of November, 1900, in village Phulbari of Sirajganj sub-division, in the district of Pabna. The name of his grand father was Sheikh Zakiuddin Munshi who was a teacher. As his fore-fathers belong to an educated class better known as 'Munshi', his house was famous as 'Munshi Bari'. Mother of Dr.Hilali, Khush Mahal, was the daughter of the celebrated Saikh family of Sirajganj.

Educational Career:

Dr.Hilali started his student life from the school of Janab Ali Khan situated in a village near Phulbari. Maulana Abdul Hamid Khan Bhashani, the famous socio-political leader, though a few years senior to him, was his class fellow there and used to live by the side of the same school. Thereafter he studied in Islamia Middle English School of Sirajganj and Passed his Matriculation Examination in 1918 from Sirajganj Victoria High School. He passed the I.A and B.A examinations from Edward College, Pabna in 1920 and from Rajshahi College in 1922 respectively. He took his M.A. degree in Persian Language and Literature in the year 1924 from Calcutta University and was placed Second in first Class. In 1932 he appeared as a private candidate at the M.A. Arabic of Calcutta University securing first position in First Class and was awarded a Gold Medal. He received his D.Phil degree from the University of Calcutta in the year 1949, the subject of his doctoral thesis being 'Iran and Islam: Their Reciprocal Influence'. He also completed the Bachelor of Law from the University of Calcutta in 1927.

Social activities:

From his very boyhood Dr.Hilali was interested in Social welfare activities. It so happened that in 1915 he opened a school in a room of his house for the illiterate children of his locality. This initiative of Dr.Hilali was encouraged by his elders. After some time the school was transferred to a better place by the school authority there and gradually it was established as a standard school.

On his success in the different examinations, Dr.Hilali used to get books as prizes which inspired him to establish a Library for the local people in his own house.

without the authentic source books. Unfortunately, in this respect Bangladesh is very poor.

While editing the present manuscript I have adopted the following methods:

- 1) Persian words at certain places have been arranged alphabetically.
- 2) Pronunciation of Persian words have been given in Roman Letters so that who are not acquainted with persian may be benefited.
- 3) Diacritical marks have been used according to the internationally accepted rules in order to facilitate the readers for correctly pronouncing the words.
- 4) Punctuation has been put as per rules of grammar for clarifying the meaning of words.
- 5) Spelling of a few words e.g., 'Pahlawi' and 'Sasanian' have been revised as 'Pahlavi' and 'Sassanian' wherever necessary.
- 6) Phonetical signs over 'n' e.g., n, n, have been dropped as this is a work of philology and not of phonetics. Moreover, it will be difficult to maintain it in printing.
- 7) For ascertaining the exact form, meaning and pronunciation of each and every word, from beginning to end, I have tried to consult the books as mentioned above.
- 8) As Dr.Hilali is still not much known in Bangladesh, India and Pakistan, a separate chapter on his life and works has been added to introduce him.

Now I would like to mention one important point here. The learned author has named the book as 'Iranian Philology' on the plea that he has based it with Persian wrdps and provided its equivalents of different languages. But the main thing is that the words used for comparative meaning belong not only to the Indo-Iranian Family of Languages but also to the Indo-Aryan as well as Indo-European Families of Languages. It would, therefore, be justified, in my opinion, to name the book as 'Etymological Dictionary' which can cover the area of all the families of Languages used in it.

My thanks are due to Mr.Humayun Khalid for providing me with the manuscript and my son Engineer Ijaz Kalim for translating the Bengali materials related to the biography of the author. I would be unfair if I do not thank Mr.Rustam Ali Sheikh of Rajshahi University who took interest in neatly and correctly typing the manuscript with diacritical marks.

Introduction

The present work is based on a manuscript compiled by Dr. Sheikh Ghulam Maqsud Hilali in the year 1945. Dr. Hilali was a devoted teacher, a seeker of knowledge who was keenly interested in philology. During his teaching career he used to study regularly. This book is the result of his painstaking effort. Mr. Humayun Khalid (son of Dr. Hilali), an Assistant Engineer in the University of Rajshahi, is to be congratulated that inspite of his pre-occupations in his professional work, he took care of preserving the manuscript for about 34 years after the death of his father in 1961.

Though apparently a short script, it was not, in fact, an easy job to go through this manuscript and confirm its contents with full confidence without having proper knowledge of various languages used by its author. The source materials at my disposal were also limited. Non-availability of dictionaries specially of Pahlavi, Avesta and old Persian Languages made my work difficult. Under the circumstances, the job of editing of the manuscript became impossible at Rajshahi. I had to go, therefore, for the purpose to Dhaka, but the source materials there also were not easily available because of their misplacement in book-shelves also for declining interest with the Iranian Languages.

I have, however, consulted *Lughatname-i-Dehkhuda* (incomplete), *Farhang-i-Farsi* by S. Haim, *Farhang-i-'Amid* by Hasan 'Amid, *Farhang-i-Nizam* (incomplete) by Aghai Sayed Muhammad Ali, *Persian Dictionary* edited by F. Steingass and the dictionaries of various European and Indian Languages. In spite of that I can not say that as an Editor I have discharged my duties perfectly.

Dr. Hilali has not mentioned his sources in the manuscript. I believe that he has learnt most of the languages through his personal efforts and not by attending any institution in this connection. I have found in his personal collection a booklet in three parts entitled 'Lessons in Pahlavi-Pazend' by Sheriarji Dadabhai Bharucha, an Honourary Fellow of the University of Bombay and his correspondence with Dr. I. J. S. Taraporwala of Bombay University. Dr. Hilali, as it appears, has utilised these sources in respect of Pahlavi, Avesta, old Persian and Sanskrit languages. But while exactly putting the words of these languages, he has confused at certain places. I have ascertained them with the help of the above mentioned sources. I have my limitations too, as my knowledge of Iranian Languages which I learnt at the University of Tehran (Iran) is not sufficient enough for editing

THE MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

THE
MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

THE
MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

THE
MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

THE
MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

THE
MOUNTAIN

BY
J. M. COLEMAN

WITH
ILLUSTRATIONS BY
J. M. COLEMAN

A Concise Etymological Dictionary of Persian Language

By

Dr. Sheikh Ghulam Maqsood Hilali

(d. 1961)

Edited by

Dr. M. Kalim Sahasrarni
Rajshahi University, Rajshahi

Bangladesh

CONTENTS

Journal No. 103

English Section

Farhang-i Hilali	Ed. by Dr.Kalim Sahsrami	1
An Early Source for Arab Historiography	F.M.Donner	33

Urdu/Persian Section

The Problem of Urdu Language: A discussion		1
---	--	---

Participants:

<i>Dr.Masood Husain Khan, Mr.Jamna Das Akhtar, Mr.Syed Hamid, Prof.Md.Mohsin, Mr.Syed Hashim Ali, Dr Abul Faiz Sahar, Dr.Khaliq Anjum, Dr.Gopi Chand Narang,Nawab Rahmatullah Khan Sherwani, Mr.Taqi Rahim, Dr.Ansarullah, Mr.Rashid Hasan Khan,Mr.Masood Ahmad Barakati, Mr.Adbul Latif Azmi, Miss Qurratul Ain Haider, Mr.Mazhar Imam, Dr.Ejaz Ali Arshad, Mr.Ghulam Sarwar, Dr.Hanif Kaifi, Dr.Mohammad Hasan & others</i>		1
---	--	---

An Urdu Encyclopaedia of Islam:		
Index of Burhan		113
Dr.Kidwai's two Urdu Articles, <i>Written half a Century Back</i>		193
Shia Sunni Issue & Nadir Shah		221
Rationalist Ulema of India	Abdus Salam Khan	231
Jinnah	M.R.A.Baig	323
Hindus under Muslim Rule		367
Commentary on Surah Fatiha & Surah Ikhlas	Khuda Bakhsh Khan	395
Two Urdu Translations	Khuda Bakhsh	427
Love Offerings	Khuda Bakhsh	447
Shah Abdul Aziz & Shia Sunni Issue	Shah Faizre Alam	449
My Prophet	Munazir Ahsan Gilani	452
Manuscript of Aina-i Kalpi	Altaf Husain Sherwani	455

1996

Price Rs. 75/-

Printed by Pakeeza Offset Press, Muhammadpur, Shahganj, Patna
and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna.

Khuda Bakhsh Library Journal

103

**Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna**

